400

مظہر ولایت

ترجمہ اردو

مؤلف: آیت اللہ سید اصغر ناظم زادہ قمی

مترجم حسین نواز جعفری

انتشارات انصاریان

Ansariyan Publications

Ansariyan Publications

Acc No. 11,033 Date 16/2/10
Section حضرت امام علیؑ Status
D.D. Class
NAJAFI BOOK LIBRARY

مظہر ولایت

مؤلف

استاد المحققین آیۃ اللہ سید اصغر ناظم زادہ قمی

مترجم: حسین نواز جعفری

NAJAFI BOOK LIBRARY
KARACHI
72111

ناظم زادہ قمی، سید اصغر، ۱۳۲۳ ۔

مظہر ولایت / اصغر ناظم زادہ قمی؛ مترجم حسین نواز جعفری ۔ قم: انصاریان، ۱۳۸۵.

۵۴۱ ص.

ISBN: 964-438-839-9

۱۔ علی بن ابی طالب (ع)، امام اول، ۲۳ قبل از ہجرت ۔ ۴۰ق. ۔ سرگذشتنامہ. الف. نواز جعفری، حسین، مترجم.

ب. عنوان.

BP۳۷/ن۴م۲۶ ۲۹۷/۹۵۱۵

مظہر ولایت (ترجمہ اردو)

امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے زندگی از تولد تا رحلت خاتم ﷺ

مؤلف: استاد المحققین آیت اللہ سید اصغر ناظم زادہ قمی

مترجم: حسین نواز جعفری

تصحیح: حسن رضا مظفر نگری

ناشر: انصاریان پبلیکیشنز

طبع اول: ۲۰۰۶ ۔ ۱۴۲۷ ۔ ۱۳۸۵

چھاپخانہ: قدس

تعداد صفحات: ۵۴۴ ص.

تعداد: ۲۰۰۰

سائز: mm۲۲۹x۱۶۲

ISBN: ۹۶۴ ۔ ۴۳۸ ۔ ۸۳۹ ۔ ۹

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

انصاریان پبلیکیشنز

پوسٹ بکس نمبر ۱۸۷

قم ۔ جمہوری اسلامی ایران

فون نمبر: ۷۷۴۱۷۴۴ ۔ ۷۷ فیکس نمبر: ۷۷۴۲۶۴۷ ۔ ۲۵۱ ۔ ۰۰۹۸

Email: ansarian@noornet.net

w.ansariyan.net• www.ansariyan.org&ww

بسم الله الرحمن الرحيم

اجمالی فہرست

مضامین.................... صفحات

مقدمہ ۷

ولادت باسعادت.................... ۱۱

دوران حمل اور حضرت علی علیہ السلام کی جائے ولادت.................... ۱۵

نسب، کنیت، القاب ۳۵

والد محترم ۴۷

والدۂ محترمہ.................... ۸۹

بھائی بہنیں.................... ۹۹

آغوش پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں.................... ۱۱۵

اسلام وایمان میں سبقت.................... ۱۳۵

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پہلا نمازی.................... ۱۶۷

دعوت ذوالعشیرہ (یوم الانذار) ۱۷۳

لیلۃ المبیت ہجرت کا آغاز.................... ۱۹۱

عقد مبارک.................... ۲۳۱

حضرت علی علیہ السلام اور معرکۂ جہاد ۲۷۳
جنگ بدر ۲۷۵
جنگ احد ۲۹۷
جنگ خندق ۳۳۴
صلح حدیبیہ ۳۶۹
جنگ خیبر ۳۹۱
مسئلۂ فدک ۴۱۱
فتح مکہ ۴۲۱
جنگ حنین ۴۴۳
جنگ تبوک ۴۵۳
مشرکین سے برائت کا اعلان ۴۶۷
حجۃ الوداع ۴۶۹
یوم غدیر ۴۷۵
رحلت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۴۹۹
تفصیلی فہرست ۵۲۳
تالیفات مؤلف ۵۴۳

مقدمہ

ہر شعبہ میں تحقیق و مطالعہ کی قدر و قیمت کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ وہ تمام افراد اور معاشرے کے لئے کس حد تک اہم اور مفید ثابت ہو۔ ہماری تحقیقات انسان اور معاشرے کی مشکلات کو جتنا زیادہ حل کریں گی وہ اتنی ہی کامیاب سمجھی جائیں گی۔ البتہ ضروری ہے کہ حقیقی مشکلات و مسائل کی شناخت کی جائے اور ان کا حل تلاش کیا جائے۔ بیشک اخلاقی بے راہ روی اور روحانی مشکلات آج کے انسان لئے سب سے بڑا مسئلہ بنا ہوا ہے۔ لہذا تربیت ایک اہم ترین کام ہے کہ جس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے یہ وہ ضرورت ہے جس کے لئے ازل سے لیکر آج تک نیک اور خیر اندیش حضرات زور دیتے چلے آئیں ہیں۔

گزشتہ لوگوں کی زندگی سے عبرت حاصل کرنا اور عظیم ہستیوں کی سیرت و کردار سے درس لینا، تربیت کے موثر ترین طریقوں میں ایک طریقہ ہے۔ قرآن و احادیث معصومین علیہم السلام میں بھی اس چیز کے بارے میں تاکید کی گئی ہے۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ فتنہ پرور اشخاص نے تاریخی واقعات میں تحریف کر کے شبہات کے ذریعے شخصیات چہرے مسخ کر دیئے ہیں۔ محبت و نفرت، قدرت طلبی، تعصب اور تکبر، مختصر یہ کہ نفسانی خواہشات اس بات کا موجب بنی کہ بعض افراد بلاوجہ تاریخ میں بلند مقام پر بٹھا دیئے گئے اور نمونہ اور آئیڈیل کے طور پر پہچوائے گئے۔ بعض کو ان کے

مرتبہ و مقام سے نیچے گرادیا گیا، اوران کو جاہ طلب افراد کی فہرست میں شامل کردیا گیا۔ اسی تحریف اور غلط طور طریقہ کے پیش نظر کچھ لوگ تاریخی اسناد میں غور وفکر کا بوجھ اپنے سر لے کر، پوری ذمہ داری کے ساتھ کمر توڑ زحمتیں برداشت کر کے، اسناد کی چھان بین، اور واقعات وشخصیات کا درست تجزیہ و تحلیل کرتے ہیں اس طرح یہ صحیح تاریخ، تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دیتی ہیں۔ ہم علم تاریخ کو اس نظریئے سے دیکھتے ہیں اور اسے انسانی رشد وکمال کے لئے ایک مفید وسیلہ قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ سیرتیں، سوانح اور گزشتہ امتوں کی داستانیں، خاص طور پر پاکیزہ انسانوں یعنی چہاردہ معصومین علیہم السلام کی زندگیاں، تاریخ کے مختلف اوراق میں پنہاں ہیں۔

انسانی نمونوں میں سے ایک بڑا نمونہ اور پاکیزہ ترین انسان امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی ذات گرامی ہے۔ آپ کی ساری زندگی درس آموز اور انسان ساز ہے۔ آپؑ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گود کے پالے اور اللہ کے نیک بندے ہیں۔ درحقیقت یہ انسان کامل ایک ایسا بحر بے کراں ہے کہ جس میں انسانی فضائل موج زن ہیں۔ ہر حق طلب انسان اس دریائے عظیم میں غوطہ زن ہو کر، بیشمار گراں موتی مونگوں سے مالا مال پلٹتا ہے۔ عدالت، شجاعت، علم اور فضیلت کی عظیم اور بلند موجیں جو کہ انسانی معاشروں کے ساحل کے ساتھ چودہ صدیوں سے ٹکرا رہی ہیں وہ انسانی کانوں کو دلنواز نوازش دے رہی ہیں۔ یہ بحر بے کراں تاریخ میں ہمیشہ متلاطم اور موج زن رہا ہے اور انسانی کانوں میں رس گھولتا رہا ہے۔ اس بحر بے کراں میں جس قدر تلاش وجستجو کی جائے گی اتنے ہی گوہر تازہ نصیب ہوں گے۔

لہٰذا اگر اس حوالے سے باضابطہ اور اصولی کام بار بار کئے جائیں تو انھیں تکرار لا حاصل نہیں کہا جاسکتا۔ ہر ایک کو چاہیئے کہ وہ مختلف تحقیقی اور فنی وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی ہمت کے مطابق اس عظیم شخصیت کو مختلف پہلوؤں سے معاشرے کو روشناس کرائے۔

مختلف سن وسال اور مختلف سطح فکر کے لوگ اس انتظار میں ہیں کہ اس خورشید تاباں کے انوار

سے انسانی معاشرہ منور ہو۔ اسی ضرورت کے پیش نظر خداند تعالیٰ کی امداد اور حضرت علی علیہ السلام کی عظیم روح مطہرہ سے توسل کر کے قلم کو جنبش میں لایا تا کہ یہ تحقیق آہستہ آہستہ ایک دائرۃ المعارف کی شکل اختیار کر لے۔

اس کام کا آغاز سب سے پہلے عربی زبان میں کتاب بنام "الفصول المائه" ہوا اور پھر "تجلی امامت" "جلوه های حکمت" اور آئینۂ عرفان" نامی؛ فارسی، انگلش اور اردو کتابوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اور اب اسی کتاب "مظهر ولایت" میں جو آپ کے دست مبارک میں ہے۔ اس عظیم شخصیت کی ولادت باسعادت سے لیکر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت تک کی زندگی کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ اس جلد میں ولادت کی کیفیت، والدین گرامی قدر، خاندانی اصل ونسب، بچپن اور جوانی کا زمانہ، تربیت و پرورش کی کیفیت، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان اور ہمرکابی، جنگیں، شادی مبارک وغیرہ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔

اس کتاب کے ساتھ ساتھ امام علی علیہ السلام کی زندگی کے دائرۃ المعارف کی دوسری جلد امام علی علیہ السلام دوستوں کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔ امید ہے کہ بارگاہ خداوندی میں درجہ قبولیت پائے اور مولائے کائنات کے ہم سے خوش ہونے کا ذریعہ بنے۔

سب سے آخر میں اپنے پیارے بیٹے سید محمد ناظم زادہ کی مسلسل زحمتوں کا شکریہ ادا کرنا کہ جنھوں نے اس کتاب اور میری تمام کتابوں کی تیاری میں میرا ساتھ دیا۔ اسی بابت ان کی کامیابی، کامرانی اور توفیق یابی کی دعا کرتا ضروری سمجھتا ہوں۔

(آمین یارب العالمین)

ولادت باسعادت

وُلِدَ علیٌّ علیه السلام فی داخل الکعبه و کَرَّمَ اللّٰهُ وَجهَهُ عن السجود لِاَصنامها فکاَنّما کان میلادُهُ ثَمَّۃَ اِیذاناً بِعهدٍ جدیدٍ للکعبة و للعبادة فیها؛.

حضرت علی علیہ السلام کعبہ میں پیدا ہوئے خدا کے کرم وعنایت سے آپ نے ہرگز بتوں کو سجدہ نہ کیا کعبہ میں علی علیہ السلام کی ولادت درحقیقت کعبہ کے لئے اور کعبہ میں عبادت کے لئے ایک نئے دور کے آغاز کا پیغام تھا۔(۱)

شب انتظار تمام ہوئی، زمین پر صبح مسکرائی، آسمان پر سورج نے آنکھ کھولی، اس کی روشنی سے زمین جگمگا اٹھی، اور آہستہ آہستہ اس نے اپنا نور ہر طرف بکھیر دیا اور نصف کرہ خاکی اس کی روشنی سے چمک اٹھا، لیکن اچانک اس کی روشنی پھیکی پڑگئی اور زمین سے طلوع ہونے والے خورشید کی روشنی کے مقابلے میں اس نے سر تسلیم خم کرلیا۔ اسی دوران کعبہ میں ایک مولود نے آنکھیں کھولیں۔ اور باہر تک نور افشانی کردی جس کے ملکوتی نور نے کعبہ کی دیواریں شق کردیں۔ اور جس کے نور کی شعاعوں نے ہر جگہ کو روشن و منور کردیا یہ مولود حضرت علی علیہ السلام تھے۔

---

(۱) عبقریۃ الامام علی، محمود عقاد، ص ۴۳۔

حضرت علی علیہ السلام ہاشمی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ ماں اور باپ دونوں کی طرف سے ہاشمی ہیں آپ کے والد ''ابو طالبؑ'' بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد منافؑ۔ اور والدہ ''فاطمہ'' بنت اسد بن ہاشم بن عبد منافؑ ہیں۔

قبیلہ بنی ہاشم، اخلاق فضائل اور انسانی کمالات کے حوالے سے تمام عرب قبائل، مخصوصا قبیلہ قریش کے درمیان زبان زد خاص و عام تھا۔ مروت، ہوش وزیرکی اور شجاعت وسخاوت بنی ہاشم کی خاص صفات ہیں۔ یہ تمام صفات اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ میں منتقل ہوئیں۔

نور علیؑ قبل از ولادت

علامہ حلی نے اخطب خوارزم سے انھوں نے عبد اللہ بن مسعود سے نقل کیا ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا ''جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلق فرمایا، اور اپنی روح اس میں پھونکی تو آدمؑ کو چھینک آئی۔ اور ''الحمد للہ'' کہا خداوند عالم نے آپ پر وحی نازل کی اور فرمایا:

''حمد تنی عبد و عزتی و جلالی لو لا عبد ان ارید ان اخلقهما فی دار الدنیا ما خلقتک''؛

''اے بندے تو نے میری حمد بجالائی، مجھے اپنی عزت وجلالت کی قسم اگر مجھے دنیا میں دو بندوں کو خلق نہ کرنا ہوتا تو تجھے بھی خلق نہ کرتا۔''

حضرت آدم نے عرض کی: ''خدایا وہ دو بندے مجھ سے ہیں؟ خطاب ہوا ہاں. اپنا سر اوپر کرو اور دیکھو! آدمؑ نے اپنا سر اوپر کیا، دیکھا کہ دامن عرش پر لکھا ہے۔

''سوائے وحدہ لاشریک کے کوئی معبود نہیں۔ محمدؐ نبی رحمت ہیں اور علیؑ اللہ کی برہان اور حجت ہیں جس نے حق علیؑ کی معرفت حاصل کر لی وہ پاک و پاکیزہ ہوگا۔ اور جس نے اس کے حق کا انکار کیا

وہ ملعون اور سراسر گھاٹے میں ہے۔ مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم جس نے علیؑ کی اطاعت کی وہ بہشت میں جائے گا۔ اگر چہ اس نے میری نافرمانی کی ہو۔ اور جس نے علیؑ کی مخالفت کی اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اگر چہ وہ میرا مطیع ہی ہو۔ (۱)

درج بالا حدیث اور اس سے ملتی جلتی احادیث کی وضاحت یوں کی جا سکتی ہے کہ حضرت علیؑ کا راستہ رسول خداؐ سے الہام لیتے ہوئے، اسلام حقیقی ہے۔ تو جو شخص حضرت علی علیہ السلام کے راستے پر چلے، گویا کہ اس نے حقیقی اسلام کا راستہ اختیار کیا اور نجات یافتہ اور بہشتی ہے۔ اگر چہ کبھی کبھار اس نے گناہ بھی کیا ہو۔ اس کے برعکس اگر کوئی جان بوجھ کر امام کے راستے سے ہٹ جائے، چونکہ یہ اسلام کامل سے بغاوت ہے لہٰذا وہ منحرف ہو گیا اور عذاب کا مستحق قرار پایا، اگر چہ بعض احکام الٰہی پر عمل بھی کیا ہو۔

سلمان نقل کرتے ہیں "میں نے اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا۔ آپؐ نے فرمایا: "خدا نے خلقت آدم سے چار ہزار سال قبل، مجھے اور علیؑ کو ایک ہی نور میں رکھا۔ تو جب آدمؑ کو پیدا کیا تو ہمارا نور صلب آدمؑ میں منتقل کیا، یہ نور اسی طرح دیگر طاہر صلبوں میں منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ صلب عبدالمطلبؑ میں پہنچ کر ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ ایک میرا نور اور دوسرا علیؑ کا نور۔ (۲)

حضرت علی علیہ السلام کی تاریخ ولادت

حضرت علی علیہ السلام روز جمعہ، ۱۳/رجب المرجب ۳۰ عام الفیل (۳) کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

---

(۱) کشف الیقین، ص ۷۔ (۲) کشف الیقین، ص ۱۱۔

(۳) عام الفیل وہ سال کہ جب حبشیوں نے ہاتھیوں پر سوار ہو کر خانہ کعبہ کو ویران کرنے کی غرض سے مکہ پر حملہ کر دیا۔ اس وقت کعبہ کی سرپرستی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد حضرت عبدالمطلبؑ کے ذمہ تھی، خدا (باقی اگلے صفحہ پر)

بعثت سے دس سال قبل خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے۔(۱) یہ ایک ایسی فضیلت اور شرافت تھی جو خداوند منان کی طرف سے ان کو حاصل ہوئی اور پوری تاریخ میں کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوئی۔ گویا آپ کی والادت اس مقدس اور متبرک مقام پر کعبہ اور کعبہ میں عبادت کے لئے نئے دور کا آغاز تھا جیسے کہ علی علیہ السلام نے شروع ہی سے مسلمان، ہی آنکھ کھولی، چونکہ آپ کی والدہ گرامی فاطمہ سلام اللہ علیہا بنت اسد اس مبارک مولود کو خانۂ خدا سے باہر لائیں، تو آپ نے سب سے پہلے حضور نبی کریمؐ کے چہرے اقدس کی زیارت کی۔ اور بلا فاصلہ کلام خدا کو زبان پر جاری کیا ﴿قد افلح المومنون الذين هم في صلاتهم خاشعون﴾ (۲) جب آپ کو گھر لائے تو آپ کے والد حضرت ابو طالبؑ نے "علیؑ" نام رکھا۔ جو کہ اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ علیؑ نام اس لئے رکھا تا کہ عزت و سر بلندی ہمیشہ آپ کے قدم چومتی رہے۔

نے ان سب کو ابابیل کے ذریعہ ہلاک کر دیا۔ یہ سال دور جاہلیت میں عرب کی تاریخ کا آغاز سال تھا مسلمان ۱۸ ار ہجری تک عام الفیل سے بعنوان مبداء تاریخ استفادہ کرتے تھے۔ اس سال حضرت علی علیہ السلام کی راہنمائی سے ہجرت پیغمبر اسلام کو مبداء تاریخ قرار دے دیا گیا۔

(۱) قول مشہور یہی ہے۔ غیر مشہور کے مطابق سال ولادت بعثت سے ۱۲ سال قبل ہے۔ (مراۃ العقول، ج ۵، ص ۲۷۶؛ بحار الانوار، ج ۳۵، ص ۷)۔

(۲) مومنون ۲۳: ۱-۲۔

دوران حمل اور حضرت علی علیہ السلام کی جائے ولادت

حضرت علی علیہ السلام کی ولادت معمولی بچوں کی طرح نہ تھی

آپ کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد ہیں جو پیغمبر اسلامؐ پر ایمان لانے والی پہلی خواتین میں شامل ہیں اور بعثت سے بھی پہلے موحد اور خدا پرست تھیں۔ اور دین حنیف ابراہیمؑ کی پیروی کرتی تھیں آپ ہمیشہ بارگاہ خداوندی سے مناجات کرتیں اور خدا سے دعا کرتیں کہ ان پر حمل آسان ہو جائے۔ جب تک آپ حاملہ علی علیہ السلام رہیں ایک نور الٰہی ان کے گرد طواف کرتا رہا، گویا کہ ان کو الہام ہو گیا تھا کہ یہ بچہ دوسرے بچوں سے الگ اور ممتاز ہے۔(۱)

شیخ صدوق اور دیگر محدثین، سعید بن جبیر سے اور وہ یزید بن قعنب سے روایت کرتے ہیں کہ ”میں عباس بن عبد المطلب اور قبیلہ عبد العزیٰ کے کچھ افراد کے ساتھ بیت اللہ الحرام کے پاس بیٹھا ہوا تھا؛ اچانک کیا دیکھا کہ فاطمہ بنت اسد“ حضرت علیؑ کی والدہ پر ولادت کا درد ظاہر ہوا، آپ مسجد سے نکل نہیں پا رہی تھیں۔ اسی دوران دست دعا بلند کئے اور فرمایا:

خداوندا! میں تجھ پر، تیرے رسولوں پر اور آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتی ہوں اور جد امجد حضرت

(۱) جیسا کہ حضرت خدیجہ بھی حضرت فاطمہ زہراؑ کے حمل کے وقت ایسے ہی تھیں۔

ابراہیمؑ کی بات پر کہ جو اس گھر کو بنانے والے ہیں، ایمان رکھتی ہوں۔ اس گھر کے بنانے والے کے صدقے اور اس مولود کے صدقے میں، جو میرے رحم میں ہے، میری مشکل آسان فرما۔(۱)

یزید بن قعنب کہتے ہیں ''ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ خانہ کعبہ کی پیچھے والی دیوار (مستجار کی طرف سے) شق ہوئی، اور فاطمہؑ بنت اسد خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئیں، اسی اثناء میں وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئیں، اور دیوار دوبارہ مل گئی۔ ہم نے بڑی کوشش کی کہ خانہ کعبہ کا تالا کھولا جائے مگر ایسا نہ ہوا۔ ہم سمجھ گئے کہ اس میں کوئی حکمت پوشیدہ ہے لہٰذا ہم چھوڑ دیا۔ چوتھے روز اچانک دیکھا کہ فاطمہؑ بنت اسد اپنے ہاتھوں پر موتی کی طرح اپنے بیٹے علیؑ کو لئے کعبہ سے برآمد ہوتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

'' انی فضلت علی من تقد منی من النساء......''

مجھ کو مجھ سے پہلی تمام عورتوں پر فضیلت اور برتری دی گئی ہے۔ کیونکہ آسیہ بنت مزاحم مخفیانہ طور پر خدا کی عبادت کرتی تھیں، اور مریم بنت عمران نے خشک شاخ سے تازہ کھجور کو توڑ کر کھایا۔ لیکن میں خانہ خدا میں داخل ہوئی اور جنتی کھانے کھائے۔ اور جب باہر آنے لگی تو میرے کانوں میں یہ آواز آئی۔

یافاطمه ، سَمّیهِ علیًا فهو علی و اللّٰه العلیّ الا علی یقول: شَقَقْتُ اسمَهُ مِن اسمی و اَدَّبتُه بِاَدبی......؛

اے فاطمہؑ اس کا نام علیؑ رکھو یقیناً وہ بلند مرتبہ ہے اور خدائے بزرگ و برتر فرماتا ہے: میں نے اس کے نام کو اپنے نام سے مشتق کیا ہے اور اسے اپنے اخلاق سے آراستہ کیا ہے۔ اسے علمی مشکلات سے آگاہ کیا ہے۔ یہ وہی ہے جو میرے گھر میں موجود بتوں کو توڑے گا، یہی کعبہ کی چھت پر

(۱) امالی صدوق، مجلس ۲۷، ح ۹۔ کشف الغمہ، ج ۱، ص ۸۳؛ علل الشرائع، باب ۱۱۵، ص ۱۳۵، ح ۳؛ ناقب المناقب، ص ۱۹۷، ح ۱۷۳؛ بحار الانوار، ج ۳۵، ص ۸۔

اذان دے گا اور میری حمد وثنا بیان کرے گا۔

پھر اسی غیبی آواز نے کہا:

فطوبی لمن اَحَبَّہُ و اَطاعہ، وویلٌ لمن اَبغَضَہُ وعصاہ؛

خوشبخت ہے وہ شخص جو اسے دوست رکھے، اور اس کی پیروی کرے۔ ویل اور بربادی ہے اس کے لئے جو اس سے دشمنی رکھے اور اس کی نافرمانی کرے۔(۱)

علامہ حلی نے کشف الیقین میں بشارت المصطفیٰ سے درج بالا روایت نقل کی ہے۔ اور مزید تحریر کی ہے کہ "فاطمہ بنت اسد کہتی ہیں: جب یہ خبر حضرت محمد تک پہنچی، تو آپ بہت خوشحال اور مسرور ہوئے۔ اس وقت آنحضرت کی عمر تیس برس تھی۔ آپ علیؑ کو بہت دوست رکھتے تھے اور فرماتے تھے:

"اجعلی مَھدَہُ بِقُربِ فراشی"؛ اس کا گہوارہ میرے بستر کے نزدیک رکھو۔(۲)

اکثر اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علیؑ کا جھولا جھولاتے تھے، اور دودھ یا شربت آپ کے منہ میں ڈالتے تھے۔ آپ کا منہ ہاتھ دھلاتے اور بہت پیار کرتے تھے آپ کو سینے پر لٹاتے اور اپنے پہلو میں بٹھاتے تھے، اور فرماتے تھے:

"ھذا اخی و ولیی و ناصری و صفتیی و ذخری و کھفی و صھری و وصیی و زوج کریمتی"

یہ میرا بھائی اور جانشین ہے، میرا مددگار، منتخب، ذخیرہ، پناہ، داماد، وصی اور میری بیٹی فاطمہؑ کا شوہر ہے۔

اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ رسول خداؐ آپ کو کاندھے پر بٹھاتے اور مکہ کے اطراف میں پہاڑوں

---

(۱) امالی صدوق، مجلس ۲۷، ح ۹؛ کشف الغمہ، ج ۱، ص ۸۳؛ علل الشرائع، باب ۱۱۵، ص ۱۳۵، ح ۳؛ ثاقب المناقب، ص ۱۹۷، ح ۱۷۳؛ بحار الانوار، ج ۳۵، ص ۸۔

(۲) کشف الیقین، ص ۱۷۔

کی طرف لے جاتے اور مکہ کی وادیوں اور نشیب وفراز میں سیر کراتے ۔۔دونوں پر اللہ کا درود وسلام ہو۔(۱)

ابن شہر آشوب اس داستان کو تھوڑے فرق کے ساتھ حسن بن محبوب سے، اور وہ امام صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں۔اس کے کچھ حصے یہاں پر تحریر کرتے ہیں۔امام صادقؑ نے فرمایا: کہ جب فاطمہ بنت اسد کفار قریش کے اس جنجال اور ہنگامہ آرائی سے دور رہ کر تین دن تک خانہ کعبہ میں قیام پذیر ہوئیں۔اور انھوں نے بہشتی پھل اور کھانے کھائے۔ چوتھے دن جب وہ خانہ کعبہ سے باہر آئیں تو علیؑ آپ کے ہاتھوں میں تھے، جیسے ہی آپ نے اس مبارک مولود کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں میں دیا، تو آپ نے فرمایا: ''آپ پر سلام ہو! اے بابا، اللہ کی رحمتیں اور برکتیں آپ پر نازل ہوں۔اس کے بعد فرمایا:

﴿بسم الله الرحمن الرحيم ۝ قداَ فلَحَ المؤمِنون ۝ الّذين هم فی صلاتِهم خاشِعون......﴾ (۲)

رسول خداؐ نے فرمایا: قد افلحوا بک ، انت والله امیر هم ، تمیر هم من علمک فیا تمرون ، وانت والله دلیلهم و بک والله یهتدون؛

اے علی علیہ السلام مومنین تیرے مبارک وجود کی بابرکت سے کامیاب ہوگئے خدا کی قسم تم ان کے امیر ہو علم ودانش سے ان کے فرمانروا ہو اور مومنین تمہارا حکم قبول کرتے ہیں۔اللہ کی قسم تم ان کے پیشوا ہو اور تمہارے ہی ذریعہ وہ ہدایت پاتے ہیں۔

حدیث میں مزید آیا ہے کہ رسول خداؐ نے اپنی زبان علیؑ کے منھ میں رکھی اور بارہ چشمے (۳)

(۱) امالی صدوق ،مجلس ۲۷، ح۹؛ کشف الغمہ ،ج۱، ص ۸۳؛ علل الشرائع ،باب ۱۱۵، ص ۱۳۵، ح۳؛ ثاقب المناقب، ص ۱۹۷، ح ۳/۱۷۳؛ بحارالانوار، ج ۳۵، ص ۸۔ (۲) مومنون۲۳: ۱-۲۔

(۳) اس سے مراد حکمت کے چشمے ہیں اور یہ معقول کی محسوس سے تشبیہ کے عنوان سے ہے۔

آپ کے منھ میں جاری ہو گئے۔تب سے اس دن کو"یوم الترویہ "(۱) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔دوسرے روز حضرت علیؑ نے رسول خداؐ کے چہرہ اقدس کی زیارت کی اور حضرت کو سلام کیا،اس کے بعد مسکرائے اور پیغمبرؐ کی طرف اشارہ کیا۔رسول خداؐ نے علیؑ کو گود میں لے لیا۔فاطمہؑ بنت اسد فرماتی ہیں:اسی روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام لوگوں سے علیؑ کا تعارف کرایا۔اسی وجہ سے اس دن کا نام روز عرفہ ہو گیا۔ولادت کے تیسرے دن ابوطالبؑ نے سب کو دعوت کی صورت میں تمام لوگوں سے درخواست کی کہ میرے بیٹے علیؑ کے ولیمے میں شرکت کریں۔ابوطالبؑ نے اس دن بہت زیادہ قربانی کی اور کھانا تیار کرایا۔

پھر سب سے فرمایا کہ جائیں!پہلے خانہ کعبہ کا سات مرتبہ طواف کریں،اس کے بعد میرے بیٹے علیؑ کی زیارت کریں!اور ولیمہ تناول کیجئے!انھوں نے ایسا ہی کیا یہی کام سنت ہو گیا کہ دس ذی الحجہ کو قربانی اور طواف کریں۔اسی حدیث میں مزید آیا ہے"فاطمہ بنت اسد نے حضرت علیؑ کو حضرت محمدؐ کے ہاتھوں میں دیا۔حضرت نے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی۔اور کلمہ شہادت کی تلقین کی۔بنابریں علیؑ فطرت اسلام پر پیدا ہوئے۔(۲)

حضرت علیؑ کی ولادت کے بارے میں رسول خداؐ کا فرمان:

علامہ گنجی شافعی خود اپنی سند سے جابر بن عبداللہ انصاری سے نقل کرتے ہیں"میں نے رسول خداؐ سے علیؑ کی ولادت کے بارے میں سوال کیا۔حضرتؐ نے فرمایا:

"لقد سألتنی عن خیر مولودٍ وُلِدَ فی شبہِ المسیح ، اَنَّ اللّٰہ تعالیٰ خلق علیًا

---

(۱)اس روایت کے مطابق حضرت علی علیہ السلام کی ولادت ۸/ذی الحجہ کو اور ترویہ ۹/ذی الحجہ کو روز عرفہ ہے اور دس کو عید قربان ہے۔البتہ یہ حدیث مشہور علماء کے نظریے کے خلاف ہے۔

(۲)مناقب ابن شہر آشوب،ج۲،ص۱۷۴؛بحارالانوار،ج۳۵،ص۱۷۔

من نوری و خلقنی من نورہ و کِلانا مِن نورٍ واحد......''؛

تو نے اس بہترین شخص کے بارے میں جو کہ حضرت عیسیٰؑ بن مریم کی طرح دنیا میں آیا، سوال کیا ہے۔ کیونکہ خدا نے علیؑ کے نور کو میرے نور سے اور میرے نور کو اپنے نور سے خلق کیا ہے اور ہم دونوں ایک ہی نور سے ہیں۔ خداوند عالم نے ہم کو ابو البشر کے صلب سے پاک و مطہر اصلاب کی طرف منتقل کیا یہاں تک کہ ہمیں بہترین رحموں۔ (یعنی مجھے رحم آمنہؑ میں اور علیؑ کو رحم فاطمہؑ میں منتقل کیا(۱)۔

قول امام صادق علیہ السلام:

ثقۃ الاسلام کلینی امام صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں:

جس وقت فاطمہؑ بنت اسد نے رسول خداؐ کی ولادت کی بشارت اپنے شوہر ابو طالبؑ کو دی۔ تو حضرت ابو طالبؑ نے فرمایا: ''اصبری سبتاً (۲) اُبَشِّرُکِ بِمثلِهِ اِلَّا النُبوّہ؛ تھوڑا انتظار کرو کچھ مدت گزرنے کے بعد تمہیں ایسے بچے کی ولادت کی بشارت دوں گا جو نبوت کے علاوہ تمام اوصاف میں محمدؐ کی طرح ہوگا۔ (۳) فارسی شاعر نے اس موقع کی مناسب سے کیا خوب کہا ہے:

جس روز علیؑ کعبہ میں پیدا ہوئے، علیؑ کے واسطے خدا نے کعبہ میں در بنا دیا۔ یعنی خدا نے اپنے گھر کو سارا کا سارا علیؑ کے لئے وقف کر دیا، سچ ہے کہ علیؑ معبود کے گھر کی پیداوار ہیں۔

(۱) کفایۃ الطالب گنجی شافعی، ص ۴۰۵؛ احقاق الحق، ج ۷، ص ۴۸۸۔

(۲) مراۃ العقول میں ''سبت'' سے مراد زمانہ اور روزگار لیا گیا ہے، اور نہایہ میں نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد زمانہ کی ایک مدت ہے، کم ہو یا زیادہ۔ (ج ۵، ص ۲۷۷)۔ کافی میں ہے کہ: سبت سے مراد نبی اکرم ﷺ اور حضرت علی کی ولادت کے درمیان ۳۰ رسال کا عرصہ ہے۔

(۳) کافی، ج ۱، ص ۴۵۲۔

کعبہ میں حضرت علی علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں علمائے اسلام کا اعتراف

شیعہ وسنی بزرگ علماء اور دانشوروں کا اتفاق ہے کہ حضرت علیؑ کی ولادت خانہ کعبہ میں واقع ہوئی مرحوم ''اردوبادی نے'' اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب تالیف کی ہے۔(۱)

یہاں پر چند شیعہ وسنی علماء کے نظریات بیان کرتے ہیں:۔

بعض علماء اہل سنت کے نظریات

(۱) حاکم نیشاپوری:

''حضرت فاطمہؑ بنت اسد کے حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کو خانہ کعبہ میں جنم دینے کے بارے میں روایات تواتر کی حد تک ہیں''۔(۲)

(۲) حافظ گنجی شافعی:

''امیر المومنین علیؑ مکہ میں بیت اللہ الحرام کے اندر شب جمعہ ۱۳ر رجب سال ۳۰ر عام الفیل کو پیدا ہوئے۔ اور آپ کے علاوہ کوئی دوسرا کعبہ میں پیدا نہیں ہوا ہے۔ نہ آپ سے پہلے اور نہ ہی آپ کے بعد۔ یہ آپ کے مقام ومنزلت کے لئے ایک افتخار کی علامت تھی۔(۳)

(۳) ابن صباغ مالکی:

''حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ شب جمعہ ۱۳ر رجب سال ۳۰ر عام الفیل ۲۳ر سال قبل از ہجرت مکہ مکرمہ میں بیت اللہ الحرام میں پیدا ہوئے۔

---

(۱) الغدیر، ج ٦، ص ۲۷۔

(۲) مستدرک حاکم نیشاپوری، ج ۳، ص ۵۰۰۔ (حکیم بن حزام کی شرح زندگی میں)

(۳) کفایۃ الطالب، ص ۴۰۷۔

اللہ نے حضرت علیؑ کو یہ منحصر بفرد فضیلت ان کی جلالت وعظمت اور کرامت کی بنا پر عطا فرمائی ہے۔(۱)

(۴) احمد بن عبدالرحیم دہلوی:

''ازالۃ الخفاء'' میں مذکورہ عبارت سے ملتی جلتی عبارت نقل کی ہے۔(۲)

(۵) علامہ ابن جوزی حنفی کہتے ہیں: حدیث میں آیا ہے کہ

''فاطمہ بنت اسد خانہ خدا کے طواف میں مشغول تھیں کہ دردزہ ہونے لگا۔اسی دوران در کعبہ کھل گیا اور فاطمہ کعبہ میں داخل ہوگئیں اور وہیں پر حضرت علیؑ کی ولادت ہوئی۔ (۳)

(۶) ابن مغازلی شافعی، زبیدہ بنت عجلان سے نقل کرتے ہیں:

''جب فاطمہ بنت اسد کے دردزہ شدید ہوگیا تو ابوطالبؑ بہت پریشان ہوئے۔اس دوران حضرت محمدؐ وہاں تشریف لائے انھوں نے پوچھا ''چچا جان پریشان کیوں ہیں؟ حضرت ابوطالب نے کہا فاطمہؑ دردزہ کی پریشانی میں مبتلا ہیں۔رسول خداؐ فاطمہ بنت اسد کے قریب گئے۔پھر جناب ابوطالبؑ کا ہاتھ پکڑا اور خانہ خدا کی طرف چل پڑے۔فاطمہؑ بنت اسد بھی پیچھے پیچھے چل دیں۔خانہ کعبہ کے نزدیک پہنچ کر حضورؐ نے فاطمہؑ بنت اسد سے فرمایا:''اِجلِسی علی اِسمِ اللّٰہ'' خدا کا نام لیکر بیٹھ جاؤ''۔

اس کے بعد ان کا درد بہت زیادہ بڑھ گیا اور ایسا حسین اور خوبصورت اور پاک و پاکیزہ بچہ ہوا کہ اس سے پہلے میں نے کبھی ایسا خوبصورت بچہ دیکھا ہی نہیں تھا۔ابوطالبؑ نے اس بچے کا نام علیؑ رکھا۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علیؑ کو ہاتھوں میں لیا اور فاطمہؑ بنت اسد کے گھر لے گئے۔ (۴)

---

(۱) الفصول المہمہ، ص۳۰۔ (۲) الغدیر، ج۶، ص۲۲۔

(۳) تذکرہ الخواص، ص۲۰۔

(۴) مناقب ابن مغازلی، ص۶، ح۳؛ الفصول المہمہ، ص۳۰۔

(۷) علامہ سکتواری بسنوی لکھتے ہیں:

''اسلام میں صحابہ میں سے پہلا شخص جو بچپن میں ''حیدر'' یعنی شیر کے نام سے پکارہ گیا۔ وہ میرے سید اور مولا حضرت علیؑ بن ابی طالب ہیں۔ کیونکہ جب علیؑ کعبہ میں ظہور پذیر ہوئے تو اس وقت آپ کے والد ابو طالبؑ سفر پر گئے ہوئے تھے۔ آپ کی والدہ فاطمہؑ بنت اسد نے فال نیک کے ساتھ اس بچے کا نام اپنے باپ کے نام پر ''اسد'' رکھا''۔ (۱)

(۸) علامہ محمد مبین انصاری حنفی لکھتے ہیں:

''حضرت علیؑ کی ولادت مکہ میں بیت اللہ الحرام کے اندر واقع ہوئی۔ علیؑ کے علاوہ کوئی شخص اس مقدس گھر میں پیدا نہیں ہوا''۔ (۲)

(۹) صفی الدین حضرمی شافعی لکھتے ہیں:

''حضرت علیؑ کی ولادت کعبہ میں ہوئی وہ پہلے اور آخری انسان ہیں جو اس مقدس مکان میں پیدا ہوئے''۔ (۳)

(۱۰) عباس محمود عقاد مصری:

''علیؑ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے۔ خدا کی عنایت سے آپ نے بتوں کو ہرگز سجدہ نہ کیا''۔ (۴)

(۱۱) آلوسی:

''یہ داستان بہت حقیقی اور شائستہ تھی کہ خدا نے ارادہ کیا کہ ابو الائمہ اس جگہ دنیا میں تشریف لائیں جو قبلہ مومنین بنے۔ پاک و پاکیزہ ہے وہ ذات جو ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھتی ہے۔ اور وہ

---

(۱) محاضرۃ الاوائل، ص ۷۹، بہ نقل از الاحقاق، ج ۷، ص ۴۹۰۔

(۲) وسیلۃ النجاۃ، محمد مبین حنفی، ص ۶۰ (طبع گلشن فیض لکھنو)۔

(۳) وسیلۃ المآل حضرمی شافعی، ص ۲۸۲۔

(۴) عبقریۃ الامام علیؑ، ص ۴۳۔

بہترین حاکم ہے۔

وہ مزید لکھتے ہیں: کہ ''جیسا کہ بعض نے کہا ہے گویا حضرت علی علیہ السلام نے چاہا کہ وہ بھی خانہ کعبہ کی خدمت کریں کہ جس میں ان کی ولادت ان کے لئے باعث افتخار تھی۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے خانہ کعبہ میں موجود بتوں کو توڑ کر نیچے گرا دیا۔ کیونکہ بعض روایات میں آیا ہے کہ خانہ کعبہ نے اللہ سے شکایت کی کہ خدایا آخر کب تک میرے اطراف میں ان بتوں کی پوجا ہوتی رہے گی؟ خداوند عالم نے وعدہ کیا کہ اس مکان مقدس کو بتوں سے پاک کردے گا''۔(۱)

علامہ امینی نے الغدیر میں بیس سے زائد اہل سنت علماء اور ان کتابوں کے نام لکھے ہیں کہ جنھوں نے پوری صراحت سے لکھا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب ؑ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے۔ (۲)۔فارسی شاعر نے اس بات کو شعر کی کل میں یوں پیش کیا ہے:

اے علیؑ تیرا گھر اور جائے ولادت خدا کا گھر ہے، تیرا دلکش و دلنشین چہرہ قبلہ نما ہے،
تیری ولادت کا قصیدہ سورہ مومنون ہے، تیری زبان پر تو روز اول ہی سے ذکر خدا ہے۔

شیعہ علماء کا نظریہ

تمام علماء شیعہ اس بات پر متفق ہیں کہ امیر المومنین علیؑ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے۔اور یہ فضیلت فقط آپ کو حاصل ہوئی۔ آپ کے علاوہ کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوگی۔ نمونہ کے طور پر چند بزرگ شیعہ علماء کے کلام کو مختصر طور پر یہاں پر نقل کیا جاتا ہے:

(۱) سید رضی (نہج البلاغہ کو مرتب کرنے والے) (متوفی ۴۰۶)

ولادت حضرت علی علیہ السلام مکہ میں خانہ کعبہ کے اندر ۱۳ رجب المرجب کو عام الفیل کے ۳۰ رسال

(۱) الغدیر، ج ۶، ص ۲۲۔

(۲) الغدیر، ج ۶، ص ۲۱۔۲۳، (برائے اطلاع مزید)۔

بعد واقع ہوئی...... میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا کہ جو مانند حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ خانہ کعبہ میں پیدا ہوا ہو۔(۱)

(۲) شیخ مفید (متوفی ۴۱۳):

''حضرت علی علیہ السلام روز جمعہ ۱۳؍رجب المرجب عام الفیل ۳۰؍سال بعد مکہ میں خانہ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے۔ نہ آپ سے پہلے اور نہ ہی بعد میں کسی کو یہ افتخار حاصل ہوا۔(۲)

(۳) علامہ جلیل سید مرتضیٰ راوندی (متوفی ۷۳۶):

''حضرت علی علیہ السلام خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے اور کوئی بھی اس فضیلت میں شریک نہیں ہے اور نہ اس کا نظیر ہے''۔(۳)

(۴) مفسر کبیر مرحوم قطب الدین راوندی (متوفی ۵۷۳):

علیؑ کی جائے ولادت خانۂ خدا بیت اللہ الحرام تھا، آپ کے علاوہ کوئی یہاں پر پیدا نہیں ہوا۔(۴)

(۵) علامہ حلی (متوفی ۷۲۶):

''علی بن ابی طالبؑ کے علاوہ کوئی بھی کعبہ مکرمہ میں پیدا نہیں ہوا نہ آپ سے پہلے اور نہ ہی آپ کے بعد''۔(۵)

(۶) مفسر بزرگ امین الاسلام مرحوم طبرسی (متوفی ۵۴۸) صاحب مجمع البیان:

---

(۱) خصائص الائمہ، ص ۳۹۔

(۲) ارشاد مفید، ج ۱، ص ۵۔

(۳) الغدیر، ج ۶، ص ۲۴۔

(۴) خرائج وجرائح راوندی، ج ۲، ص ۸۸۸۔

(۵) الغدیر، ج ۶، ص ۲۴۔

علیؑ کے علاوہ کوئی بھی خانہ خدا میں پیدا نہیں ہوا۔ نہ آپ سے پہلے اور نہ ہی آپ کے بعد(۱)

(۷) ابن شہر آشوب (متوفی ۵۸۸):

"پاک فرزند (علی علیہ السلام) پاک نسل سے پاک جگہ پر پیدا ہوا۔ ایسی کرامت وفضیلت کسی کو نصیب نہ ہوئی۔ شریف ترین مقام حرم ہے، اور حرم کا شریف ترین مقام مسجد ہے اور مسجد کا شریف ترین مقام کعبہ مکرمہ ہے"۔(۲)۔ اور حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ کوئی بھی اس مقدس مکان میں پیدا نہیں ہوا، لہٰذا حضرت علی علیہ السلام کی ولادت کے لئے اگر بہترین جگہ ہو سکتی تھی تو بس کعبہ تھا جس میں پیدا ہوئے۔

(۸) محقق اربلی (متوفی ۶۹۲):

"علیؑ مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ کے اندر ۱۳/رجب کو عام الفیل کے ۳۰ سال بعد متولد ہوئے۔ آپ سے پہلے اور نہ ہی آپ کے بعد کوئی اس فضیلت تک پہنچا اور یہ فضیلت وشرافت خدائے سبحان نے آپ کی جلالت وکرامت اور منزلت کی بنا پر آپ سے مخصوص کی ہے"۔(۳)

(۹) علامہ مجلسی (متوفی ۱۱۱۰):۔

"علیؑ مکہ مکرمہ میں خانۂ خدا میں ۱۳/رجب ۳۰ سال بعد عام الفیل کے پیدا ہوئے"۔(۴)

(۱۰) مورخ شہیر محمد بن خاوند :

"حضرت علیؑ کی ولادت خانہ کعبہ میں ہوئی، علیؑ کے علاوہ کسی کو بھی یہ سعادت نصیب نہ ہوئی

---

(۱) الغدیر، ج۶، ص۲۶۔

(۲) مناقب ابن شہر آشوب، ج۲، ص۱۷۵۔

(۳) کشف الغمہ باب المناقب، ج۱، ص۸۱۔

(۴) مرآۃ العقول ج۵، ص۲۷۵۔

تاریخی نقطہ نظر سے علیؑ کا کعبہ میں پیدا ہونا قطعی طور پر ثابت ہے۔اس میں کسی کو شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے(۱)

پچاس سے زائد بزرگ شیعہ علماء نے اپنی کتابوں میں، کعبہ میں حضرت علیؑ کی ولادت کے بارے میں تحریر کیا ہے۔مزید آگاہی ومعلومات کے لئے کتاب الغدیر میں فرمائیں(۲)

ولادت حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

اہل بیت علیہم السلام کے دوستدار شعراء نے مختلف زبانوں میں حضرت علی علیہ السلام کی شان میں اشعار کہے ہیں۔یہاں تک ہم صرف سید حمیری کے چند عربی اشعار لکھنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

۱. وَلَدَتْهُ فی حَرَمِ الالٰه وامنه	والبیتُ حیثُ فناؤُهُ و المَسجِدُ
۲. بیضاءَ طاهرةَ الثِیاب کریمةٌ	طابَ وَ طابَ ولیدُها والمولدُ
۳. فی لیلةٍ غابَتْ نحوسُ نُجومِها	وبَدَتْ مَعَ القمرِ المنیر الاسعَدُ
۴. مالُفَّ فی خِرَقُ القوابلِ مِثلُهُ	اِلّا ابن امنةِ النبیِّ مُحمّدُ

۱۔ان کی مادر گرامی نے ان کو حرم الٰہی میں جنم دیا، درحالیکہ کعبہ اور مسجد الحرام خدا کا آستانہ تھا۔

۲۔نورانی ماں جو کہ پاکیزہ لباس زیب تن کئے خود پاکیزہ تھیں اسی طرح ان کا مولود اور مقام ولادت بھی پاکیزہ تھا۔

۳۔اس رات تمام نحس ستارے مخفی تھے نورانی چاند نیک اور مبارک ستاروں کے ہمراہ نمایاں تھا۔

۴۔فرزند آمنہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ، دنیا کی تمام دائیوں نے کسی بچے کو اس نورانی اور مبارک مولود کی طرح کسی نے لباس نہ پہنایا ہوگا۔

---

(۱) روضۃ الصفا، فی آداب زیارت المصطفیٰ، جزء ثانی۔

(۲) الغدیر، ج۶،ص۲۲۔۲۷۔

نام کا انتخاب

مولود کعبہ کا نام علیؑ رکھنے کی وجہ، اور یہ کہ کس نے آپ کا یہ نام آپ کے لئے انتخاب کیا؟۔اس بارے میں اختلاف ہے۔چونکہ اس سے پہلے نام ''علیؑ'' کسی بھی شخص کا نہیں تھا۔اور کسی نے اپنے بچے کا نام علی نہیں رکھا تھا۔(۱) بنابریں ایسا نام انتخاب کرنے کی وجہ کہ جو پہلے کسی کا نہ تھا، یا تو فکری بلندی کی حکایت کرتا ہے یا یقیناً، پھر یہ ایک الہامی نام ہے۔لہٰذا اس بات کا جائزہ لینا مناسب اور ضروری ہے۔

۱۔علامہ قندوزی حنفی اہل سنت کے بزرگ عالم دین، عباس بن عبدالمطلب سے روایت کرتے ہیں: ''جب فاطمہ بنت اسد نے اس مولود کو جنم دیا تو اس کا نام باپ کے نام پر اسد رکھا۔ابوطالبؑ نے یہ نام پسند نہ کیا اور فاطمہ سے کہا'': ''آؤ! آج رات کوہ ابوقبیس پر چلتے ہیں اور خدائے خالق آسمان سے دعا کرتے ہیں انشاء اللہ خدا اس بچے کا نام رکھنے میں ہماری مدد فرمائے گا۔''

جب رات ہوئی تو کوہ ابوقبیس کی طرف گئے اور دعا کی۔ابوطالبؑ نے یہ اشعار پڑھے:

يَـا رَبَّ هٰـذا الـغَسَـقِ الـدُّجِـى   والـفَـلَـقِ الـمُـبْتَـلِجِ الـمُـضىِّ

بَيِّـنْ لَـنـا مِن اَمْـرِک الـمَـقْـضِىِّ   لـمـا نُـسَـمِّـى ذلـک الـصبـى

اس شب تاریک اور تابناک وروشنی کو وجود میں لانے والے کے پروردگار اپنے صریح حکم سے ہمارے لئے آشکار کردے کہ اس بچے کا نام کیا رکھیں۔اچانک آسمان سے آواز آئی، حضرت ابوطالبؑ نے اوپر دیکھا زبرجد کی ایک سبز تختی دیکھی جس پر یہ رباعی لکھی ہوئی تھی:

خَـصَـصْـتُـمـا بِـالـوَلَـدِ الـزَّكِـيِّ   والـطـاهـر الـمُـنـتَـجَـبِ الـرَّضِـىِّ

فـاسـمـه مِـن شـامِـخِ الـعـلـىِّ   عـلـىٌّ اشـتُـقَّ مِـنَ الـعَـلـىِّ

---

(۱) بحارالانوار، ج۳۵، ص۴۸۔۵۹۔

تم ! ابوطالبؑ اور فاطمہؑ ، ایک پاکیزہ ، برگزیدہ اور پسندیدہ بچے کے ماں باپ قرار پائے ہو۔
اس کا نام مقام بلند سے انتخاب ہوا اور وہ نام علیؑ ہے جو کہ خداوند علی اعلیٰ کے نام سے لیا گیا ہے۔

ابوطالب اپنی پسند کے نام کے انتخاب سے بہت خوشحال ہوئے اور سجدہ شکر ادا کیا، علیؑ کے لئے دس اونٹوں کا عقیقہ کیا۔ اور وہ (زمرجد کی تختی) کعبہ میں لٹکا دی گئی۔ یہاں تک کہ حجاج بن یوسف کی عبداللہ بن زبیر کے ساتھ جنگ کے دوران یہ تختی گم ہوگئی۔ (۱)

علامہ گنجی شافعی اس حدیث کو تھوڑے سے فرق کے ساتھ رسول خداؐ سے اس طرح روایت کرتے ہیں:

''ابوطالت کی درخواست کے بعد غیبی آواز آئی اور یہ دو شعر سنے گئے:

یـا اَهلَ بَیـتِ الـمُصطفیَ النبیّ — خُـصِّـصْـتُـم بِـالـولـدِ الـزَّکـیّ

اِنَّ اسـمَـهُ مِـن شـامِـخِ العِلـیّ — عـلـیٌّ اشتُـقَّ مِـن الـعَـلـیّ

اے اہل بیتؑ، پیغمبر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! تمہارے لئے پاک بیٹا قرار دیا ہے۔
اس کا نام بلند مقام سے لیا گیا ہے اور یہ نام علیؑ ہے جو کہ خدائے اعلیٰ سے مشتق ہے۔ (۲)

۲۔ اس نام کے رکھنے کی بارے میں ایک اور نظریہ پایا جاتا ہے کہ جس کو اہل سنت کے بعض علماء جیسے ابن صباغ مالکی ، نے مناقب ابوالمعالی مالکی سے اور ابن مغازلی شافعی نے اپنی نوشتہ جات میں ، چوتھے امام زین العابدین علیہ السلام سے نقل کیا ہے اور وہ یہ کہ امام سجاد نے فرمایا:

''ایک روز میں اور میرے بابا حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے نانا جان پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم

(۱) الفصول المہمۃ، ج ا طبع دوم، ص ۲۵۔ یہ حدیث گواہ ہے کہ ابوطالبؑ موحد اور خدا پرست تھے۔

(۲) کفایۃ الطالب، ص ۲۶۔

مطہر کی زیارت کی غرض سے گئے ہوئے تھے، وہاں پر پیغمبراکرم ﷺ کی قبر کے اطراف میں بہت سی عورتیں بیٹی ہوئی تھیں ۔ اچانک ایک عورت ہماری طرف آئی میں نے اس سے پوچھا: تو کون ہے؟ اس نے کہا میں زبیدہ عجلان کی بیٹی، قبیلہ بنی ساعدہ سے ہوں ۔ میں نے اس سے کہا کیا کوئی ایسی بات جو بیان کی گئی ہو ہم سے بیان نہ کروگی؟ اس نے کہا ہاں ۔ خدا کی قسم میری ماں (ام عمارہ) نے مجھ سے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ: میں ایک روز عرب کی چند عورتوں کے درمیان بیٹھی ہوئی تھی، اچانک ابو طالبؑ اور ان کی اہلیہ بہت غمگین اور اندوہگین حالت میں وہاں آئے ۔ میں نے ان کے غمگین اور پریشان ہونے کے بارے میں ان سے پوچھا تو ابو طالب نے کہا کہ میری اہلیہ فاطمہ دردزہ میں مبتلا ہیں جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان ہیں ۔ یہ کہا اور فاطمہ کا ہاتھ پکڑ کر خانہ کعبہ کی طرف روانہ ہوگئے ۔ ان کو کعبہ کے بیچ و بیچ (درمیان) بٹھا دیا اور یہ جملہ "اجلسی علی اسم اللّٰہ" کہا خدا کے نام سے بیٹھ جاؤ! اسی موقع پر فاطمہ کا درد بہت زیادہ بڑھ گیا ۔ اسی اثنا میں ایک ایسا حسین اور خوبصورت اور پاک و پاکیزہ بچہ پیدا ہوا کہ میں نے کبھی ایسا بچہ نہ دیکھا تھا ۔ ابو طالب نے اس کا نام علیؑ رکھا اور اسی بارے میں ایک شعر پڑھا:

سمیتہ لعلی کی یدوم لہ عز العلو و فخر العز ادومہ

میں نے اس کا نام علیؑ اس لئے رکھا ہے تاکہ عزت اور سربلندی اور یہ افتخار اس کے لئے ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے ۔

اسی موقع پر حضرت محمد ﷺ تشریف لائے اور علیؑ کو گود میں لیا اور ان کی والدہ کے گھر لے گئے ۔ امام سجاد علیہ السلام اس حکایت اور واقعہ کو سننے کے بعد کہتے ہیں:

"فو اللّٰہ ما سمعت بشیء حسن قطّ ان ھذا احسنہ"

خدا کی قسم اب تک کی تمام باتوں میں اس سے اچھی بات میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سنی تھی ۔

۳۔ ابن ابی الحدید آپ کا نام "علیؑ" رکھنے کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

"اس کی ماں نے پہلے اس کا نام حیدر(۱) رکھا تھا۔ کیونکہ وہ چاہتی تھیں کہ اپنے باپ اسد کا نام اپنے بیٹے کے لئے رکھیں، مگر ابو طالبؑ نے اس کا نام علی رکھا۔(۲)

ابن ابی الحدید مزید لکھتے ہیں: "بعض کا کہنا ہے کہ "حیدر" نام قریش نے حضرتؑ کے لئے رکھا تھا مگر پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ جنگ خیبر میں جب مرحب حضرتؑ کے ساتھ جنگ کے لئے میدان میں آیا تو اس نے حضرت علیؑ کو ڈرانے کے لئے کہا "میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام مرحب رکھا ہے۔" حضرتؑ نے اس کے جواب میں فرمایا: [انا الذی سمتنی امی حیدرة] ؛ میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے"۔(۳)

۴۔ بعض شیعہ روایات میں امیر المومنینؑ سے منقول ہے:

"انجیل میں میرا نام "ایلیا" اور عربی میں "علی"، تورات میں "بریٔ" (یعنی شرک سے مبرا) زبور میں "اری" ہندیوں کے نزدیک "کبکر" رومیوں کے نزدیک "بطویسا" فارسیوں کے نزدیک "جبتر" کاہنوں کے نزدیک "بوی" حبشیوں کے نزدیک "بشریک" مادر کے نزدیک "حیدر" ارمنیوں کے نزدیک "فریق" اور میرے باپ کے نزدیک "ظھیر" ہے"۔(۴)

دو غلط فہمیوں کا ازالہ

اس بحث کے اختتام پر ممکن ہے دو اعتراض ذہن میں آئیں یہ اعتراض اور ان کے جواب

---

(۱) یعنی شیر کے مانند۔

(۲) نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۱۲۔

(۳) نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۱۲۔

(۴) معانی الاخبار، ص ۵۹۔

اختصار کے ساتھ یہاں پر ہم ذکر کرتے ہیں:

پہلا اعتراض:۔ کیسے ممکن ہے کہ علیؑ ولادت کے تیسرے دن کلام کریں، قرآن پڑھیں، رسولؐ خدا کو پہچانیں اور سلام کریں؟۔

دوسرا اعتراض:۔نزول قرآن سے پہلے حتیٰ کہ بعثت نبی اکرمؐ سے بھی پہلے کیسے ممکن ہے کہ علیؑ نے قرآن پڑھا ہو؟۔

پہلے اعتراض کا دوطرح سے جواب دیا جاسکتا ہے۔

پہلا جواب:۔اگر چند دن کا بچہ کلام نہیں کرسکتا، تو عیسیٰؑ بن مریم نے گہوارے میں معترضین کو مخاطب کرتے ہوئے کیسے جواب دیا تھا؟۔قرآن کریم عیسیٰ بن مریم کے کلام کرنے کی داستان کو اس طرح بیان کرتا ہے: ﴿قالوا کیف نکلم من کان فی المھد صبیا﴾:(۱) انھوں نے کہا ہم ایسے بچے کے ساتھ کیسے بات کریں جو ابھی گہوارے میں ہے؟ بچہ (یعنی حضرت عیسیٰؑ) گہوارے میں بولا:﴿انی عبد اللہ اتانی الکتاب و جعلنی نبیا......﴾ (۲) میں خدا کا بندہ ہوں مجھ کو کتاب عطا کی گئی ہے اور مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے۔لہٰذا ولادت کے تیسرے دن علیؑ کا بات کرنا ممکن ہے۔

دوسرا جواب: اگر چہ یہ کام ہمارے لئے مشکل اور ناممکن ہے، مگر خداوند عالم کی قدرت کی طرف سے ممکن ہے۔لہٰذا ایسے کسی امر کا وقوع پذیر ہونا، جو کہ رسول خداؐ اور حضرت علیؑ کے لئے ایک معجزہ ہے، قدرت خداوندی کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی مشکل یا ناممکن بات نہیں ہے۔

دوسرے اعتراض کے بھی دو جواب دیئے جاسکتے ہیں۔

پہلا جواب: یہ جواب بھی پہلے اعتراض کے، پہلے جواب کی طرح ہے۔

عیسیٰؑ بن مریم دنیا میں آتے ہی اظہار کرتے ہیں کہ مجھے کتاب دی گئی ہے اور خدا نے مجھے نبی

(۱) مریم ۱۹:۲۹۔

(۲) مریم ۱۹:۳۰۔

بنا کر بھیجا ہے...... اور میں نماز و زکوۃ کے لئے مامور ہوں۔ اور یہ ایسے وقت کی بات ہے کہ جب انجیل اور اس کے احکام سب اس کے بعد نازل ہوئے۔ اسی بنا پر نزول قرآن سے پہلے حضرت علیؑ کا قرآن پڑھنا بھی ممکن ہے۔

دوسرا جواب :۔ پہلی بات تو یہی کہ: بعض روایات میں آیا ہے کہ قرآن کریم پہلے آسمان پر موجود تھا۔ اور یہ بتدریج رسول خداؐ پر نازل ہوا ہے۔(۱) تو خدا نے جس بچے کی زادگاہ کعبہ کو قرار دیا، اور آئندہ اسے امیر المومنین اور خلیفہ رسولؐ بننا ہے، اس کے لئے کیسے ناممکن ہے کہ خدا اسے بچپن میں قوت کلام عطا نہ کرے اور وہ پہلے آسمان پر موجود قرآن کی تلاوت نہ کرے۔

علاوہ ازیں اگر فرض کریں کہ قرآن پہلے آسمان پر موجود نہ تھا تو جو خدا وحی کا منبع و مصدر ہے تو یہ قطعاً عین ممکن ہے کہ قرآن کریم کو ایک خاص بچے کی زبان پر جاری کردے۔

تیسری بات: یہ کہ اگر کوئی بچہ الٰہی ارادہ کے تحت گفتگو کرسکتا ہے تو اسی الٰہی ارادہ کے تحت قطعاً یہ بھی کرسکتا ہے کہ قرآن کے نازل ہونے سے پہلے کلام کرے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی پہچان لے، خدا تو ہر چیز پر قادر ہے۔

﴿ان اللہ علی کل شیء قدیر﴾

---

(۱) شیخ مفید کتاب اعتقادات کے باب ۳۱ میں لکھتے ہیں: ''ہمارا اعتقاد ہے کہ قرآن ماہ رمضان المبارک میں نازل ہوا، شب قدر کو ایک ہی جگہ پر بیت المعمور میں نازل ہوا۔ اور پھر بیت المعمور سے ۲۳ سال کی مدت میں رسولؐ خدا پر نازل ہوا۔ خدا نے تمام قرآن کا علم اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا تھا۔

نسب، کنیت، القاب

محقق اربلی کہتے ہیں:

ھو امیر المؤمنین، ویعسوب والمسلمین و مبیر الشرک و المشرکین ...... علیّ بن ابی طالب علیہ السلام؛

آپ امیر المومنین علیہ السلام، مسلمانوں اور دین کے امیر، شرک اور مشرکوں کے کمر شکن...... علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔ (۱)

نسب:

نسب، کہ جس کے معنی اصل اور نسل ہے، انسان کی شخصیت اور وجود کو تشکیل دینے میں نہایت مؤثر عنصر ہے۔ ہر انسان کی روحانی اور جسمانی خصوصیات اس کے اصل ونسب سے وراثت کے ذریعے اس میں منتقل ہوتی ہیں۔ انسان اپنی بہت ساری صفات اور ملکات ذاتی جیسے کمال فہم ودرایت اور ذہانت یا سفاہت کو اپنے نسب سے ارث میں پاتا ہے۔ جسمانی خصوصیات بھی ایسی ہی ہیں۔

کوتاہ قد ہونا یا بلند قد ہونا، جسم کا طاقتور یا کمزور ہونا، اور دیگر جسمانی خصوصیات عام طور پر وراثت کے طور پر ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتی ہیں۔ وہ اصل ونسب کہ جس میں حضرت علیؑ پیدا ہوئے وہ فضیلت و بزرگی کے لحاظ سے مشہور ومعروف ہے۔ حضرت علی علیہ السلام خاندانِ ہاشم

(۱) کشف الغمہ، ج۱، ص۹۳۔

سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے والد ابو طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف، اور ان کی والدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف، ان کے ماں باپ دونوں ہاشمی ہیں۔ (۱)

ہاشمی خاندان، جیسا کہ تاریخی کتابوں میں درج ہے، اخلاقی فضائل اور انسانی اعلیٰ صفات کے لحاظ سے سے تمام قریش اور عرب قبائل میں معروف تھا ۔شجاعت، ہمت، ذہانت اور درایت اس خاندان کا خاصہ تھا (۲) یہ تمام فضائل پوری آب و تاب کے ساتھ حضرت علیؑ کی ذات میں موجود تھے۔

اس کے علاوہ علیؑ کے والد اور اباء واجداد ایسی بہت ساری خوبیوں کے مالک تھے جو کہ وراثت کے بطور انھیں ملی تھیں۔ آپ کے والد ابو طالبؑ عرب کے شعراء اور فصحاء میں سے تھے۔ وہ مکہ کے بزرگوں اور بنی ہاشم کے سرداروں میں شمار کئے جاتے تھے۔ عصر جاہلیت میں حاجیوں کو پانی پلانا (سقایت) آپ کے ذمہ تھا۔ آپ کے بعد یہ ذمہ داری عباس کو ملی۔ حضرت ابو طالب کا وجود سراسر شفقت، شجاعت، تحمل اور دین خدا کی خدمتگذاری سے مالامال تھا آپ فصاحت و بلاغت کے پیکر اور شاعر و خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے مضبوط ارادوں کے مالک تھے۔ یہ تمام فضائل اور اوصاف حضرت ابو طالبؑ سے حضرت علیؑ کی ذات میں جوں کے توں منتقل ہوئے۔ (۳)

آپ کی والدۂ ماجدہ حضرت فاطمہؑ بنت اسد جنھوں نے رسول خدا ﷺ کی پرورش اپنی آغوش میں اس طرح کی کہ رسول خدا ﷺ آپ کو ماں کہہ کر پکارتے تھے۔ آپ اس قدر محترم تھیں کہ جب دنیا سے رحلت فرمائی تو حضور اکرم ﷺ نے اپنا لباس کفن کے طور پر دیا، اور خود انھیں قبر میں اتارا آپ پہلی خاتون ہیں جنھوں نے اسلام کی خاطر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ایسی والدہ

(۱) آپ کے والد حضرت ابو طالبؑ اور والدہ حضرت فاطمہؑ بن اسد کے مفصل حالات زندگی آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱۵، ص ۲۷۲۔

(۳) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۵، ص ۲۷۴ و ۲۷۸۔

حضرت علیؑ کے لئے باعثِ افتخار وفضیلت ہیں۔

آپ کے جد بزرگوار "جناب عبد المطلبؑ" مکہ کے سردار اور کعبہ کے نگہبان اس قدر جاہ و جلال کے مالک تھے کہ جب ابرہہ کی فوج خانہ کعبہ کو ویران کرنے کے لئے مکہ میں داخل ہوئی تو انھوں نے حضرت عبد المطلبؑ کے اونٹوں کو پکڑ لیا۔ جناب عبد المطلبؑ ابرہہ کے پاس گئے اور اپنے اونٹوں کا مطالبہ کیا۔ ابرہہ حضرت عبد المطلبؑ کی عظمت و بزرگی کو دیکھ کر پانی پانی ہو گیا، اور آپ کے اونٹ واپس کرتے ہوئے کہا: "اگر یہ محترم شخص مجھ سے یہ چاہتا کہ خانۂ کعبہ کو ویران کرنے کا ارادہ ترک کر دو، تو میں مان جاتا۔(۱)

خاندان علیؑ کی بزرگی وعظمت کے یہ چند گوشے اور نمونے تھے۔ لہٰذا اب آسانی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح بہترین اور شریف ترین اصل ونسب کے حامل تھے۔

کنیت

کنیت ایسا نام ہے جو کسی شخص کے اصلی نام کے علاوہ ہوتا ہے۔ اس کے آغاز میں مردوں کے لئے کلمہ "اب" اور "ابن" اور عورتوں کے لئے کلمہ "ام" اور "بنت" آتا ہے عام طور پر کسی شخص کی تعظیم وتکریم کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ مانند ابو القاسم، ابو الحسن، ام زینب، ابن حاجب، بنت علی وغیرہ۔

عربوں میں رواج ہے کہ بعض افراد چاہے وہ صاحب اولاد بھی نہ ہوں عزت کے طور پر کنیت کا انتخاب کرتے ہیں۔ امیر المومنین حضرت علیؑ کی آپ کے بچوں کے ناموں کی بنیاد پر بہت ساری کنیتیں تھیں۔ مثلاً ابوالحسنؑ، ابوالحسینؑ، ابوزینبؑ، وغیرہ۔ اس کے علاوہ بھی کنیتیں تھیں جو کہ رسول

(۱) سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۴۳۔ ۶۱؛ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۲۸۳۔ ۲۸۵؛ بحار الانوار، ج ۱۵، ص ۱۳۰۔ ۱۳۶۔

خداؐ نے آپ کے لئے انتخاب کی تھیں جن میں سے ایک ''ابوتراب'' ہے۔

ابوتراب

حضرت علی علیہ السلام کی کنیت ابوتراب رکھنے کے وجہ اور اس کے زمان و مکان کے بارے میں مختلف نظریے پائے جاتے ہیں۔تمام روایات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مختلف اوقات اور مقامات پر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو ابوتراب کی کنیت کے ساتھ خطاب فرمایا ہے۔ یہاں پر صرف دو نمونے پیش کرتے ہیں۔مزید معلومات کے لئے مؤلف کی دوسری کتاب ''الفصول المائۃ'' (۱) کی طرف رجوع فرمائیں.

ابن اثیر اور بعض دیگر مورخین و محدثین تحریر کرتے ہیں:

''رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کچھ اصحاب کے ہمراہ ۱۵ / جمادی الاول، ۲ھ سال قریش کے ایک قافلے کی تلاش میں، جو کہ ابوسفیان کی سرکردگی میں شام کی طرف روانہ تھا''عشیرہ'' نامی مقام تک گئے (اس لئے اسے غزوہ عشیرہ کہتے ہیں)۔مگر قریش کے کاروان کا کوئی پتہ نہیں چلا۔رسول خداؐ جن دنوں عشیرہ میں تھے، آپ حضرت علی علیہ السلام اور عمار کے سرہانے آئے، دیکھا کہ یہ دونوں سو رہے ہیں۔اور حضرت علی علیہ السلام کے چہرے اور سر پر ہلکی سی خاک پڑی ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کو مہربانی اور شفقت سے جگایا۔اور حضرت علی علیہ السلام کو مخاطب کرکے فرمایا:

''قم یا ابا تراب ، الا اُخبرک باشقی الناس رجلین : اُحیمر ثمود عاقر الناقة، والذی یضربک هذه(یعنی قرنه) فیخضب هذه منها(یعنی لحیته)''.؛

اے ابوتراب (مٹی کے باپ) اٹھو! کیا تم نہیں چاہتے ہو کہ تمہیں روئے زمین پر موجود شقی ترین شخص کے بارے میں بتاؤں، ایک نام اُحیمر (لقب قدار بن سالف) ہے جس نے صالح نبی

(۱) الفصول المائۃ، ج ۳، فصل ۴۸۔

کے اونٹ کی ٹانگیں کاٹ دی تھیں۔ اور دوسرا وہ شخص ہے جو تیری پیشانی پر تلوار مارے گا۔ اور تیری داڑھی کو تیرے خون سے رنگین کر دے گا۔(۱)

اس کے بعد یعنی دو ہجری سے حضرت علی علیہ السلام مسلمانوں کے درمیان ابوتراب کے نام سے معروف ہو گئے۔ اور حضرت علی علیہ السلام کے لئے یہ بہترین کنیت تھی۔(۲)

جبکہ بنی امیہ اور حضرت علی علیہ السلام کے دوسرے دشمن حضرت کی توہین و تحقیر کے لئے ابوتراب کی کنیت کا استعمال کرتے تھے۔

عبایہ بن ربعی اس نام کی ایک دوسری وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: ''میں نے ابن عباس سے کہا'' کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام کو ابوتراب کیوں کہتے تھے؟۔ انھوں نے جواب دیا: چونکہ علی علیہ السلام زمین کے مالک ہیں اور بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل زمین پر حجت خدا ہیں آپ کی وجہ سے زمین اور اس کا سکون برقرار ہے، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو ابوتراب کہتے تھے۔ انھوں نے مزید کہا: کہ ''میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا۔ انھوں نے فرمایا'' جب روز قیامت آئے گا تو علیؑ کے شیعوں کو اتنا ثواب اور کرامت عطا ہوگا کہ کفار یہ منظر دیکھ کر کہیں گے: ''یا لیتنی کُنتُ تُراباً'' کاش ہم بھی خاک (یعنی علیؑ بن ابی طالبؑ کے شیعوں میں سے) ہوتے۔ جیسا کہ قرآن کی آیہ کریمہ ہے ﴿و یقولُ الکافِرُ یالیتنی کنتُ تُراباً﴾ یعنی کافر کہے گا کاش میں مٹی ہوتا(۳)

علامہ مجلسی اس نام کی وجہ تسمیہ کے بارے میں اس طرح توضیح بیان کرتے ہیں کہ ''چونکہ شیعیان حضرت علی علیہ السلام خدا کے احکام کے آگے سر تسلیم خم ہیں۔ اسی لئے خاک کے نام سے پکارے

---

(۱) مناقب ابن مغازلی شافعی، ص ۸؛ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۳، ص ۱۱۱؛ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۲۲۔

(۲) الفصول المہمہ، ص ۱۳۰؛ انساب الاشراف ترجمہ امیر المومنینؑ ص ۵۔

(۳) نباء ۷۸: ۴۰؛ غایۃ المرام، ص ۲۵، باب ۱۷، مقصد الی، ج ۱؛ بحار الانوار، ج ۳۵، ص ۵۱۔

جاتے ہیں۔ آیہ قرآنی ہے ﴿یا لیتنی کُنتُ ترابا﴾ کاش میں خاک ہوتا؛ یعنی شیعہ ہوتا۔ اور چونکہ حضرت علی علیہ السلام رہبر شیعیان ہیں، لہٰذا ابوتراب کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔(۱)

ابوریحانتین

حضرت علی علیہ السلام کی دوسری کنیت جو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے لئے اختیار کی وہ ''ابوریحانتین'' ۔یعنی دو بہشتی ریحانہ یعنی حسن و حسین علیہما السلام کے باپ ہیں۔ کشف الغمہ، مناقب ابن مردویہ سے، وہ جابر سے یوں نقل کرتے ہیں: ''حضرت رسول خداؐ نے اپنی وفات سے تین دن قبل حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

'' سلامٌ علیک ابا الریحانتین ، اِو صیک بِرَیحانتَی مِن الدنیا فعن قلیلٍ یَنهَدُّ رُکناک واللّٰهُ خلیفتی علیک''؛

''اے دو ریحانہ کے باپ آپ پر سلام ہو، میں وصیت کرتا ہوں کہ دنیا میں میرے باغ کے پھول کے دو ریحان کا خیال رکھنا، تھوڑے عرصے کے بعد تیرے دو رکن (رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور فاطمہ سلام اللہ علیہا) جدا ہو جائیں گے۔ خدائے متعال کو تم پر خلیفہ قرار دیتا ہوں تا کہ وہ تمہاری حفاظت کرے''۔(۲)

القاب

القاب، لقب کی جمع ہے؛ لقب اس نام کو کہتے ہیں کہ جس کے ساتھ کسی کی شہرت ہو جائے، اور یہ اصل نام کے علاوہ ہوتا ہے۔ لقب میں کسی شخص کی تعریف یا مذمت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

---

(۱) بحار الانوار، ج ۳۵، ص ۵۱۔

(۲) کشف الغمہ، ج ۱، ص ۹۰۔

حضرت علیؑ کے بیشمار القاب ہیں۔ یہ تمام القاب حضرتؑ کی مدح پر دلالت کرتے ہیں، اور ان کی عظیم شخصیت کی عکاسی کرتے ہیں۔ ہم حضرتؑ کے بعض القاب کا ذکر کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں:

۱۔ امیر المومنین علیہ السلام

ابن صباغ مالکی کہتے ہیں: کہ ''حضرت علی علیہ السلام کا ایک لقب امیر المومنینؑ ہے''۔(۱) قندوزی حنفی حذیفہ یمانی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

''اگر لوگوں کو علم ہو جاتا کہ علیؑ کو کس وقت امیر المومنینؑ کا لقب دیا گیا۔ تو وہ ہرگز ان کے فضائل کے منکر نہ ہوتے۔ کیونکہ حضرت علی علیہ السلام اس وقت امیر المومنینؑ کے لقب سے ملقب ہوئے، جب آدمؑ جسم و روح کے درمیان تھے۔ جب خداوند عالم نے فرمایا: ''کیا میں تمہارا پروردگار نہیں؟'' سب نے کہا: ہاں!۔(۲) پھر خدا نے فرمایا: ''میں تمہارا پروردگار ہوں، اور محمدؐ تمہارا رسولؐ اور علیؑ تمہارا امیر ہے''۔(۳)

ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا: ''کیا یہ مناسب ہے کہ امام زمانؑ (اپنے زمانے کے امام کو) بعنوان ''امیر المومنین تم پر سلام ہو'' سلام کیا جائے؟ امامؑ نے فرمایا ''نہیں کیونکہ خداوند عالم نے صرف علی علیہ السلام کو اس لقب کے ساتھ پکارا ہے۔ اس سے پہلے کسی کو یہ لقب عطا نہیں ہوا اور آیندہ بھی سوائے کافر کے کوئی یہ لقب اپنے لئے اختیار نہیں کرے گا۔'' اس شخص نے کہا میں آپؑ

---

(۱) الفصول المہمۃ، ص۱۳۰۔

(۲) اعراف ۷: ۱۷۲۔

(۳) ینابیع المودہ، ج۲، ص۶۳ در بحار الانوار، ج۹، ص۲۵۶؛ تفسیر برہان، ج۲، ص۵۰؛ اثبات الہدات، ج۳، ص۵۴۵؛ اسی طرح کی حدیث جابر نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے۔

پر فدا ہو جاؤں، تو پھر قائم آل محمد علیہ السلام کو سلام کیسے کیا جائے؟'' امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''کہو! السلام علیک یا بقیّة اللّٰہ ''؛ سلام ہو آپ پر اے زمین پر خدا کی آخری حجت''۔ اس کے بعد حضرتؑ نے اس آیہ کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿بقیّتُ اللّٰہ خیرٌ لکُم إن کنتُم مؤمنین﴾ (۱) اگر تم باایمان ہو تو تمہارے لئے بقیۃ اللہ سب سے بہتر ہے۔ (۲)

اس لقب سے مزید آگاہی کے لئے ''الفصول المائۃ'' جلد ۳، فصل ۴۶ میں رجوع فرمائیں۔

۲۔ وصی

الفصول المہمہ میں درج ہے ''حضرت علی علیہ السلام کا ایک لقب وصی ہے۔ (۳) علامہ سید محسن امین تحریر فرماتے ہیں: کہ ''حضرت علی علیہ السلام کے دوست اور دشمن انھیں وصی کے نام سے پہچانتے ہیں۔ جنگ جمل میں قبیلہ بنی ضبہ کا ایک جوان حضرت عائشہ کے فوجیوں کی ایک علامت کے ساتھ میدان میں وارد ہوا اور اس نے کہا:

نحن بنی صبه اعداء علی ذاک الذی یعرف قدما بالوصی

ہم قبیلہ بنی ضبہ علی علیہ السلام کے دشمنوں میں سے ہیں، وہی علیؑ جو کہ قدیم الایام سے وصی کے طور پر پہچانے گئے ہیں۔ (۴)

۳۔ یعسوب الدین و یعسوب المومنینؑ

ابن ابی الحدید معتزلی کہتے ہیں کہ: ''یہ دو لقب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام

---

(۱) ہود، ۱۱:۸۶۔

(۲) کافی، ج ۱، ص ۴۱۱۔

(۳) الفصول المہمہ، ص ۱۳۰۔

(۴) اعیان الشیعہ، ج ۱، ص ۳۲۵۔

کو دو مقامات پر عطا کئے۔ ایک بار ان سے کہا: " اَنتَ یَعسوبُ الدّین " تو دین کا حاکم اور مالک و سرپرست ہے۔ دوسری بار فرمایا "اَنت یَعسوبُ المؤمنین " تو مومنین کا آقا اور سرپرست ہے۔

ابن الحدید اس حدیث کے ذیل میں مزید بیان کرتے ہیں: یہ دو لقب ایک ہی معنی رکھتے ہیں گویا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو مومنین کا سرپرست اور آقا قرار دیا ہے۔ یا یہ کہ دین کو علیؑ کے تابع اور ان کے پیچھے چلنے والا قرار دیا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے شہد کی مکھیاں اپنے سردار اور رہبر کے پیچھے چلتی ہیں۔ یہ عبارت بالکل حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کے مانند ہے کہ جس میں آپؐ نے فرمایا: " و اَدِرِ الحق معه کیف دار " جدھر علیؑ ہونگے حق بھی ادھر ہی رخ کرے گا"۔(۱)

حضرت علی علیہ السلام نے بھی ایک مقام پر اپنے اس لقب کی طرف اشارہ فرمایا ہے: "اَنا یَعسوبُ المؤمنین و المالُ یَعسوبُ الفُجار؛ " میں مومنوں کا پیشوا اور رہبر ہوں اور مال و دولت بدکاروں کا پیشوا ہے۔ علامہ سید رضی فرماتے ہیں: "اس فرمائش کا مطلب یہ ہے کہ مومنین میری اطاعت کرتے ہیں اور بدکار لوگ مال و دولت کی پیروی کرتے ہیں۔ جس طرح کہ شہد کی مکھیاں اپنے سردار کی اطاعت کرتی ہیں۔(۲)

علامہ سید محسن امین مسند امام حنبل سے نقل کرتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا "اَنتَ یَعسوب الدین و المالُ یَعسوبُ الظلمه؛" تو دین کا رہبر ہے اور مال ظالموں کا رہبر ہے"۔(۳)

---

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۹، ص ۲۲۴۔

(۲) نہج البلاغہ، کلمات قصار، ۳۱۶۔

(۳) اعیان الشیعہ، ج ۲، ص ۳۲۶۔

مجمع البحرین میں حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ''کـنـت لـلـمـؤمـنـیـن یـعـسـوبـاً'' میں مومنین کا پیشوا ہوں۔(۱) اور اسی کتاب میں درج ہے کہ رسول خداؐ نے علیؑ فرمایا: ''اَنتَ یَعسوبُ المؤمنین والمالُ یَعسوبُ الفُجار''؛ تم مومنین کے پیشوا ہو اور مال فاسق و فاجر لوگوں کا پیشوا ہے۔

ابن جوزی حضرت علی علیہ السلام کے اس لقب کی وجہ بیان کرتے ہیں: کہ جس طرح شہد کی مکھیوں کی ملکہ شہد کے چھتے کے باہر کھڑے ہو جاتی ہے اور جو بھی شہد کی مکھی چھتے میں داخل ہونا چاہتی ہے وہ اس کا منہ سونگھتی ہے۔ اگر خوشبو آئے تو اندر آنے کی اجازت دیتی ہے اور اگر بدبو آئے، تو اس کے دو ٹکڑے کر کے باہر پھینک دیتی ہے؛ روز قیامت حضرت علی علیہ السلام بھی جنت کے دروازے پر باہر کھڑے ہو جائیں گے، جس سے بھی دشمنی علیؑ کی بدبو آئے گی، اسے جہنم میں ڈال دیں گے۔(۲)

۴۔ امیر النحل

''شہد کی مکھیوں کے سردار'' کی تشبیہ حضرت علی علیہ السلام کو اس لئے دی گئی ہے کہ اگر پرندوں کو پتہ چل جائے کہ شہد کی مکھیوں کے دل میں کیا ہے، تو وہ انھیں کھا جائیں۔ اسی طرح اگر دشمنوں کو مومنین کے دلوں کے بارے میں خبر ہو جائے، تو وہ زخم زبان لگا لگا کر انھیں کھا جائیں گے۔

امام صادق علیہ السلام اس بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: ''شیعوں کی لوگوں کے درمیان ایسی حیثیت ہے جیسی پرندوں کے درمیان شہد کی مکھیوں کی ہے۔ اگر پرندوں کو پتہ چل جائے کہ شہد کی مکھیوں میں کتنی مٹھاس موجود ہے تو وہ انھیں کھا جائیں۔ اور اگر دشمنوں کو پتہ چل جائے کہ ہماری محبت تمہارے دلوں میں موجود ہے تو وہ کھلم کھلا یا چپ چاپ طریقے سے اپنی زبان کے ڈنک مار مار کر کھا جائیں۔

(۱) مجمع البحرین، ج ۲، ص ۱۷۸۔ مادہ ع س ب۔

(۲) تذکرۃ الخواص، ابن جوزی حنفی، ص ۱۶۔

خدا اس پر رحمت نازل کرے جو ہماری ولایت پر یقین رکھتا ہو۔(۱)

ابن جوزی حنفی اس تشبیہ کی ایک اور تفسیر بیان کرتے ہیں: وہ کہتے ہیں ''مومن کو شہد کی مکھیوں سے اس لئے تشبیہ دی گئی ہے چونکہ شہد کی مکھیاں پاکیزہ پھول سے کھاتی ہیں اور پاک شہد دیتی ہیں۔ مومنین بھی ایسے ہی ہیں اہل بیت علیہم السلام کی ولایت اور طیب وطاہر نور سے بھی استفادہ کرتے ہیں اور ان کے آثار سے بھی، جیسے سخاوت، صداقت، عبادت کرامت شفقت وغیرہ پاک و پاکیزہ ہیں اور حضرت علی علیہ السلام مومنین کے امیر اور مولا ہیں۔(۲)

ابن جوزی وجد میں آ کر کہتے ہیں:

ولایتی لاَمیرِ النحلِ تکفینی عندَ المَماتِ و تغسیلی و تکفینی

و طینتی عَجنتُ من قبلِ تکوینی بِحُبِّ حیدرِ کَیفَ النّارُ تکوینی

امیر المومنینؑ کی ولایت میرے مرتے وقت اور غسل وکفن دیتے وقت کافی ہے اور جب میری خلقت سے پہلے ہی میری طبیعت وفطرت اور خمیر میں محبت علیؑ ملا دی گئی ہے، تو بھلا جہنم کی آگ مجھے کیسے جلا سکتی ہے؟(۳)

۵۔ الانزع البطین

حضرت علیؑ کے دیگر القابات میں سے انزع بطین ہیں۔ انزع کے معنی جدا وعلیحدہ کرنے کے ہیں۔ ''نزع المیت روحہ؛ روح میت کے بدن سے جدا ہوگئی''۔(۴) بطین سے مراد علم و ایمان سے بھرا ہوا۔ ابن مغازلی شافعی کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

کہ ''اے علیؑ! خداوند متعال نے تجھے، تیرے اہل کو، تیرے شیعوں کو اور تیرے شیعوں کے

(۱) کافی، ج۲، ص۲۱۸؛ بحار الانوار ج۲۴، ص۱۱۲۔ (۲) تذکرۃ الخواص، ص۱۶۔

(۳) تذکرۃ الخواص، ص۱۶۔ (۴) نہایہ ابن اثیر، ۵، ص۴۱، مادہ نزع۔

دوستوں کو بخش دیا ہے. اے علیؑ! تو انزع بطین ہے۔ یعنی شرک تجھ سے دور ہے اور تیرا دل نورعلم سے لبریز ہے۔(۱)

بعض دیگر القابات جو حضرت علی علیہ السلام کے لئے بیان ہوئے ہیں وہ یہ ہیں:

حیدر ، مرتضیٰ، مولی المومنین، مبیر الشرک والمشرکین ، نفس الرسول اخو الرسول ، زوج البتول ، سیف الله المسلول، کشاف الکرب ،قسیم الجنة والنار، بیضة البلد، الصدیق الاکبر ، صاحب اللواء، خاصف النعل وغیرہ(۲)

---

(۱) مناقب ابن مغازلی شافعی،ص ۲۴۰ ح ۴۵۵۔

(۲) کشف الغمہ، ج ۱،ص ۹۳۔

والد محترم

قال امام جعفر صادق علیه السلام :

"مَثَلُ اَبی طالب مَثَلُ اَهل الکهف حینَ اَسَرُّوا الایمان واَظهَرُ وا الشِرکَ فَاتاهُم اللّٰه اَجرَهُم مَرَّتین"؛

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: حضرت ابو طالبؑ، کی مثال داستان اصحاب کہف کی طرح ہے کہ جنھوں نے اپنے ایمان کو مخفی رکھا اور اظہار شرک کیا۔لہٰذا خداوند متعال نے ان کو دو برابر اجر و ثواب عطا کیا۔(۱)

صدر اسلام کی مؤثر ترین شخصیات میں سے ایک شخصیت حضرت علی علیہ السلام کے پدر بزرگوار حضرت ابو طالبؑ ہیں۔جس وقت مشرکین مکہ نے حضورؐ کی ذات گرامی کو اپنی اذیت و آزار کا نشانہ بنایا ہوا تھا۔تو اس وقت اسلام پھیلانے میں ڈٹ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کی اور مسلمانوں کی ترقی اور کامیابی کے لئے بہت اہم کردار ادا کیا۔

افسوس کی بات ہے کہ یہ الٰہی بہادر انسان اسلام کے لئے ہر قسم کی قربانیاں دینے کے باوجود، (جو کہ دشمن و دوست کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں) بہت زیادہ مظلوم واقع ہوا ہے۔حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے انھوں نے جتنی بھی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں وہ نہ صرف یہ کہ تاریخ میں

---

(۱) بحار الانوار ج ۳۵، ص ۷۲۔

فراموش کردی گئی ہیں، بلکہ اس عظیم مسلمان کی طرف (نعوذ باللہ) کفر وشرک کی نسبت دے دی گئی۔

لہٰذا اس باب میں ہماری بنا یہ ہے کہ اس عظیم اسلامی شخصیت سے آگاہ کریں تا کہ اس طرح ہم وراثت کے لحاظ واعتبار سے علیؑ کے فضائل وکمالات سے باخبر ہونے کے علاوہ حضرت علی علیہ السلام کے پدر بزرگوار حضرت ابو طالبؑ پر عائد کئے گئے الزامات کا جواب دیکر کفر وشرک کی نسبت جوان کی طرف دی گئی ہے، ان سب کا ازالہ اور انھیں بے بنیاد نسبتیں قرار دیں۔ اس ہستی کے ایمان واسلام پر جو شبہات وارد کئے گئے ہیں ان کا دلیل وبرہان سے جواب دیکر اس کو ختم کیا جائے۔ زیارت وارثہ میں موجود اس حدیث شریف سے آشنائی حاصل کریں۔ "اَشھَدُ اَنَّکَ کُنتَ نوراً فی الاَصلابَ الشامِخَۃِ والاَرحامِ المطھَرۃِ لم تُنَجِّسکَ الجاھلیَۃُ بانجاسِھا ولَم تُلبِسکَ مِن مُدلَھِمّاتِ ثیابھا"۔

ہمیں جاننا چاہیئے کہ حضرت ابو طالبؑ وحضرت فاطمہؑ بن اسد، والدین حضرت علی علیہ السلام دونوں شروع ہی سے موحد اور خدا پرست تھے، اور حضرت ابراہیمؑ کی سنت پر گامزن تھے۔ ظہور اسلام کے بعد وہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے، اور دین وآئین محمدؐ پر اعتقاد اور ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔

حضرت ابو طالبؑ کا نام اور نسب

حضرت ابو طالبؑ کا نام "عمران" ہے بعض نے عبد مناف بھی لکھا ہے۔ چونکہ آپ کے بڑے بیٹے کا نام طالب تھا، اس لئے ابو طالب کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ آپ رسول خداؐ کی ولادت سے ۳۵ رسال پہلے مکہ معظمہ میں ایک خدا پرست اور مشہور خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ رسول خداؐ کے پدر بزرگوار اور حضرت عبد اللہؑ کے بھائی ہیں۔ جو "عبد المطلبؑ" رسول خداؐ کے جدا امجد، آپ کے والد ہیں۔ عبد المطلبؑ کی تمام عرب قبائل عزت واحترام کرتے تھے۔ انھیں ایک

باصلاحیت انسان اور توحید ابراہیمی کے مبلغ طور پہچانتے تھے۔عبدالمطلب اپنے دور میں پوری دنیا کی نظر میں اس طرح بارز تھے کہ سب لوگ آپ کو "سید البطحا" (مکہ اور اسی کے اردگرد کے علاقوں کے سردار)"ساقی الحجیج" (خانہ خدا کے حاجیوں کو پانی پلانے والے)"ابو السادہ" (نیکیوں اور عظمتوں کے پدر بزرگوار) اور "حافر الزمزم" (چاہ زمزم کھودنے والے) کے القاب سے یاد کرتے تھے۔عبدالمطلب حضرت محمدؐ کے وجود مبارک کی حفاظت اور نگہداری میں بہت کوشش کرتے تھے۔شیعہ وسنی دونوں کو اس حقیقت کا اعتراف ہے۔

ابوطالبؑ ایسے عظیم باپ کے بیٹے تھے اور وہ اس بزرگ اور خدائی شخصیت کے گھر پروان چڑھے۔حضرت ابوطالبؑ کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔آپ کے بیٹوں میں ہر ایک بڑے سے دس سال چھوٹا تھا،سب سے بڑا بیٹا طالب تھا۔جس کی کوئی اولاد نہ ہوئی۔دوسرا بیٹا عقیل اور تیسرا جعفر، جو کہ جعفر طیار کے نام سے مشہور ہیں۔آپ کے چوتھے اور آخری بیٹے کا نام علیؑ ہے۔

دو بیٹیاں ایک کا نام "فاختہ" کہ جسے "ام ہانی" کہتے تھے۔اور دوسری بیٹی کا نام "ریطہ" یا "اسماء" ہے۔ابوطالبؑ کی تمام اولاد حضرت فاطمہؑ بنت اسد سے ہیں۔ (۱)

حضرت ابوطالبؑ کی افتخار آمیز زندگی کا ایک نمونہ

حضرت ابوطالبؑ نے ایک خدا پرست گھرانے اور حضرت عبدالمطلبؑ جیسے باپ کے سائے میں جو کہ روحانی اور معنوی کمالات کے مالک تھے پرورش اور پروان چڑھے۔باپ کی طرح دین ابراہیمی کی ترویج کی۔خانہ خدا کے زائرین کو پانی پلانا اور حضرت محمدؐ کی حفاظت کرنا اپنے ذمہ لیا۔ابو طالبؑ نہ صرف یہ کہ شرک وبت پرستی سے بالکل متاثر نہ ہوئے بلکہ انھوں نے جاہلیت کی رسومات اور طور طریقوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔شراب نوشی کو خود پر حرام قرار دیا،اور ہر قسم کے فساد اور لہو ولعب سے

(۱) الفصول المہمہ، ص۳۰۔

خود کو دور رکھا۔(۱) وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے قتل ثابت کرنے کے لئے مقتول کے ورثاء کا قسم کھانا قضاوت میں سنت قرار دیا بعد میں اسلام نے بھی ''قسامہ'' کے نام سے اس پر مہر تصدیق لگادی۔(۲)

مورخین نے لکھا ہے ''ابوطالب ہجرت سے تین سال پہلے، حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا اور آپ کے اصحاب کے ''شعب'' کے محاصرے سے نکلنے کے بعد، ماہ شوال یا ماہ ذی القعدہ میں ۸۴/سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوگئے۔(۳) مرتے دم تک آپ کا دل خدا اور رسول محبت سے سرشار تھا۔ آپ کے بدن کو مکہ معظمہ میں مقبرہ حجون معروف بہ ''قبرستان ابوطالب'' میں دفن کردیا گیا۔ آپ کی وفات سے حضرت رسول خداؐ اور مسلمانوں پر کہ جن کی تعداد اس وقت پچاس سے زیادہ نہ تھی، حزن وملال کا سایہ چھا گیا۔ کیونکہ وہ اسلام کے بہترین حامی اور فداکار و مددگار کو کھو بیٹھے تھے۔ ابن کثیر اور ابن اثیر بیان کرتے ہیں کہ ''کفار قریش ابوطالبؑ کی وفات کے بعد رسول اسلامؐ پر مٹی اور کبھی اونٹ اور بکری کی اوجھڑی وغلاظت پھینکا کرتے تھے۔(۴) چند دنوں کے بعد جب حضرت محمدؐ اور اسلام کی ایک اور حامی ومددگار حضرت خدیجہؑ جیسی ہستی کی وفات ہوگئی تو مسلمانوں کا غم و اندوہ دوبرابر ہوگیا۔(۵)

حضرت ابوطالبؑ اور حضرت خدیجہؑ کی وفات سے حضرت رسول خدا کو بہت بڑا صدمہ پہنچا۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:۔

---

(۱) سیرۂ حلبی، ج۱، ص۱۸۴۔

(۲) ابوطالب مومن قریش، ص۱۱۶

(۳) کامل ابن اثیر، ج۱، ص۵۰۷۔

(۴) بدایہ ونہایہ ابن اثیر، ج۳، ص۱۰۲؛ کامل ابن اثیر، ج۱، ص۵۰۷۔

(۵) حضرت خدیجہ کی وفات حضرت ابوطالبؑ کی وفات کے ۳۰/دن یا ۳۵/یا ۵۵/روز کے بعد واقع ہوئی (کامل ابن اثیر، ج۱، ص۵۰۷)۔

"مانالَتْ قریشٌ مِنّی شیئاً اُکرھه حتّٰی مات اَبو طالب"؛

جب تک ابو طالبؑ زندہ رہے قریش میں جرأت نہ ہوئی کہ وہ مجھے اذیت و آزار پہنچاتے۔ (۱)

حضرت عبد المطلبؑ کی وفات کے بعد حضرت ابو طالبؑ نے حضور اکرم ﷺ کی پرورش اور سرپرستی کی ذمہ داری اپنے سر لی۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک ۸ر سال تھی۔ ہر وقت حضرت ابو طالب ۴۲ر سال پروانہ وار نبی اکرم ﷺ کے شمع وجود کے ارد گرد رہے اور ہر حال میں ہر طرح سے سفر و حضر میں ان کی پوری حفاظت کرتے رہے۔ اور حضرت رسول خدا ﷺ کے مقدس "ہدف" یعنی توحید کا پرچار کرنے اور شرک اور بت پرستی کی بیخ کنی کرنے میں کوئی لحمہ فروگذار نہیں کیا۔ حتیٰ کہ تین سال تک "شعب ابی طالبؑ" جیسے خشک و جلا دینے والے درے میں حضرت رسول خدا ﷺ اور دیگر بنی ہاشم کے ہمراہ محصور رہے۔ وہ ہمیشہ اپنے ایمان کو چھپاتے رہے تا کہ اسلام اور رسول پاک کا بہتر طور پر دفاع کر سکیں۔ آپ اپنے اشعار میں اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں۔:

لَیعلَمَ خیارُ النّاس اَنّ محمدًا نبیٌّ کموسیٰ والمسیح بنِ مریم
اَتانا یُھدیٰ مِثلَ ما اَتیابِہ فکلٌّ بامرِ اللّٰہِ یَھدی و یَعصِمُ
واِنّکم تَتلونہ فی کتابکم بصدقِ حدیثٍ لا حدیث المُرجمُ

سمجھدار انسانوں کو جان لینا چاہیئے کہ محمد بھی موسیٰؑ و عیسیٰؑ کی مانند نبی ہیں۔
جس طرح وہ دونوں نبی آسمانی ہدایت لے کر آئے وہ سب کچھ یہ بھی یہی لے کر آئے ہیں۔
اور تمام انبیاء اللہ کے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں اور گناہ سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔
اور تم ان کے اوصاف کو آسمانی کتابوں میں اچھی طرح پڑھتے ہو، یہ بات بالکل صحیح ہے اور خیال و بیہودہ نہیں ہے۔ (۲)

---

(۱) کامل ابن اثیر، ج ا، ص ۵۰۷۔

(۲) تفسیر مجمع البیان، ج ۷، ص ۳۴۔

حضرت ابو طالبؑ اور راہب

حضرت ابو طالبؑ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے بہت زیادہ پیار و محبت کرتے تھے۔ آپؐ کو گھر کے دیگر افراد پر ترجیح دیتے تھے۔ ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ جس کی بنا پر حضرت ابو طالبؑ کی آپ سے محبت اور آپ کی جان و ہدف کی حفاظت کرنا دو برابر ثابت ہوتا ہے۔ یہ واقعہ شام کی طرف تجارت کا سفر تھا۔ سفر پر روانہ ہوتے وقت محمدؐ نے (جو ابھی ۱۲ سال کے نہ ہونے پائے تھے) اپنے چچا کے اونٹ کی مہار پکڑی، آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ اپنے چچا سے کہا: ''چچا جان مجھے کس کے حوالے کر کے جا رہے ہیں؟''۔

ابو طالبؑ یہ سنکر بہت غمگین ہوئے اور بھتیجے کو اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ کر لیا۔ ان کو اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھا لیا اور شام لے گئے۔ راستے میں ''بصریٰ'' نامی ایک مقام پر پہنچے وہاں ایک دیر میں عیسائی راہب رہتا تھا۔ دوسرے چھوٹے راہب اس بڑے راہب سے ملاقات کرنے وہاں آتے تھے۔ ہر سال قریش کا قافلہ وہاں سے گزرتا تھا۔ مگر راہب کبھی اس طرف توجہ نہیں دیتا تھا۔ اس سال گزشتہ سالوں کے برعکس راہب نے قافلے والوں کو دعوت طعام دی۔ راہب کی توجہ قریش کے قافلہ پر سایہ فگن بادل کی طرف مرکوز ہوئی۔ وہ سمجھ گیا کہ اس قافلہ میں ایک ایسا شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کا خاص بندہ ہے۔ اہل قافلہ جب صومعہ (دیر) میں داخل ہوئے تو راہب نے دیکھا کہ بادل کا ٹکڑا اپنی جگہ پر رک گیا ہے۔ اس نے پوچھا: ''کیا قافلے میں سے کوئی شخص باہر رہ گیا ہے؟'' انھوں نے کہا: ''ایک بچہ مال اور اونٹوں کی رکھوالی کے لئے رہ گیا ہے''۔

راہب نے کہا: ''اسے بھی اندر بلاؤ!'' حضرت محمدؐ وارد ہوئے۔ راہب نے آپؐ کے قد و قامت کو غور سے دیکھا۔ قافلہ والوں میں سے ایک نے راہب سے کہا: ''ماضی میں کبھی تو نے ہماری

دعوت نہیں کی تھی، کیا اب کوئی خاص بات ہے جو تو نے ہمیں اپنے پاس بلایا ہے؟

راہب نے جواب دیا: "ہاں ایسا ہی ہے۔ اب تم میرے مہمان ہو"۔ کاروان والے کھانے سے فارغ ہو کر متفرق ہو گئے۔ راہب حضرت ابو طالبؑ اور رسول اکرمؐ کے ہمراہ ایک طرف تنہائی میں مصروف گفتگو ہوا۔ راہب نے حضرت محمدؐ کو مخاطب کر کے کہا: "اے لڑکے تمہیں لات و عزیٰ (مکہ میں موجود دو بڑے بت) کی قسم دیتا ہوں جو کچھ میں پوچھوں جواب دینا"۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "لا تسالنی باللات والعُزّیٰ فواللہ ما اَبغضتُ شیئاً قطّ بغضھما" لات و عزیٰ کی قسم دیکر مجھ سے کوئی سوال نہ کر! خدا کی قسم مجھے ان سے زیادہ نفرت کسی چیز سے نہیں ہے۔

راہب نے کہا: "تو پھر تمہیں خدا کی قسم دیکر کہتا ہوں کہ میرے سوالات کے جواب دو!"

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو سوال پوچھنا چاہتے ہو معلوم کرو۔"

راہب نے حضرت کے حالات سے متعلق جیسے سونا، جاگنا اور دیگر امور کے بارے میں دریافت کیا۔ حضرت نے سب کا ویسا ہی جواب دیا جیسا کہ راہب کا خیال تھا اور اس نے انجیل و دیگر کتب میں پیغمبر خاتم النبیین کے بارے میں پڑھا تھا۔ اس کے بعد اس نے آپ کے دونوں شانوں کے درمیان دیکھنے کا اصرار کیا۔ راہب نے حضرت کے شانوں کے درمیان مہر نبوت کا مشاہدہ کیا۔ اس کے بعد جناب ابو طالبؑ سے سوالات کیے۔ ان سے پوچھا: "اس لڑکے کا آپ سے کیا رشتہ ہے؟"۔ انھوں نے کہا "میرا بیٹا ہے"۔ راہب نے کہا: "یہ آپ کا بیٹا نہیں ہے" ابو طالبؑ نے کہا: "وہ میرے بھائی کا بیٹا ہے"۔ راہب نے پوچھا: "اس کا باپ کہاں ہے؟" ابو طالبؑ نے کہا: "اس کا باپ اس کے دنیا میں آنے سے پہلے ہی فوت ہو گیا تھا۔" راہب نے ابو طالبؑ کی بات کی تصدیق کی اور کہا: "اسے واپس مکہ میں لے جاؤ اور یہودیوں کے شر سے اسے محفوظ رکھو۔

خدا کی قسم اگر یہودیوں کو اس بات کا پتہ چل جائے گا تو وہ اس کے دشمن ہو جائیں گے اور اسے

قتل کر دیں گے۔ اس بچے کا مستقبل بہت روشن اور درخشان ہے۔ اسے فوراً اس کے شہر لے جاؤ"۔(۱)

حضرت ابو طالبؑ نے اس حکایت کو اشعار میں یوں بیان کیا ہے۔ یہاں پر دو شعر تحریر کرتے ہیں:

اِنَّ ابن امنةَ النبی محمداً عندی یَفوقُ منازِلَ الاولاد

لما تعلَّقَ بِالزِمَامِ رَحِمتُهُ والعیس قد قَلَّصْنَ بِالازوادِ

محمدؐ آمنہ کا بیٹا جو کہ پیغمبرؐ ہے، اس کا رتبہ میرے نزدیک میرے بیٹوں سے بھی زیادہ ہے۔
سفر کے وقت اس نے میرے اونٹ کی مہار پکڑی درحالیکہ وہ الجھی ہوئی ٹہنیوں کی طرح مجھ سے چمٹا ہوا تھا، میں نے اسے شفقت اور محبت دی۔(۲)

اسلام سے پہلے ابو طالبؑ کی توحید پرستی

ہم شیعوں کے عقیدہ کے مطابق اور تاریخی اسناد و مدارک کے پیش نظر، ابو طالبؑ قبل از بعثت رسول خداؐ، توحید پرست تھے اور حضرت ابراہیمؑ کے دین پر تھے۔ روایات گواہ ہیں کہ آپ اللہ کے نیک بندوں اور اولیائے کرام میں سے تھے۔ حضرت ابو طالب کی اسلام سے پہلے یکتا پرستی کے بارے میں اسلام کے پیشواؤں سے بہت سی روایات موجود ہیں۔ یہاں پر چند روایات کا ذکر کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ لیکن ان روایات کو نقل کرنے سے پہلے اس حقیقت کا ذکر کرتے ہیں کہ جس کے بارے میں شیعہ متفق القول ہیں۔

(۱) سیرۃ ابن ہشام، ج ا، ص ۱۹۱؛ سیرہ حلبی، ج ا، ص ۱۹۱؛ طبقات الکبری لابن سعد، ج ا، ص ۱۲۹؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۳۲؛ الغدیر، ج ۷، ص ۳۴۲۔

(۲) الغدیر، ج ۷، ص ۳۴۳؛ تاریخ ابن عساکر سے منقول، ج ا، ص ۲۶۹؛ دیوان ابو طالبؑ، ص ۳۳۔

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ امام معصومؑ کے اباء واجداد موحد و خدا پرست ہونے چاہییں۔ جو شخص مشرک اور بت پرست ہو، یا اس کے اباء واجداد مشرک ہوں، تو وہ امامت و رہبری کے قابل نہیں ہے۔ چونکہ حضرت علی علیہ السلام خداوند متعال کی جانب سے نص پیغمبرؐ اور قرآن کریم کے مطابق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی وخلافت اور مسلمانوں کی امامت و رہبری کے لئے منصوب ہوئے ہیں۔ تو ضروری ہے کہ آپ کے آباء واجداد خدا پرست اور موحد ہوں۔ لہٰذا حضرت ابو طالبؑ و جناب فاطمہؑ بنت اسد قبل از اسلام بھی موحد تھے۔ اسی طرح آپؑ کے اباء واجداد عبد المطلب، عبد مناف تا حضرت ابراہیمؑ خدا پرست تھے۔

چند احادیث

ا۔ عبد اللہ بن کثیر کہتے ہیں کہ میں نے امام صادق علیہ السلام سے سنا: انھوں نے فرمایا: ''جبرئیلؑ رسول خداؐ پر نازل ہوئے اور کہا: ''اے محمدؐ تیرے پروردگار نے تجھے سلام کہا ہے اور وہ کہتا ہے:

''میں نے آتش جہنم کو اسی صلب پر کہ ''جو تجھے وجود میں لایا'' اس شکم پر کہ جس نے تجھے اٹھائے رکھا اور اس گود پر کہ جس نے تجھے پروان چڑھایا، حرام قرار دیا ہے۔ پھر جبرئیل نے وضاحت کرتے ہوئے کہا'' صلب سے مراد آپ کے والد عبد اللہ بن عبد المطلب ہے، شکم سے مراد آپ کی والدہ آمنہ بنت وہب ہیں۔ اور گود سے مراد جناب ابو طالبؑ (۱) اور فاطمہ بنت اسد ہیں (۲)

۲۔ شیخ صدوق اصبغ بن نباتہ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ میں نے امیر المومنینؑ سے سنا، آپ نے فرمایا:

''خدا کی قسم نہ میرا باپ ابو طالبؑ مشرک تھا اور نہ ہی میرے جد عبد المطلبؑ نہ ہاشم اور نہ ہی

---

(۱) حضرت ابو طالب کا نام ''عبد مناف'' ہے۔

(۲) بحار الانوار، ج ۳۵، ص ۱۰۹۔

عبد مناف۔ ان میں سے کبھی بھی کسی بھی بت کی پوجا نہیں کی۔

ایک شخص نے سؤال کیا: پس وہ خدا کی کس طرح عبادت کرتے تھے؟ فرمایا "کانوا یصلون الی البیت علی دین ابراهیم متمسکین به" وہ خانہ خدا کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے اور دین ابراہیم پر عمل پیرا تھے۔ (۱)

۳۔ علامہ مجلسی کتاب روضۃ الواعظین سے جابر بن عبداللہ انصاری سے ایک مفصل حدیث نقل کرتے ہیں۔ یہاں پر اس حدیث کا وہ حصہ جو ہمارے موضوع سے مناسبت رکھتا ہے تحریر کرتے ہیں۔ جابر بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں: میں نے رسول خداؐ سے علیؑ ابن ابی طالبؑ کی ولادت کے بارے میں پوچھا" رسول خداؐ نے فرمایا:

"واہ واہ، تم نے بہترین مولود کے بارے میں سؤال کیا ہے، وہ مولود جو میرے بعد حضرت مسیح کی سنت پر دنیا میں آیا۔ (۲) خداوند متعال نے تمام موجودات کے پیدا کرنے سے پانچ لاکھ سال (۳) پہلے مجھے اور علیؑ کو ایک ہی نور سے خلق کیا۔ اس عالم میں، میں اور علیؑ خدا کی تسبیح و تقدیس بیان کرتے رہے۔ جب خدا نے آدمؑ کو خلق کیا تو میرے اور علیؑ کے نور کو ان کے صلب میں رکھا۔ مجھے آدم کے دائیں طرف اور علیؑ کو بائیں طرف رکھا۔ پھر صلب آدمؑ سے ہمیں پاکیزہ اصلاب اور مطہر رحموں میں منتقل کیا۔ یہاں تک کہ میرا نور صلب عبداللہ بن مطلب اور رحم آمنہ میں منتقل کیا اور علیؑ کا نور صلب ابو طالبؑ اور رحم فاطمہؑ بنت اسد میں منتقل کیا...... (۴)

معصوم اماموں کے زیارتناموں میں بھی اس مطلب کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ چنانچہ زیارت

(۱) بحارالانوار، ج ۳۵، ص ۸۱ و ج ۱۵، ص ۱۴۴۔

(۲) سنت حضرت مسیح یہ ہے کہ مخفی طور پر دنیا میں آئے اور مقدس خواتین اور بہشتی حوریں وقت ولادت موجود تھیں۔ حضرت علیؑ کی ولادت کے وقت بھی حوریں موجود تھیں۔

(۳) اس بارے میں مختلف روایات موجود ہیں۔

(۴) بحارالانوار، ج ۳۵، ص ۱۰۔

وارثہ میں امام حسینؑ کوخطاب کرتے ہوئے آیا: " اَشهَدُ اَنَّکَ کُنتَ نورًا فی الاَصلاب الشامِخَةِ و الارحامِ المطهَّرةِ لم تُنَجِّسکَ الجاهلیَّةُ بانجاسِها و ......" گواہی دیتا ہوں کہ آپ کا نور بلند ہستیوں کے صلب میں اور پاک رحموں میں تھا کہ جن کو جاہلیت کی نجاستوں نے آلودہ نہ کیا۔

حضرت ابوطالبؑ کے اسلام کے بارے میں بے بنیاد الزامات

شیعہ وزیدیہ علماء کرام اسی طرح بعض سنی علماء کرام (۱) اسلامی اور تاریخی روایت کے پیش نظر (جن کا ذکر بعد میں آئے گا) یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ابوطالبؑ بعثت رسولؐ کے تیسرے سال آیت ﴿وانذر عشیرتک الاقربین﴾ (۲) کے نزول اسلام کے عمومی اعلان کے بعد، اسلام کے زندگی بخش پیغام پر ایمان لائے اور جب تک زندہ رہے مسلمان رہے اور خدا اور رسولؐ پر ایمان و عشق سے مالا مال دل کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔ لیکن انھوں نے دین خدا کے بہتر دفاع اور اسلامی اہداف کی تکمیل کی خاطر رسول خداؐ کی حفاظت کی ذمہ داری کو بہتر انداز میں بجالانے کی وجہ سے تقیہ اختیار کیا، اور اپنے ایمان کو مخفی رکھا۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ بعض سنی علماء نے حق وانصاف کا دامن ترک کرتے ہوئے حضرت ابوطالبؑ کے اسلام کے بارے میں منفی اظہار کیا ہے اور کہا کہ ہمیں ان کے اسلام و مسلمان ہونے کے بارے میں شک وشبہ ہے۔ (۳)

(۱) زینی دحلان مفتی مکہ سال وفات ۱۳۰۴ھ، ان سنی علماء میں شامل ہیں جنھوں نے حضرت ابوطالبؑ کے مسلمان ہونے کا اعتراف کیا ہے۔

(۲) شعراء ۲۶: ۲۱۴۔

(۳) ابن ابی الحدید معتزلی حضرت ابوطالبؑ کے اسلام بارے میں شک کرنے والوں میں شامل ہیں۔ اس نے علماء کے اقوال کا تجزیہ کرتے ہوئے نہج البلاغہ کی شرح میں بہت سارے صفحات (ج ۱۴، ص ۵۲۔۸۴) کو ابوطالبؑ کے اسلام پر بحث وانتقاد سے مختص کیا ہے۔ بحث ختم کرنے سے پہلے وہ لکھتے ہے: "مجھے ابوطالبؑ کے اسلام کے (باقی اگلے صفحہ پر)

بعض علماء جو حضرت علیؑ سے کینہ رکھتے تھے، انھوں نے نفرت کی عینک لگا کر فضائل کی اشاعت کی روک تھام کے لئے تمام کوششیں کیں، اور حضرت کے مقام ومرتبہ کو گرانے کی خاطر نہ صرف یہ کہ ان کے والد بزرگوار کے مسلمان ہونے سے انکار کردیا بلکہ نہایت خودسرانہ اور گستاخانہ انداز میں لکھا کہ: ''بعض آیات قرآنی جو کفر اور عذاب کے بارے میں ہیں وہ (نعوذ باللہ) ابوطالبؑ کے بارے میں نازل ہوئیں ہیں حالانکہ ابن ابی الحدید ان کے بارے میں لکھتے ہیں: اگر ابوطالبؑ نہ ہوتے تو اسلام کا نام بھی باقی نہ رہتا۔(۱)

بعض مصنفین نے متعصب افراد کے اقوال کی تحقیق کئے بغیر انھیں اپنی کتب میں درج کردیا ہے، جس کی وجہ سے عوام کے اذہان عالیہ میں حضرت ابوطالبؑ کے ایمان کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہوئے ہیں۔ اس اندھی تقلید کا اثر یہ ہوا کہ اگر کوئی شیعہ مکہ میں پل حجون کے کنارے حضرت ابوطالبؑ کے مزار پر فاتحہ پڑھے اور مغفرت طلب کرے تو اس کو مذاق اور بھونڈے رویے کا

بارے میں شک ہے اور بعض متضاد روایات کی رو سے ان کا ایمان لانا مبہم ہے۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ وہ مسلمان تھے یا نہیں''۔ پھر لکھتے ہیں: کہ خلاصہ یہ کہ حضرت ابوطالبؑ کے اسلام لانے کے بارے میں روایات بہت زیادہ ہیں۔

البتہ کچھ روایات کے بقول وہ اپنی قوم کے مذہب پر تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسی صورت حال میں چاہیے کہ سکوت اختیار کیا جائے اور میں سکوت اختیار کرنے والوں میں شامل ہوں۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱۴،ص ۸۲)۔

ہر باانصاف انسان جو صدر اسلام کی صورت حال سے آگاہ اور حضرت ابوطالبؑ کی زندگی سے باخبر ہو وہ رسول خداؐ کی جان کی حفاظت کی خاطر ابوطالبؑ کے تقیہ اور مخفی ایمان کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے ایمان واسلام کا انکار نہیں کرسکتا حضرت ابوطالبؑ کے ایمان نہ لانے سے متعلق روایات اگر جعلی نہ ہوں تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ تقیہ کی وجہ سے تھیں۔ مؤلف کتاب کے نزدیک ابن ابی الحدید حضرت ابوطالبؑ کو مسلمان مانتے تھے مگر وہ تقیہ کررہے تھے۔

ابن ابی الحدید حضرت ابوطالبؑ کو مسلمان مانتے تھے مگر وہ تقیہ کررہے تھے۔ چونکہ وہ اپنے زمانے کے متعصب علماء کے الزامات سے ڈرتے تھے اور جرأت کے ساتھ حضرت ابوطالبؑ کے مسلمان ہونے کے بارے میں اپنے عقیدہ کو بیان کرنے کی جرأت نہ کرسکے۔

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱،ص ۱۴۲۔

سامنا کرنا پڑے گا۔ متعصب اور خودغرض مصنفین اور محققین، چونکہ اس عظیم اور الٰہی انسان کے اسلام اور رسول خداؐ کے حوالے سے قربانیوں اور جاں نثاریوں پر پردہ ڈالنے میں ناکام رہے۔ لہٰذا انھوں نے ایک لاحاصل اور بے بنیاد توجیہ کا سہارا لیا کہ حضرت ابوطالبؑ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت ایمان اور اعتقاد کی وجہ سے نہیں کرتے تھے، بلکہ رشتہ داری اور بھتیجے سے شدید محبت کی خاطر تھی۔ وہ مخالفوں اور مشرکین کا مقابلہ اور حضورؐ اکرم کا دفاع اس لئے کرتے تھے کہ بھتیجے کی جان سالم رہے۔ لیکن انھیں حضور اکرمؐ کے دین سے کوئی واسطہ نہ تھا۔

اگر حضرت ابوطالبؑ کی مخلصانہ قربانیوں اور حمایتوں کے بارے میں تھوڑا بہت غور کیا جائے تو واضح طور پر دشمنان اہل بیت علیہم السلام کے ان بے اساس الزامات کی حقیقت کا پتہ چل جائے گا۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ابوطالبؑ جیسی معروف و مشہور شخصیت جو قریش اور مکہ والوں کے نزدیک خاص مقام کی حامل تھی۔ وہ اپنے باطنی عقیدہ کے خلاف صرف خاندانی محبت کی خاطر اپنی پوری زندگی کو حضورؐ پر فدا کریں کیا یہ ممکن ہے کہ ابوطالبؑ بھتیجے سے محبت کی خاطر اپنے بیٹے علیؑ کو ان کی خدمت پر لگا دیں اور حکم دیں کہ اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے حضورؐ کی حمایت کرے؟ اور خود بھی تین سال تک شعب ابی طالبؑ میں بھوک و پیاس اور روحانی و جسمانی مشکلات و اذیتیں برداشت کریں اور فقط خاندانی رشتے کی خاطر حضورؐ کے ہمراہ رہیں؟ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ابوطالبؑ رسول خداؐ کی حمایت کرنا صرف خوشنودی خدا کی خاطر تھا نہ کہ مادی اور خاندانی مفاد کی خاطر۔ وہ اس بات پر ایمان اور اعتقاد رکھتے تھے کہ رسول خداؐ انسانی فضیلت کے مظہر کامل ہیں اور آپ کا دین انسانی سعادت کا بہترین ضامن ہے۔ لہٰذا ایسے دین کی حمایت کرنا باعث افتخار ہے۔

بعثت رسولؐ سے پہلے اسی طرح بعثت رسولؐ کے بعد کی دس سالہ زندگی میں انھوں نے ایک لمحہ کے لئے بھی حضورؐ کا ساتھ نہ چھوڑا، اور آپ کی حمایت و حفاظت میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ خدا اور رسولؐ کی محبت و عشق میں وہ دنیا سے رخصت ہوئے۔ اور رحمت پروردگار کے جوار میں جا پہنچے۔ خدا انبیاء

اور فرشتوں کا ان پر درود و سلام ہو۔

حضرت ابو طالبؑ کی فداکاری اور ایمان کے بارے میں ابن ابی الحدید کے بس یہ چند اشعار ہی کافی ہیں:

ولـولا اَبـو طـالـب و ابـنُـه لما مُثّلَ الدّین شخصًا فقاما

فـذاک بـمـکة اویٰ وحـامـی وهـذا بیثرب جَسّ الحماما

تـکـفَّـلَ عبدُ منـافٍ بـاَمـرٍ واَودیٰ فکان علـیٌّ تماما (۱)

اگر ابو طالبؑ اور ان کے بیٹے علیؑ نہ ہوتے تو دین قائم نہ رہتا۔

ابو طالبؑ نے مکہ میں دین خدا کی حمایت کی اور اسے پناہ دی، اور علیؑ نے مدینہ میں کبوتر کی طرح دین کو پرواز عطا کی۔

ابو طالبؑ نے ایک ذمہ داری اٹھائی ان کی وفات کے بعد علیؑ نے اسے پورا کیا۔

وضاحت

ممکن ہے بعض افراد کے ذہن میں سوال پیدا ہو کہ ابو طالبؑ نے تقیہ کیوں اختیار کیا، اور وفات تک اپنے ایمان کو مخفی کیوں رکھا؟۔ ایمان ظاہر کرنے میں کیا مشکل تھی، کیا نقصان پہنچنے کا خدشہ تھا؟

صدر اسلام اور بعثت کے زمانے کی پوزیشن اور صورت حال کے ملاحظے کے بعد اس سوال کا جواب واضح ہو جاتا ہے۔ بعثت کے تیسرے سال جب رسولؐ نے حکم خداوندی ﴿وانذر عشیرتک الاقربین﴾ (۲) کے تحت دین اسلام کا واضح اعلان کر دیا، اور سب کو عمومی دعوت دی

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۴، ص ۸۴۔

(۲) شعراء ۲۶: ۲۱۴۔

تو ساری دنیائے کفر و شرک، خصوصاً کفار مکہ اور قبیلہ قریش آپ کے مقابلے کے لئے آمادہ ہو گئے رسول خداؐ کو قتل کرنے اور دین اسلام کو ختم کرنے پر تل گئے، ایسے سخت حالات میں فقط علیؑ اور خدیجہؑ تھے، جو رسول خداؐ پر ایمان لائے تھے جبکہ ان کی زندگی بھی خطرے میں تھی۔

ابو طالبؑ جو کہ بنی ہاشم کے سردار اور کعبہ کے پردہ دار تھے، تمام مکہ والوں اور کفار قریش کے نزدیک با احترام شخصیت شمار کئے جاتے تھے۔ وہ رسول خداؐ پر ایمان لے آئے، وہ اسلام اور رسول خداؐ کے دفاع و حمایت کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔ اسلام و حضرت محمدؐ کی حمایت اور حفاظت کرنے والی ذمہ داری کو بطور احسن انجام دینے کی خاطر انھوں نے اپنے باطنی ایمان و اعتقاد کو مخفی رکھا اور قریش اور کفار مکہ کی سختیوں اور ظلم و ستم کا بہتر طور پر مقابلہ کرنے کے لئے انھوں نے اپنی گزشتہ معمول کی زندگی کو ظاہراً جاری رکھا۔ ایسے حالات میں اگر وہ اپنے اسلام کا اظہار کر دیتے (جیسا کہ بنی ہاشم کے اکثر افراد نے اسلام پر اپنے ایمان کا اعلان کر دیا تھا) تو قریش اور کفار مکہ انھیں اپنے سے بالکل دور کر دیتے، تب وہ مخالفوں اور مشرکوں کے مقابلے میں اسلام اور رسول خداؐ کا جس طرح دفاع کرنا چاہتے تھے نہیں کر سکتے تھے۔ اس طرح انھوں نے باوجود اس کے کہ ایک حقیقی مسلمان اور اسلام و رسول خداؐ کے جاں نثار تھے۔ شرک و کفر کا الزام اپنے سر لیا، تا کہ حضورؐ کی جان کی حفاظت کی اہم ذمہ داری کو انجام دے سکیں۔ یہی وجہ تھی کہ پروردگار عالم کے نزدیک ان کا اجر و ثواب دو برابر ہے۔

شیخ صدوق کتاب اکمال الدین میں امام صادق علیہ السلام سے روایت نقل کرتے ہیں:

”ابو طالبؑ نے اپنے ایمان کو مخفی رکھا اور بظاہر شرک کیا، جیسے ہی ان کی وفات ہوئی تو رسول خداؐ پر وحی نازل ہوئی کہ مکہ سے چلے جائیں، کیونکہ ابو طالبؑ جیسے مددگار اب موجود نہیں، لہٰذا پیغمبرؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ (۱)

مذکورہ بالا بحث سے متعصب افراد کی غرض و غایت اور ان کا جواب واضح ہو گیا ہے۔ مزید

(۱) بحار الانوار، ج ۳۵، ص ۸۱۔

وضاحت اور شبہات کے ازالہ کے لئے حضرت ابو طالبؑ کے ایمان و اسلام کے بارے میں بعض دیگر دلائل کی طرف اشارہ کرتے ہیں تا کہ کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے۔

حضرت ابو طالبؑ کے ایمان واسلام کے بارے میں دلائل

یہاں پر چند ایسے دلائل اور واقعات کا ذکر کرتے ہیں جو حضرت ابو طالبؑ کے ایمان و اسلام پر دلالت کرتے ہیں۔ ان میں ہر ایک دلیل تن وتنہا جناب ابو طالبؑ کے اسلام کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ ان دلائل کے بیان سے پہلے علامہ مجلسی کی ایک دلیل کا ذکر کرتے ہیں۔

علامہ مجلسی حضرت ابو طالبؑ کے ایمان کے بارے میں تحریر کرتے ہیں: شیعہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت ابو طالبؑ پیغمبر اسلام کی بعثت کے آغاز ہی سے ایمان لے آئے تھے۔ انھوں نے ہرگز ہرگز بتوں کی پوجا نہ کی تھی۔ بلکہ آپ حضرت ابراہیمؑ کے اوصیاء میں سے ہیں شیعہ و سنی علماء کی روایات اس بات کی حقیقت پر گواہ ہیں۔ اکثر شیعہ علماء اور محدثین نے ایمان ابو طالبؑ کے بارے میں مستقل کتابیں تحریر کی ہیں۔ مزید لکھتے ہیں: ابن اثیر نے کتاب ''جامع الاصول'' میں لکھا ہے:

''اہل بیتؑ رسول کا عقیدہ ہے کہ رسول خداؐ کے چچاؤں میں حصرت حمزہؓ اور حضرت ابو طالبؑ کے علاوہ کوئی ایمان نہیں لایا۔

علامہ طبری اس بارے میں رقمطراز ہیں:

''اہل بیتؑ رسول کا ایمان ابو طالبؑ پر اجماع ہے۔ اور اہل بیتؑ کا اجماع ہر صورت میں حجت اور قابل قبول ہے۔ کیونکہ وہ ان دو باوزن چیزوں میں سے ایک ہیں۔(۱) کہ جن کے ساتھ

(۱) دو ثقل اس حدیث رسول کی طرف اشارہ ہے جو متواتر ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی و انھما لن یتفرقا حتی یردا علی الحوض''؛ میں تمہارے درمیان (باقی اگلے صفحہ پر)

تمسک رکھنے کا حضور نے حکم دیا ہے۔(۱)۔

اب ہم یہاں پر حضرت ابو طالبؑ کے اسلام وایمان پر دو دلائل ذکر کرتے ہیں۔

ا۔رسول خداؐ کے لئے حضرت ابو طالبؑ کی کھلم کھلا قربانیاں

حضرت ابو طالبؑ کا پیغمبر گرامی کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے لئے جاں نثاری وفدا کاری آپ کے اعتقادات اور روشن فکری کی دلیل ہے۔حضرت ابو طالبؑ نے اکثر مواقع پر اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر حضورؐ کی جان بچائی۔چند واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

[الف]:حضور اکرمؐ پر جانوروں کی اوجھڑی پھینکنے والوں سے بدلہ لینا

ہشام بن حکم،امام صادقؑ سے روایت کرتے ہیں:ایک دن رسول خداؐ مسجد الحرام میں مشغول نماز تھے۔ایک شخص نے مشرکوں کی سازش کو عملی جامہ پہناتے ہوئے رسول خدا ﷺ کے اوپر حالت سجدہ میں اوجھڑی ڈال دی جس سے حضرت کا لباس آلودہ ہوگیا۔حضور اکرم ﷺ جو کہ صرف ابو طالبؑ کو ہی اپنا محافظ وسرپرست سمجھتے تھے سخت غم وحزن کے ساتھ ابو طالبؑ کے پاس پہنچے اور کہا:" یا عم کیف ترایٰ حسبی فیکم ؟"،چچا جان آپ کے نزدیک میری کیا حیثیت ہے؟ابو طالبؑ نے پوچھا اے بھتیجے کیا ہوا ہے؟حضور اکرم ﷺ نے مسجد الحرام میں اپنے ساتھ ہونے والی توہین کا ذکر کیا۔

جناب ابو طالبؑ یہ سن کر بہت ہی غصے میں آگئے،تلوار اٹھائی اور حمزہؓ کو بلایا۔پھر دونوں مسجد

دو قیمتی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک خدا کی کتاب اور ایک میری عترت،یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونگے یہاں تک کہ یہ دونوں حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں گے۔مسند احمد حنبل،ج۲،ص۱۷؛مناقب ابن مغازلی شافعی،ص۲۳۵،ح۲۸۱۔

(۱)بحار الانوار،ج۳۵،ص۱۳۹

الحرام کی طرف گئے۔ حضور بھی ان کے پیچھے پیچھے چل دیے۔ ابو طالبؑ نے اوجھڑی کو ہاتھ میں لیا اور غصہ کی حالت میں مسجد الحرام کے اردگرد جمع قریش کے افراد کے پاس پہنچ گئے۔ پھر حمزہؓ کو حکم دیا کہ اس اوجھڑی کو قریش کے لوگوں منھ پر ڈالدو۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر رسول خدا ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر کہا: اے بھتیجے اب خوش ہو؟ پھر کہا: اب رہا تیرا یہ سوال کہ میرے نزدیک تمہاری کیا حیثیت ہے، تو اس کا جواب تو نے دیکھ لیا ہے، یعنی ہر مقام پر تیری حمایت کروں گا۔ (۱)

[ب]: بنی ہاشم کے جوانوں کو مسلح کرنا

ابن سعد طبقات میں ایک دلچسپ واقعہ نقل کرتے ہیں، جو ابو طالبؑ کے اسلام و ایمان کی گواہی دیتا ہے۔ اگر چہ ابن سعد خود اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ وہ لکھتے ہیں: ''قریش کے سردار رسول خداؐ کی تبلیغ روکنے کے لئے ابو طالبؑ کے گھر گئے۔ انھوں نے بڑی کوشش کی کہ ابو طالبؑ محمدؐ کی حمایت ترک کر کے انھیں مشرکوں کے حوالے کردیں، مگر وہ ان کے دباؤں میں نہ آئے۔ بالآخر انھوں نے حضورؐ کے ساتھ گفتگو کر کے آپ کو تبلیغ سے باز رہنے کا پروگرام بنایا۔ رسول اکرمؐ تشریف لائے، مشرکین نے مطالبہ کیا کہ آپ ان کے بتوں کے بارے میں کچھ نہ کہیں، اور ان کے دین کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔ اسی طرح وہ بھی آپ کے خدا اور دین کے خلاف کچھ نہ کہیں گے۔ رسول خداؐ نے فرمایا: ''میں چاہتا ہوں ''لا الہ الا اللہ'' کا اقرار کرلو! تا کہ عرب و عجم کا حاکم بن جاؤ۔ آخر کار یہ گفتگو بغیر کسی نتیجہ کے ختم ہوگئی۔ مشرکین بہت غضبناک ہوئے۔ عقبہ ابن معیط گھر سے نکلتے وقت اونچی آواز میں کہہ رہا تھا: ''اپنے خداؤں کا دفاع کرنے کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ محمدؐ سے بات کرنا اور انھیں نصیحت کرنا بے فائدہ ہے۔ محمد ﷺ کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیا جائے۔

(۱) بحار الانوار، ج ۱۸، ص ۱۸۷۔

ابوطالبؑ کو یہ سنکر بہت صدمہ ہوا، مگر اس وقت وہ کچھ نہ کر پائے۔ مغرب کے وقت ابوطالبؑ اور حمزہؓ حضورؐ کے گھر گئے۔ لیکن وہ گھر پر موجود نہیں تھے۔ ابوطالبؑ نے خیال کیا کہیں قریش نے محمدؐ کو تنہائی میں قتل نہ کر دیا ہو۔

جتنی جلدی ہو سکے قریش سے حضورؐ کے خون کا انتقام لینا چاہیئے۔ انھوں نے فوراً بنی ہاشم اور عبدالمطلب کے تمام جوانوں کو بلایا اور حکم دیا کہ تم سے ہر ایک اپنے کپڑوں میں تیز دھار والا ہتھیار چھپا لے اور مسجد الحرام میں ہر ایک جوان، قریش کے ایک ایک سردار کے پاس جا کر بیٹھ جائے! جیسے ہی میری یہ آواز بلند ہو کہ میں محمدؐ کو تم سے لونگا، تم سب اس وقت اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو جانا اور اپنے پاس بیٹھے قریش کے آدمی کو قتل کر دینا تا کہ ان سب کا ایک ہی وقت میں خاتمہ ہو جائے۔

اسی دوران، جبکہ ابوطالبؑ مسجد الحرام کی طرف جانا چاہتے تھے اچانک ''زید بن حارثہ'' گھر میں داخل ہوئے، جب زید بن حارثہ نے یہ صورت حال دیکھی تو اس نے کہا ٹھہریئے، رسول خداؐ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا ہے۔ آنحضرتؐ ایک مسلمان کے گھر میں مشغول تبلیغ ہیں۔ وہ یہ بات کہہ کر جلدی سے رسول خداؐ کی خدمت میں پہنچے اور آنحضرتؐ کو ابوطالبؑ کے ارادے سے آگاہ کیا۔

رسول خداؐ فوری طور پر جناب ابوطالبؑ کے پاس آئے۔ ابوطالبؑ نے جب رسول خداؐ کو پکارا تو اشک شوق سے ان کی آنکھوں میں آگئے کہا: ''یابن اخی این کنت ؟ اکنت فی خیر ؟''؛ اے بھتیجے تم کہاں تھے؟ تم خیریت سے تو تھے؟۔ آنحضرتؐ نے جواب دیا جی میں خیریت سے ہوں، کسی نے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔

حضرت ابوطالب پوری رات صبح تک اسی فکر میں رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک دن قریش رسول خداؐ کو قتل کر دیں۔ لہٰذا انھوں نے یہ طے کیا کہ کل کو بنی ہاشم وعبدالمطلب کے جوانوں کے ہمراہ مسجد الحرام میں جا کر قریش والوں کو اپنے کل کے ارادے سے آگاہ کر دیں۔ تا کہ ان کے دلوں میں رعب دبدبہ بیٹھ جائے اور وہ محمدؐ کو قتل کرنے کا خیال ذہن ودماغ سے نکال دیں۔

اگلے روز، جس وقت کفارقریش مسجد الحرام میں جمع تھے۔ابو طالبؑ بنی ہاشم کے بہادر جوانوں کے ہمراہ رسول خداؐ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے ہوئے مسجد الحرام میں داخل ہوئے۔انھوں نے کفارقریش کومخاطب کر کے فرمایا: ''کل جب کچھ دیر کے لئے محمدؐ مجھے نظر نہ آئے تو میں نے سمجھا کہ تم لوگوں نے انھیں قتل کر دیا ہے۔لہٰذا میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ بنی ہاشم کے جوانوں کے ہمراہ مسجد میں جائیں اور جب میں آواز بلند کروں تو فوراً جوانان بنی ہاشم تمہیں فوراً قتل کر دیں۔لیکن خوش قسمتی سے محمدؐ کو زندہ دیکھ لیا، اور اپنا ارادہ ترک کر دیا۔پھر بنی ہاشم کے جوانوں کو مخاطب کر کے کہا: اپنے ہتھیار ان کو دکھادو! اور یہ جملہ کہہ کر اپنی بات ختم کر دی:۔

''وَاللّٰہِ لَو قَتَلتُمُوْہُ ما ابقَیتُ مِنکُم احدًا حتّٰی نَتفاقی نحن و انتم''.

خدا کی قسم اگر تم لوگ اسے قتل کر دیتے تو تم میں کسی ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑتا اور آخر دم تک تمہارا مقابلہ کرتا۔(۱)

علامہ امینی کتاب الغدیر میں اور علامہ مجلسی بحار الانوار میں (۲) اس واقعہ کو تھوڑے سے فرق کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔اور آخر میں تحریر کرتے ہیں۔

''جب ابو طالبؑ نے انھیں قتل کی دھمکی دی تو انھوں نے کہا: ''اگر واقعاً محمدؐ نہ آتے تو کیا بنی ہاشم کے جوان پاس بیٹھے قریش کے آدمی کو قتل کر دیتے؟'' ابو طالبؑ نے جواب دیا ہاں! مطعم بن عدی بن نوفل نے کہا: کیا تم اپنے رشتہ داروں کو بھی قتل کر دیتے؟۔آپ نے جواب دیا ہاں! اگر ضروری ہوتا تو ایسا ہی کرتا

پھر چند اشعار پڑھے کہ جن میں سے دوشعر یہاں پر ذکر کرتے ہیں:

اذھب بنی فما علیک غضاضۃ   اذھب و قر بذاک منک عیونا

(۱) طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۲۰۲۔

(۲) الغدیر، ج ۷، ص ۳۵۱؛ بحار الانوار، ج ۳۵، ص ۱۲۳۔

والله لن یصلوا الیک بجمعهم   حتی اوسد فی التراب دفینا

میرے بیٹے اپنے کام کو جاری رکھو کیونکہ تیرا کام بے عیب ہے، اور ایسے کام کی وجہ سے ہماری آنکھوں میں ٹھنڈک ہے۔ خدا کی قسم ان میں کسی میں بھی جرأت نہیں کہ تجھے نقصان پہنچا سکیں مگر یہ کہ میں زیر خاک مدفون ہو جاؤں۔

علامہ امینی یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: ''جو لوگ کہتے ہیں کہ ابو طالبؑ حضورؐ کی حمایت صرف رشتہ داری کی وجہ سے کرتے تھے: ان کے لئے یہ محکم جواب ہے۔ کیونکہ ابو طالبؑ حضورؐ کی حمایت و حفاظت کی خاطر حتیٰ کہ رشتہ داروں کو نابود کرنے پر تیار ہو گئے تھے۔ حضورؐ پر آپ کے ایمان واعتقاد کی یہ ایک محکم دلیل ہے۔(۱)

بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ رشتہ داری کا لحاظ کر کے اپنے عزیزوں میں دسیوں آدمیوں کو قتل کروا دیں؟ لہٰذا سب حمایتیں اور فدا کاریاں ابو طالب کے اسلام اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

[ج]: شعب ابو طالبؑ اور اقتصادی محاصرہ

حضرت ابو طالبؑ کے اسلام اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان کے ایمان کے ثبوت کے لئے شعب ابی طالبؑ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے اقتصادی محاصرہ کی داستان ہی کافی ہے۔ جب قریش اور مکہ کے بت پرستوں نے دیکھا کہ اسلام کے خلاف تمام کوششیں اور سازشیں ناکام ہو رہی ہیں، اور اس کے برعکس اسلام بہت تیزی سے پھیلتا جا رہا ہے اور ان کی سب سے بڑی سازش، (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنا) بھی حضرت ابو طالبؑ کے ذریعہ سے ناکام ہوئی؛ تو انھوں نے ایک بہت بڑا جلسہ کیا اور اس میں ساری صورتحال کا جائزہ لیا۔ آخر کار وہ اس نتیجہ

(۱) الغدیر، ج ۷، ص ۳۵۲۔

پر پہنچے کہ حضرت محمد ﷺ، ابوطالبؑ اور بنی ہاشم کے دیگر افراد اور حضور اکرمؐ کے جانثاروں کا اقتصادی بائیکاٹ کیا جائے۔ انھوں نے ایک قراداد پاس کی جس پر اسّی افراد کے دستخط موجود تھے۔ انھوں نے اس قرارداد کی اہمیت بڑھانے کے لئے، اسے ایک کپڑے میں رکھ کر خانہ کعبہ میں لٹکا دیا۔ اور ابوطالبؑ سے کہا یہ عہد ہر حال میں پورا کیا جائے گا۔ مگر یہ کہ اپنے بھتیجے محمدؐ کو ہمارے سامنے پیش کرو! وہ اپنے کام سے اظہار پشیمانی کریں۔ اور اپنے ہدف کو چھوڑ دیں۔

بعثت کے ساتویں سال محرم میں اس قرارداد کا آغاز ہوا۔ اور مسلمانوں پر قریش کا اقتصادی دباؤ بڑھ گیا۔ ابوطالبؑ نے یہ صورت حال دیکھی تو بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب (سوائے ابولہب کے) کو جمع کیا، اور حضرت محمدؐ کی حفاظت کے لئے سب کو متحد کیا۔ بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب کے ہمراہ جو کل چالیس افراد تھے، مکہ سے باہر نکلے اور حضور ﷺ کو انھوں نے درمیان میں لیا اور ''شعب''،، جو بعد میں شعب ابوطالبؑ کے نام سے مشہور ہوئی،، کی طرف چل پڑے۔ انھوں نے رسول خداؐ کی جان کی حفاظت کا مصمم ارادہ کرلیا تھا۔ جبکہ ان میں سے بعض افراد ابھی تک ایسے بھی تھے جو حضورؐ پر ایمان نہ لائے تھے مگر رشتہ داری کے لحاظ سے اور آپ کے قتل پہ راضی نہ ہونے کی وجہ سے مکہ چھوڑنے پر راضی ہوگئے ان میں عباس ابن عبد المطلب کا بھی ایک گروہ تھا۔ لیکن اس جماعت کے سرپرست حضرت ابوطالبؑ تھے۔ آپ نے اس مناسبت سے رسول پاکؐ کی حمایت میں شعر بھی کہے ہیں۔

الم تعلموا انا وجدنا محمدا نبیا کموسی خط فی اول الکتب

کیا تم نہیں جانتے کہ ہم محمدؐ کو بھی موسیٰ کی طرح نبی مانتے ہیں ان کا نام آسمانی کتابوں میں آیا ہے۔(۱)

یہ محاصرہ تقریباً تین سال تک جاری رہا، اور یہ قریش کا اسلام کے خلاف شدید ترین مقابلہ تھا۔

---

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۴، ص ۷۲۔

لیکن اس طرح کا شدید دباؤ بھی رسول خداؐ اور ابو طالبؑ جیسے مومن اور مضبوط ارادے والے انسانوں کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔

یہ محاصرہ اتنا سخت ہوتا چلا گیا کہ حضرت ابو طالبؑ، خدیجہؑ اور رسول اکرمؐ نے جو مال جمع کیا تھا وہ سب ختم ہو گیا۔ اگر کبھی خفیہ طریقے سے کھانا نہیں پہنچتا تھا، تو بھوک مٹانے کے لئے درختوں کے پتے کھاتے تھے۔ کیونکہ شعب کی طرف جانے والے تمام راستے قریش والوں کے اختیار میں تھے۔ ان حالات میں بڑی زیرکانہ تدبیروں کے ذریعے ان تک کھانا پہنچتا تھا۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ ہشام بن عمر کھانے کی کچھ چیزیں اونٹ پر لے کر آئے تھے۔ آدھی رات شعب کے پاس آ کر اونٹ کی مہار کو اس کی گردن میں ڈال کر اسے دو تین ضربیں لگا کر شعب (گھاٹی) کی طرف روانہ کر دیتا۔ یہی نازک صورتحال جاری رہی۔ صرف حرام مہینوں (ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم، رجب) میں وہ آزاد ہوتے تھے۔ وہ گھاٹی سے باہر آتے اور اپنے لئے کچھ چیزیں خریدتے اور پھر تبلیغ اسلام کرتے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کرنے میں حضرت ابو طالبؑ کا کردار سب سے اہم ہے انھوں نے اس محاصرہ کا ثابت قدمی سے مقابلہ کیا۔ اور دشمن کے ارادے اور ہمت کو کمزور کرنے کے لئے انقلابی اشعار پڑھے۔ یہاں پر دو شعر تحریر کرتے ہیں:

تَمَنَّیتُم اَن تَقتُلُوهُ وَاِنَّما اَمانِیُّکُم هٰذِیْ کَاَحلامِ نائِمِ
زَعَمتُم بِاَنّا مُسلِمون مُحمّدًا وَلَمّا نُقاذِفْ دونَه و نُزاحِمِ

تمہاری یہ آرزو ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دو! مگر تمہاری یہ آرزو دیوانے کے خواب سے کم نہیں۔ تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمہارے حوالے کر دیں گے تا کہ انھیں گرفتار کر لو نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ (۱)

---

(۱) شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید، ج ۱۴، ص ۷۳۔

جناب ابو طالب کی فدا کاریاں نبی اکرمؐ کی حفاظت کے لئے اس منزل پر پہنچی کہ جناب ابو طالبؑ، رسول خداؐ کی حفاظت کی خاطر اور دشمن کی شازشوں کو ناکام بنانے کے لئے رات کے وقت حضور کا بستر تبدیل کر دیا کرتے تھے ۔حضورؐ کو علیؑ کے بستر پر اور حضرت علیؑ کو حضور ﷺ کے بستر پر لٹاتے تھے حقیقت میں حضرت علی علیہ السلام کو رسول خدا ﷺ پر فدا کرتے تھے اور شعب ابی طالبؑ میں ایک بیدار اور ہوشیار نگہبان کی طرح انھوں نے نیند کو اپنے اوپر حرام قرار دیا تھا۔(۱)

ابن ابی الحدید نبی اکرم ﷺ کی جان وہدف کی حفاظت کے لئے حضرت ابو طالبؑ کی فداکاریوں اور حمایتوں کا ذکر کرتے ہوئے امالی محمد بن حبیب سے نقل کرتے ہیں۔''ابو طالبؑ، حضور اکرم ﷺ سے بہت محبت کرتے تھے اور آپ کی جان کی فکر کرتے رہتے تھے۔کہ کہیں دشمن ان پر شبخون مار کر انھیں قتل نہ کردیں۔لہٰذا رات کو سوتے وقت حضرتؐ کے بستر کو تبدیل کردیتے، اور حضرت علی علیہ السلام کو ان کی جگہ پر لٹا دیتے تھے۔ایک رات علیؑ نے اپنے والد سے کہا: ''یا اَبتِ اِنّی مقتولٌ ؟ بابا جان کیا میں قتل ہو جاؤں گا؟ ابو طالبؑ نے چند اشعار میں اس کا جواب دیا:

اِصبِرَنْ یا بُنیَّ فالصبرُ اَحجیٰ كلُّ حَیٍّ مَصیرُهُ لِشعوب

قَدَّر اللّٰهُ والبلاءُ شدیدٌ لفداء الحبیب وابن حبیب

میرے بیٹے صبر اختیار کرو! کیونکہ یہی عقل مندی ہے جان لو! کہ ہر زندہ کو ایک دن مرنا ہے خدائے متعال نے یہ قانون بنایا ہے۔

مصیبت سخت ہے اس لئے تمہیں دوست اور دوست کے بیٹے پر قربان کررہا ہوں۔علیؑ نے اس کے جواب میں فرمایا:

اَتامُرُنی بِالصبر فی نصر احمد وواللّٰهِ ما قلتُ الّذی قلت جازعًا

---

(۱) بدایہ ونہایہ ابن کثیر، ج ۲،ص ۸۲؛ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۴،ص ۵۸؛ کامل ابن اثیر، ج ۱،ص ۵۰۴؛ طبقات ابن سعد، ج ۱،ص ۲۰۸؛ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۱،ص ۶۳؛ بحار الانوار، ج ۳۵،ص ۹۱۔

ولکنّنی اَحببتُ ان تری نصرتی　　وتعلمُ انی لم اَزل لک طائِعًا

سَاسعیٰ لوجہ اللّٰہِ فی نصر احمد　　نبیِّ الھُدیٰ المحمود طِفلاً یافعا

بابا جان آپ احمد کی مدد کرنے میں مجھے صبر و استقامت کی تلقین کرتے ہیں۔ خدا کی قسم جو میں نے کہا وہ بے صبری کی وجہ سے نہ تھا۔ لیکن میں یہ چاہتا تھا کہ آپ میری فداکاری کو دیکھیں تا کہ آپ کو یقین ہو جائے کہ میں ہمیشہ آپ کا فرمانبردار ہوں۔ احمد کی مدد خدا کی رضا کے لئے کرتا ہوں۔ پیغمبر بچپن اور جوانی میں ہر حال میں پسندیدہ رہبر ہیں اور پسندیدہ ہیں۔ (۱)

ان اشعار کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا ممکن ہے کہ جو شخص ایسے اشعار پڑھے اور اس طرح جاں نثاری کرے کہ رسولؐ خدا کو اپنے بیٹے علیؑ پر ترجیح دے، اور اپنے فرزند کی جان اس پر قربان کرنے پر آمادہ ہو وہ یہ سب کچھ فقط خاندانی جانبداری کی وجہ سے کرتا ہو؟ نہیں نہیں ہر گز ایسا نہیں ہے۔ یہ صورتحال جاری رہی، لیکن خدا نے اپنے رسول کو تنہا نہ چھوڑا؛ خدا پر ان پر وحی نازل کی کہ اس قرارداد کو اللہ کے نام کے علاوہ سب کو دیمک نے کھا لیا ہے۔

رسول خداؐ نے یہ خبر ابوطالبؑ کو دی۔ ابوطالبؑ یہ خبر سن کر بہت خوش ہوئے۔

انھوں نے یہ خبر قریش والوں کو دیکر اس قرارداد کو ختم کرنے کا پروگرام بنایا۔ ابوطالبؑ مسجد الحرام آئے، قریش والوں نے سمجھا کہ وہ سختیوں اور مشکلات سے تنگ آ گئے ہیں۔ اور اب صلح کرنے اور محمدؐ کو ہمارے حوالے کرنے آئے ہیں۔ قریش والوں نے حضرت ابوطالبؑ کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا۔ حضرت ابوطالبؑ نے جب دیمک کے ذریعہ قرارداد کے نابود ہونے کی خبر دی؛ تو وہ اس غیبی خبر کو سنکر وحشت زدہ ہو گئے۔ انھوں نے کہا: ''اگر یہ سچ ہے تو ہم محاصرہ ختم کر کے تمھیں آزاد کر دیں گے۔'' آپ نے بھی کہا: ''اگر جھوٹ ہوا تو میں محمدؐ کو تمہارے حوالے کر دوں گا''۔

جب قرارداد کو نیچے لایا گیا؛ تو انھوں نے دیکھا کہ دیمک نے سوائے خدا کے نام کے پوری

---

(۱) شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید، ج ۱۴، ص ۶۴۔

قرار داد کو کھالیا ہے۔ کچھ لوگ اس معجزہ کو دیکھ کر ایمان لے آئے۔ بعض ایسے بھی تھے جو اسلام و رسول خداؐ سے بغض و کینہ رکھتے تھے؛ وہ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے، اور اس معجزہ کو جادو وسحر سمجھنے لگے۔ سرداران قریش اور عام لوگوں میں سخت اختلاف کی وجہ سے مسلمانوں پر دباؤ کم ہوگیا۔ جس کے نتیجہ میں حضرت ابوطالبؑ رسول خداؐ، بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب محاصرے سے آزاد ہو گئے۔(۱)

جناب ابوطالبؑ نے جو اشعار مشرکوں کے سامنے پڑھے وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضورؐ کی حمایت ان پر اور ان کے دین پر اعتقاد اور ایمان کی وجہ سے تھی۔ بعض اشعار اس طرح سے ہیں:

والله لن يَصلوا إليک بجمعهم　　حتی أُوَسَّدَ فی التراب دفينا

ودعوتنی و زعمتُ أنّک ناصحی　　ولقد صدقتَ و کنتَ قبلُ أمينا

وعرضت ديناً قد علمتُ أنّه　　من خير أديان البريّة دينا

اے بھتیجے! خدا کی قسم قریش تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ مگر یہ کہ میں قبر میں چلا جاؤں۔ میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ تو نے مجھے اپنے دین کی دعوت دی، میں سمجھ گیا تو ناصح ہے، صادق ہے اور تو پہلے سے ہی امین ہے۔

تو نے مجھے دین کا تعارف کروایا اور میں سمجھ گیا کہ تیرا دین روئے زمین پر موجود تمام ادیان سے بہتر ہے۔(۲)

حضرت ابوطالبؑ صراحت کے ساتھ کہتے ہیں کہ میں جب تک زندہ ہوں کسی میں جرأت نہیں کہ وہ رسولؐ خدا کو نقصان پہنچائے۔ وہ دین محمدؐ کو بہترین دین قرار دیتے ہیں۔ کیا یہ سب اسلام اور ایمان واقعی کے علاوہ کچھ اور ہے؟۔

---

(۱) بدایہ ونہایہ ابن کثیر، ج ۳، ص ۸۳۔

(۲) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۴، ص ۵۵۔

۲۔اپنے بیٹوں کو نبی اکرم کے ساتھ نماز پڑھنے اور آپ کا ساتھ دینے کی ہدایت کرنا:

حضرت ابو طالبؑ کے ایمان و اسلام کے بارے میں دوسری دلیل یہ ہے کہ آپ نے اپنے بیٹے جعفرؑ سے کہا کہ وہ رسول خداؐ کی اقتدا کرے اور اپنے بھائی علیؑ کے ہمراہ نماز پڑھے۔

ابن ابی الحدید کے استاد ابو جعفر نقل کرتے ہیں: کہ روایت میں آیا ہے: ''ایک دن ابو طالبؑ نے پیغمبر اسلام کو کہیں بھی نہ دیکھا، بہت پریشان ہوئے کہ کہیں قریش نے انھیں اذیت و آزار نہ پہنچائی ہو۔

رسول پاکؐ کی تلاش میں اپنے بیٹے جعفر کے ہمراہ گھر سے باہر نکلے، تلاش کرتے کرتے ایک جگہ پہنچے دیکھا کہ رسول خداؐ مکہ کے اطراف میں موجود ایک گھاٹی میں نماز پڑھ رہے ہیں، اور علیؑ آپ کے دائیں طرف کھڑے ان کی اقتدا کر رہے ہیں۔ انھوں نے یہ دیکھا تو جعفر سے کہا: ''تَقَدَّم وَصَلِّ جناح ابن عمّک''؛ جاؤ اور دوسری طرف اپنے چچا کے بیٹے کے پیچھے نماز پڑھو!۔ جعفرؑ باپ کے حکم پر حضرت محمدؐ کے بائیں طرف کھڑے ہو گئے اور نماز ادا کی۔ حضرت ابو طالبؑ یہ منظر دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور خوشی سے آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ انھوں نے یہ شعر پڑھے:

إنَّ علیًّا وجعفرًا ثقتی ‌‌ ‌ عندَ مُلِمِّ الخُطوبِ والنُّوَبِ
لاتَخذُلا وانصرا ابن عَمِّكما ‌ ‌ أخی لاُمّی مِن بینِهِم و أبی
واللّٰهِ لا أخذلُ النّبیَّ ولا ‌ ‌ یخذلُه مِن بنیَّ ذو حَسَبِ

علیؑ اور جعفرؑ مشکلات و مصائب میں ہمیشہ میرے مددگار ہیں۔ اپنے چچازاد بھائی کی مدد کرنے میں کوئی لمحہ بھی فروگزار نہ کرنا۔ اس کا باپ، ماں باپ دونوں کی طرف سے میرا بھائی تھا، خدا کی قسم میں اجازت نہیں دوں گا کہ رسول خداؐ کو کوئی ذلیل و خوار کرے، اس طرح میرے بیٹے بھی جو کہ اہل

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۳، ص ۲۶۹؛ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۲، ص ۱۹۔

آیا جو شخص اجازت دیتا ہے کہ اس کا بیٹا (علیؑ) رسول خداؐ کے ساتھ نماز پڑھے، اور دوسرے بیٹے جعفر کو بھی نماز پڑھنے کا حکم دیتے ہیں۔ اس کے اسلام اور ایمان کے بارے میں شک کیا جا سکتا ہے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: ایک دن میرے باپ نے مجھے تلقین کی کہ میں ہمیشہ رسول خداؐ کے ساتھ رہوں۔

"یابُنَیَّ اَلزِمِ ابنَ عَمِّک، تَسلمُ به مِن کلِّ باسٍ عاجلٍ و اُجل"؛

اے بیٹے ہمیشہ اپنے چچا زاد بھائی یعنی رسول خداؐ کے ساتھ ساتھ رہو۔ اس طرح تم دنیا و آخرت کے ہر رنج و غم سے بچے رہوگے۔

اس کے بعد یہ شعر پڑھے:

إنَّ الوثیقةَ فی لزومِ محمدٍ فاشدد بصحبتِهِ علی ایدیکا

میرے بیٹے جان لو! کہ اعتماد اور اطمینان صرف رسول خداؐ کا ساتھ دینے میں ہے، لہٰذا ثابت قدمی سے ان کے ساتھ رہو۔ (۱)

۳۔ حضرت فاطمہؑ بنت اسد کا حضرت ابو طالبؑ کی زوجیت میں باقی رہنا

حضرت ابو طالبؑ کے اسلام اور ایمان پر تیسری دلیل یہ ہے کہ فاطمہؑ بنت اسد یعنی حضرت علیؑ کی والدہ دوسری خاتون ہیں۔ جنھوں نے حضرت خدیجہ کے بعد اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ اور ان کا شمار اسلام قبول کرنے والو میں گیارہویں نمبر پر آتا ہے۔ وہ مسلمان ہوتے ہوئے حضرت ابو طالبؑ کی زوجیت میں باقی تھیں اور ان کی وفات تک رہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ رسول خداؐ ایک مسلمان عورت کو وہ بھی فاطمہؑ بنت اسد جیسی، جو سب سے پہلی وہ عورت ہیں جنھوں نے مکہ سے

---

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۴، ص ۷۵۔

نے ان کی وفات کے وقت علیؑ کو پرسہ دیتے ہوئے فرمایا:

''خدا کی قسم وہ میری بھی والدہ تھیں'' اس کے بعد گریہ کیا، اور فرمایا: ''ہائے میری ماں'' (۱) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوطالبؑ، فاطمہؑ بنت اسد سے بھی پہلے با ایمان تھے۔ البتہ تقیہ کی وجہ سے اور رسول خداؐ کی زیادہ سے زیادہ حمایت وحفاظت کی خاطر اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا۔

امام سجادؑ نے ایک سؤال کے جواب میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جب آپ سے ایمان ابوطالبؑ کے بارے میں سؤال کیا گیا، تو آپؑ نے فرمایا: بہت تعجب کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولؐ خدا کو مسلمان عورتوں کے لئے کفار کی زوجیت میں رہنے سے منع فرمایا ہے۔ جبکہ فاطمہؑ بنت اسد ان عورتوں میں شامل ہے جنھوں نے پہلے ہی اسلام قبول کیا اور پھر زوجیت ابوطالبؑ میں رہیں، یہاں تک کہ وہ دنیا سے رحلت کر گئے۔ (۲)

۴۔ اشعار حضرت ابوطالب علیہ السلام

ایک دوسری دلیل جو حضرت ابوطالبؑ کے ایمان و اسلام پر دلالت کرتی ہے وہ ان کے اشعار و قصائد ہیں۔ جو انھوں نے اسلام اور رسول اکرمؐ کی شان میں کہے۔ اگر ان اشعار کے علاوہ کوئی دلیل بھی موجود نہ ہوئی تو یہ اشعار ہی خاص طور پر قصیدہ لامیہ جس کو اکثر شیعہ اور سنی مورخین نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ آپؑ کے ایمان کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔

علی بن یحییٰ جو علماء اہل سنت میں سے ایک عالم دین ہیں۔ انھوں نے کیا خوبصورت بات کہی ہے:

---

(۱) بحار الانوار، ج ۳۵، ص ۸۱۔

(۲) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۴، ص ۶۹؛ بحار الانوار، ج ۳۵، ص ۱۱۵۔

علی بن یحییٰ جو علماء اہل سنت میں سے ایک عالم دین ہیں۔ انھوں نے کیا خوبصورت بات کہی ہے:

اگر محمدؐ کے پاس نبوت اور اسرار نبوت موجود نہ ہوتے تو ابو طالبؑ جیسی شخصیت جو بنی ہاشم کے سردار اور قریش کی اہم شخصیت میں سے تھے۔ وہ ہرگز اپنے بھتیجے محمدؐ، کہ جس کی تربیت اور پرورش خود انھوں نے کی اور انھیں اپنے بیٹوں کی طرح رکھا، ان کی اس طرح مدح سرائی نہ کرتے، اور ان کی شان میں اس طرح اشعار نہ پڑھتے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ محمد ﷺ کو اللہ کا رسولؐ مانتے تھے۔(۱)

گزشتہ اور آئندہ آنے والے صفحات کے اشعار اس حقیقت کو واضح طور پر ان کے ایمان کو بیان کرتے ہیں۔ یہاں پر اس عظیم ہستی کے کچھ اور اشعار پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں:

أَلَم تعلموا أنّا وجدنا محمداً رسولاً کموسیٰ خُطَّ فی أوّلِ الکتب
وأنَّ علیہ فی العباد محبةٌ ولا خیفَ فیمَن خَصَّہ اللّٰہُ بالحبِّ

کیا تم نہیں جانتے کہ ہم نے محمدؐ کو بالکل موسیٰ کی طرح پایا کہ ان کا نام آسمانی کتابوں میں آیا ہے۔

اللہ کے بندے ان سے خاص محبت رکھتے ہیں۔ لہٰذا خدا نے جس کی محبت، لوگوں کے دلوں میں رکھی ہے اس پر ستم نہ کرو۔

امام صادق علیہ السلام نے حضرت ابو طالبؑ کے کافر کہنے والوں کے دعویٰ کو رد کرتے ہوئے مذکورہ شعر کا حوالہ دیا۔(۲)

---

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۴، ص ۶۳۔

(۲) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۴، ص ۷۲۔

أنــتَ نبــی مــحــمــد   قُــرمٌ أعــزُ مســوَّدُ
ولــقــد عهــدتُکَ صــادقًــا   فــی الــقــول لا تــتــزیّــدُ

اے محمدؐ آپ عظیم پیغمبرؐ معزز اور بزرگ ہستیوں کے سردار ہیں اور تمہارے ساتھ کیے گئے عہد میں اس قدر صادق ہوں کہ جس کی کوئی انتہا نہیں۔(۱)

یہ تمام اشعار قصائد حضرت ابوطالبؑ کے ایمان و اسلام پر گواہ ہیں۔

۵۔احتضار کے وقت وصیت

حضرت ابوطالبؑ کے ایمان کے بارے میں پانچویں دلیل وہ وصیت ہے جو آپ نے وفات کے وقت اپنے بیٹوں سے کی۔ آپ نے فرمایا: ''میں محمدؐ کے بارے میں تمہیں وصیت کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ قریش کے امین، عرب میں سب سے سچے اور تمام کمالات کے حامل ہیں۔ وہ ایسا دین لیکر آئے کہ دل جس کی گواہی دیتا ہے۔ لیکن بعض کی زبانیں دشمن کے خوف کی وجہ سے انکار کرتی ہیں۔ یہ میں ابھی سے دیکھ رہا ہوں کہ محمد عرب کے محروم اور مستضعف لوگوں کی مدد سے قریش کی صفوں کو الٹتے ہوئے قیام فرما ہو چکے ہیں۔ محمد قریش کے سرداروں کو ذلیل اور ان کے گھروں کو ویران کر کے بے سہاروں کو طاقتور بنا کر اہم ذمہ داریوں پر فائز کر چکے ہیں۔ اس کے بعد آخر میں فرمایا:

''کـونـوا لـه ولاة و لحزبه حماةً، واللّٰه لا یسلک اَحدٌ منکم سبیلَه الّا رَشَد ولا یأخذ أحدٌ بهدْیه الّا سعد''؛

اے میرے فرزندوں اور اقرباء! تم سب رسول خداؐ کے دوستوں اور حامیوں میں سے رہنا، خدا کی قسم جو ان کے راستے پر چلے گا کامیاب ہو جائے گا۔ جو ان کی پیروی کرے گا وہ خوشبخت ہے۔(۲)

---

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۴، ص ۷۷۔

(۲) سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۴۹۔

۶۔وفات کے وقت شہادتین پڑھنا

حضرت ابوطالبؑ کے ایمان کے بارے ایک میں دلیل یہ بھی ہے کہ آپ نے وفات کے وقت کلمہ شہادتین زبان پر جاری کیا۔ابن ابی الحدید ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ میرے باپ نے مجھے خبر دی ہے کہ ابوطالبؑ نے جاں کنی کے وقت ''لا الہ الااللہ محمد رسول اللہ'' کہااور وفات پاگئے۔(۱)

ابن ہشام اور حلبی، عباس سے روایت نقل کرتے ہیں: ''جب ابوطالبؑ کی وفات کا وقت قریب آیا تو عباس نے دیکھا کہ آپ کے لب متحرک ہیں۔کان نزدیک کیے تو کچھ سنااور پھر رسول اللہؐ سے فرمایا: ''یا بن اخی و اللہِ لقد قار اخی الکلمۃ التی اَمرتَہ ان یقولَھا'' اے بھتیجے! خدا کی قسم میرے بھائی (ابوطالبؑ) نے وہ کلمہ شہادتین جس کا آپ نے انھیں حکم دیا تھا، وہ زبان پر جاری کرلیا ہے۔(۲)

ابن حدید لکھتے ہیں: ''یہ مشہور واقعہ ہے کہ ابوطالبؑ نے جان کنی کے وقت آہستہ آہستہ کچھ کلمات کہےاور عباس نے سنے۔اس کے بعد انھوں نے اپنا سر بلند کیااور کہا: اے میرے بھتیجے! خدا کی قسم تمہارے چچا ابوطالبؑ نے کلمہ شہادتین زبان پر جاری کردیا ہے''۔(۳)

امیر المومنین علیؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: ''ما مات ابو طالب حتی اغطی رسول اللہ من نفسہ الرضا'' ابوطالبؑ کے دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے رسول خداؐ نے ان سے اپنی رضایت کا اعلان کردیا تھا۔(۴)

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۴ ص ۷۱۔

(۲) سیرہ ابن ہشام، ج ۱ ص ۵۹؛ سیرہ حلبی، ج ۲ ص ۴۶۔

(۳) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۴ ص ۷۱۔

(۴) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۴ ص ۷۱۔

ابن عباس نقل کرتے ہیں کہ: ایک روز ابوبکر اپنے باپ ابو قحافہ کو جو کہ ایک بوڑھا اور اندھا آدمی تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے کر آئے، پیغمبر اکرمؐ نے ابوبکر سے کہا: ان کو وہیں رہنے دیتے تا کہ ہم ان کے پاس جاتے۔ ابوبکر نے عرض کی: میں یہ چاہتا ہوں کہ خدائے متعال مجھے اس نیک کام کی جزاء عطا فرمائے۔ اس کے بعد یہ جملہ کہا: اس خدا کی قسم جس نے آپ کو رسالت کے لئے مبعوث فرمایا ہے، میں اپنے باپ کے اسلام سے کہیں زیادہ آپ کے چچا جان حضرت ابوطالبؑ کے اسلام سے بہت خوش ہوں۔ میں چاہتا ہوں اس بات سے میری آنکھوں اور دل کو ٹھنڈک ملے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر کے جواب میں فرمایا: سچ کہتے ہو۔ (۱)

۷۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کا اسلامی شریعت کے مطابق کفن و دفن کرنا

حضرت ابوطالبؑ کے ایمان پر ساتویں دلیل ان کا اسلامی شریعت کے مطابق کفن و دفن کرنا ہے۔ جب ابوطالبؑ دنیا سے رخصت ہوئے تو رسول خداؐ نے حکم دیا کہ انھیں غسل دیا جائے۔ اور اسلامی شریعت کے مطابق انھیں دفن کیا جائے۔ معتبر روایات میں آیا ہے کہ جب جناب ابوطالبؑ کی وفات ہوگئی تو امیر المومنین علیؑ، رسول خداؐ کی خدمت حاضر ہوئے اور انھیں پدر بزرگوار کی وفات کی خبر سنائی۔ رسول خداؐ یہ خبر سن کر بہت مغموم و محزون ہوئے اور فرمایا:

"امض یاعلی فتولّ غسلَه ، فاذا رفعتَه علی سریرِه فأعلمنی"؛

''اے علیؑ تم خود ان کی تجہیز و تکفین کرو! انھیں غسل دو، حنوط لگاؤ اور کفن پہناؤ، اور جب انھیں تابوت میں رکھ دو تو مجھے مطلع کر دینا۔''

حضرت علی علیہ السلام نے تمام کام انجام دے کر باپ کا جنازہ تابوت میں رکھ دیا، اور لوگوں نے کاندھوں پر اٹھالیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، اور غم و اندوہ کی حالت میں حضرت ابوطالبؑ

(۱) ایمان ابوطالب، ص۱۳۷۔

کے جنازہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

" وصلتک رحم یا عمّ وجزیت خیرًا ،فلقد ربیّتَ و کفلتَ صغیرًا و نصرت و آزرت کبیرًا"؛

''اے میرے چچا! تو نے رشتہ داری کے حق کو خوب نبھایا، خداوند متعال آپ کو جزائے خیر دے تو نے بچپن میں میری پرورش کی اور جب بڑا ہوا تو میری مدد کی اور اس راہ میں بڑی تکالیف برداشت کیں۔''

دفن کے بعد حضور اکرمؐ حضرت ابوطالبؑ کی قبر کے پاس کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

''واللّٰہِ ، لأ ستغفِرَنَّ لک ولأ شفعَنَّ فیک شفاعةً یعجب لها الثقلان''؛

آ گاہ ہو جاؤ! خدا کی قسم میں آپ کے لئے طلب مغفرت کروں گا، اور قیامت کے دن آپ کی ایسی شفاعت کروں گا کہ جن وانس اس شفاعت کو دیکھ کر تعجب میں پڑ جائیں گے۔(۱) کیا یہ مناسب اور روا ہے کہ رسول خداؐ کسی کافر کے مرنے پر مغموم ہوں؟ اگر فرض کریں کہ رسول اکرمؐ کا غم ابو طالبؑ سے محبت اور ان کی زحمتیں کی وجہ سے تھا؛ تو کیا علیؑ جیسا شخص کافر کے کفن ودفن اور غسل کا خود متولی ہو سکتا ہے؟ نہیں بالکل نہیں۔ اور وہ بھی پیغمبر اسلامؐ کی اجازت سے، اس سے بھی اہم بات یہ کہ خود رسول خداؐ نے آپ کے جنازہ میں شرکت کی۔ اور آپ کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر طلب مغفرت کی اور ان کے لئے حق شفاعت قبول کیا۔ ان میں سے کوئی بھی افتخار واہتمام کفر سے مناسبت نہیں رکھتا؛ بلکہ ایک عام مومن کے لئے بھی اتنا اہتمام نہیں کیا جاتا۔

اب رہا یہ سوال کہ آپ کے جنازہ پر نماز نہ پڑھی گئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس زمانے میں نماز میت ابھی شرع مقدس نے بیان ہی نہ کی تھی۔ جیسا کہ حضرت خدیجہؑ جو حضرت ابوطالبؑ کی وفات کے چند دن کے بعد اسی سال دنیا سے رخصت ہوئیں، ان کے جنازہ پر نماز نہیں پڑھی

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱۴، ص۷۶؛ بحار الانوار، ج۳۵، ص۱۶۳؛ ایمان ابوطالب، ص۲۹۷؛

گئی۔(۱)

۸۔حضرت ابو طالب علیہ السلام کی وفات کے فوراً بعد رسول خداؐ کا ہجرت کرنا

ایمان حضرت ابو طالبؑ پر ایک اور دلیل یہ ہے کہ جب ابو طالبؑ دنیا سے رخصت ہوئے، تو رسول خداؐ آپ کی حمایتوں سے محروم ہو گئے۔اس کے بعد آپ کے لئے مکہ میں زندگی گزارنا مشکل ہوگیا۔کیونکہ مشرکین آپ کو سخت آزار و تکالیف دیتے تھے۔آپ نے کافی مخفی سفر کئے کہ کوئی مناسب اور پر امن جگہ مل جائے؛تا کہ زندگی بھی باقی رہے اور عوام کی ہدایت کا کام بھی نہ رکے،لیکن ایسا نہ ہو سکا۔آخرکار مدینہ کی ہجرت کے امکانات فراہم ہو گئے؛اور حضرت اپنے اصحاب کے ہمراہ مدینہ ہجرت فرما گئے۔

زرارہ امام صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں:کہ آپؑ نے فرمایا:"جب ابو طالبؑ دنیا سے رخصت ہوئے تو جبرئیل رسول خداؐ پر نازل ہوئے؛اور کہا:"یا محمدؐ! اخرج من مکہ ،فلیس لک فیھا ناصر"؛ اے محمدؐ! مکہ سے ہجرت کر جاؤ! کیونکہ مکہ میں اب تمہارا کوئی مددگار موجود نہیں ہے"۔

قریش نے رسول خداؐ کو تنگ کرنا شروع کر دیا تو حضرتؐ کو مجبوراً مکہ ترک کرنا پڑا؛ آپ کوہ حجون میں پناہ گزین ہوئے۔(۲)

ابن ابی الحدید کے استاد ابوجعفر کہتے ہیں"جب تک ابو طالبؑ زندہ تھے۔قریش میں سے کسی کی جرأت نہ تھی کہ وہ رسول خداؐ کو نقصان پہنچائیں۔لیکن جونہی ابو طالبؑ دنیا سے رخصت ہوئے، انھوں نے حضورؐ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنالیا۔چنانچہ رسول خداؐ ایک مرتبہ قبیلہ بنی عامر کی طرف گئے،

---

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۴،ص ۴۷؛ بحار الانوار، ج ۳۵،ص ۱۶۳؛ ایمان ابو طالب،ص ۲۹۷۔

(۲) کافی، ج ۱،ص ۴۴۹؛ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۴،ص ۷۰۔

دوسری بار بنی ثقیف کے پاس اور تیسری بار بنی شیبان کے پاس گئے اس وقت مکہ میں کھلم کھلا نکلنا مشکل ہوگیا تھا لہٰذا خفیہ طریقے سے زندگی گزارنے لگے۔ ایک دفع مظعم بن عدی نے پناہ دی اور پھر آپ نے مدینہ سے ہجرت کی۔(۱)

محمد بن اسحاق لکھتے ہیں: کہ" جناب ابوطالبؑ ہمیشہ حضور اکرم کی مدد فرماتے رہے اور اس راستے پر ثابت قدم رہے۔ ہر جگہ حضرت کی حمایت کرتے۔ یہاں تک کہ بعثت کے گیارہویں سال کے آغاز میں دنیا سے رخصت ہوگئے۔ اس کے بعد قریش کے سربراہوں نے حضرتؐ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا، لہٰذا آپ کو مجبوراً مدینہ سے ہجرت کرنی پڑی۔ (۲)

حضرت ابوطالبؑ کے نبی اکرمؐ کی بے لوث فداکاریوں کی گہرائی کا اندازہ اس حدیث سے بخوبی ہوجاتا ہے:

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ: اہل حدیث نے روایت کی ہے کہ جناب ابوطالب کی وفات کے دو مہینے کے بعد، نضر بن حارث، عقبہ بن معیط اور عمر بن عاص نے آپس میں عہد کیا اور ایک گھوڑے کی لیدھ اٹھا کر مسجد الحرام میں داخل ہوئے نبی اکرم کو دیکھا کہ آپ خانہ کے پاس حالت سجدہ میں ہیں۔ انھوں نے اس گندیدہ لیدھ کو نبی اکرم کے سر مبارک پر ڈال دی۔ جس کی وجہ سے حضرت کا پورا بدن اور لباس مطہر آلودہ ہوگیا۔ لیکن آپ نے صبر کیا اور سر مبارک نہ اٹھایا "**بکی فی سجود و دعا علیھم**" آپ سجدے میں رونے لگے اور ان کے لئے بددعا کی۔ آپ کی پیاری بیٹی جناب فاطمہ زہراؑ آئیں اور بابا کو اس حالت میں دیکھتے ہی رونے لگیں۔ اس گندیدہ چیز کو اپنے بابا کے سر مبارک سے ہٹایا۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے سر مبارک اٹھایا اور تین بار فرمایا:" **انی مظلوم فانتصر**" خدایا میں مظلوم ہوں میری مدد فرما۔ اس کے بعد اٹھے اور اپنے گھر تشریف لے گئے اسی

(۱) شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید، ج ۱۳، ص ۲۶۸۔

(۲) شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید، ج ۱۴، ص ۶۱۔

گئے اسی وقت جبرئیل آئے اور آپ کو خدا کی طرف سے سفر کرنے کا حکم دیا۔

القصہ یہ کہ حضرت ابو طالب جب تک زندہ تھے حضرت لوگوں کی ہدایت کرنے میں مشغول رہے لیکن ان کی وفات کے بعد اذیت و آزار اور مشکلات کا دور شروع ہو گیا۔ تو بھلا اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ابو طالبؑ کہ جنھوں نے ہر مسلمان سے ہر طرح بڑھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کیا ہے مسلمان نہیں تھے؟ جو بھی ایسا ادعا کرے یا ان کے مسلمان ہونے میں شک کرے (حالانکہ انھوں نے ان تمام سختیوں اور مشکلات کو برداشت کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کی ہے) بہت بڑی غلطی کر رہا ہے یا تعصب اور دشمنی کی عینک لگا کر خود کو گمراہ کیے ہوئے ہے۔

۹۔ معصومین علیہم السلام کا اعتقاد

ائمہ معصومین علیہم السلام سے مروی روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت ابو طالبؑ مسلمان تھے اور مرتے دم تک مسلمان رہے۔ بعض روایات کا یہاں پر ذکر کرتے ہیں:

[الف]: عباس بن عبد المطلب کہتے ہیں "میں نے رسول خداؐ کی خدمت میں عرض کیا: آپؐ ابو طالبؑ کے لئے کیا امید کرتے ہیں؟ (یہ سوال ابو طالبؑ کی وفات کے بعد کیا گیا) رسول خداؐ نے فرمایا: "کل خیرٍ اَرجوہ مِن ربّی"؛ میں اپنے خدا سے ان کے حق میں تمام اچھائیوں کا خواہشمند ہوں اور بس آرزو کرتا ہوں۔ (۱)

کیا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی ہستی ایک کافر کے لئے جو رحمت حق سے محروم ہو، اس کے لئے ایسی دعا کر سکتے ہیں! لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرتؐ کو معلوم تھا کہ ابو طالبؑ سچے مسلمان ہیں۔

[ب] عبد الرحمان بن سابط کہتے ہے: کہ ایک دن رسول خداؐ نے عقیل سے فرمایا:

"اے عقیل مجھے تیرے ساتھ محبت دو وجہ سے ہے۔ ایک خود تیرے لئے اور دوسرے اس لئے

(۱) بحار الانوار، ج ۳۵، ص ۱۵۲۔

کہ ابوطالبؑ تجھ سے محبت کرتے تھے۔ (۱)

رسول خدا کو ابوطالبؑ سے قومی طرفداری کی وجہ سے محبت نہ تھی، بلکہ خدائی اور معنوی مقصد سے تھی۔ لہٰذا ابوطالبؑ اللہ کے مخلص بندوں میں سے تھے۔

[ج]: حضرت امام صادق علیہ السلام آپ اپنے اباء واجداد سے نقل کرتے ہیں: ''ایک دن امیر المومنینؑ کوفہ میں ایک اجتماع میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک شخص اپنی جگہ سے اٹھا اور کہنے لگا: ''اے امیر المومنینؑ آپ کو یہ جو مقام ملا ہے یہ خدا کی عنایت ہے۔ لیکن آپ کے والد آتش جہنم میں ہیں''۔

حضرت علیؑ نے اس سے کہا: بکواس بند کرو! خدا تیرا منھ توڑ دے۔ قسم اس خدا کی جس نے محمدؐ کو رسالت پر مبعوث کیا۔ اگر میرے والد زمین پر موجود تمام مخلوقات کی شفاعت کریں، تو خداوند متعال ان کی شفاعت قبول کرے گا۔ کیا (یہ ممکن ہے) میرا باپ آگ میں ہو اور میں، یعنی ان کا بیٹا جنت و دوزخ کا تقسیم کرنے والا ہوں؟ قسم اس خدا کی جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث کیا، میرے باپ کا نور، روز قیامت تمام خلائق کو گھیرے ہوئے ہوگا، سوائے انوار خمسہ طیبہ کے یعنی (محمدؐ، میںؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ علیہم السلام کے نو بیٹے) کیونکہ ان کا نور ہمارے نور سے خلق ہوا ہے، یعنی حضرت آدمؑ کی خلقت سے دو ہزار برس پہلے''۔ (۲)

[د]: امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: حضرت ابوطالبؑ اس وقت تک دنیا سے نہیں گئے جب تک نبی اکرم نے ان رضایت کا اظہار نہ کیا۔ (۳)

اسحاق بن جعفر اپنے باپ امام صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ: ایک شخص نے کہا کہ: لوگوں کا خیال یہ ہے کہ ابوطالبؑ کافر تھے۔ آپ نے فرمایا: جھوٹ بولتے ہیں۔ آخر یہ کیسے ممکن ہے

---

(۱) بحار الانوار، ج ۳۵، ص ۷۵۔

(۲) احتجاج شیخ طوسی، ج ۱، ص ۲۲۹؛ بحار الانوار، ج ۳۵، ص ۶۹۔

(۳) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۷۱؛ بحار الانوار، ج ۳۵، ص ۱۱۳۔

کہ وہ کافر ہوں جبکہ یہ اشعار ان ہی کے ہیں:

الم تعلموا انا وجدنا محمدا نبیا کموسیٰ خط فی اول الکتب

کیا تم نہیں جانتے کہ ہم نے محمدؐ کو بالکل ایسے ہی پایا ہے کہ جیسے موسیٰ ہیں کہ جس کا نام آسمانی کتابوں میں ہے۔

[ہ]: لیث مرادی کہتے ہیں: ''میں نے امام صادق علیہ السلام سے عرض کیا: ''لوگ کہتے ہیں کہ ابوطالبؑ کا مغز آتش دوزخ میں جل رہا ہے (نعوذ باللہ)''۔ حضرتؑ نے فرمایا:

''یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں، خدا کی قسم اگر ابوطالبؑ کے ایمان کو ترازو کے ایک پلڑے میں اور دوسرے پلڑے میں ان لوگوں کے ایمان کو رکھا جائے تو پھر بھی ابوطالبؑ کا ایمان ان سب سے بھاری ہوگا۔(۱)

اسی مضمون کی حدیث امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی منقول ہے: آپؑ فرماتے ہیں:

''کیا تم نہیں جانتے کہ امیر المومنین علیؑ نے اپنی زندگی میں حکم دیا تھا کہ عبداللہ اور آمنہ (رسول خداؐ کے والدین) اور ابوطالبؑ (اپنے والد) کی طرف سے حج بجالائیں اور شہادت کے وقت بھی وصیت کی تھی کہ ان کے لئے حج بجالائیں''۔(۲)

[و]: داؤد رقی کہتے ہیں: ''میں امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، ایک شخص نے مجھ سے ادھار لیا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ وہ ادھار واپس نہیں کرے گا۔ امامؑ نے فرمایا: ''جب مکہ جانا تو عبدالمطلبؑ کی طرف ایک طواف سے بجالاؤ اور دو رکعت نماز پڑھو! ایک طواف ابوطالبؑ کے لئے اور دو رکعت نماز، ایک ایک طواف عبداللہ، آمنہ اور فاطمہ بنت اسد کے لئے بجالاؤ، اور دو دو رکعت نماز بجالا پھر خدا سے اپنا مال مانگو! تمہارا مال مل جائے گا''۔

(۱) بحارالانوار، ج ۳۵، ص ۱۱۲۔

(۲) بحارالانوار ج، ۳۵، ص ۱۵۷۔

داؤد رقی کہتے ہیں: ''میں نے یہ کام انجام دیا اور ابھی باب صفا سے باہر نہیں آیا تھا کہ مقروض نے آواز دی اور کہا کہ اپنا قرض لے لو''۔(۱)

[ز]: ابان بن محمد کہتے ہیں: کہ میں نے امام ہشتم علی بن موسی الرضا علیہ السلام کو لکھا: ''میں آپ پر قربان جاؤں! مجھے ایمان ابوطالبؑ میں شک ہے''۔حضرتؑ نے جواب دیا:﴿بسم الله الرحمن الرحيم ومن يتبع غير سبيل المومنين نوله ما تولى﴾ (۲)یعنی جو شخص مومنین کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اپنائے گا ہم اس کو اس ہی راستے پر لگائیں گے جو اس نے انتخاب کیا ہے۔

اس آیت کے بعد لکھا: ''اگر تو ایمان ابوطالبؑ کا اقرار نہیں کرے گا تو تیرا ٹھکانا جہنم ہے''۔(۳)

حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ایمان لانے کا وقت

مذکورہ دلائل گواہ ہیں کہ ابوطالبؑ صدر اسلام کے سچے مسلمانوں میں سے ہیں۔اب سؤال یہ ہے کہ کس وقت ایمان لائے اور کب مسلمان ہوئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے اس تاریخی دعوت میں جو پیغمبر اسلامؐ نے بعثت کے تیسرے سال تشکیل دی اور جو "یوم الانذار" کے نام مشہور ہے، اظہار کیا، یہاں پر مختصر طور پر اس واقعہ کا ذکر کرتے ہیں:

بعثت کے آغاز میں رسول خداؐ نے﴿وانذر عشيرتك الاقربين﴾ (۴) کے تحت حضرت علی علیہ السلام کے تعاون سے اپنے رشتہ داروں میں چالیس افراد کو، جن میں قریش کے سردار بھی

(۱) بحار الانوار، ج۳۵،ص۱۱۲۔

(۲) نساء:۱۵۵۔

(۳) بحار الانوار، ج۳۵،ص۱۱۱۔

(۴) شعراء:۲۱۴۔

شامل تھے، دعوت پر بلایا۔ سب نے دعوت قبول کر لی۔ کھانا کھانے کے بعد رسول خداؐ نے ان تک اپنا پیغام پہنچایا، اور سب کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ وہ سب اٹھ کر چلے گئے۔ دوسرے روز پھر حضورؐ نے بلایا اور دعوت دی۔ حضرت ابوطالبؑ، علیؑ کے بعد وہ پہلے شخص تھے؛ جنھوں نے وفاداری وعدہ کیا اور کہا: ''ہم حمایت کرتے ہیں۔ اور آپ کی نصیحت قبول کرتے ہیں۔ آپ کی سچی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ یہ سب عبد المطلب کی اولاد جمع ہے، اور میں ان میں سے ایک ہوں۔ لیکن میں ان سب سے زیادہ چاہتا ہوں کہ تم اپنے پروگرام کو تیزی سے آگے بڑھاؤ۔ آپ اپنا مشن جاری رکھیں۔ خدا کی قسم میں ہمیشہ آپ کی حمایت جاری رکھوں گا''۔ ابولہب نے جناب ابو طالبؑ کی بات کاٹتے ہوئے اپنی مخالفت کا اظہار کیا۔ جناب ابوطالبؑ نے بلند آواز میں کہا: ''اے بزدل بکواس بند کرو'' اس کے بعد رسول خداؐ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''اے میرے سید و سردار اٹھ کھڑے ہو جاؤ!، جو کچھ بیان کرنا چاہتے ہو کرو!۔ اور اپنے پروردگار کا پیغام پہنچاؤ، آپ سچے اور نیکو کار ہیں''۔ ابولہب پیچ و تاب کھانے لگا، اور اس نے بطور طنز و مذاق جناب ابوطالبؑ سے کہا: ''محمدؐ نے تمہیں حکم دیا ہے تم اپنے بیٹے علیؑ کی پیروی کرو'' (۱)

حضرت ابوطالب علیہ السلام خدا کی حجت اور وصی ہیں

بعض روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت ابوطالبؑ نہ صرف خدا اور رسولؐ پر ایمان رکھتے تھے۔ بلکہ آپ کا شمار اولیائے خدا اور اوصیائے عظام میں ہوتا ہے۔ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''جب فاطمہؑ بنت اسد نے رسول خداؐ کی ولادت کی بشارت ابوطالبؑ کی دی تو ابوطالبؑ نے جواب میں کہا: ''اصبری سبتا ابشرک بمثله الا النبوة'' تیس سال صبر کرو، تا کہ وہ وقت آ جائے کہ میں تم کو نبوت کے علاوہ عیناً یہی تمام صفات کے رکھنے والے مولود کی خبر

(۱) کافی الاخبار، ص ۳۰۳؛ بحار الانوار، ج ۳۵، ص ۷۷۔

دوں۔(۱) حدیث میں 'سبت' بمعنی تیس سال آیا ہے۔رسول خداؐ اور علیؑ کی ولادت کے درمیان کا فاصلہ تیس سال کا ہے۔(۲)

اس روایت کے مطابق، حضرت ابوطالبؑ نے ایک مخفی اور غائب امر کی خبر دی ہے۔یعنی حضرت علیؑ کے آئندہ پیدا ہونے کی خبر وہ بھی فاصلہ کی معین مدت کے ساتھ۔اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ابوطالبؑ ایک عظیم اور خارق العادۃ انسان تھے اور خدا سے آپ کا معنوی رابطہ ایک معمولی انسان سے بہت زیادہ تھا۔

اسی طرح وہ روایات کہ جن میں آپ کی قبولیت شفاعت، ایمان کی برتری، عظیم مقام ومنزلت وغیرہ کا ذکر آیا ہے۔یہ تمام دلائل اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ حضرت ابوطالبؑ بعثت رسول خداؐ سے پہلے ہی اولیائے خدا میں شمار کئے جاتے تھے۔

---

(۱) کافی، ج۱،ص۴۵۲؛ معانی الاخبار،ص۴۰۳؛بحارالانوار، ج۳۵،ص۷۷۔

(۲) کافی، ج۱،ص۴۵۲؛ معانی الاخبار،ص۴۰۳؛بحارالانوار، ج۳۵،ص۷۷۔

والدۂ محترمہ

قال امام صادقعلیه السلام :

اِن فاطمه بنت اسد اُمّ امیر المؤ منین علیه السلام کانت اَوّل امرأة هاجرت اِلی رسول اللّٰه من مکة الی المدینة علی قدمیها ......؛

فاطمہؑ بنت اسد امیر المومنین علیہ السلام کی مادر گرامی وہ پہلی خاتون ہیں، جنھوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف پیدل ہجرت کی اور رسول خداؐ کے پاس پہنچیں......؛ (۱)

جناب فاطمہؑ بنت اسد کے فضائل

جناب فاطمہؑ بنت اسد وہ واحد خاتون ہیں جنھوں نے سالہا سال رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پرورش اورنگہداری کی؛ اور آپ کی والدہ محترمہ جناب آمنہ کی وفات کے بعد ماں جیسا پیار دیا۔ کیونکہ حضرت محمدؐ کی ولادت سے پہلے، آپ کے والد محترم، عبداللہ وفات پا چکے تھے۔اس لئے آپ نے اپنے دادا عبدالمطلب کے گھر میں پرورش پائی۔ جب عبدالمطلب وفات پا چکے، تو آپ کی پرورش کی ذمہ داری ابوطالبؑ نے اپنے ذمہ لے لی۔ جب حضرت محمدؐ ابوطالبؑ کے گھر منتقل ہوئے، تو فاطمہؑ

(۱) اصول کافی، ج ۱، ص ۴۵۳۔

بنت اسد نے ان کی پرورش ماں بن کر کی ۔ یہی وجہ ہے کہ رسول خداؐ اکثر اس بات کا ذکر کرتے ہوئے ان کی تعریف کرتے اور انھیں ماں کہہ کر پکارتے ۔ جس وقت علیؑ نے اپنی والدہ کی وفات کی خبر رسول خداؐ کو دی تو آپ نے فرمایا "واللہ امی" خدا کی قسم وہ میری ماں تھیں ۔(۱) اس عظیم خاتون کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ آپ حضرت خدیجہؓ کے بعد دوسری خاتون ہیں جو مسلمان ہوئیں اور آخر دم تک ایمان پر باقی رہیں ۔ فاطمہؓ بنت اسد کا ایک اور امتیاز ، مدینہ کی طرف ہجرت کرنے میں پیش قدم ہونا ہے جبکہ ان کے ہمراہ حضرت فاطمہ زہراؑ اور فاطمہ بنت زبیر بھی تھیں ۔ اس فضیلت کی وجہ سے فاطمہؓ بنت اسد ان افراد میں قرار پائیں کہ جن کے بارے میں خداوند متعال نے قرآن مجید میں اپنی رضایت کا اعلان کیا ہے:

﴿السابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم و رضوا عنه ......﴾ (۲)

خداوند متعال مہاجرین وانصار سے کہ جنھوں نے ایمان وہجرت میں پہل کی اور ان لوگوں سے جنھوں نے نیکی میں ان کی پیروی کی ، ان سے راضی ہوگیا اور وہ بھی خدا سے راضی ہیں ۔

اس عظیم مسلمان خاتون کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ وہ بعثت رسول خداؐ سے قبل بھی خدا اور اس کے نبیوں پر ایمان رکھتی تھیں ۔ روایات کے مطابق فاطمہؓ بنت اسد آغاز اسلام سے پہلے بھی توحید پرست تھیں ۔ انھوں نے کبھی بت پرستی نہیں کی ۔ گزشتہ ادیان اور انبیاء علیہم السلام پر اعتقاد رکھتی تھیں اور حضرت ابراہیمؑ کے دین پر عمل کرتی تھیں ۔

اس عظیم خاتون کی دیگر خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے ایسی اولاد کی تربیت کی کہ جنھوں نے اسلام کی نشر واشاعت میں اہم کردار ادا کیا ۔ حضرت علیؑ جیسی عالم اسلام کی (بعد از نبی

---

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ، ج ۱ ، ص ۱۴ ۔

(۲) توبہ ۹ : ۱۰۰ ۔

اکرم ﷺ) عالم بشریت کی عظیم شخصیت کے علاوہ، جعفر طیار اور عقیل جیسے فرزندوں کی پرورش کی۔ حضرت علی علیہ السلام ان دونوں بھائیوں کا ذکر علیؑ کے بھائیوں کی بحث میں آئندہ صفحات پر انشاء اللہ ملاحظہ فرمائیں گے۔

حضرت فاطمہؑ بنت اسد کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں

۱۔ابن جوزی حنفی ابن عباس سے نقل کرتے ہیں: کہ آیت کریمہ ﴿یا ایھا النبی اذا جاءک المومنات یبایعنک...... ﴾ اے نبی جب مومن عورتیں تیرے پاس بیعت کرنے آئیں......"(۱) فاطمہؑ بنت اسد کی شان میں نازل ہوئی۔ چونکہ فاطمہ بنت اسد جناب خدیجہ کے بعد پہلی خاتون ہیں کہ جنھوں نے پیغمبر اکرمؐ کی بیعت کی اور اسی طرح آپ پہلے خاتون ہیں کہ جنھوں نے مکہ سے مدینہ کی ہجرت کی۔ وہ مزید رقم طراز ہیں کہ: سب سے پہلی خاتون جو اسلام لائیں، اور مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی، وہ فاطمہؑ بنت اسد ہیں۔ اور ہجرت کے چوتھے سال رحلت فرما گئیں۔ رسول خداؐ آپ کے جنازے کے ہمراہ تھے آپ نے نماز جنازہ پڑھی اور ان کے حق میں دعا فرمائی۔ اپنا لباس بطور کفن ان کو پہنایا۔(۲)

۲۔ابن ابی الحدید اس عظیم خاتون کے بارے میں لکھتے ہیں: "فاطمہؑ پہلی خاتون ہیں جنھوں نے خدیجہؑ کے بعد رسول خداؐ کی بیعت کی اور گیارہویں مسلمان ہیں جو اسلام لائیں۔ رسول خداؐ آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔ وہ آپ کو ماں کہہ کر پکارتے تھے۔ وفات کے وقت انھوں نے حضورؐ کو اپنا وصی قرار دیا، اور حضرتؐ نے ان کی وصیت قبول کی۔ رسول خداؐ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی؛ انھیں دفن کرنے سے پہلے حضرتؐ ان کی قبر میں لیٹے، اپنا لباس ان پر ڈالا۔ بعض اصحاب

(۱) ممتحنہ ۶۰:۱۲۔

(۲) تذکرۃ الخواص، ص ۲۰۔

نے رسول خداؐ سے کہا۔ یا نبی اللہؐ اب تک ہم نے کسی کے ساتھ آپ کو ایسا کرتے نہیں دیکھا تھا۔
رسول خداؐ نے جواب دیا: "انه لم یکن احد بعد ابی طالب ابر بی منها......"

ابو طالب کے بعد مجھ پر ان سے زیادہ مہربان تر کوئی نہ تھا۔ میں نے اپنا پیراہن انھیں پہنایا تا کہ انھیں بہشتی لباس پہنائے جائیں۔ ان کی قبر میں لیٹا تا کہ قبر کی تنگی ان پر آسان ہو جائے۔ (۱)

۳۔ ابن عبد البر مالکی تحریر فرماتے ہیں: کہ "فاطمہؑ بنت اسد، حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کی والدہ پہلی ہاشمی خاتون ہیں جو ہاشمی فرزند کی ماں بنیں، اور پہلی خاتون ہیں جو ہجرت کے بعد باایمان دنیا سے رخصت ہوئیں"۔ (۲)

۴۔ زہری کہتا ہے کہ "فاطمہؑ ایک صالحہ خاتون تھیں۔ جب انھوں نے رسول خداؐ سے سنا کہ "یحشر الناس یوم القیامة عراة" لوگ روز قیامت برہنہ محشر میں حاضر کیے جائیں گے۔ تو انھوں نے کہا: میں ایسی رسوائی سے پناہ مانگتی ہوں"۔ رسول خداؐ نے ان سے فرمایا: "میں دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو مستور محشور کرے"۔ اور جب انھوں نے حضرتؐ سے قبر کی تنگی اور فشار قبر کے بارے میں سنا تو کہا: "ہائے کیسی بے بسی"۔ رسول خداؐ نے فرمایا: میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ فشار قبر سے تمھیں محفوظ رکھے۔ (۳)

۵۔ ابن صباغ مالکی لکھتے ہیں "حضرت علیؑ کی والدہ، حضرت فاطمہؑ بنت اسد، ہاشمؑ بن عبد منافؑ کی بیٹی ہیں۔ ان کے شوہر حضرت ابو طالبؑ دونوں ہاشمی ہیں۔ آپ ہی وہ پہلی خاتون ہیں جو رسول خداؐ پر ایمان لائیں؛ اور مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ آپ رسول خدا ﷺ کے نزدیک ماں کا درجہ رکھتی تھیں۔ جب دنیا سے رخصت ہوئیں تو رسول خداؐ نے اپنا پیراہن انھیں کفن کے طور پر دیا۔

---

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱ ص ۱۴۔
(۲) استیعاب، ج ۳، ص ۲۶۔
(۳) تذکرۃ الخواص، ص ۲۰۔

اسامہ بن زید، ابوایوب انصاری اور عمر بن خطاب نے ایک سیاہ نام غلام کے ساتھ مل کر رسول خداؐ کے حکم سے، فاطمہ بنت اسد کی قبر تیار کی۔ رسول خداؐ جب قبر کے نزدیک پہنچے تو لحد کو خود تیار کیا اور لحد کی مٹی کو باہر پھینکا۔ پھر قبر میں لیٹ کر یہ جملہ ارشاد فرمایا:

''خدا زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ زندہ و جاوید ہے اسے موت نہیں آ سکتی۔ اے خدا! تیرے نبی محمدؐ اور مجھ سے پہلے تمام انبیاء کے صدقے، میری ماں فاطمہؑ بنت اسد کو بخش دے۔ دلیل و برہان کی اسے تلقین کر، اور اس کی جگہ کو وسیع کر دے، تیرے نبی محمدؐ اور مجھ سے پہلے تمام انبیاء کے صدقہ، بے شک تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے''۔

ایک شخص نے آپ سے سوال کیا اے نبی اکرمؐ! آپ کا جو سلوک فاطمہ بنت اسد کی وفات پر دیکھنے میں آیا ہے کسی دوسرے کے ساتھ آپ نے اس طرح سلوک نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا: اپنا لباس اس لئے پہنایا تا کہ جنت کا لباس پہنیں، ان کی قبر میں لیٹا تا کہ قبر کا فشار ان پر کم سے کمتر ہو جائے۔ چونکہ ابوطالبؑ کے بعد عمل میں اللہ کی بہترین مخلوق تھیں۔

شیعوں کے نزدیک حضرت فاطمہؑ بنت اسد کا مرتبہ

شیخ مفید حضرت فاطمہ بن اسدؑ کے بارے میں تحریر کرتے ہیں: ''آپ اسد بن ہاشم کی بیٹی تھیں، اور ایک مہربان ماں کی طرح رسول خداؐ کی دیکھ بھال اور حفاظت کرتی رہیں۔'' یہی وجہ تھی کہ رسول خداؐ آپ کی خدمات کی قدر دانی کرتے تھے۔ حضرت فاطمہ بنت اسدؑ پر ایمان لانے والی پہلے گروہ میں شامل تھیں، اور آپ ہی پہلی خاتون ہیں جنھوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ جب دنیا سے رخصت ہوئیں تو رسول خداؐ نے اپنا پیراہن بطور کفن دیا۔ تا کہ وہ ہر قسم کے ضرر سے محفوظ رہیں۔ ان کی قبر میں لیٹے تا کہ وہ فشار قبر سے امان میں رہیں۔ انھیں ان کے فرزند علیؑ کی ولایت کے اقرار کے بارے میں سفارش و تلقین کی تا کہ منکر و نکیر کے سوالات کا آسانی سے جواب دے سکیں۔ رسول

خداؐ ان کا بہت احترام کرتے تھے کیونکہ وہ خدوند متعال کی اطاعت گزار خاتون تھیں۔(۱)

علامہ اربلی فاطمہ بنت اسد کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں: ''آپ ''السابقون الاولون'' (اسلام وایمان میں سبقت لے جانے والوں) میں شامل ہیں۔آپ پہلی خاتون ہیں جنھوں نے رسول خداؐ کے ہمراہ مدینہ کی طرف ہجرت کی۔اور رسول خداؐ نے اپنا پیراہن بطور کفن دیا......''۔(۲)

دیگر معتبر کتابوں میں بھی ان کا تذکرہ موجود ہے۔چونکہ شیعوں کے نزدیک ان کی حیثیت مسلم ہے لہٰذا مزید اقوال ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہیں۔

حضرت فاطمہ بنت اسدؑ، روایات کے آئینہ میں

امام صادق علیہ السلام اس عظیم خاتون کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: ''امیر المومنینؑ کی والدہ، فاطمہ بنت اسد پہلی خاتون ہیں جنھوں نے مکہ سے رسول خداؐ کے پاس ہجرت کی۔اور پیدل مدینہ آئیں۔اور رسول خداؐ کے ساتھ بہت زیادہ مہربانی کرنے والے افراد میں شامل تھیں۔جب انھوں نے سنا کہ خدا فرماتا ہے:﴿إنّ الناس یُحشرون یوم القیامة عراة کماوُلِدُوا﴾ روز قیامت لوگ اس طرح برہنہ محشور ہونگے جس طرح وہ پیدا ہوئے تھے''۔توانھوں نے کہا'' واسوأتاہ'' ہائے یہ رسوائی''؛رسول خداؐ نے ان سے فرمایا:''میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو مستور محشور کرے''۔جب انھوں نے رسول خداؐ سے فشار قبر کے بارے میں سنا،تو کہا:''ہائے یہ بے بسی''۔ رسول خداؐ نے ان سے دعدہ کیا کہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ وہ آپ کو فشار قبر سے محفوظ رکھے۔

ایک دن انھوں نے رسول خداؐ سے عرض کیا''میں چاہتی ہوں جو کنیز میرے پاس ہے اسے

(۱) ارشاد مفید، ج۱،ص۵۔

(۲) کشف الغمہ ،ج۱،ص۸۲۔

آزاد کردوں"۔ حضرتؐ نے ان سے فرمایا "اِن فَعلتِ اَعتَقَ اللّٰہ بِکُلّ عُضو منہا عُضوًا مِنکِ من النّار" اگر آپ یہ کام کریں گی تو خداوند متعال اس آزاد شدہ کنیز کے ہر عضو کے بدلے میں، آپ کے بدن کے اعضا کو آتش دوزخ سے آزاد کرے گا۔

اس کے بعد امام صادقؑ نے فرمایا: "جس وقت فاطمہؑ بنت اسد مریض ہوئیں تو انھوں نے رسول خداؐ کو وصیت کی کہ ان کی خادمہ (شاید وہی کنیز ہو) کو آزاد کریں۔ چونکہ بولنا ان کے لئے مشکل ہوگیا تھا۔ اس لئے انھوں نے یہ بات اشارے سے کہی۔ رسول خداؐ نے ان کی یہ وصیت قبول کرلی۔ ایک دن رسول خداؐ تشریف فرما تھے اسی اثنا میں حضرت علیؑ گریہ کرتے ہوئے آئے۔ حضرتؐ نے دریافت کیا: "گریے کا کیا سبب ہے؟" انھوں نے عرض کیا "میری مادر گرامی وفات پا گئی ہیں"۔ رسول خداؐ نے فرمایا: "خدا کی قسم فاطمہؑ میری بھی والدہ تھیں۔"

پیغمبر اسلامؐ فاطمہؑ کے جنازہ کے پاس گئے اور گریہ کیا، پھر عورتوں کو حکم دیا کہ انھیں غسل دیں۔ رسول خداؐ نے اپنا ایک پیراہن دیا تا کہ اس کا کفن بنائیں۔ آپ نے فرمایا: "جب مجھے کوئی ایسا کام کرتے دیکھو، جو میں نے پہلے نہ کیا ہو، تو اس کی وجہ مجھ سے دریافت کرو۔"

حضرت فاطمہؑ کے غسل وکفن کے بعد رسول خداؐ نے فاطمہؑ کا جنازہ کاندھے پر رکھا قبر کے نزدیک پہنچنے کے بعد رسول اکرمؐ قبر میں داخل ہوئے اور اس میں لیٹ گئے۔ اس کے بعد اٹھے جنازہ اٹھایا اور اسے قبر میں رکھا۔ پھر سر جھکا کر کافی دیر باتیں کی۔ پھر آخر میں تین مرتبہ فرمایا تمہارا بیٹا، تمہارا بیٹا تمہارا بیٹا، اس کے بعد قبر سے باہر نکلے اور قبر پر مٹی ڈالی۔ پھر خود کو قبر پر لٹا دیا اور لوگوں نے سنا کہ آپ فرمارہے ہیں: "لا الٰہ الا اللّٰہ اللّھم انی استودعہا ایاک"؛ سوائے خدائے واحدہ لاشریک کے کوئی معبود نہیں۔ اے خدا! میں انھیں تیرے حوالے کرتا ہوں"۔ پھر اٹھے اور واپس لوٹ آئے۔

جب رسول خداؐ مزار فاطمہؑ سے واپس آئے تو لوگوں نے عرض کیا "آپؐ نے کچھ ایسے کام

کئے ہیں کہ پہلے اس جیسے کبھی انجام نہ دیئے تھے۔'' حضرت نے فرمایا: ''آج میں ابوطالبؑ کی مہربانیوں سے محروم ہو گیا۔ فاطمہؑ وہ خاتون تھیں جو مجھے خود پر اور اپنی اولاد پر مقدم رکھتی تھیں۔ ایک دن میں نے قیامت کا تذکرہ کیا اور کہا کہ لوگ اس دن برہنہ محشور ہونگے۔ فاطمہؑ نے جب یہ سنا تو کہا: ''ہائے رسوائی''۔ میں نے ضمانت دی کہ خدا انھیں مستور محشور کرے گا۔ میں نے فشار قبر کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا: ''ہائے یہ بے بسی''۔ میں نے ضمانت دی کہ خدا ان کی مدد کرے۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے اپنا پیراہن بطور کفن انھیں دیا اور ان کی قبر میں لیٹا۔ اور جھک کر ان سے باتیں کرنے کی وجہ یہ تھی کہ جو سوالات ان سے قبر میں ہونے ہیں، ان کی انھیں تلقین کروں۔ ان سے پوچھا گیا تیرا پروردگار کون ہے؟ انھوں نے جواب دے دیا۔ پوچھا گیا تیرا رسول کون ہے؟ انھوں نے جواب دے دیا۔ لیکن جب ان سے پوچھا گیا کہ تیرا امام کون ہے؟ تو وہ جواب نہ دے پائیں۔ تب میں نے ان سے کہا ''ابنک ابنک ''تیرا بیٹا، تیرا بیٹا، تیرا بیٹا''۔(۱)

اہل سنت کی روایات کے مطابق درج بالا حدیث کچھ فرق کے ساتھ انس بن مالک سے نقل ہوئی ہے۔(۲)

شیخ صدوق اپنی کتاب امالی میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں: کہ رسول خداؐ نے مراسم دفن کے بعد عمار سے فرمایا:

''خدا کی قسم قبر فاطمہؑ سے باہر آنے سے پہلے میں نے دیکھا کہ نور کے دو چراغ فاطمہؑ کے سر کے پاس ہیں، دو چراغ ان کے ہاتھوں کے پاس اور دو چراغ ان کے پاؤں کے پاس موجود ہیں اور دو فرشتے ان کی قبر پر مامور ہیں جو تا قیامت ان کے لئے استغفار کرتے رہیں گے''۔

لہٰذا حضرت علی علیہ السلام ایسی با عظمت والدہ کی وجہ سے بھی بہت زیادہ افتخار اور امتیاز کے حامل

---

(۱) کافی، ج۱، ص۴۵۳۔

(۲) مراۃ العقول، ج۵، ص۲۷۸۔

ہیں۔اور باقی اصحاب اس امتیاز سے محروم ہیں.

اس عظیم المرتبہ خاتون کا زیارت نامہ

حضرت فاطمہؑ بنت اسد کے لئے جو زیارت نامہ نقل کیا گیا۔اس میں حقائق کا اعتراف موجود ہے:۔

"السلام على فاطمه بنت اسد الها شميه، السلام عليک ايتها الصديقة المرضية، السلام عليک أيتها التقيّةُ النقيّة، السلام عليک أيّتها الكريمةُ الرضيّة، السلام عليكِ يا كافلةَ محمّدٍ خاتم النّبيين ، السلام عليكِ يا والدة سيدِ الوَصيين، السلام عليكِ يامَن أظهر ت شَفَقَتها على رسولِ الله خاتم النَّبيين السلام عليكِ يامَن تربيتُها لولى الله الأمين، السلام عليكِ وعلى روحکِ و بدنکِ الطاهر ،السلام عليكِ وعلى وَلَدكِ و رحمةُالله بر كاتُه"؛

اے فاطمہ بنت اسد آپ پر سلام ہو، اے خدا کی مورد رضایت صدیقہ آپ پر سلام ہو، اے پاکیزہ اور مطہرہ آپ پر سلام ہو، اے کریمہ راضیہ آپ پر سلام ہو، اے محمد خاتم النبیین کی پرورش کرنے والی آپ پر سلام ہو، اے سید اوصیاء کی والدہ آپ پر سلام ہو، سلام ہو آپ پر کہ جو رسول خداؐ خاتم الانبیاء پر بہت مہربان تھیں، سلام ہو آپ پر کہ جنھوں نے امین خدا اور اس کے ولی کی تربیت کی

سلام ہو آپ پر اور آپ کی روح و جسم طاہر پر، سلام ہو آپ پر اور آپ کے بیٹے پر اور آپ پر رحمت خدا اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔

بھائی بہنیں

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح خیبر کے بعد جیسے ہی جعفر ابن ابی طالبؑ کو دیکھا تو آپ نے فرمایا:

"ما ادری بأ یّهما أنا أسرُّ: أ بِقُدمِ جعفر أم بفتح خیبر"؛

سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ میں کس بات پر زیادہ خوشحال ہوں: جعفرؑ کے حبشہ سے واپس پلٹنے پر یا علیؑ کے ہاتھوں خیبر فتح ہونے پر؟۔(۱)

حضرت علیؑ کے بھائیوں کا تعارف خود علیؑ کے گھرانے کی ذاتی شخصیت اور عظمتوں کی نشاندہی کرتا ہے۔اس لئے یہاں حضرت علیؑ کے بھائیوں کا مختصر طور پر ذکر کرتے ہیں:

حضرت علیؑ کے تین بھائی تھے۔جن کے نام، طالبؑ، عقیلؑ اور جعفرؑ ہیں۔۔چند بہنیں، ایک ام ہانی جن کا نام "ہند" یا "فاطمہ" ہے ایک اور بہن جن کا نام جمانہ ہے۔حضرت علیؑ کے بھائی خاص طور پر جعفرؑ اور عقیلؑ دنیائے عرب اور مسلمانوں کے نزدیک خاص شہرت اور مرتبہ کے حامل ہیں۔مسلمان مورخین نے ان دو شخصیتوں کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے۔اس سلسلہ میں ان کے حالات کا مختصر سا خاکہ بیان کرتے ہیں۔

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن الحدید، ج ۴، ص ۱۲۸۔

طالبؑ بن ابو طالبؑ

اس شریف اور کریم خاندان کے بڑے بیٹے کا نام طالبؑ ہے اس لئے ان کے باپ ''ابوطالبؑ'' کی کنیت سے مشہور ہوا۔ طالبؑ کا اپنا کوئی بیٹا نہیں تھا مگر عربوں کے رواج کے مطابق تمام افراد (اگر چہ کسی کا کوئی بیٹا نہ ہو) اپنے لئے کوئی نہ کوئی کنیت اختیار کرتے ہیں۔

لہٰذا طالبؑ کے لئے ابوزید کی کنیت رکھی گئی۔ تاریخ اسلام میں ان کا کوئی ذکر نہیں۔ بظاہر وہ جنگ بدر میں مفقود ہو گئے اور پھر ان کا کوئی پتہ نہ چلا۔

ابن ہشام کے نقل کرنے کے مطابق جب طالب قریش کے جبر کی وجہ سے جنگ بدر کے لئے مکہ سے باہر نکلے تو ایک لفظی تکرار (تو تو میں میں) کی وجہ سے کہ قریش کہتے ہیں اے بنی ہاشم تمہارے دل تو محمد کے ساتھ ہیں۔ آدھے راستے ہی سے مکہ پلٹ گئے اور جنگ بدر میں نہ پہنچے۔

لیکن طبری ابن کلبی سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: طالب مشرکوں کے جبر و تشدد کی بنا پر بدر میں آئے لیکن نہ تو اسیروں میں تھے اور نہ ہی قتل ہونے والوں میں بلکہ گم ہو گئے اور اپنے گھر واپس نہیں پلٹے۔

عقیل بن ابی طالبؑ

حضرت ابوطالبؑ کے دوسرے بیٹے کا نام عقیل ہے۔ عقیل بھی کفار قریش کے جبر و تشدد کی بناء پر جنگ بدر میں شریک ہوئے اور مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر کر لئے گئے۔ چونکہ اپنی آزادی کے لئے دنیا کا کوئی مال و منال ان کے پاس نہ تھا۔ لہٰذا ان کے چچا عباس نے ان کا فدیہ مسلمانوں کو دیکر آزاد کرالیا عقیل آزادی کے بعد مکہ واپس ہو گئے۔ وہ آٹھ ہجری تک مکہ میں رہے اور پھر مدینہ کی طرف

ہجرت کر گئے۔ وہ جنگ موتہ میں رسول خداؐ کے ہمراہ تھے۔(۱) بعض مورخین کے بقول عقیلؑ پچاس ہجری تک زندہ رہے اور ۹۳ر سال کی عمر میں نابینائی کی حالت میں دار فانی سے رخصت ہو گئے۔(۲)

جعفر ابن ابی طالبؑ

ابو طالب کے تیسرے بیٹے کا نام جعفرؑ ہے۔ یہ "جعفرؑ طیار" کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ جعفر، علیؑ سے دس سال بڑے تھے۔ یعنی بعثت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیس سال پہلے پیدا ہوئے تھے ۴۱ر سال کی عمر میں جنگ موتہ (آٹھ ہجری) میں شہید ہوئے۔

جعفرؑ طیار آغاز بعثت میں رسول خداؐ پر ایمان لانے والے افراد میں شامل ہیں۔ اور ان کا شمار اسلام میں سبقت کرنے والوں میں ہوتا ہے۔ ابن اثیر اسد الغابہ میں لکھتے ہیں کہ "جعفر طیار اخلاق، کردار اور شکل وصورت میں رسول خداؐ سے مشابہ تھے۔(۳) یہ حضرت علیؑ کے کچھ ہی عرصے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ایک روز حضرت ابو طالبؑ نے علیؑ کو دیکھا کہ نبی اکرمؐ کے دائیں طرف کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں جناب ابو طالبؑ نے اپنے دوسرے بیٹے جعفر سے کہا: تم بھی نبی اکرمؐ کے بائیں طرف نماز پڑھنے کھڑے ہو جاؤ۔

جناب جعفرؑ کے افتخارات میں سے ایک یہ ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کے ایک گروہ کی ضیافت کرتے ہوئے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ یہ ہجرت بعثت کے پانچویں سال میں واقع ہوئی۔

---

(۱) سیرۃ ابن ہشام، ج۲، ص۲۷۱۔

(۲) تاریخ طبری، ج۲، ص۱۴۴۔

(۳) شرح نہج البلاغہ، ج۱، ص۲۹۔

حبشہ کی طرف ہجرت

مسلمانوں نے جب دیکھا کہ عرب کی سرزمین بت پرستی کا مرکز بن چکی ہے اور مشرکین وکفار انھیں توحید پرستی سے روک رہے ہیں اور انھیں اسلامی احکامات پر عمل نہیں کرنے دیتے، بلکہ وہ دن بدن قریش کی سختیوں کے نیچے پستے چلے جارہے ہیں، مکہ اور اس کے اردگرد میں زندگی گزارنا ان کے لئے مشکل ہوگیا ہے، تو انھوں نے تجارت، عزیز واقارب کو چھوڑ کر، مکہ سے کسی دوسرے ہمسایہ ملک کی طرف چلے جانے کا ارادہ کرلیا۔ تاکہ وہ آزادی اور سکون کے ساتھ دین کے احکامات پر عمل کر سکیں۔ انھوں نے پیغمبر اسلامؐ کو اپنے اس ارادے سے آگاہ کیا، تاکہ آنحضرتؐ اپنے حکم سے آگاہ فرمائیں۔ رسول خداؐ نے ان کے نظریے کی تائید کی اور انھیں مشورہ دیا کہ تمہارے لئے سب سے پر امن جگہ حبشہ ہے۔ حضرت نے فرمایا:

''اگر حبشہ کی طرف جاؤ تو تمہارے لئے زیادہ مفید ہے۔ کیونکہ وہاں پر ایک عادل اور طاقتور حکومت موجود ہے، وہاں کسی پر ظلم نہیں ہوگا، وہ صداقت اور سچائی کی سرزمین ہے تم وہاں پر جاکر رہو، خداوند متعال کوئی نہ کوئی راستہ نکال دے گا۔ (۱)

رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دل نشین اور تاثیر گزار باتوں کا ان کے دلوں پر ایسا اثر ہوا کہ تھوڑے ہی عرصے میں وہ لوگ جن کی تیاری دوسروں سے زیادہ تھی، انھوں نے رخت سفر باندھا۔

قریش کے سردار سے چھپ کر بعض سوار اور بعض پیدل، جدّہ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہ راتوں رات مکہ سے نکل پڑے اس جماعت میں، کہ جن کی تعداد دس یا پندرہ تھی، چار عورتیں بھی شامل تھیں۔ اس گروہ کی ہجرت ماہ رجب میں بعثت کے پانچویں سال واقع ہوئی۔

بلاشبہ ان چند افراد کا وطن سے دور ''حبشہ جیسے'' دریائی سفر والے پر مشقت اور خطرناک علاقے

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج۱، ص۳۴۴؛ بدایہ ونہایہ ابن کثیر، ج۳، ص۶۴؛ تاریخ طبری، ج۲، ص۷۰؛ کامل ابن اثیر، ج۱، ص۴۹۶۔

کی طرف ہجرت کر جانا، اسلام اور رسول خداؐ کے ساتھ ان کی گہری وابستگی اور اخلاص پر دلالت کرتا ہے۔

یہ جماعت جدّہ کی بندرگاہ پر پہنچی۔ اس زمانے میں جدّہ ایک تجارتی بندرگاہ تھی۔ خوش قسمتی سے وہاں پر دو تجارتی کشتیاں حبشہ جانے کے لئے تیار تھیں۔ مسلمان اس خوف سے کہ کفار مکہ کہیں انھیں پکڑ نہ لیں، آدھا دینار کرایہ دیکر جلدی سے سوار ہو گئے۔ قریش کے آدمیوں کے پنجے میں آنے سے پہلے ہی انھوں نے جدہ کی بندرگاہ کو ترک کیا اور حبشہ کی طرف روانہ ہو گئے۔(۱) اس ۱۰، ۱۵ آمیوں کی جماعت کے پیچھے پیچھے دوسرے گروہ نے نسبتاً آزادی اور سکون کے ساتھ، بعض نے اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ، جعفر بن ابو طالبؑ کی سرپرستی میں حبشہ کی طرف سفر کیا۔

حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں مسلمانوں کی تعداد (سوائے ہمراہ جانے والے یا بعد میں پیدا ہونے والے بچوں کے) ۸۳ تھی۔

حبشہ مسلمان مہاجرین کے لئے (جیسا کہ رسول خداؐ نے فرمایا تھا) ایک آزاد اور پرسکون سرزمین ثابت ہوئی۔ ام سلمہ، ابو سلمہ کی بیوی جو کہ بعد میں رسول خداؐ عقد میں آئیں۔ حبشہ کے پر سکون ماحول کے بارے میں فرماتی ہیں: ''جب ہم نے حبشہ کی سرزمین پر قدم رکھا تو ہمیں بہترین حمایت کرنے والا مل گیا۔ نجاشی نے دینی مراسم بجالانے کی اجازت دی۔ وہاں آرام سے خدا کی عبادت کرتے تھے۔ کسی نے ہمیں وہاں تکلیف نہ دی اور کسی نے ہم سے تکلیف دہ بات نہیں کی۔(۲)

---

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج ۱، ص ۳۴۴۔

(۲) سیرہ ابن ہشام، ج ۱، ص ۳۵۸۔

قریش کے نمائندے، حبشہ کے دربار میں

جب قریش کے سرداروں کو مسلمانوں کے حبشہ ہجرت کر جانے کا علم ہوا، تو انھیں خوف لاحق ہوا کہ کہیں حبشہ مسلمانوں کی قدرت وطاقت کا مرکز نہ بن جائے۔ اس لئے انھوں نے ''دارالندوہ'' میں اجتماع کیا۔

وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ حبشہ جانے والے مسلمانوں کو واپس مکہ لایا جائے۔ اور پہلے کی طرح انھیں زیر نظر رکھا جائے۔ اس کام کے لئے انھوں نے اپنے دو تجربہ کار اور مکار افراد عمرو عاص اور عبد اللہ بن ربیعہ کا انتخاب کیا۔ انھیں خاص ہدایت دے کر حبشہ کے بادشاہ نجاشی اور نجاشی کے خاص وزیروں اور مشیروں کے لئے بہت قیمتی تحائف کے ہمراہ روانہ کیا تا کہ اس طرح حبشہ کے بادشاہ پر اثر انداز ہو کر مسلمانوں کو حبشہ سے واپس پلٹا دیں۔

قریش کے نمائندے حبشہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے نجاشی کے وزراء اور مشیروں سے ملے۔ قیمتی تحائف پیش کرنے کے بعد انھوں نے کہا: ابھی کچھ عرصے پہلے چند نادان اور نا تجربہ کار جوانوں کا ایک گروہ، جو اپنے اباء واجداد کے دین سے منحرف ہو کر ایک ایسا دین اختیار کر کے جو آپ کے اور ہمارے دین کے بالکل مخالف ہے، آپ کے ملک میں آ گیا ہے۔ اور وہ گروہ آپ کے ملک کے امن وامان سے ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے۔ قریش کے سردار اور بزرگان، حبشہ کے بادشاہ سے درخواست کرتے ہیں کہ ان لوگوں کو اپنے ملک سے باہر نکال کر ہمارے حوالے کر دیں۔

دوسری درخواست یہ ہے کہ جب یہ مطلب نجاشی کے سامنے پیش کریں تو آپ ہماری تائید اور حمایت کریں''۔ بادشاہ کے وزیروں، مشیروں نے حقائق کو دیکھے بغیر، تحائف کے لالچ میں، قریش کے نمائندوں کو اپنی حمایت کا مکمل یقین دلایا۔

جس روز عمرو عاص اور عبد اللہ بن ربیعہ نجاشی کے دربار میں پہنچنے میں کامیاب ہوئے، بادشاہ کے وزراء اور مشیروں کی موجودگی میں وہ دربار میں حاضر ہوئے۔ سلام وادب اور تحائف پیش کرنے

کے بعد انھوں نے قریش کا پیغام بادشاہ کو پہنچایا۔ اوراس سے مسلمان مہاجرین کی واپسی کی درخواست کی۔

قریش کے نمائندوں کی گفتگو کے بعد بادشاہ کے وزراء نے ان دوافراد کی مکمل حمایت کی اور بادشاہ سے تقاضا کیا کہ مہاجروں کوملک سے باہر نکال دے۔

بادشاہ نے وزراء کے نظریے کے برعکس کہا۔ یہ کام صحیح نہیں ہے کہ جولوگ میرے ملک میں پناہ لئے ہوئے ہیں، انھیں بغیرکسی تحقیق کے نکال دوں۔ اوران دوافراد کے حوالے کردوں۔ میرے لئے یہ مناسب ہے کہ میں ان کو بلاؤں اوران کی بات بھی سنوں۔ اگران کے بارے میں ان دونمائندوں کی بات درست ثابت ہوئی تو انھیں ملک سے نکالنے کاحکم جاری کردوں گا۔ اوراگر نمائندوں کی باتیں درست ثابت نہ ہوئیں تو مہاجرین کی حمایت کروں گا۔

مہاجرین، نجاشی کے حضور میں

نجاشی جب اپنے ملک میں مسلمانوں کے ایک گروہ کے پناہ لینے سے باخبر ہوگیا تو اپنا ایک مخصوص آدمی بھیجا تاکہ مہاجرین دربار میں حاضر ہوں۔ مسلمانوں نے خطرے کا احساس کرتے ہوئے باہمی مشورے سے جعفر بن ابی طالبؑ کواپنا نمائندہ مقرر کیا۔ جعفرؑ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ”میں نے جوکچھ رسول خداؐ سے سنا ہے وہ بغیر کسی کمی وبیشی کے بیان کردوں گا“۔ دوسری طرف نجاشی نے حبشہ کے سرکاری مذہب (عیسائیت) کے علماء کی ایک جماعت کو بھی دربار میں حاضر ہونے کاحکم دیا کہ اگر دینی مسائل کی بحث چھڑ جائے تو جواب دیں۔ ایک عالی شان اور پرشکوہ محفل کا اہتمام کیا گیا۔ مسلمانوں کی جماعت جعفر بن ابی طالبؑ کی قیادت میں تھی بڑے وقار اور متانت کے ساتھ دربار میں داخل ہوئی۔

حبشہ کے بادشاہ نے جعفرؑ سے پوچھا: ”تم نے اپنے اباءواجداد کے دین کوچھوڑ کر نئے دین کو

کیوں اختیار کیا ہے، جو نہ ہمارے دین سے مطابقت رکھتا ہے اور نہ ہی تمہارے اباء واجداد کے دین سے میل کھاتا ہے''؟۔

جعفرؑ نے بلند آواز میں، پوری فصاحت و بلاغت کے ساتھ جواب دیا: ''اے نجاشی! ہم بت پرست قوم تھے۔ برے اعمال بجالاتے تھے اور ناپسند عادات واطوار کے حامل تھے۔ مردار کھاتے تھے۔ کمزور اور بے بس انسان، طاقتوروں کے نیچے دبے ہوئے تھے۔ اپنے رشتہ داروں اور قریبی لوگوں سے جنگ کرتے تھے۔ قتل وغارت کرنا ہماراطرۂ امتیاز تھا۔ یہاں تک کہ ایک شخص بنام محمدؐ جو امانت وصداقت میں صاف وشفاف ماضی کا حامل تھا، اس نے قیام کیا اور خدا کے حکم سے ہمیں توحید اور خدا پرستی کی دعوت دی۔ بت پرستی کی مخالفت کی امانت داری اور سچائی کا ہمیں درس دیا۔ اس نے ہمیں حکم دیا کہ رشتہ داروں اور قریبی لوگوں سے نیک سلوک کرو۔ جھوٹی گواہی دینے اور یتیموں کے مال میں خیانت کرنے سے پرہیز کرو۔ بدکاریوں اور بداعمالیوں سے بچو اس نے ہمیں نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

اس کے انھیں نیک مشن کی وجہ سے ہم اس پر ایمان لے آئے۔ اب ہم خدائے وحدلاشریک کی عبادت بجالاتے ہیں۔ اس نے جن چیزوں کو حرام قرادیا ہے انھیں حرام جانتے ہیں۔ اور جن چیزوں کو اس نے حلال قراردیا ہے اسے حلال مانتے ہیں۔ لیکن قریش نے ہمارے رسولؐ کے خلاف قیام کیا۔ ان کے ماننے والوں پر سختیاں کیں تا کہ اس کا دین چھوڑ دیں، اور دوبارہ بتوں کی پوجا شروع کردیں۔ اور برے اعمال انجام دیں۔

جب قریش کے مظالم سے ہم تنگ آگئے تو اذیت وآزار سے دور ایک آزاد ماحول میں دینی ذمہ داریوں کے بجالانے کی خاطر، مال ودولت اور رشتہ داروں کو چھوڑ کر آپ کے ملک میں پناہ لی ہے۔ اور ہمیں آپ کی عدالت اور انصاف پر پورا بھروسہ ہے''۔

جعفر کی دلنشین اور شعلہ بیان تقریر کا حاضرین مخصوصا نجاشی پر اس قدر اثر ہوا کہ نجاشی کی

آنکھوں میں آنسو بھر آئے اس نے کہا: ''تمہارے پیغمبرؐ پر جو وحی نازل ہوئی ہے اور تمہارے رسولؐ کی آسمانی کتاب میں جو کچھ درج ہے اس میں سے کچھ پڑھو!''

جعفرؓ طیار نے دربارو مجلس کی صورت حال کو دیکھتے ہوئے اور لوگوں کے مسیحی احساسات کو مد نظر رکھتے ہوئے سورہ مریم کی تلاوت شروع کی۔ انھوں نے اس سورہ کی آیات، جو کہ چھوٹی چھوٹی اور خوشگوار آہنگ والی ہیں، بڑے اطمینان اور صلابت کے ساتھ تلاوت کی۔

﴿کھیعص ☆ ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّکَ عَبْدَهُ زَکَرِیَّا ☆إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا......﴾(۱)

جعفرؓ نے چاہا کہ ان آیات کریمہ کو پڑھ کر عیسیٰؑ بن مریمؑ کے بارے میں قرآن کی درست اور معتدل اور میانہ رو منطق کو عیسائیوں کے لئے بیان کریں۔ اور ثابت کریں کہ قرآن، عیسیٰؑ بن مریم کی تقدیس بیان کرتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ انھیں حریم الوہیت سے دور رکھتا ہے (یعنی خدا نہیں مانتا) جعفرؓ کی تقریر نے دربار میں ہلچل مچادی جس سے لوگوں کی آنکھوں میں آنسو جاری کر دیئے۔

جعفرؓ کی تقریر کے نتیجے میں قریش کے نمائندوں کا جھوٹ ثابت ہوگیا۔ یوں جعفرؓ مہاجرین کے حق میں حبشہ کے بادشاہ کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

نجاشی نے حاضرین سے کہا: ''خدا کی قسم یہ باتیں اور عیسیٰؑ کی باتوں کا منبع ومرکز ایک ہی ہے''۔ پھر قریش کے نمائندوں کی طرف رخ کیا اور کہا: ''جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے بھاگ جاؤ''، اس نے ان کے تحائف واپس کر دیئے۔ نجاشی قرآنی آیات کی تاثیر اور جعفرؓ بن ابی طالبؑ کی تقریر کے نتیجے میں باقاعدہ مسلمان ہوگیا۔ اور ہجرت کے نویں سال دنیا سے رخصت ہوگیا۔ رسول خداؐ نے دور سے نماز جنازہ ادا فرمائی۔ (۲)

---

(۱) مریم۱۹: ۱تا۳۔

(۲) بدایہ ونہایہ ابن کثیر، ج ۳ ص ۵۴؛ سیرہ ابن ہشام، ج ۱ ص ۳۴۵۔ ۳۶۲؛ کامل ابن اثیر، ج ۱ ص ۴۹۸؛ تاریخ طبری، ج ۲، ۷۱؛ طبقات ابن سعد، ج ۱ ص ۲۰۷۔

جناب جعفرؑ کی حبشہ سے واپسی

ہجرت کے ساتویں سال، رسول خداؐ نے ایک شخص "عمرو بن امیہ کو حبشہ کی طرف روانہ کیا تا کہ وہاں پر مقیم مسلمانوں کی واپسی کے بارے میں نجاشی سے بات کرے۔ حبشہ کے بادشاہ نے رسول خداؐ کا پیغام ملنے بعد مسلمانوں کے سفر کا تمام انتظام کروادیا۔ اوران کو دو کشتیوں میں مدینہ کی طرف بھیج دیا۔ مسلمان جونہی مدینہ کے نزدیک ساحل پر اترے تو پتہ چلا کہ رسول خداؐ خیبر کی سرزمین کی طرف گئے ہوئے ہیں۔ فوراً خیبر کی طرف گئے، مگر وہاں پہنچنے سے پہلے ہی مسلمان خیبر کے تمام قلعوں کو فتح کر چکے تھے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جعفرؑ کے استقبال کے لئے سولہ قدم آگے بڑھ کر ان کو گود میں لیا اور ان کی پیشانی کا بوسہ دیا۔ حضور پاکؐ خوشی کے مارے سے بہت روئے اور فرمایا:

" لا ادری بِاَیِّھِما انا اشَدُّ سُرورًا، بِقُدومِکَ یا جعفرُ اَم بِفتحِ اللّٰہِ علیٰ اَخیکَ خیبر"؛

سمجھ میں نہیں آرہا کہ دو چیزوں میں سے کس پر زیادہ خوشی مناؤں، تیرے حبشہ سے واپس پلٹنے پر یا تیرے بھائی علیؑ کے ہاتھوں خیبر کی فتح پر"۔(۱)

پھر فرمایا: "کیا تم چاہتے ہو کہ آج تمہیں ایک تحفہ دوں!" جعفر نے عرض کیا "جی، یا رسول اللہ" لوگوں نے سوچا کہ یہ عام دنیاوی تحائف کی طرح ہوگا، (جیسے سونا چاند) لیکن رسول خداؐ نے لوگوں کے تصور کے برعکس فرمایا: "تجھے ایسی چیز سکھاؤں گا کہ اگر تو اسے ہر روز انجام دیگا تو تیرے لئے دنیا و مافیہا کی ہر چیز سے بہتر ہوگا"۔ اس کے بعد ایک نماز جو نماز جعفر طیار کے نام مشہور ہے

---

(۱) بحارالانوار، ج۲۱، ص۲۴؛ تھوڑے سے فرق کے ساتھ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید میں، ج۴، ص۱۲۸۔

انھیں تعلیم دی۔(۱) ایک دوسری حدیث رسولؐ میں آیا ہے کہ جب چار رکعتی نماز انھیں سکھائی تو حضورؐ نے فرمایا: ''جب بھی تم یہ نماز بجالاؤ گے تو تیرے تمام گزشتہ گناہ معاف ہوجائیں گے۔ اگر تم میں ہمت ہو تو ہر روز یہ نماز بجالاؤ۔ اگر ایسا نہ کرسکو تو دودنوں میں ایک بار یا پھر ہر جمعہ یا ہر ماہ یا ہر سال ایک بار، کیونکہ اس سے تیرے گناہ معاف ہوجائیں گے''۔

جنگ موتہ میں حضرت جعفر طیارؑ کی شہادت

جنگ موتہ جمادی الاول ۸ھ میں واقع ہوئی۔ اس معرکہ میں لشکر اسلام کی قیادت بترتیب تین افراد، زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالبؑ اور عبداللہ بن رواحہ کو دی گئی تا کہ ان میں سے ہر ایک کی شہادت کے بعد قیادت کی ذمہ داری دوسرے کو منتقل ہوجائے۔ شیعہ محققین (۲) کا عقیدہ ہے کہ حضرت جعفرؑ طیار لشکر کے قائد تھے اور زید وعبداللہ ان کے معاونین تھے۔

جب اسلام کے مجاہد [معان] نامی وادی میں پہنچے تو خبر ملی کہ [ہرقل] ایک لاکھ رومی ایک لاکھ عرب سپاہیوں کے ہمراہ لشکر اسلام کے ساتھ جنگ کے لئے آمادہ ہے۔

لشکر اسلام کہ جس کے سپاہیوں کی تعداد تین ہزار افراد سے زیادہ نہ تھی، دورات تک معان میں

---

(۱) یہ نماز جعفر طیار کے نام مشہور ہے۔ مفاتیح الجنان میں روز جمعہ کے آداب میں آیا ہے۔ چار رکعت نماز دو سلام کے ساتھ، تین مرتبہ تسبیحات اربعہ (سبحان اللہ والحمد للہ ولاالٰہ الا اللہ و اللہ اکبر) پڑھی جاتی ہے، اس طرح کہ تکبیر کے بعد حمد اور کوئی ایک سورہ قرآن مجید سے، اس کے بعد پندرہ مرتبہ تسبیحات اربعہ پڑھی جاتی ہے۔ اور رکوع میں دس مرتبہ تسبیحات اربعہ، اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد دس مرتبہ، پہلے سجدے میں دس مرتبہ، سر اٹھانے کے بعد دس مرتبہ، دوسرے سجدے میں دس مرتبہ، سر اٹھانے بعد دس مرتبہ۔ دوسری رکعت میں بھی اسی طرح پڑھی جائے گی۔ اور پھر سلام پڑھا جائے گا۔ اور دوسری نماز بھی اسی طرح پڑھی جائے گی۔ اس طرح سے کل تین سو مرتبہ تسبیحات اربعہ پڑھی جائے گی۔

(۲) کافی، ج ۳، ص ۱۲۹؛ بحار الانوار، ج ۳۱، ص ۲۴؛ ج ۹۱، ص ۲۱۱۔

پڑاوڈالے رہاتاکہ وہ اس بات کا فیصلہ کریں کہ وہ رومیوں کے ساتھ جنگ کریں یا رسول خداؐ سے دوبارہ حکم دریافت کرے۔ایسی صورت حال میں ''عبداللہ بن رواحہ'' جیسا فداکار اور بافضیلت مجاہد اور کمانڈر اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے اپنی شعلہ بیان تقریر سے اپنے زیر فرماں سپاہیوں کو لڑنے پر تیار کرلیا۔

عبداللہ بن رواحہ کی تقریر کے بعد لشکر اسلام اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگیا۔دونوں فوجوں کا ''شارف'' نامی مقام پر [قرای بلقا کے نزدیک] آمنا سامنا ہوگیا،لیکن جنگی فنون کی ضرورت کے پیش نظر اسلامی فوج نے تھوڑی سی عقب نشینی کی اور موتہ کی سرزمین پر پڑاوڈالا۔

جعفر بن ابی طالبؑ (جوکہ اکثر شیعہ مورخین کے نزدیک لشکر کے امیر تھے) نے سپاہیوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کرکے ہر ایک کے لئے ایک سردار مقرر کیا اس کے بعد تن بہ تن لڑائی کا آغاز ہوگیا۔جعفرؓ کی ذمہ داری تھی کہ وہ علم اسلام کو تھامے رکھے اور حملہ کرنے میں مجاہدین کی رہنمائی کرے اس کے ساتھ ساتھ خود بھی جنگ کرے اور اپنا دفاع کرے۔

جعفر بن ابی طالبؑ نے بڑی بہادری سے حملے کیے،رجز پڑھتے ہوئے دشمن کے بیچ و بیچ پہنچ کر حملہ کیا۔اس حملے کے کرتے ہی رومی فوجوں نے انھیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔جعفرؓ نے جب اپنی شہادت کو یقینی دیکھا تو گھوڑے سے اترے اسے ایک ضرب لگا کر حرکت کرنے سے قاصر کردیا تاکہ دشمن گھوڑا استعمال نہ کرسکے۔ان کے حملے جاری تھے کہ ان کا دایاں ہاتھ کٹ گیا۔انھوں نے پرچم اسلام بائیں ہاتھ میں تھام لیا۔جب ان کا بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا تو بازوؤں سے پرچم کو سینے سے لگالیا،جبکہ ان کے سر،چہرے اور بدن پر اسّی سے زیادہ زخم آچکے تھے،آخر کار وہ زمین پر گر پڑے اور درجہ شہادت پر فائز ہوگئے۔

ان کے بعد زید بن حارثہ نے لشکر کی قیادت سنبھالی اور بڑی جرأت سے لڑے وہ بھی شہید ہوگئے پھر عبداللہ بن رواحہ کی باری آئی۔انھوں نے پرچم اسلام اٹھایا،انھوں نے بھی بڑی جوانمردی

سے جنگ کی یہاں تک کہ شہادت کے مرتبہ پر فائز ہو گئے۔(۱)

جنگ موتہ کا جاری رہنا

ان تین جاں نثار اور بافضیلت سرداروں کی شہادت کے بعد سپاہ اسلام میں افراتفری پھیل گئی اسی دوران ''ثابت اقرم'' نے پرچم اسلام کو اٹھایا اور آواز دی کہ کسی کو قیادت کے لئے انتخاب کیا جائے۔اس کے بعد نو مسلمان ''خالد بن ولید'' کو لشکر کا قائد بنالیا گیا۔

خالد بن ولید نے جنگی فنون کو بروئے کار لائے ہوئے بڑی زیرکانہ تدبیروں کے ساتھ رات میں لشکر اسلام کو حکم دیا کہ پھیل جائیں، دائیں والے بائیں طرف اور بائیں والے دائیں طرف چلے جائیں۔کچھ سپاہی ذرا فاصلے پر چلے جائیں اور کل کو ''لاالٰہ الا اللّٰہ'' کا نعرہ لگاتے ہوئے، مسلمانوں میں مل جائیں تا کہ رومی فوج یہ سمجھے کہ تازہ دم فوجی میدان میں وارد ہو گئے ہیں۔

یہ تدبیر مؤثر واقع ہوئی اور رومیوں نے مسلمانوں پر حملہ کرنے سے اجتناب کیا۔انھوں نے خیال کیا کہ کل تک کم فوج کے باوجود مسلمان بڑی جرأت سے لڑے اور اب مزید سپاہی ان کے ساتھ آملے ہیں، لہٰذا اب تو ان کی طاقت میں اضافہ ہو گیا ہوگا۔

لشکر روم اور لشکر اسلام پر تھوڑی دیر کے لئے آرام وسکون طاری ہو گیا۔مسلمان اس فرصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مدینہ کی طرف واپس لوٹ آئے۔اس معرکہ میں مسلمانوں کی سب سے بڑی کامیابی یہ تھی کہ ایک چھوٹے سے لشکر نے ایک مضبوط اور منظم لشکر کا چند دن مقابلہ کیا اور آخر کار بغیر کسی شکست اور بھاری نقصان کے واپس آ گیا۔

واپسی پر اگر چہ مسلمان سپاہیوں کا سردمہری سے استقبال کیا گیا۔کیونکہ اسلام کے بہادر اور دلیر سپاہی بھی جنگ کے لئے جاتے تھے یا تو وہ دشمن کو شکست دیکر آتے تھے۔یا کم از کم ان کو پیچھے

(۱) کامل بن اثیر، ج۱،ص۲۰۴؛ تاریخ طبری، ج۲،ص۳۱۸؛ طبقات، ج۲،ص۱۳۷؛ بحار الانوار، ج۲۱،ص۵۳۔

ہٹنے پر مجبور کردیتے تھے۔ جب مسلمان سپاہی موتہ سے واپس آئے تو انھیں لوگوں کے طنز آمیز نعروں کا سامنا کرنا پڑا۔ طبری اور دوسرے مورخین کے مطابق، لوگوں نے سپاہیوں کے سروں پر خاک پھینکی اور اس نعرے سے۔ ''اے فراریوں جہاد سے کیوں بھاگ کرکے آئے ہو'' ان کا استقبال کیا۔ (۱)

شہادت جعفر طیارؑ پر رسول خداؐ کا ردعمل

جب رسول خداؐ کو جعفر طیارؑ کی شہادت کا علم ہوا تو بہت زیادہ روئے۔ آنسو بھری آنکھوں کی حالت میں آپ نے فرمایا: '' قُطِعَت یداہُ قبلَ اَنْ استَشهَدَوقَد أبدلُه اللّٰهُ مِن یَدَیهِ جَنا حَینِ مِن زُمُرُّداً خضرٍ فهوا لان یَطیرُ بِها الجَنَّةِ مَعَ المَلا ئکة کیف شاء''؛

جعفرؑ کے شہادت پر فائز ہونے اور دونوں ہاتھوں کے کٹ جانے سے پہلے ہی خداوند متعالی نے انھیں ان کے دونوں ہاتھوں کے بدلے میں سبز زمرد کے دو پر عطا کردیئے۔ وہ ابھی بھی ان دو پروں کے ساتھ ملائکہ کے ہمراہ پرواز کررہے ہیں۔ جہاں جانا چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں''۔ (۲)

اہل سنت کے مورخین نے رسول خداؐ سے جو عبارت نقل کی ہے، اس کا مضمون یہ ہے: ''گزشتہ رات میں نے جعفرؑ کو ملائکہ کے ہمراہ دیکھا کہ وہ اپنے پروں کے ساتھ پرواز کررہے تھے، اور ان کا اگلا حصہ خون سے رنگین تھا۔ (۳)

جعفرؑ طیار اخلاقی فضائل، شجاعت اور اسلام سے وفاداری کی وجہ سے اس قدر اہمیت وجلالت

---

(۱) تاریخ طبری، ج ۲، ص ۳۲۳؛ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۶۰۹۔

(۲) بحار الانوار، ج ۲۱ ص ۵۴۔

(۳) قال رسول اللہؐ: ''مربی جعفر البارحة فی نفر من الملائکة له جناحان مختضب القوادم بالدم ''؛ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۶۰۹؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۳۲۲؛ طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۱۲۹۔

کے حامل تھے کہ شہادت کے تیس سال بعد جب امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو خبر ملی کہ عمرو عاص نے معاویہ کی بیعت کر لی ہے، اور دونوں نے یہ معاہدہ کیا ہے کہ اگر علیؑ پر فتح حاصل کر لی، تو وہ مصر کی حکومت عمرو کے حوالے کر دیں گے۔ حضرت علیؑ نے جب یہ ناخوشگوار خبر سنی تو انھیں اپنے چچا حمزہؓ اور بھائی جعفرؑ کی شجاعت بہت یاد آئی اور فرمایا: ''اگر یہ دونوں زندہ ہوتے تو میری کامیابی کا ستارہ طلوع ہو جاتا''۔(۱)

خاندان علیؑ میں ایسی با ایمان اور عظیم شخصیت کا وجود خود حضرت علیؑ اور آپ کے والدین کے لئے بہت بڑے افتخار کی بات ہے۔ جبکہ دوسرے خلفاء ایسے بھائی کی فضیلت سے محروم تھے۔

حضرت علی علیہ السلام کی بہنیں

مورخین نے حضرت علی علیہ السلام کی ان بہنوں کے نام درج کئے ہیں، جو ماں باپ دونوں کی طرف سے آپ کی حقیقی بہنیں تھیں۔ ایک ''ام ہانی'' کہ جن کا نام ہند، فاطمہ یا فاختہ بتایا گیا ہے۔ یہ ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی کی بیوی تھی۔ ام ہانی فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئیں۔ لیکن آپ کا شوہر ہبیرہ نجران کی طرف فرار ہو گیا۔ ان کے چار بیٹے تھے۔ جن کے نام جعدہ، ہانی، یوسف اور عمر تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ کی طرف سے چند کفار قریش کو اپنے گھر پناہ دینے (رسول خداؐ نے آپ کے پناہ دینے کا احترام کیا) کا واقعہ اسی کتاب میں ''فتح مکہ'' کے باب میں آئے گا۔

علیؑ کی دوسری بہن ''جمانہ'' تیسری ''ریطہ'' جن کی کنیت ام طالب ہے اور چوتھی بہن کا نام ''اسماء'' ذکر ہوا ہے۔(۲)

---

(۱) واقعۂ صفین، ص ۴۹۔

(۲) اسد الغابۃ، ۵، ص ۶۲۴؛ طبقات ابن سعد، ج ا ص ۱۲۲، و، ج ۸، ص ۴۷؛ اصابہ ابن حجر، ج ۴، ص ۴۲۵؛ قاموس الرجال، ج ۲، ص ۵۹۴؛ بحار الانوار، ج ۱۹، ص ۵۷۔

آغوش پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں

ابن حجر عسقلانی شافعی کہتے ہیں:

"وُلِدَ علیٌّ قَبلَ البعثه بعشر سنین ، فَرَبّی فی حِجر النبیّ صلی اللہ علیہ وآلہ ولم یُفارِقهُ و شَهِدَ معه مِن المشاهد، اِلّا غزوة تبوک......"؛

حضرت علی علیہ السلام بعثت سے دس سال قبل دنیا میں تشریف لائے پھر دامن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پرورش پائی، جنگ تبوک کے علاوہ (وہ بھی بحکم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کبھی بھی رسول خداؐ سے جدا نہ ہوئے اور تمام جنگوں میں آنحضرتؐ کے ہمرکاب رہے۔(۱)

حضرت علی علیہ السلام کے بہت سے امتیازوں میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کی پرورش اور تربیت پیغمبر اسلامؐ کے دست مبارک میں ہوئی۔ جب سے فاطمہؑ بنت اسد نے اس مولود کعبہ کو رسول خداؐ کی خدمت میں پیش کیا اس وقت سے ہی آنحضرتؐ نے اس بچے کے ساتھ اپنی شدید محبت کا مظاہرہ کیا۔ رسول خداؐ نے فرمایا کہ علیؑ کا گہوارہ ان کے بستر کے نزدیک رکھا جائے۔ اس طرح روز اول سے ہی امامؑ کی پوری زندگی رسول خداؐ کی خاص محبت وشفقتوں کے سائے میں تھی۔ حضور اکرمؐ

---

(۱) اصابہ ابن حجر، ج ۲، ص ۵۰۱۔

پوری زندگی رسول خداؐ کی خاص محبت وشفقتوں کے سائے میں تھی۔ حضور اکرمؐ سلانے کے لئے علیؑ کا جھولا جھلاتے تھے۔ ان کا منہ ہاتھ دھوتے، اوران کے منہ میں دودھ ڈالتے تھے، اور بڑے پیار ومحبت سے ان سے باتیں کرتے، کبھی انھیں اپنے سینے پرلٹاتے اور فرماتے: ''یہ بچہ میرا بھائی ہے اور آئندہ میرا ولی، اور وصی ہوگا''۔ حضرت علیؑ کے ساتھ گہری محبت کی وجہ سے کبھی ان سے جدا نہ ہوتے۔ جب بھی عبادت و ریاضت اور خدا سے مناجات کرنے کے لئے شہر سے باہر جاتے تو حضرت علی علیہ السلام کو ایک چھوٹے بھائی اور پیارے بیٹے کی طرح اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔(۱) علیؑ خوداس حساس زمانہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس پرفخر ومباہات کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

اے اصحاب رسولؐ! تم رسول خداؐ کے ساتھ میری قریبی رشتہ داری اوران کے نزدیک جو میرے خاص مقام ورتبہ سے پوری طرح آگاہ ہو۔ تم جانتے ہو کہ میں ان کی پرمحبت گود میں پروان چڑھا۔ جب میں بچہ تھا تو وہ مجھے اپنے سینے پہ لٹاتے تھے اور میں ان کی خوشبو کو سونگھتا تھا، وہ غذا کو چبا کر میرے منہ میں ڈالا کرتے تھے''۔(۲)

حضرت علی علیہ السلام کا باقاعدہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر منتقل ہونا

اگر چہ حضرت علی علیہ السلام ولادت کے آغاز سے ہی رسول خداؐ کی محبت بھری آغوش میں تھے۔ لیکن اکثر اوقات وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں بھی آتے جاتے رہتے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ مکہ میں ایک واقعہ پیش آیا جو اس بات کا سبب بنا کہ علیؑ ہمیشہ کے لئے رسول خداؐ کے خاندان کا ایک جزو شمار ہونے لگے۔

علماء شیعہ اور سنی مورخین کے بقول حضرت علی بن ابی طالبؑ پر خداوند متعال کی طرف سے

(۱) کشف الغمہ، ج۱،ص۸۴؛ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱۳،ص۲۲۰۔

(۲) نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۲۔

نازل ہونے والی نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ تھی کہ بعثت سے چار سال پہلے جس وقت آپ کی عمر چھ سال تھی، مکہ میں خشک سالی کی وجہ سے بہت خطرناک قحط پڑا، لوگ بڑی سخت اقتصادی مشکلات کا شکار ہوگئے۔ رسول خداؐ کے چچا ابو طالبؑ جو کہ ایک بڑے گھرانے کے کفیل تھے، وہ بھی ایسی سخت اقتصادی مشکل میں گرفتار ہوگئے کہ تمام اہل خانہ کے نان و نفقہ کا بندوبست کرنا ان کے بس سے باہر ہوگیا۔ ایک دن رسول خداؐ نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے چچا عباس سے، جن کی مالی حالت ابو طالبؑ سے بہتر تھی، ملاقات کی، اس ملاقات میں طے یہ پایا کہ دونوں ابو طالبؑ کے بیٹوں میں سے ایک ایک بیٹا اپنے گھر لے جائیں تا کہ ان کا کچھ بوجھ ہلکا ہو جائے۔ رسول خداؐ اور عباس ابو طالبؑ کے پاس آئے اور اپنی درخواست عرض کی ابو طالبؑ نے کہا ''عقیل کے علاوہ جس بیٹے کو چاہتے ہو لے جاؤ''۔ عباس جعفرؓ کو اور رسول خداؐ علیؑ کو اپنے گھر لے گئے۔ (۱)

اس کے بعد سے حضرت علیؑ کی ظاہری و باطنی تربیت رسول اللہؐ کے ذمہ ہوگئی۔ علیؑ باقاعدہ رسول خداؐ کے گھر کے ایک فرد شمار ہونے لگے۔ یہ قربت اس حد تک جاری رہی کہ بعثت کے وقت حضرت علیؑ رسول خداؐ کے سب سے زیادہ نزدیک اور ہمیشہ نبوت و رسالت کے اس آفتاب عالم تاب کے ہمراہ رہے مشیت خداوندی یہی تھی کہ حضرت علیؑ بطور کامل رسول خداؐ کی تربیت کے تحت رہے تا کہ پیغمبرؐ کا جانشین محمدیؐ بطور کامل اوصاف و کمالات کا حامل ہو۔

یہ معنوی رشتہ اس وقت اپنی معراج کو پہنچ گیا۔ جب رسول خداؐ نے اپنا ثمر زندگی اور نور چشم ''فاطمہ سلام اللہ علیہا'' کو آپ کی زوجیت میں دے دیا۔ اس کے بعد حضرت علیؑ ہر جگہ اور ہمیشہ سائے کی طرح رسول خداؐ کے ساتھ رہے۔ پیغمبرؐ کی زندگی کے آخر لمحات میں بھی ان کے بستر کے پاس موجود تھے۔ پیغمبر اکرمؐ کی رحلت کے بعد حضرت علی علیہ السلام، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر سے جدا نہ

(۱) تاریخ طبری، ج۲، ص۵۷؛ سیرہ ابن ہشام، ج۱، ص۲۶۲؛ تاریخ ابن اثیر، ج۱، ص۳۸۴؛ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱۳، ص۱۸۹؛ الفصول المہمہ، ص۳۲؛ کنز الفوائد کراجکی، ج۱، ص۲۵۵؛ بحار الانوار، ج۳۸، ص۲۹۴؛۔

ہوئے؛ یہاں تک کہ آپ کو غسل وکفن دیا، حضرتؑ کے جنازہ پر نماز پڑھی اور سپرد خاک کیا۔(۱)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک حضرت علی علیہ السلام کا مرتبہ

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں: ''جو قربت حضرت علی علیہ السلام اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان تھی، وہ آپ کی کسی چچا کے ساتھ نہ تھی۔ رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کی خود تربیت کی۔ اس کے بدلے میں بعثت حضرت رسول خداؐ کے بعد حضرت علیؑ ان کی حمایت و مدد کرنے کا اعلان کرتے ہیں۔ بنی ہاشم میں کوئی بھی اس طرح کا نہ تھا۔ حضرت علیؑ اور حضرت رسول اللہؐ کے درمیان اس قدر قربت تھی کہ حضورؐ نے اپنی نور نظر فاطمہؑ کی شادی آپؑ سے کردی۔ اور حضورؐ کی مطہر نسل بھی ان ہی سے آگے بڑھی، نہ کہ دوسرے دامادوں سے''۔(۲)

اخطب خوارزمی محمد بن اسحاق سے نقل کرتے ہیں: ''حضرت علی علیہ السلام دس سال کی عمر میں حضورؐ اکرم پر ایمان لائے۔ ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ جو کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے تھے اس کی تصدیق کی۔ خداوند متعال کی نعمتوں میں سے ایک نعمت جو حضرت علیؑ کو نصیب ہوئی وہ یہ تھی کہ قبل از ظہور اسلام حضرت رسول خداؐ کی آغوش میں پرورش پائی۔ (۳)

حضرت پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ حضرت علیؑ کی مصاحبت اور قربت کے اثرات

حضرت رسول گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت علی علیہ السلام کی معنوی قربت کے نتائج کا احاطہ

(۱) حوالہ جات کے لئے اسی کتاب کے باب ''علیؑ رحلت پیغمبرؐ کے وقت'' کی طرف رجوع فرمائیں۔

(۲) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۳، ص ۱۹۸۔

(۳) مناقب خوارزمی، ص ۵۱۔

کرنا زبان وقلم کے اختیار سے باہر ہے۔ مگر کتاب کی گنجائش اور ضرورت کے مطابق یہاں پر چند آثار کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ حضرت علی علیہ السلام کا معنوی دریا سے متصل ہونا

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام کی قربت میں، قحط والے واقعہ کے بعد، اور بھی جاذبیت بڑھ گئی۔ اور علیؑ قطرے کی طرح معنویت اور روحانیت کے دریا سے ملحق ہو گئے تا کہ بشریت کے اس عظیم معلم کی تربیت بہرہ ور ہو سکیں۔ ایسا معلم جن کے بارے میں خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: ﴿عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ﴾ (۱) اسے شدید القوی (فرشتے) نے سکھایا۔ خود پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں: "اَدَّبَنِی رَبِّی فَاَحسَنَ تَادِیبِی"؛ میرے رب نے میری تربیت کی اور میری کتنی اچھی تربیت کی۔ حضرت علی علیہ السلام نے بچپن ہی سے ایسے انسان کامل کے مکتب کی شاگردی اختیار کی اور آپ کے اخلاق کریمہ سے پورا پورا استفادہ کیا۔

حضرت علی علیہ السلام اپنی ذاتی ذہانت فطانت اور غیر معمولی استعداد کے علاوہ حضرت رسول خداؐ جیسی ہستی کے پرنور محضر کی نعمت سے بھی برخوردار تھے۔ یہی سنہرا موقع سبب بنا کہ تھوڑے ہی عرصے میں پیغمبر اسلامؐ کی سیرت طیبہ اور صفات حمیدہ سے مکمل آشنا ہو گئے۔

۲۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گہری محبت کے حامل

اس ہمنشینی اور مصاحبت کے گرانقدر آثار میں سے ایک اثر یہ تھا کہ حضرت علیؑ سے حضورؐ اکرم کو شدید محبت اور الفت ہو گئی۔ حضورؐ اکرم کی حضرت علیؑ سے محبت باپ بیٹے سے بھی زیادہ تھی۔

حضورؐ اکرم کبھی اس حقیقت کا اظہار برملا طور پر اور کبھی اپنے اصحاب و انصار میں بھی کر دیا

(۱) نجم ۵۳:۵۔

کرتے تھے۔ استاد وشاگرد کے درمیان اس طرح کی شدید محبت ایک گہرے معنوی رابطے کی نشاندہی کرتی ہے جو پیغمبرؐ اسلام کی وفات کے بعد حضرت علیؑ کی جانشینی کی صورت میں آشکار ہوئی۔

اکثر بزرگان اسلام نے حضرت رسول خداؐ کی حضرت علیؑ کے ساتھ محبت والفت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ان میں سے ہم بعض کا یہاں پر ذکر کرتے ہیں:

علامہ کراجکی لکھتے ہیں: ''حضرت رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کی پرورش خود اپنے ذمہ لی تھی۔ سونے جاگنے میں حضرت علیؑ کا خیال رکھتے تھے۔کبھی ان کو گود میں اٹھا لیتے کبھی کاندھے پر سوار کر لیتے،ان سے ایسی بے انتہا محبت والفت کرتے تھے کہ فرماتے:''هذا اخی و سیفی و ناصری ووصیی''،علیؑ میرا بھائی، میری تلوار، اور میرا مددگار ووصی ہے۔ (۱)

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں: ''فضل بن عباس کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ عباس سے پوچھا حضرت رسول خدا ﷺ سب سے زیادہ اپنے کس بیٹے سے محبت کرتے تھے؟ اس نے کہا: ''حضرت علی بن ابی طالبؑ سے''۔ میں نے کہا: ''میں نے حضرت رسول خداؐ کے بیٹوں کے بارے میں دریافت کیا ہے اور آپ ان کے چچازاد بھائی حضرت علیؑ کے بارے میں کہہ رہے ہیں؟ میرے باپ نے جواب دیا! کیونکہ رسول خداؐ،علیؑ سے اپنے تمام بیٹوں سے زیادہ محبت کرتے تھے،اوران پر سب سے زیادہ مہربان تھے۔کبھی بھی علیؑ کو لڑکپن میں اپنے سے جدا نہ کیا، سوائے اس سفر کے جو خدیجہؑ کے لئے تھا۔ پھر اس نے کہا: ''ہم نے کسی بھی باپ کو اپنے بیٹے پر اتنا مہربان اور شفیق نہیں دیکھا جتنا رسول خداؐ،علیؑ کی نسبت مہربان اور شفیق تھے۔ اور کسی بیٹے کو اپنے باپ کا اتنا مطیع و فرمانبردار نہیں پایا جتنا کہ علیؑ رسول خداؐ کے مطیع واطاعت گزار تھے۔ (۲)

جبیر بن مطعم کہتا ہے: ''جب ہم بچے تھے، اور مکہ میں رہتے تھے میرے باپ نے مجھ سے کہا:

---

(۱) کنز الفوائد، ج ۱، ص ۲۵۵۔

(۲) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۳، ص ۲۰۰۔

"کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ یہ نوجوان (حضرت علیؑ) کس طرح محمدؐ سے، اپنے باپ سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے؟ پھر اس نے کہا: "لات" و "عزیٰ" کی قسم، میں حاضر ہوں کہ علیؑ میرا بیٹا بن جائے اور اس کے بدلے میں بنی نوفل کے تمام جوان دے دوں۔" (۱)

حسین بن زید اپنے والد سے اور وہ اپنے والد امام سجاد علی بن الحسین علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں۔

"کان رسول اللّٰہ یَمضَغُ اللّحمۃ و التّمرۃ حتی تلین ، وَ یجعلھما فی فمّ علی وھو صغیرٌ فی حِجرہ"؛

جب علیؑ بچے تھے اور رسول خداؐ کی آغوش میں پرورش پا رہے تھے تو اس وقت حضرتؐ گوشت اور کھجور کو چباتے اور نرم کرکے علیؑ کے منہ میں ڈالتے تھے۔ (۲)

حضرت رسول خداؐ کی حضرت علیؑ سے محبت والفت صرف بچپن کے زمانہ تک محدود نہ تھی، بلکہ مقام رسالت پر مبعوث ہونے کے بعد بھی مختلف موقع پر اپنی قلبی محبت کا اظہار فرماتے تھے۔ یہ تمام محبت وقرابت اس بات کی نشاندہی کرتی تھی کہ حضرت علیؑ خدا اور رسولؐ کے محبوب تھے اور آپ ہی بعد از نبی اکرمؐ امت اسلام کی رہبری وامامت کی صلاحیت رکھتے تھے۔

رسولؐ اکرم کی بعثت، کے بعد حضرت علیؑ سے آنحضرتؐ کے اظہار محبت کے حوالے سے چند نمونے پیش کر رہے ہیں:

[الف]۔ جنگ خندق میں، جب پیغمبر اسلامؐ نے دیکھا کہ حضرت علیؑ، عمرو بن عبدود سے جنگ کے لئے جا رہے ہیں اور ممکن ہے کہ علیؑ کی جان خطرے میں پڑ جائے۔ تو اس وقت خدا کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور فرمایا:

---

(۱) شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱۳، ص ۲۰۱۔

(۲) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۳، ص ۲۰۰۔

"اللّھم اِنک اَخذتَ مِنّی عُبیدة یومَ بدر ، وحمزة یومَ اُحد، واحفظ الیومَ علیًّا،

﴿ربُّ لا تَذرنی فَردًا وَانتَ خیرُ الوارثین﴾؛(۱)

"خدایا تو نے جنگ بدر میں عبیدہ بن حارث مجھ سے لے لیا، اور حمزہ کو جنگ احد میں، اب آج علیؑ کی (جو عمرو بن عمرو ابن عبدود کے ساتھ جنگ کرنے جارہے ہیں) حفاظت فرما۔

خدایا مجھے تنہا نہ چھوڑنا کہ تو بہترین وارث ہے"۔

اس دعا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو کا مطلب یہ ہے کہ: اگر علی علیہ السلام چلے جائیں تو میں اکیلا رہ جاؤں گا۔ حالانکہ بہت سے اصحاب آنحضرت کے پاس موجود تھے۔ لیکن اسلام کا والا قدر رہنما حضرت علی علیہ السلام کے نہ ہونے کی صورت میں اپنی تنہائی محسوس کررہا ہے اس حقیقت کو قبول کرتے ہوئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو ہر طرح کی مبالغہ آرائی سے دور ہے۔ یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ دعا علی علیہ السلام کے جانشین اور خلیفہ بلا فصل رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے پر بہترین گواہ ہے۔

[ب]۔ شیعہ و اہل سنت مورخین نے جنگ خیبر کے حالات میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ جملے نقل کئے ہیں کہ جن میں خدا و رسولؐ کی علیؑ سے اور علیؑ کی خدا و رسول خداؐ سے محبت کا ذکر، حضرت نے فرمایا:

" لأُعطینَّ الرایةَ غدًا رجلاً یُحبُّ اللّٰهَ و رسولَهُ و یُحبُّهُ اللّٰهُ و رسولُه ......"؛

کل فتح کا پرچم کو پ اسے دوں گا جو خدا اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسولؐ بھی اسے دوست رکھتے ہیں......؛(۲)

لہٰذا علم اسلام حضرت علیؑ کے حوالے کیا، حضرت عمر فرماتے ہیں: "کہ اس روز سے زیادہ

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱۹، ص۶۱۔

(۲) تفصیل کے لئے اسی کتاب کے باب "علیؑ خیبر میں" کی طرف رجوع فرمائیں۔

حکومت اور امیر بنے کی آرزو کبھی اس سے پہلے میرے دل میں پیدا نہ ہوئی"۔(۱)

[ج]۔ حضرت علی علیہ السلام کے فضائل و مناقب کے بارے میں شیعہ وسنی کتب میں متواتر روایات درج ہیں کہ رسول خداؐ نے مذکورہ حدیث مختلف تعبیروں کے ساتھ بیان فرمائی ہے، ان میں سے ایک یہ ہے:

"مَن احبَّ علیًّافقد اَحبَّنی ، ومَن اَبغض علیًا فقد اَبغضنی......"؛

"جس نے بھی علیؑ سے محبت کی، اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے علیؑ سے دشمنی کی اس نے میرے ساتھ دشمنی کی......"؛(۲)

واضح رہے کہ مذکورہ روایات بعداز نبیؐ علیؑ کی امامت ورہبری کی نشاندہی کرتی ہے۔

۳۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل اطاعت

حضرت علی علیہ السلام کی حضرت رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہمنشینی اور قربت کے آثار میں سے ایک گرانقدر اثر یہ ہے کہ رسول خداؐ کی علیؑ سے بے انتہا محبت کے مقابلے میں علیؑ بھی عاشق پیغمبرؐ تھے۔ وہ آپ کی اطاعت کو بغیر کسی چون و چرا کے قبول کرتے تھے۔ کبھی ذرہ برابر بھی اطاعت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ علیؑ ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: "کبھی بھی انھوں نے میری گفتار میں جھوٹ نہ دیکھا اور کردار میں خطا نہ پائی"۔ پھر فرماتے ہیں: "میں رسول خداؐ کے پیچھے پیچھے اس طرح چلتا تھا جس طرح اونٹ کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ ہر روز اخلاق وفضائل میں ایک نئی

---

(۱) صحیح بخاری باشرح امالی، ج۶، ص۹۸، ح۳۹۳۵؛ اصابہ ابن حجر، ج۲، ص۵۰۲؛ سیرہ ہشام، ج۳، ص۳۴۹؛ کامل ابن اثیر، ج۱، ۵۹۶؛ تاریخ طبری، ج۲، ص۳۰۰؛ سیرہ حلبی، ج۲، ص۷۳۶؛ امالی صدوق، مجلس ۷۷، ح۱۰۔

(۲) استیعاب در حاشیہ اصابہ، ج۳، ص۳۷؛ تاریخ دمشق، ج۲، ص۱۹۰، ح۶۷۳؛ مناقب ابن مغازلی، ص۱۹۶؛ الفصول المہمہ، ص۱۲۸۔

بات مجھے تعلیم دیتے تھے اور مجھے اس پر عمل کرنے کی تاکید فرماتے تھے"۔(۱)

۴۔غیب کا مشاہدہ

حضرت علی علیہ السلام حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسلسل توجہ اور خداوند متعال کی خاص عنایت کے زیر اثر روحانی بلندی اور باطنی طہارت کے حامل ٹھہرے، اور اس مقام ومنزلت پر فائز ہوئے کہ رسول خداؐ اور انبیائے عظام کے بعد کوئی بشر اس منزلت تک نہ پہنچ سکا۔علیؑ بچپن ہی سے محضر رسول خداؐ میں، حساس قلب، دقیق بصیرت اور تیز سماعت کے حامل تھے یہ وجہ تھی کہ ایسے حقائق کا مشاہدہ فرماتے تھے کہ دوسرے افراد ان سے بے بہرہ تھے، ایسی آوازیں سنتے تھے کہ دوسرے ان سے محروم تھے، حضرتؑ خود اس بارے میں فرماتے ہیں:

" وَلقد کان یُجاوِرُ فی کل سنۃٍ بحراء ، فاَراہُ ولا یراہ غیری ...... اَریٰ نورَ الوَحی والرِّسالۃ و اَشمُّ ریحَ النبوَّۃ......؛"

"پیغمبرؐ ہر سال کوہ حرا میں عبادت کرتے تھے وہاں میرے علاوہ کوئی ان کو نہ دیکھتا تھا...... بچپن میں غار حرا میں جب میں رسول اکرمؐ کے پاس تھا آنحضرتؐ پر نازل ہونے والے نور وحی ورسالت کو دیکھتا تھا اور نبوت کی طیب وطاہر خوشبو کو محسوس کرتا تھا"۔(۲)

امیر المومنینؑ بعثت رسولؐ سے پہلے ہی نور رسالت کا مشاہدہ کرتے تھے اور فرشتۂ وحی کی آواز سنتے تھے۔پیغمبر اسلامؐ نے نزول وحی کے وقت علیؑ سے فرمایا:"اگر میں خاتم الانبیاء نہ ہوتا تو میرے بعد تم مقام نبوت کے اہل ہوتے۔جبکہ تم میرے وصی اور وارث ہو اور سید الاوصیاء اور امام الاتقیاء ہو"۔(۳)

---

(۱) نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۲۔ (۲) نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۲۔

(۳) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۳، ص ۲۱۰۔

حضرت علیؑ اس بارے میں خود فرماتے ہیں: ''رسول خداؐ پر نزول وحی کے وقت میں نے نالہ و فریاد کی آواز سنی میں نے عرض کیا: ''یہ آواز کیسی ہے؟'' فرمایا: ''یہ شیطان کی فریاد ہے جو میری بعثت کے بعد اپنی پرستش سے مایوس ہوگیا ہے''۔ پھر فرمایا:

''اِنکَ تَسمعُ ما اَسمعُ وتریٰ ما اَریٰ ، اِلا اَنّکَ لستَ بِنبیٍّ وَلکِنّکَ لَوَزیرٌ وَاِنّکَ لَعلی خَیر''؛

جو میں سنتا ہوں تم بھی سنتے ہو! جو میں دیکھتا ہوں تم بھی دیکھتے ہو! تجھ میں اور مجھ فرق صرف یہ ہے کہ تم نبی نہیں ہو، بلکہ میرے وزیر ہو اور راہ خیر پر ہو''۔ (۱)

۵۔ اسرار حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راز دار

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مصاحبت کے آثار میں سے ایک اثر یہ تھا کہ حضرت علیؑ حضرت رسول خداؐ کے ہمراز تھے اور وحی کا انھیں علم تھا۔ ابن شہر آشوب ایک روایت میں نقل کرتے ہیں:

''کان النبیّ اِذا اُنزل علیه الوحیُ لیلاً لم یُصبح حتّی یُخبِرَ به علیًّا، و اذا اُنزل علیه الوحیُ نهارًا لم یُمسِ حتّی یُخبِرَ به علیًّا''؛

جب بھی رات کو رسول خداؐ پر وحی نازل ہوتی تو صبح سونے سے پہلے جو کچھ وحی نازل ہوتی آپؐ علیؑ کو مطلع فرماتے، اور اگر صبح کو آنحضرتؐ پر وحی نازل ہوتی تو رات ہونے سے پہلے پہلے آپؐ علیؑ کو بتا دیتے۔ (۲)

---

(۱) نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۲۔

(۲) مناقب ابن شہر آشوب، ج ۲، ص ۳۵۔

ہمنشینی کے جلوے

حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے ساتھ حضرت علیؑ کی مصاحبت دائمی تھی۔ آپؑ نے حضورؐ سے اس قدر معنوی کمالات حاصل کیے کہ کوئی دوسرا انسان اس مقام تک نہ پہنچا۔ یہاں تک کہ پیغمبرؐ خدا نے حضرت علیؑ کو اپنے جیسا قرار دیا اور انھیں اپنے وجود کا حصہ جانا۔ ام سلمہ کہتی ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا:

"هٰذا علی بن ابی طالب لَحمُه لحمی ، و دمُه دمی ، فهو مِنّی بِمَنزلَةِ هارونَ من موسیٰ، اِلّا انّه لا نبیَّ بعدی"؛

یہ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں، ان کا گوشت میرا گوشت، ان کا خون میرا خون ہے، علیؑ مجھ سے وہی نسبت رکھتے ہیں جو ہارون کو موسیٰؑ سے تھی، مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ (۱)

ایک اور روایت میں ام سلمہ نقل کرتی ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

"لحمه من لحمی ، و دمه من دمی......"؛

علیؑ کا گوشت میرے گوشت سے ہے، اور اس کا خون میرے خون سے ہے......؛ (۲)

اسی طرح رسول خداؐ فرماتے ہیں: **"علی منّی مثل راسی من بدنی**؛ علیؑ کو میرے ساتھ وہی نسبت رکھتے ہیں جو میرے سر کو میرے جسم سے ہے"۔ (۳)

حضرت علی علیہ السلام عمل، کردار، اخلاق اور اعتقاد کے لحاظ سے پیغمبرؐ کے شبیہ تھے۔ یہاں پر اس بارے میں چند نمونے پیش کرتے ہیں:

---

(۱) مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۱۱۱؛ احقاق الحق، ج ۵، ص ۲۱۹۔

(۲) مناقب خوارزمی، ص ۸۷۔

(۳) تاریخ بغداد، ج ۷، ص ۱۲۔

۱۔ حضرت علی علیہ السلام حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اکلوتے بھائی

اکثر شیعہ اور سنی محدثین و مورخین نے لکھا ہے کہ ہجرت کے آغاز میں (ماہ پنجم سال اول ہجرت) پیغمبر خداؐ نے مہاجرین اور انصار میں سے تین سو افراد کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا۔ اور مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''فلاں، فلاں کا بھائی ہے اور مہاجر وانصار بزرگ اصحاب میں سے، صرف علیؑ کو اپنا بھائی انتخاب کیا۔ بطور مثال ابوبکر کو عمر کا، عثمان کو عبدالرحمٰن کا، عمار کو حذیفہ کا بھائی قرار دیا۔

جب اخوت و برادری کا کام ختم ہو گیا تو حضرت علیؑ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے عرض کیا: ''یا رسول اللہؐ! آپ نے اپنے تمام اصحاب کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا ہے۔ لیکن مجھے کسی کا بھائی نہیں بنایا ہے۔ اس وقت رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کے طرف دیکھا اور فرمایا ''اَنتَ اَخی فی الدُّنیا و الاٰخرۃ''؛ تو دنیا و آخرت میں میرا بھائی ہے۔ (۱)

بعض کتابوں میں یوں درج ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

''قسم اس خدا کی جس نے مجھے رسالت پر مبعوث کیا، میں نے تجھے صرف اپنے لئے اختیار کیا ہے، تیری میرے ساتھ مجھ کو وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔ سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ آئے گا، اور تو میرا بھائی اور وارث ہے۔ (۲)

حضرت پیغمبر اکرمؐ نے روز انذار جب اسلام کی دعوت اپنے رشتہ داروں میں اعلان کی تو اس وقت صرف حضرت علیؑ نے ہی سب سے پہلے دست بیعت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں پر بیعت کے لئے بڑھایا اور حضورؐ کی بیعت کی۔ وہاں بھی حضرت ختمی مرتبتؐ نے حضرت علیؑ کا تعارف بھائی اور جانشین ہونے کے عنوان سے کروایا اور فرمایا:

---

(۱) الفصول المہمہ، ص ۳۸؛ صحیح ترمذی ج ۵، ص ۵۹۵، ح ۳۷۲۰؛ تاریخ دمشق، ج ۱، ص ۱۰۳، ح ۱۴۳۔

(۲) کشف الغمہ، ج ۱، ص ۳۴۷؛ تذکرۃ الخواص ابن جوزی، ص ۱۴؛ المراجعات، ۱۴۷؛ الغدیر، ج ۳، ص ۱۱۵۔

"إنَّ هذا أخی و وصیّی و خَلیفَتی فیکم ، فاسمَعوا له و أطیعوه"؛
علیؑ تمہارے درمیان میرا بھائی وصی اور جانشین ہے۔ اس کی باتوں پر کان دھرو، اور اس کی اطاعت کرو۔(۱)

۲۔ حضرت علی علیہ السلام کے دورازہ کے علاوہ، تمام دروازوں کا بند ہو جانا

حضرت علی علیہ السلام کے مخصوص فضائل میں سدالابواب کا واقعہ بھی ہے۔

ہجرت کے اوائل میں اصحاب نے اپنے تمام دروازے جو مسجد نبویؐ کی طرف کھلے ہوئے تھے۔ وہ سب دروازے حضرت علیؑ کے دروازے کے علاوہ، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحکم خدا بند کروادیئے۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ (۲) جب رسول اکرمؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی؛ تو ہجرت کے ابتدائی ایام میں جو کام انجام دیا وہ مسجد نبوی کی تاسیس تھی۔ تاکہ مسلمانوں کے اجتماع کی جگہ اور عبادت ونماز اسلامی معارف اور احکام کے بیان، تعلیم وتربیت اور سیاسی، قانونی اور عدالتی امور کی بجا آوری کے لئے مرکزی جگہ قرار پائے۔ اس لئے حضورؐ نے حکم دیا جس مقام پر مدینہ میں داخل ہوتے وقت آپ کے اونٹ نے زانو خم کئے تھے، اس جگہ کو دس دینار میں خریدا اور مہاجرین و انصار کی رات دن مشترکہ کوششوں سے تھوڑے عرصے میں اس کی تعمیر مکمل ہوگئی۔ رسول خداؐ نے خود بھی مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا۔

جب مسجد کا کام مکمل ہوگیا۔ تو اس وقت رسول خداؐ، حضرت علیؑ اور دیگر مہاجرین نے بتدریج مسجد کے اطراف میں گھر بنائے، اور ہر ایک نے اپنے گھر کا ایک دروازہ مسجد کی طرف کھول دیا۔ نماز

---

(۱) تاریخ دمشق، ج۱، ص۸۸، ح۱۴۰؛ کامل ابن اثیر، ج۱، ص۷۷۴؛ تفسیر الدر المنثور، ج۵، ص۹۷؛ تفسیر مجمع البیان، ج۷، ص۲۰۶۔

(۲) الفصول المائۃ، ج۲، فصل ۲۵۔

کے وقت وہ اس دروازے سے آتے جاتے تھے۔ خداوند تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ علیؑ کے دروازے کے علاوہ، تمام دروازے جو مسجد کی طرف کھلتے ہیں؛ سب بند کر دیئے جائیں۔(۱)

رسول خداؐ نے حکم دیا: "سدُّوا الابواب غیر بابِ علی؛" علیؑ کے دروازے کے علاوہ سب دروازے بند کردو۔(۲)

اس کام پر اعتراضات کئے گئے۔ بعض اصحاب نے خیال کیا کہ رشتہ داری اور محبت کی وجہ سے ایسا کیا گیا ہے۔ جب اس بات کا رسول خداؐ کو علم ہوا تو آپ نے غلط فہمی دور کرنے کے لئے سب کو جمع کیا اور خطبہ کے دوران فرمایا: "ما انا فتحته و لکن الله فتحه" میں نے علیؑ کے دروازے کو کھلا رکھنے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔(۳) ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: قسم خدا کی، میں نے کسی دروازے کو نہ کھولا اور نہ کسی کو بند کیا۔ بلکہ جو حکم خدا تھا وہی میں نے انجام دیا۔(۴)

ابن عساکر عرار سے نقل کرتا ہے "میں اپنے والد اور دیگر لوگوں کے ہمراہ مدینہ کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ میرے والد نے عبداللہ ابن عمر سے پوچھا کہ علیؑ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ عبداللہ نے کہا: "علیؑ کی شخصیت کے بارے میں کسی سے سؤال نہ کرو! بلکہ رسول خداؐ کے ساتھ ان کا جو مقام و مرتبہ ہے اسے دیکھو!" میرے باپ نے کہا صحیح ہے۔ کیونکہ سب مسجد نبوی سے نکل آئے، مگر علیؑ موجود رہے۔ عبداللہ جعفر جو مجمع میں موجود تھے، انھوں نے کہا: "رسول خداؐ نے ہمارے تمام گھروں کے دروازے مسجد کی طرف سے بند کروا دیئے، فقط علیؑ کا دروازہ کھلا رہنے دیا۔(۵)

---

(۱) رسول خدا کا گھر خود مسجد کا جزو اور حصہ تھا۔

(۲) مناقب ابن مغازلی شافعی، ص ۲۵۷، ح ۳۰۵۔

(۳) تاریخ دمشق، ج ۱، ص ۲۶۱، ح ۳۲۷۔

(۴) تاریخ دمشق، ج ۱، ص ۲۶۱، ح ۳۲۸۔ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۲، ۱۸۹۔

(۵) مناقب ابن شہر آشوب، ج ۲، ص ۲۶۱، ح ۳۲۸۔

۳۔ مباہلہ میں حضرت علی علیہ السلام کا کردار

ہجرت کے دسویں سال جب مباہلہ میں حضرت علیؑ بعنوان نفس رسول خداؐ ظاہر ہوئے، تو اس وقت حضرت علیؑ کا رسول اکرمؐ کے ساتھ معنوی اور روحانی رابطہ اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ (۱)

رسول خداؐ کا اہل نجران سے مباہلہ کرنے کا واقعہ بہت زیادہ دلچسپ اور سننے کے قابل ہے۔ یہاں پر ہم اس کا خلاصہ بیان کر رہے ہیں۔

''حضرت رسول خداؐ جب بت پرستوں کی دشمنی سے آسودہ خاطر ہو گئے، تو انھوں نے حکومتوں کے سربراہوں اور دنیا کے مذہبی رہنماؤں کو دین اسلام کی دعوت دی۔ آپؐ نے نجران (جو حجاز و یمن کی سرحد پر واقع ہے) کے پادری کو خط لکھا اور اسے اسلام کی دعوت دی''۔

نجران کا پادری (اسقف) تجربہ کار اور دانشمند مسیحی افراد کے ساتھ مشورہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ ساٹھ افراد پر مشتمل ایک وفد کو مدینہ بھیجا جائے۔ اس وفد میں تین اہم شخصیتیں، ابوحارثہ، (خود اسقف) عبدالمسیح، (دانشمند) و ایہم، (جو کہ نجران کی محترم بزرگ شخصیتوں میں تھا) موجود تھیں۔

نجران کا وفد فاخرہ اور ریشمی لباس زیب تن کئے ہوئے، سونے کی انگوٹھی ہاتھوں میں پہنے ہوئے، اور گردن میں صلیب لٹکائے ہوئے ۲۱/ ذی الحجہ (۲) کو عصر کے وقت مسجد پیغمبرؐ میں داخل ہوا۔

جب رسول خداؐ نے انھیں اس ناگوار اور غیر عادی حالت میں دیکھا، تو بہت ناراض ہوئے۔

---

(۱) آل عمران۳:۶۱۔

(۲) نجرانی وفد کے آنے کی تاریخ میں اختلاف ہے، کہ دس ہجری کو ہوئی یا نو کو، ذی الحجہ میں تھی یا کسی دوسرے مہینے میں اسی طرح دن میں بھی اختلاف ہے کہ ۲۱ تاریخ کو ہوئی یا ۲۴، ۲۵ یا ۲۷ کو۔ مزید معلومات کے لئے رجوع کریں فروغ ابدیت ج ۲ ص ۴۴۵۔

وفد نے محسوس کیا کہ حضورؐ ناراض ہیں۔ لیکن انھیں اس کی وجہ معلوم نہ ہوسکی۔ انھوں نے چند مسلمانوں سے اس کی وجہ دریافت کی تو وہ جواب نہ دے سکے۔ انھوں نے کہا علیؑ سے دریافت کرو! حضرت علی سے جب سوال کیا گیا، تو انھوں نے فرمایا: ''تم ریشمی لباس اور سونے چاندی کے زیورات کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئے ہو ۔ اگر انھیں اتار لو تو تمہارا خواطر خواہ احترام کیا جائے گا۔''

نجران کے نمائندوں نے حضرت علیؑ کی ہدایت پر عمل کیا، اور سادہ لباس پہن کر سونے چاندی کے زیورات کے بغیر مسجد میں داخل ہوئے اور سلام کیا۔ رسول خداؐ نے ان کے سلام کا جواب دیا اور احترام بجالائے۔ گفتگو کرنے سے پہلے عیسائیوں کی عبادت اور نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ انھوں نے اجازت لینے کے بعد مشرق کی طرف منھ کر کے اپنی نماز ادا کی اور نماز کے بعد مذاکرہ شروع کردیا۔

رسول خداؐ نے انھیں اسلام کی دعوت دی۔ انھوں نے کہا اگر اسلام سے مراد، خدائے واحد پر ایمان ہے، تو اس طرح ہم پہلے سے ہی مسلمان ہیں اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہیں۔

رسول خداؐ نے فرمایا: ''تم میں ایک حقیقی مسلمان کی کوئی علامت موجود نہیں ہے، چونکہ تم صلیب کی پرستش کرتے ہو۔ سور کے گوشت سے پرہیز نہیں کرتے۔ اور عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہو۔۔

انھوں نے جواب دیا: ''ہاں عیسیٰؑ اللہ کا بیٹا ہیں۔ چونکہ ان کی والدہ مریم بغیر شادی کے صاحب فرزند ہوئی، لہٰذا اس طرح ان کا باپ خدا ہی ہونا چاہیے۔ اس دوران وحی نازل ہوئی: ﴿انَّ مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم خَلقهُ مِن تراب......﴾ (۱) یعنی حضرت عیسیٰؑ کی مثال حضرت آدمؑ کی طرح ہے، کہ اسے ہم نے اپنی قدرت سے بغیر ماں باپ کے، خاک سے پیدا کیا۔ لہٰذا گر باپ کا نہ ہونا، اس بات کی دلیل ہے کہ عیسیٰؑ اللہ کا بیٹا ہے، تو اس طرح تو حضرت آدمؑ خدا کا بیٹا بننے کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ ان کی نہ ماں تھیں اور نہ باپ۔

نجران کے وفد نے اس حقیقت کا انکار کیا اور کہا: ''آپ کی دلیل ہمیں قانع نہیں کرسکتی''۔ اس

---

(۱) آل عمران ۳:۵۹۔

دوران خدا کی طرف سے مباہلہ کرنے کا حکم نازل ہوا۔

﴿فَمَن حاجَّک فیه مِن بعد ما جائک مِن العلم ،فقل تعالوا ندعُ ابنائَنا و ابنائَکم و نسائَنا و نسائکم و اَنفسَنا و اَنفسَکم ثمَّ نَبتَهل فنجعل لعنت اللّٰه علی الکاذبین﴾؛(۱)

جو شخص حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں جان بوجھ کر حق وحقیقت کے روشن ہونے کے بعد تم سے کٹ حجتی کرے اس سے کہدو کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کے بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ! اور ہم اپنی عورتوں کو (بلائیں) اور تم اپنی عورتوں کو (بلاؤ) اور ہم اپنے نفسوں کو (بلائیں) اور تم اپنے نفسوں کو (بلاؤ) پھر ہم خدا کی طرف رجوع کریں اور ہم میں سے جو بھی جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت کریں۔

رسول خداؐ نے حکم خداوندی کے مطابق مشورہ دیا کہ اب جبکہ تم اسلام کو قبول نہیں کر رہے ہو، اور حق قبول کرنے سے گریزاں ہو، تو ہم مباہلہ کرتے ہیں۔ اور جھوٹے پر خدا کی لعنت بھیجتے ہیں۔ اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ جھوٹے کو ہلاک و نابود کردے۔ دونوں فریق مباہلہ کے ذریعہ مسئلہ حل کرنے پر آمادہ ہو گئے، طے پایا کہ اگلے روز سب لوگ مباہلہ کے لئے حاضر ہو جائیں۔

یہ بھی طے پایا کہ مباہلہ صحرا میں ہوگا۔ مباہلہ کا وقت قریب آ گیا، رسول خداؐ نے تمام مسلمانوں رشتہ داروں اور اصحاب میں صرف چار افراد کا انتخاب کیا وہ چار ہستیاں یہ ہیں: امام حسنؑ امام حسینؑ حضرت فاطمہ زہراؑ، اور حضرت علیؑ علیہم السلام۔ کیونکہ ان ہستیوں سے زیادہ باایمان پاک و پاکیزہ، اور مضبوط کوئی موجود نہ تھا کہ جسے مباہلہ کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہمراہ لے جاتے۔ نبی اکرمؐ مخصوص انداز میں مباہلہ کے لئے میدان کی طرف روانہ ہوئے۔ حسینؑ کو جو ابھی بچے تھے، اپنی گود میں لیا، حسنؑ کی انگلی پکڑی، فاطمہ زہراؑ رسول خداؐ کے پیچھے اور علیؑ سب کے آخر میں، (تصویر آیہ مباہلہ بنکر) چلے جا رہے تھے۔ رسول خداؐ نے ان سے فرمایا: ''جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا''۔

---

(۱) آل عمران ۳:۶۱۔

نجران کا گروہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھ جانے والی ہستیوں کو دیکھنے سے پہلے آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اگر محمدؐ اپنے اصحاب، لشکر، سرداروں اور سپاہیوں کے ہمراہ آئیں تو بالکل نہ گھبرانا اور ان پر اعتماد نہ کرنا اور ان سے مباہلہ کے لئے آمادہ ہو جانا۔ لیکن اگر وہ اپنے بیٹوں کو ساتھ لے کر مباہلہ کے لئے آئیں تو یقیناً وہ سچے ہیں اور انھیں اپنی نبوت پر پورا یقین ہے۔ کیونکہ وہ اپنے بہترین عزیزوں کو خطرے میں ڈالنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ لہٰذا جیسے ہی نجران کے سربراہوں نے پیغمبر اسلامؐ کے نورانی چہرے کو اپنے دو چھوٹے چھوٹے بچوں، بیٹی اور چچا زاد بھائی کے ہمراہ دیکھا، تو سمجھ گئے کہ پیغمبرؐ حق پر ہیں اور ان کے ساتھ مباہلہ کرنا، ہمیں ملیا میٹ اور نابود کر دے گا۔ یہ سوچ کر سب مباہلہ کرنے سے باز رہے۔ اور ہر سال جزیہ دینے اور رسول خداؐ کے ساتھ صلح کا معاہدہ کرنے پر تیار ہو گئے طے پایا کہ اسلامی حکومت اس کے بدلے میں ان کی جان و مال کا تحفظ کرے گی۔ رسول خداؐ نے ان کی سفارش قبول کر لی اور صلح کے معاہدے پر دستخط کر دیئے۔(۱)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں: مباہلہ کے دن پیغمبر اسلامؐ نے ان چار ہستیوں کو اپنی عبا کے نیچے جمع کیا اور آیت ﴿اِنَّما یُرِیدُ اللّٰہُ لِیذھِبَ عنکُمُ الرِّجسَ اَھلَ البیت و یُطَھِّرَکُم تَطھِیراً﴾ (۲) ''اے اہل بیتؑ پیغمبرؐ سوائے اس کے نہیں ہے کہ خدا یہ چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کے رجس کو دور کر دے اور تم کو ایسا پاک کر دے جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے''۔ کی تلاوت فرمائی۔ یعنی تمام نجاسات سے آپ کو پاک قرار دیا جائے۔

واقعہ مباہلہ اور رسول خداؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ علیہم السلام کی شان میں نازل ہونے والی آیت شیعوں کے لئے سب سے بڑی سند افتخار، اور ان ہستیوں کی شان فضیلت پر گواہ ہے۔ کیونکہ

(۱) واقعہ مباہلہ کے لئے تفصیل کے لئے رجوع کریں۔ تفسیر کشاف، ج۱، ص۴۳۴؛ الدر المنثور، ج۲، ص۳۸؛ مجمع البیان ج۲، ص۴۵۲؛ الفصول المہمہ ابن صباغ مالکی، ص۲۳؛ بحار الانوار ج۳۵، ص۲۶۶؛ الفصول المائۃ، ج۲، فصل ۲۵۔

(۲) احزاب ۳۳:۳۳۔

حضور اکرمؐ نے اللہ کے حکم سے حسنؑ وحسینؑ علیہما السلام کو اپنے بیٹے اور فاطمہ سلام اللہ علیہا کو اپنے خاندان سے وابستہ واحد خاتون اور علی مرتضیٰؑ کو اپنی جان کے عنوان سے مباہلہ کے میدان میں لائے۔

اس سے بڑی اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ ایک شخص معنوی لحاظ سے اس معراج پر پہنچ جائے کہ خداوند تعالیٰ اسے رسول خداؐ کی جان اور روح قرار دے۔ آیۂ مباہلہ بھی حضرت علیؑ کی امامت و ولایت پر ایک محکم اور قوی دلیل ہے۔

اسلام وایمان میں سبقت

قال امام علی علیه السلام :

لم یجمع بیت واحد یومئذٍ فی الِاسلامِ غیر رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و خدیجة علیہا السلام و اَنا ثالثُهم؛.

حضرت امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں: اس زمانہ میں کسی گھر میں اسلام داخل نہیں ہوا تھا، سوائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خدیجہ علیہا السلام کے گھر میں اور میں ان میں تیسرا فرد تھا۔(۱)

اسلام وایمان میں علیؑ کی سبقت کے موضوع پر بحث کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ اسلام اور ایمان کے مفہوم وضاحت، ان دونوں کا فرق اوران کے مراحل کی طرف اشارہ کیا جائے۔

اسلام اور ایمان کا مفہوم

بلاشبہ تمام انسانوں میں اصل خلقت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے ۔ بلکہ جو چیز تفاوت اور امتیاز کا سبب بنتی ہے وہ انسانوں کا طرز تفکر، اندرونی اعتقادات اور خدائے واحد پر ان کے ایمان

---

(۱) نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۳۔

کے مدارج ہیں۔ فقہ اسلام کی رو سے جو شخص اسلام کا اظہار اور شہادتین زبان پر جاری کرے، وہ مسلمان ہے۔ اس اقرار اور اعتراف کے نتیجہ میں یقیناً وہ کچھ امتیازات کا حامل ہو جائے گا۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کی جان و مال اور آبرو محترم شمار ہوگی کوئی بھی اس کو اذیت و آزار پہنچانے کا حق نہیں ہے۔

ایمان کی تعریف شیعہ و سنی علماء کے نزدیک مختلف ہے۔ سید شرف الدین لکھتے ہیں: ''برادران اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ اسلام اور ایمان سے مراد، شہادتین کہنا، روز قیامت پر اعتقاد، پنجگانہ نمازیں ادا کرنا، حج بجالانا، روزہ رکھنا، خمس وزکات ادا کرنا ہے'' ۔(۱) اس کے بعد علامہ شرف الدین اسلام وایمان کی تاثیر کے بارے میں، صحاح ستہ کی کتب میں مذکور روایات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

صحیح بخاری میں ابن عباس سے منقول ہے، وہ کہتے ہیں: ''رسول خداؐ نے عبدالقیس اور اس کے حواریوں کو حکم دیا کہ وہ خدائے وحدہ لاشریک پر ایمان لائے، اور فرمایا:۔

''کیا تم جانتے ہو کہ خدائے وحدہ لاشریک پر ایمان لانے سے کیا مراد ہے؟ انھوں نے کہا خدا اور اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتا ہے۔ فرمایا: ''اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لانے سے مراد، خدا کی وحدانیت کی گواہی اور یہ اقرار کہ محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ نماز قائم کرنا، زکات ادا کرنا، ماہ رمضان کے روزے رکھنا، غنائم سے خمس ادا کرنا ہے'' ۔(۲)

اس بارے میں بہت ساری روایات موجود ہیں۔ علمائے اہل سنت کے نزدک اسلام وایمان کے ایک ہی معنی ہیں اور وہ دونوں میں کوئی فرق نہیں سمجھتے۔

علماء امامیہ کے نزدیک اسلام وایمان صرف دو الگ الگ مفہوم ہی نہیں ہیں، بلکہ مصداق کے

---

(۱) الفصول المہمہ فی اصول الائمہ ص ۹۔

(۲) الفصول المہمہ فی اصول الائمہ، ص ۹۔

لحاظ سے بھی متفاوت ہیں۔ یہاں پر ہم بطور اختصار علمائے شیعہ کے نزدیک، ایمان واسلام میں فرق پر تبصرہ کرتے ہیں:۔

اسلام اور ایمان کے درمیان فرق

بہت سی روایات اور آیات میں یہ دونوں اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں۔ اور کچھ مقامات پر دونوں ایک ہی معنی میں اور بعض مقامات پر دو معنی میں استعمال ہوئی ہیں۔ ایمان سے مراد قلبی اعتماد اور یقین ہے (۱) اور کبھی اسلام بھی اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن اکثر موارد میں اسلام اورا یمان ایک ہی ردیف میں استعمال ہوئے ہیں۔ (۲) ایسی صورت میں ایمان واسلام سے دونوں الگ الگ معنی میں ہونگے۔

ان دلائل کے مطابق شیعہ علماء اور مفسرین کا یہ اعتقاد ہے کہ اسلام کے معنی ایمان کے معنی سے مختلف ہیں۔ کیونکہ وہ ایمان کو اسلام سے اخص جانتے ہیں۔ اسلام یعنی شہادتین کا اقرار، چاہے قلبی طور پر اسلام کے احکام پر اعتقاد ہو یا نہ ہو۔ لیکن شیعہ علماء کے نزدیک ایمان سے مراد زبانی شہادتین کے اقرار کے علاوہ قلبی یقین اور اس کے مطابق عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ قرآن مجید سورہ حجرات میں اس فرق کی طرف اشارہ کرتا ہے'' اعراب نے کہا ہم ایمان لے آئے. کہدو کہ ابھی تم ایمان نہیں لائے، بلکہ کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں اور ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں اترا بھی نہیں۔ (۳)

---

(۱) ﴿اذقال له ربه اسلم ، قال اسلمت لرب العالمين ﴾ بقرہ۲:۱۳۱۔

(۲) ﴿ ان المسلمين و المسلمات و المؤمنين و المؤمنات ﴾ احزاب۳۳:۳۵۔

(۳) ﴿قالت الأعراب آمنا قل لم تؤمنوا ولكن قولوا أسلمنا ولمّا يدخل الايمان فى قلوبكم﴾ حجرات۴۹:۱۴۔

ایمان اور اسلام کے مراتب ودرجات

اسلام کا پہلا مرحلہ، شہادتین کا اقرار اور اسلام کے احکام کو ظاہری طور پر قبول کرنا ہے۔ اگر چہ دلی طور پر تسلیم نہ کیا ہو، جو اسلام کے اس درجہ پر فائز ہوا سے مسلمان تو کہا جائے گا، لیکن اسے مومن نہیں کہا جا سکتا۔ سورہ حجرات کی آیت ۱۴ اسی بات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اسلام کا دوسرا مرحلہ، زبان سے اقرار کے ساتھ ساتھ شہادتین کے سرسری مفہوم پر قلبی اعتقاد رکھنا جس کا لازمہ اسلام کے اکثر احکام پر عمل کرنا ہے۔ قرآن کریم میں بھی اس مرحلہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے: ﴿الذین امنوا بایاتنا و کانوا مسلمین﴾ (۱) وہ لوگ جو ہماری آیات پر ایمان لائے اور مسلمان بھی تھے۔

اسلام کا تیسرا مرتبہ: جو کہ ایمان کا دوسرا مرتبہ ہے، واجبات کا ادا کرنا، محرمات سے دوری اور خواہشات نفسانی کے مقابلے میں تقویٰ اختیار کرنا، نیز مصائب میں صبر کرنا اور رضائے الٰہی پر راضی رہنا ہے۔ سورہ مومنون کی پہلی سے لیکر ساتویں آیات تک اسلام وایمان کے اس مرحلے کی طرف اشارہ کرتی ہے:۔

﴿قدافلح المومنون...... والذین عن اللغو معرضون﴾

اسلام وایمان کا سب سے اعلیٰ وارفع مرتبہ یہ ہے کہ انسان گزشتہ مراحل کی پابندی کے علاوہ، خود کو پروردگار کا عبد ومملوک محض سمجھے، فقط ذات خدا کو مستقل ذات جانے، اور خدا کے علاوہ تمام عناصر خلقت کو اللہ کے وجود کا سایہ سمجھے ایمان کے اس درجے پر صف اولیائے الٰہی فائز ہیں، جن میں سرفہرست رسول خداؐ حضرت محمد مصطفیؐ اور حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ اور دیگر ائمہ اطہارؑ، انبیاء اور اوصیاء شامل ہیں، حضرت ابراہیمؑ اس راسخ ایمان کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ قرآن ان کی زبانی

---

(۱) زخرف ۶۹:۴۳۔

فرماتا ہے: ﴿اِن صلاتی و نُسُکی و مَحیایَ و مماتی لِلّٰہ ربّ العالمین﴾ (۱) کہہ دو کہ درحقیقت میری نماز اور میری عبادت میرا جینا اور مرنا فقط خدائے رب العالمین کے لئے ہے۔ مومن اس مرحلے میں فقط اور فقط ارادۂ خداوندی کے سامنے تسلیم محض ہوتا ہے۔ وہ اپنا سارا وجود اور پوری دارائی خدا کے اختیار میں دے دیتا ہے۔ (۲)

بعض روایات کی روشنی میں اسلام اور ایمان کے درمیان فرق

۱۔ محمد بن مسلم امام محمد باقر علیہ السلام (یا امام جعفر صادق علیہ السلام) سے روایت کرتے ہیں: "اَلایمانُ اِقرارٌ و عمل، والاسلامُ اقرارٌ بلاعمل"؛ ایمان اقرار و عمل کا نام ہے۔ لیکن اسلام، اقرار بلا عمل کا نام ہے۔ (۳)

۲۔ جمیل بن صالح کہتے ہیں: "میں نے امام صادق علیہ السلام سے عرض کیا، مجھے اسلام اور ایمان کے بارے میں بتائیں کہ ان دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے یا جدا جدا؟ امامؑ نے فرمایا: "اِن الایمانَ یُشارکُ الاسلام، والاسلامُ لا یُشارک الایمان"؛ ایمان اسلام کے ساتھ شریک ہے، لیکن اسلام ایمان کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ جمیل اس جواب سے قانع نہ ہوا۔ لہٰذا وہ کہتا ہے میں نے پوچھا: ان دونوں کی مزید وضاحت فرمائیں۔ حضرت نے فرمایا اسلام یعنی وحدانیت خدا کی شہادت اور رسالت ختم الرسل کی تصدیق کا نام ہے۔ ان دونوں گواہیوں سے اس کا خون عزیز ہوجاتا ہے۔ اس کا نکاح و میراث محفوظ ہے اور بظاہر وہ مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہے۔ لیکن ایمان اس ہدایت کا نام ہے جو دل میں اتر جائے اور عمل صالح کی صورت میں آشکار ہوجائے۔

(۱) انعام ۶:۱۶۲۔

(۲) تفسیر المیزان سے ماخوذ، ج ا ص ۳۰۴۔

(۳) الفصول المہمہ فی اصول الائمہ، ص ۱۶۳۔

ایمان کا درجہ اسلام سے بالاتر ہے‘‘(۱)

۳۔قاسم صیرفی کہتے ہیں:’’میں نے امام صادق علیہ السلام سے سنا وہ فرماتے ہیں:’’ الاسلامُ یُحقِنُ بہ الدَّم و تُؤَدی بہ الاَمانۃ و تَستَحِلُّ بہ الفَروج ، والثواب علی الایمان......‘‘ ؛اسلام سے مسلمان کا خون عزیز ومحترم ہو جاتا ہے۔امانت اس کے سپرد کی جاسکتی ہے اور مسلمان عورت اس کے لئے حلال ہے،مگر ثواب صرف ایمان سے ملتا ہے۔(۲)

۴۔حضرت علی بن موسیٰ علیہ السلام اپنے اباء واجداد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا: ’’الایمانُ معرفۃٌ بالقلب و اِقرارٌ بِاللسان و عملٌ بِالاَرکان ‘‘؛ ایمان معرفت اور قلبی یقین،زبان سے اقرار اور اعضاء وجوارح سے عمل کرنے کا نام ہے۔(۳)

۵۔شیخ صدوق امام صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں: کہ آپ نے فرمایا:’’اسلام ایمان سے مختلف ہے،ہر مومن مسلمان ہے،لیکن ہر مسلمان مومن نہیں ہے۔چور چوری کرتے وقت مومن نہیں ہے۔زانی زنا کے وقت مومن نہیں ہے۔جن پر حدود جاری ہو،یہ سب مسلمان تو ہیں،مگر نہ وہ مومن ہیں،اور نہ ہی کافر......۔(۴)

حضرت علی علیہ السلام کی ولایت ایمان کا رکن ہے

یہ بات جان لینے کے بعد کہ ایمان،اسلام سے کہیں بالاتر مرحلہ کا نام ہے۔اس بات کی طرف

---

(۱)الفصول المہمہ فی الائمہ ص ۱۶۵۔

(۲) کافی،ج۲،ص۲۴۔

(۳)الفصول المہمہ،ص۱۶۷۔

(۴) خصال صدوق،ص ۶۰۸،ح ۹۔؛بحار الانوار ج ۶۸،ص ۲۷۰؛الفصول المائۃ فی حیاۃ ابی الائمہ،ج۱،فصل ۶، ص ۱۱۳۔

توجہ کرنا چاہیئے کہ شیعہ عقیدہ کے مطابق رسول خداؐ اور ائمہ اطہارؑ سے مروی روایات کی رو سے حضرت علیؑ اور دیگر ائمہ اطہارؑ کی امامت وولایت کا قبول کرنا، ارکان ایمان میں شامل ہے۔ جو شخص حضرتؑ کی ولایت قبول نہ کرے اور ان کی مخالفت کرے، وہ حقیقی مومن نہیں ہے اگر چہ ایسا شخص بظاہر مسلمان ہے اور اسلام کے احکام اس پر عاید ہوتے ہیں لیکن درواقع ایسا شخص کافر ہے اور قیامت میں عذاب میں گرفتار ہوگا۔ حدیث رسولؐ ہے: ''جو شخص میرے بعد، خلافت کے بارے میں علیؑ کے ساتھ جنگ کرے وہ کافر ہے، یہ ایسا ہے جیسے اس نے خدا اور رسولؐ سے جنگ کی۔ جو علیؑ کی حقانیت کا انکار کرے گا وہ کافر ہے۔

اور یہ بھی فرمایا: ''اگر کوئی شخص خدا کی اتنی عبادت کرے کہ جتنی حضرت نوحؑ نے اپنے قوم کے درمیان تبلیغ کی اور خدا کی راہ میں کوہ احد کے برابر سونا خرچ کرے، ہزار بار پیدل حج کرے اور آخر کار صفا و مروہ کے درمیان مظلومانہ طور پر مارا جائے۔ لیکن اگر اس کے دل میں علیؑ کی ولایت ومحبت نہ ہو تو وہ ہرگز نہ تو جنت کی خوشبو سونگھ سکے گا اور نہ ہی اس میں داخل ہو سکے گا''۔(۱)

امام باقر علیہ السلام اس بارے میں فرماتے ہیں: ''اللہ نے علیؑ کو اپنے اور مخلوق کے درمیان حجت قرار دیا، جو ان کی معرفت حاصل کرے وہ مومن ہے اور جو ان کی عظمت کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ جو ان کی معرفت حاصل نہ کرے گا وہ گمراہ ہے، جو ان کے برابر کسی کو لائے وہ مشرک ہے۔ جو ان کی الفت رکھے وہ بہشت میں جائے گا، جو ان سے دشمنی رکھے وہ جہنم میں جائے گا''۔(۲)

ایک شخص نے امام صادق علیہ السلام سے سؤال کیا کہ اسلام اور ایمان کس چیز کا نام ہے؟ اور ان دونوں میں کیا فرق ہے؟۔ امامؑ نے اس کے سؤال کا جواب نہ دیا۔ اس نے دوبارہ وہی سؤال پوچھا: امامؑ نے پھر بھی جواب نہ دیا۔ ایک دفعہ وہ شخص سفر میں امام سے ملا۔ اس شخص کا مدینہ سے منزل مقصود

(۱) مناقب خوارزمی، ص ۲۸۔

(۲) کافی، ج ۲، ص ۳۸۸، باب کفر، ح ۱۶؛ الفصول المائۃ، ج ۱، فصل ۶۔

تک کا سفر نزدیک تھا۔ امام نے فرمایا: ''گویا کہ تیرے سفر کا وقت آن پہنچا ہے۔ اس نے کہا: ''جی ہاں''! امام نے فرمایا: ''مجھ سے ملنے کے لئے مرے گھر آنا''۔ وہ شخص امام صادق کے گھر گیا اور اسلام وایمان کے فرق کے بارے میں سؤال کیا۔

حضرت نے فرمایا: ''اسلام وہی ظاہری صورت ہے جس کے کہ مسلمان حامل ہیں، یعنی خدا کی وحدانیت کی گواہی اور یہ کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور رسولؐ ہیں، نماز ادا کرنا زکوۃ دینا، حج بجالانا، ماہ رمضان کے روزے رکھنا یہ اسلام ہے''۔

پھر فرمایا: ''ایمان سے مراد ان تمام چیزوں کے ساتھ ساتھ امامت کی معرفت حاصل کرنا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی ان امور (توحید نبوت نماز وغیرہ) کا اقرار کرے لیکن امامت سے آگاہ نہ ہو تو وہ مسلمان تو ہے مگر گمراہ مسلمان ہے''۔(۱)

اسلام میں حضرت علی علیہ السلام کی سبقت

اب جبکہ ایمان کا مطلب اور اس کے شرائط واضح ہو گئے ہیں۔ اسلام وایمان میں سبقت لینے کی اہمیت اور علیؑ کے ایمان میں سبقت کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔ قبول اسلام میں سبقت کرنے اور دین خدا کی طرف مائل ہونے کی اہمیت کے بارے میں قرآن مجید نے بہت تاکید کی ہے اور اسے قرب خداوندی کا سبب جانا ہے: ﴿والسابقون السابقون ☆ اولئک المقربون﴾ (۲) جولوگ اسلام قبول کرنے میں دوسروں سے آگے بڑھ گئے وہی لوگ رضائے حق اور رحمت الٰہی کے نزدیک تر ہیں۔

اسلام قبول کرنے میں سبقت کا موضوع اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ قرآن مجید نے ان

(۱) کافی، ج۲، ص۲۴۔

(۲) واقعہ ۵۶: ۱۰، ۱۱۔

لوگوں کو جو فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے، اور اپنی جان و مال کو راہ خدا میں میں نثار کیا، ان لوگوں پر ترجیح وفوقیت دی ہے۔ جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے اور جہاد کیا۔(۱) جو لوگ صدر اسلام میں مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے ایمان لائے ان کا مرتبہ دوسروں سے بالاتر ہے۔

فتح مکہ سے پہلے والے مسلمانوں کی فضیلت و برتری یہ ہے کہ وہ اس وقت اسلام لائے جبکہ جزیرۃ العرب پر شریعت الٰہی کی حکومت نہ تھی۔ بت پرستوں کی ایک مضبوط و مستحکم حکومت تھی۔ مسلمانوں کی جان و مال کو بیشمار خطرات کا سامنا تھا۔اس حساس زمانے میں اسلام قبول کرنا، جان و مال قربان کرنا اور مشکلات کا سامنا کرنا بے انتہا اہمیت کا حامل ہے۔

چونکہ ایسے حساس دور میں جبکہ ہر وہ شخص جو اسلام کا مدافع ہوتا اذیت وآزار کا سامنا کرتا ایسے دور میں اسلام قبول کرنا ایک خاص اہمیت کا حاصل ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ قبول اسلام میں سبقت مکہ میں اور اصحاب نبیؐ کے درمیان ایک افتخار سمجھا جاتا تھا اور کوئی دوسری فضیلت اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔

حضرت عمر نے اپنی خلافت کے دوران ''خباب بن الارت'' (صدر اسلام میں چھٹا مسلمان جس نے بہت زیادہ اذیتیں اور شکنجے برداشت کئے) سے پوچھا ''مشرکین مکہ تم سے کیا سلوک کرتے تھے؟ اس نے اپنی قمیص اتاری اور جبر و تشدد اور جلنے کے نشانات دکھاتے ہوئے کہا: ''کئی دفعہ مجھے لوہے کی زرہ پہنائی گئی، اور پھر گھنٹوں سورج کی تپش میں کھڑا کر دیتے تھے اور کبھی آگ جلا کر مجھے اس پر گھسیٹتے، یہاں تک کہ آگ بجھ جاتی، اس طرح وہ میرے بدن کو جلایا کرتے تھے۔(۲)

ان دنوں اسلام قبول کرنا سب سے بڑی فضیلت تھی۔اس فضیلت میں بھی حضرت علیؑ سبقت لے گئے۔

---

(۱) حدید ۵۷: ۱۰ سے ماخوذ شدہ۔

(۲) اسد الغابہ، ج ۲، ص ۹۹۔

ابن شہرآشوب لکھتے ہیں: ''مستندروایات کے مطابق حضرت خدیجہ کے بعد جوشخص سب سے پہلے اسلام لایا، وہ حضرت علیؑ تھے۔اس کے بعد بہ ترتیب جعفر بن ابی طالبؑ (علیؑ کے بھائی).(۱)

ابوذر، عمرو بن غبسہ، سلمی، خالد بن سعید بن عاص، سمیہ (عمار کی والدہ) عبیدہ بن حارث، حمزہ خباب بن الارت (۲) سلمان، مقداد، عمار، عبداللہ بن مسعود ہمراہ جماعت، ابوبکر، (۳) عثمان، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن زید وصہیب بن بلال مشرف بہ اسلام ہوئے۔(۴)

لہٰذا اسلام وایمان میں سبقت وپیشقدمی حضرت علیؑ کا ایک تاریخی وبے نظیر افتخار اور امتیاز ہے۔ آپؑ خانہ کعبہ میں میں پیدا ہوئے۔مقام نزول اور معلم انسانیت کی آغوش میں پرورش پائی۔ خدائے واحد کی عبادت کے طریقے حضرت محمدؐ وجناب خدیجہؑ سے سیکھے، اور دس سال کی عمر میں اپنے پرانے اسلام کا اظہار کیا۔

حقیقت میں حضرت علی علیہ السلام مسلمان پیدا ہوئے۔ کیونکہ علیؑ کی ولادت اور تفکر وتعقل کا آغاز ہی اسلام کے ساتھ ہوا۔

حضرت علیؑ کی پاک روح، صاف وشفاف ضمیر ایک طرف اور دوسری طرف وہ محبت والفت جو بچپن سے ہی رسول گرامیؐ اسلام اور اپنے مربی کے ساتھ تھی۔ یہ دونوں اس بات کا سبب بنی کہ عقل

(۱) اسی کتاب کے باب بعنوان ''یوم انذار حضرت علی علیہ السلام کے کردار'' میں آئے گا اہل سنت کی روایات کے مطابق علیؑ کے بعد اسلام لانے والوں کی ترتیب مذکورہ ترتیب سے مختلف ہے۔

(۲) بعض روایات میں خباب چھٹے مسلمان ہیں۔

(۳) طبری اپنی تاریخ میں حضرت ابوبکر کے قبول اسلام کو پچاس افراد کے بعد ذکر کرتے ہیں (تاریخ طبری، ج۲، ص۶۰)

(۴) مناقب ابن شہرآشوب، ج۲، ص۴، اس قول کے مطابق حضرت عمر ۶۷ ویں نمبر پر ہیں۔

وفکراور جان ودل علیؑ، حضرت محمدؐ کے اختیار میں قرار پائے۔ دین خدا نے قلب وعقل علیؑ کو مسخر کرلیا تھا۔ چونکہ باطل عقائد اور بت پرستی آپ سے کوسوں دور تھی۔ لہٰذا دعوت اسلام کے پہلے مرحلے ہی میں ایمان لائے، اور تادم آخر ایمان راسخ پر باقی رہے اور ذرہ برابر انحراف نہ آیا۔

دوست ودشمن اس حقیقت کے معترف ہیں کہ علیؑ سے بڑھ کر ایمان میں سچا اور اعتقاد میں گہرا کوئی موجود نہ تھا۔ عبادت وریاضت، زہد وتقویٰ استقامت وپائداری، ایمان علیؑ کا جزو لاینفک تھے۔ یہ سب ایسے ہی تھے جیسے سورج کا لازمہ روشنی اور پانی کے لئے اس کے اپنے ذاتی صفات ہوا کرتے ہیں۔

اسلام میں سبقت پر حضرت علی علیہ السلام کا فخر کرنا

حضرت علی علیہ السلام نے مختلف مواقعوں پر اسلام وایمان میں اپنی سبقت وپیشقدمی کی طرف اشارہ فرمایا اور اس پر فخر کا اظہار کیا ہے۔ ''فاِنّی ولدتُ علی الفِطرۃ وسبقتُ اِلی الایمان و الھجرۃ''؛ میں فطرت خداوندی پر پیدا ہوا اور ایمان وہجرت میں سب سے آگے تھا۔ (۱)

ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ''اَنا اوّلُ مَن اَسلم مع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم''؛ میں ہی پہلا شخص ہوں جو نبی اکرمؐ پر ایمان لایا۔ (۲)

اسی طرح فرمایا: ''اَنا عبدُ اللّٰہ و اخو رسول اللّٰہ واَنا الصدیقُ الاکبر لا یقُولھا بَعد اَلاکذّاب ولقد صلّیتُ قَبلَ الناس سَبعَ سنین''؛ (۳) میں اللہ کا بندہ اور اس کے رسول کا بھائی ہوں اور میں ہی ان کا سب سے زیادہ یاور ومددگار ہوں، میرے بعد کوئی یہ دعویٰ نہیں کر

(۱) نہج البلاغہ خطبہ ۵۷۔

(۲) نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۳۔

(۳) ینابیع المودۃ، ج۱، ص ۵۹؛ کشف الغمہ، ج۱، ص ۱۸۔

ے گا، مگر یہ کہ وہ جھوٹا ہے۔ میں سات سال دوسروں سے پہلے نماز ادا کرتا رہا۔

یہ بھی فرمایا: کہ"اس ساری امت سے پہلے پانچ سال میں نے خدا کی عبادت کی۔(۱)

حضرت نے معاویہ کے غرور ونخوت کے جواب میں چند اشعار فرمائے:

سبقتکم الی الاسلام طرا (۲) صغیرا ما بلغت اوان حلمی

ایمان واسلام میں تم سب پر سبقت لے گیا جبکہ میں بچہ تھا اور ابھی بالغ بھی نہیں ہوا تھا (۳)

عالی ترین ایمان

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا خدا ورسول خداؐ پر ایمان، عالی ترین مرحلہ پر تھا۔ آپ کے وجود مبارک میں، ایمان کا کامل ترین مرتبہ مجسم تھا۔ حدیث نبوی میں جنگ احد میں حضرت علیؑ کے ایک دن کے ایمان وعمل کو تمام مخلوقات کے ایمان وعمل سے برتر قرار دیا ہے۔

رسول خداؐ فرماتے ہیں: "اے ابوالحسنؑ! اگر تمام مخلوقات کے ایمان وعمل کو ترازو کے ایک پلڑے میں اور احد کے روز تیرے فقط ایک عمل کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے، تو تیرا عمل مخلوقات کے تمام اعمال پر حاوی ہوگا۔ خداوند متعال نے روز احد کے تیرے عمل پر فرشتوں کے سامنے فخرو مباحات کی۔ اس دن ساتوں آسمانوں سے حجاب و پردے اٹھا لئے گئے۔ بہشت اور اہل بہشت تیرے عمل کا نظارہ کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ تیرے کام سے راضی وخوشنود ہوگیا، اور اس کے بدلے میں تمہیں ایک ایسی چیز دے گا کہ جس پر تمام انبیاء ورسل اور صدیق وشہداء رشک کریں گے۔(۴)

---

(۱) استیعاب، ج ۳، ص ۳۱؛ ینابیع المودۃ، ج ۱، ص ۲۸؛ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۲۱، (تھوڑے فرق کے ساتھ)۔

(۲) سند میں "طفلا" ہے لیکن زیادہ بہتر "طرا" ہے۔

(۳) الفصول المہمہ، ص ۳۲۔

(۴) ینابیع المودۃ، ج ۱، ص ۶۳۔

حضرت علی علیہ السلام کی سبقت کے دلائل

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے دشمنوں کی ایک جماعت نے بنی امیہ کے اشارے اور لالچ کے سبب ہر جگہ پر اسلام کے اس پیشوا اور الٰہی شخصیت کے فضائل کا انکار کیا، جس انسان کی تعریف خود خدا نے کی، اس کے بارے میں لوگوں کو اندھیرے میں رکھا گیا۔ حتیٰ کہ اگر کسی نے حضرتؑ کے فضائل بیان کرنے کی کوشش کی، تو اس کی زبان کاٹ دی جاتی اور بالآخر اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جاتا۔ جن لوگوں نے فضائل علیؑ کا انکار کیا ہے، ان میں سے ایک، اسلام وایمان میں حضرتؑ کی پیشقدمی ہے۔ لہٰذا اس باب میں، پہلے حضرت علیؑ کی اسلام میں سبقت پر موجود دلائل پر بحث کریں گے۔ پھر دشمنان حضرتؑ کی طرف سے کئے گئے بے اساس اعتراضات کا جواب دیں گے۔ یہ دلائل تین نوعیت کے ہیں۔

۱۔ اجماع واتفاق علماء ۲۔ روایات اور اخبار ۳۔ اصحاب رسولؐ اور تابعین کا اقرار واعتراف.

[الف] علماء کا اجماع واتفاق:

علماء شیعہ نے بطور اتفاق نیز اکثر سنی علماء نے حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کو مردوں میں سب سے پہلے دعوت رسول خداؐ پر لبیک کہنے والا جانا ہے۔ یہ موضوع سنی علماء میں اس قدر مشہور ہے کہ ان میں سے اکثر نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ موضوع کی اہمیت کے پیش نظر سنی اور شیعہ علماء کے اجماع کی دعویٰ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

۱۔ ابن البیع، معرفت اصول الحدیث میں لکھتے ہیں:

''تاریخ نویسوں میں اس مسئلہ پر کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ حضرت علیؑ وہ پہلی شخصیت ہیں

جو سب سے پہلے اسلام لائی۔ اختلاف فقط قبول اسلام کے وقت ان کے بالغ ہونے کے بارے میں ہے۔(۱)

۲۔ حاکم نیشاپوری نے بھی مذکورہ موقف اختیار کرتے ہوئے علیؑ کو پہلا مسلمان قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ قبول اسلام کے وقت ان کے بالغ ہونے یا نہ ہونے پر اختلاف ہے۔(۲)

۳۔ ابن عبدالبر مالکی لکھتے ہیں۔

''اس مسئلے میں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ خدیجہ وہ پہلی خاتون تھیں جو خدا اور رسولؐ پر ایمان لائیں ، اور جو پیغام وہ لائے اس کی تصدیق کی۔ پھر علیؑ نے ان کے بعد یہی کام انجام دیا۔(۳)

۴۔ ابو جعفر اسکافی معتزلی لکھتے ہیں:

'' قَدرَوی النَّاسُ کافَۃً افتخار علیؑ بالسبقِ اِلی الاِسلام ؛'' اکثر لوگوں نے نقل کیا ہے کہ اسلام میں سبقت کرنے کا افتخار علی بن ابی طالبؑ کے لئے مخصوص ہے ......اور یہ افتخار ہر شہرت سے بالاتر ہے۔(۴)

۵۔ ابن صباغ مالکی کہتے ہیں:

''اکثر لوگوں کا یہی قول ہے اور مشہور ترین قول بھی یہی ہے کہ علیؑ مسلمان ہوتے وقت بالغ نہیں تھے .اور آپ مردوں میں پہلے وہ شخص ہیں جو مسلمان ہوئے اور رسول خداؐ پر ایمان لائے۔(۵)

۶۔ علامہ خوئی نہج البلاغہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

''اہل سنت کے ایک چھوٹے سے عثمانی گروہ کے علاوہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے

---

(۱) مناقب ابن شہر آشوب، ج ۲، ص ۱۱۔

(۲) مستدرک حاکم نیشاپوری، ج ۳، ص ۱۴۷ (فرق کے ساتھ)۔

(۳) الغدیر، ج ۳، ص ۲۳۸، بہ نقل از استیعاب ج ۲، ص ۴۵۷۔

(۴) الغدیر، ج ۳، ص ۲۳۷۔

(۵) الفصول المہمہ، ص ۳۲۔

کہ حضرت علی علیہ السلام اسلام قبول کرنے میں تمام لوگوں میں سبقت رکھتے تھے۔(۱)

[ب] روایات:

شیعہ وسنی علماء کے اجماع اور اتفاق نظر کے علاوہ علیؑ کے اولین مسلمان ہونے پر سب سے اہم گواہ وہ روایات ہیں جو رسول خداؐ اور دیگر ائمہ اطہارؑ سے منقول ہیں۔ اور سنی وشیعہ کی طرف سے بطور متواتر بیان ہوئی ہیں۔ یہاں پر چند روایات کی طرف اشارہ کرتے ہیں:۔

۱۔ ابن حجر عسقلانی اپنی سند میں لیلیٰ غفاریہ سے نقل کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں، وہ کہتی ہیں:
''میں نے بصرہ میں حضرت عائشہ سے کہا: ''کیا تو نے رسول خداؐ کی زبانی علیؑ کی کوئی فضیلت سنی ہے؟ اس نے کہا ہاں! ایک دن علیؑ رسول خداؐ کے پاس آ کر بیٹھ گئے، جس سے میرے اور حضرت کے درمیان فاصلہ ہوگیا۔ میں نے کہا: ''کیا بیٹھنے کے لئے اور جگہ نہ تھی کہ تم نے ہمارے درمیان فاصلہ ڈال دیا ہے. رسول خداؐ نے فرمایا: ''اے عائشہ! میرے بھائی علیؑ سے کچھ نہ کہو، کیونکہ یہ پہلا مرد ہے جو اسلام لایا۔ اور یہ آخری فرد ہے جو میرے عہد و پیمان پر باقی رہے گا۔ اور یہ پہلا شخص ہے جو روز قیامت مجھ سے ملاقات کرے گا۔(۲)

۲۔ نورالدین ہیثمی اور بہت سے دیگر علمائے اہل سنت نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے کہ رسول خداؐ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا:

یہ پہلا شخص ہے جو مجھ پر ایمان لایا، اور یہ پہلا شخص ہوگا جو روز قیامت مجھ سے مصافحہ کرے گا۔ وہ میری امت کا صدیق اکبر اور فاروق ہے۔ جو حق و باطل میں فرق پیدا کرتا ہے۔ یہ مومنوں کا امام ہے اور ظالموں کا امام دولت وثروت ہے۔(۳)

---

(۱) منہاج البراعۃ، ج۸، ص۲۶۶۔

(۲) الاصابہ، ج۱، ص۳۸۹؛ احقاق الحق، ج۴، ص۱۵۹۔

(۳) مجمع الزوائد، ج۹، ص۱۰۲۔

۳۔ ابو سعید خدری روایت کرتے ہیں کہ رسول خداؐ نے علیؑ کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:
اے علیؑ! تم سات ایسی صفات کے حامل ہو کہ روز قیامت کوئی بھی تیری برابری کرنے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ تم پہلے شخص ہو جو خدا پر ایمان لائے۔ الٰہی عہدوں کے ساتھ سب سے زیادہ باوفا اور اطاعت خدا میں پائیدار تر ہے۔ (۱)

۴۔ عباس بن عبدالمطلب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کو یہ کہتے ہوئے سنا وہ کہتے ہیں: کہ ''علیؑ کو سوائے خیر و نیکی کے یاد نہ کرو، کیونکہ میں نے رسول خداؐ سے سنا کہ علیؑ کے لئے تین خصوصیات مخصوص ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ آپؐ ان میں سے ایک میرے لئے بیان فرمائیں۔ میرے نزدیک وہ تینوں خصوصیات ہر اس چیز سے زیادہ عزیز ہیں کہ جس پر سورج کی چمک پڑتی ہے پھر حضرت عمر روایت نقل کرتے ہیں: کہ میں، ابوبکر، ابوعبیدہ جراح اور چند دوسرے افراد بیٹھے ہوئے تھے، رسول خداؐ تشریف لائے، انھوں نے اپنے دونوں ہاتھ حضرت علیؑ کے کاندھے پر رکھے اور فرمایا: ''اے علیؑ تم پہلے مسلمان اور پہلے ایمان لانے والے ہو اور میرے لئے ایسے ہی ہو جیسے ہارون موسیٰؑ کے لئے تھے......؛ (۲)

اسی طرح کی حدیث ابن عساکر شافعی سے منقول ہے۔ (۳)

۵۔ تفسیر ابن حجام میں آیت ﴿ ومن یطع الله و رسوله ...... ﴾ (۴) کی تشریح میں آیا ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا: کہ ''اے اللہ کے رسولؐ کیا ہم بہشت میں جب بھی چاہیں آپ کی زیارت کرسکیں گے؟ رسول خداؐ نے فرمایا: اے علیؑ! ہر پیغمبر کا بہشت میں ایک رفیق ہے اور یہ وہ شخص ہوتا ہے جو سب سے پہلے اس پر ایمان لاتا ہے۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ اولئک مع الذین

(۱) حلیۃ الاولیاء، ج۱، ص۶۶۔

(۲) الفصول المہمہ، ص۱۲۶؛ کشف الغمہ، ج۱، ص۱۱۵۔

(۳) تاریخ دمشق، ج۱، ص۳۳۱، ۴۰۱۔

(۴) نساء۴: ۶۹۔

اَنعَمَ اللّٰہُ علیھم من النبیینَ والصّدیقینَ و الشّھداءِ والصّالحینَ و حَسُنَ اولئک رفیقًا﴾ (۱) جولوگ خدااور رسول کی اطاعت کریں وہی ان لوگوں میں شمار ہونگے کہ جن پر اللہ نے نعمت نازل کی ہے وہ لوگ انبیاء ہیں، صدیقین ہیں، شہداء ہیں اور صالح حضرات ہیں اور رفاقت کے لئے یہی لوگ لوگ سب سے اچھے ہیں۔ راوی کہتا ہے اس کے بعد رسول خداؐ نے علیؑ کو بلایا اور فرمایا: جس کے بارے میں تو نے مجھ سے سؤال کیا، خدا نے اس کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی ہے۔ اور تجھے بہشت میں میرا رفیق قرار دیا ہے۔ کیونکہ تو ہی پہلا شخص ہے جو مجھ پر ایمان لایا اور تو ہی صدیق اکبر ہے''۔ (۲)

۶۔ سعید بن مسیب کہتا ہے: ''میں نے علیؑ بن الحسینؑ سے سؤال کیا جس دن علی ابن ابی طالبؑ اسلام لائے کتنے سال کے تھے؟۔ حضرت نے فرمایا:

''علیؑ کبھی بھی کافر نہ تھے۔ جس دن رسول خداؐ رسالت پر مبعوث ہوئے علیؑ دس سال کے تھے، اور وہ اس دن کافر نہ تھے۔ آپ خدا اور رسولؐ پر ایمان لانے میں سب سے آگے تھے۔ اور تین سال سب سے پہلے نماز ادا کی۔ (۳)

۷۔ ابو نخیلہ کہتے ہیں: ''ایک دن میں ابوذر کے پاس گیا اور کہا: اے ابوذر! جس چیز میں مجھے اختلاف نظر آئے اس کے بارے میں آپ کی کیا ہدایت ہے؟ انھوں نے فرمایا:

تجھے دو چیزوں کی نصیحت کرتا ہوں:۔ ایک کتاب خدا اور دوسرے علی ابن ابی طالبؑ کیونکہ میں نے رسول خداؐ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''علیؑ پہلے فرد ہیں جو مجھ پر ایمان لائے......؛ (۴)

---

(۱) نساء۴: ۶۹۔

(۲) کشف الغمہ، ج۱، ص۱۱۶۔

(۳) روضۂ کافی، ص ۲۷۹، ح۵۳۶۔

(۴) امالی، صدوق مجلس ۳۷، ح۵۔

[ج]۔صحابہ وتابعین کا اقرار واعتراف

اگر اصحاب رسولؐ اور تابعین کی باتوں کا غور سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ساٹھ سے زیادہ افراد نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ، اسلام لانے میں سب سے آگے تھے۔ہم بعض کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

ا۔حضرت ابوبکر: ابی زرعۃ دمشقی اور ابی اسحاق ثعلبی بیان کرتے ہیں۔حضرت ابوبکر نے کہا: ''افسوس اس وقت کا ہے کہ جب علیؑ بن ابی طالبؑ، مجھ پر سبقت لے گئے۔اگر میں اسلام لانے میں ان سے سبقت حاصل کر لیتا تو اسلام میں سبقت کا افتخار و امتیاز مجھے حاصل ہوتا۔(۱)

۲۔ابن عباس: ابو صالح ابن عباس سے نقل کرتے ہیں: کہ آیہ ﴿السابقون السابقون﴾(۲)

علیؑ بن ابی طالبؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔چونکہ آپ پہلے انسان ہیں جو اسلام و رسول خداؐ پر ایمان لائے، دو قبلہ کی طرف نماز پڑھی اور دو بار بیعت کی (بیعت بدر و رضوان)۔(۳)

۳۔انس بن مالک: ابن عساکر شافعی انس بن مالک سے نقل کرتے ہوئے کہتا ہے: ''رسول خداؐ کی نبوت و بعثت پیر کے دن واقع ہوئی اور حضرت خدیجہ اس دن اسلام لائی اور علیؑ منگل کے دن اسلام لائے۔(۴)

۴۔زید بن ارقم: یہ صحابی رسول بھی اس حقیقت کے معترف ہیں وہ کہتے ہیں: ''جو شخص سب سے پہلے رسول خدا پر ایمان لایا وہ علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں۔(۵)

(۱) مناقب ابن شہر آشوب، ج۲، ص۴۔

(۲) واقعہ ۵۶: ۱۰۔

(۳) مناقب ابن شہر آشوب، ج۲، ۵۔تاریخ طبری ج۲، ص۵۹۔

(۴) تاریخ دمشق ج۱، ۴۱، ح۷۴۔

(۵) تاریخ طبری، ج۲، ص۵۵۔

۵۔ ابن اسحاق: وہ کہتے ہیں کہ ''علیؑ پہلے انسان ہیں جو اس وقت مسلمان ہوئے کہ جب آپ کی عمر گیارہ سال تھی'' (۱) اسی طرح کی روایت دوسری جگہ پر بھی آئی ہے۔ (۲)

۶۔ عبدالرحمٰن بن عوف: وہ آیت ﴿و السابقون الاولون﴾ کے ذیل میں کہتے ہیں قریش میں دس فرد ہیں جو ﴿والسابقون الاولون﴾ ہیں اور جو سب سے پہلے اسلام لائے۔ وہ علیؑ ابن ابی طالب ہیں۔ (۳)

۷۔ یعلی بن مرۃ الثقفی: یہ بھی بزرگ اصحاب میں شامل ہیں۔ انھوں نے صلح حدیبیہ میں شرکت کی اور بیعت رضوان میں رسول خداؐ کی بیعت کی وہ اس بارے میں کہتے ہیں: ''جو فرد سب سے پہلے اسلام لایا علیؑ بن ابن ابی طالبؑ ہیں۔ (۴)

۸۔ ابو مالک بن حویرث: وہ کہتے ہیں: کہ ''مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں سب سے پہلے مسلمان ہونے والی خاتون خدیجہ کبریٰ ہیں۔ (۵)

۹۔ ابورجاء عطاردی: وہ کہتے ہیں: ''ایک دن ایک جماعت کو دیکھا جو علیؑ کو گالیاں دے رہی تھی، میں ان کے پاس گیا اور کہا: ''منھ بند کرو، تم پر لعنت ہو! کیا تم رسول خداؐ کے چچازاد بھائی کو، جو پہلا مسلمان اور مومن ہے، گالی دیتے ہو؟۔ جان لو! کہ علیؑ کا رسول خداؐ کے ہمراہ صرف ایک دن کا ایک لمحہ تمہاری ساری زندگی سے بہتر ہے۔ (۶)

۱۰۔ ابوامامہ باہلی: یہ صحابی رسول خداؐ حضرت علیؑ کے بھی صحابی ہیں۔ ایک دن معاویہ کے پاس

---

(۱) کامل ابن اثیر ج ۱، ص ۴۸۴۔

(۲) تاریخ طبری، ج ۲، ص ۵۷۔

(۳) تاریخ دمشق، ج ۱، ص ۸۰، ح ۱۲۹۔

(۴) تاریخ دمشق، ج ۱، ص ۸۰، ح ۱۳۰؛ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۱۲۹۔

(۵) تاریخ دمشق، ص ۶۵، ح ۱۳۰۔

(۶) مناقب ابن شہر آشوب، ج ۱، ص ۲۸۴۔

گئے۔ معاویہ نے ان کا والہانہ استقبال کیا، اور اپنے ہاتھ سے اس کے سر و چہرے پر عطر لگایا اور حکم دیا کہ سونے کا بھرا تھیلا اس کے لئے لایا جائے۔ پھر کہا: اے ابوامامہ تجھے خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ میں بہتر ہوں یا علیؑ بن ابی طالبؑ؟ ابوامامہ نے کہا: اگر تم قسم نہ بھی دیتے، تب بھی حقیقت ہی بیان کرتا خدا کی قسم علیؑ تم سے بہتر ہیں۔ وہ تم سے زیادہ کریم، اسلام میں سبقت رکھنے والے اور پیغمبرؐ کے نزدیک تر تھے۔(۱)

سلمانؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ، عمارؓ، خباب جابرؓ، ابوموسیٰ اشعری، ام سلمہؑ، مالک اشترؓ، سعد بن ابی وقاص اور دوسروں نے علیؑ کے پہلے مسلمان ہونے کی تصدیق کی ہے اور تمام اصحاب پر آپؑ کی فضیلت و برتری کا اقرار کیا ہے۔(۲)

ابوالاسود دوئلی، اپنے ایک شعر میں کہتے ہیں:

وانّ علیًّا لکُم مفخرٌ   یُماثِلة الاَسد الاَسوَدُ
اَما اِنّه اَوّلُ العابدین   بمکّةِ و اللّٰه لا یُعبَدُ

خبردار! علیؑ جو کہ شیر کے مانند ہیں وہ تمہارے لئے فخر و مباہات کا باعث ہیں۔ کیونکہ وہ (بعد از رسولؐ) مکہ میں اس وقت سے اللہ کی عبادت کرنے والے ہیں۔ جب کوئی خدا کی عبادت نہ کرتا تھا۔

سعید بن قیس ہمدانی نے جنگ صفین میں یہ رجز پڑھا۔

ھٰذا علیٌّ وابنُ عمِّ المصطفیٰ   اَوّلُ مَن اَجابه فیما رَوی

علیؑ، محمد مصطفیؐ کے چچازاد بھائی ہیں، یہ پہلے ہیں فرد جنھوں نے پیغمبرؐ کی آواز پر لبیک کہی۔(۳)

---

(۱) سفینۃ البحار، ج ا، ص ۶۶۹ (مادہ سور)۔
(۲) مناقب ابن شہر آشوب، ج ا، ص ۷۔
(۳) الغدیر، ج ۳، ص ۲۳۲۔

[د]۔ مامون کا دانشوروں سے مناظرہ:

خلیفہ عباسی مامون کا اہل سنت کے فقہاء کے ساتھ مناظرہ بھی اس حقیقت کی تائید کرتا ہے کہ علیؑ ہی پہلے مسلمان ہیں۔ ایک دن خلیفہ عباسی نے اپنے قاضی القضات یحییٰ بن اکثم کو حکم دیا کہ وہ کچھ علماء وفقہاء کو دعوت دے، اور سب کو ایک محفل میں حاضر کرے۔ تا کہ وہ ان کے ساتھ علیؑ کی ولایت وامامت کے حوالے سے مناظرہ و بحث کرے۔ اس مناظرے میں گفتگو کا موضوع اسلام میں علیؑ کی سبقت تھا۔ تمام حاضرین نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا۔ مامون نے اسلام میں حضرت علیؑ کی سبقت کو دوسرے خلفاء پر تقدم و برتری کی دلیل کے طور پر پیش کیا۔

مامون نے یہ مناظرہ کس نیت وارادے سے کیا، کیا اس کے سیاسی مقاصد تھے، یا علیؑ کی برتری کے قبول کرنے پر تظاہر یا پھر عقیدہ کے طور پر؟ کچھ واضح نہیں ہے۔ اس مناظرہ کا قصہ اس طرح ہے۔ اس مناظرے میں چالیس دانشوروں نے شرکت کی۔ مامون نے اسحاق بن ابراہیم کو (جبکہ دوسرے فقہاء بھی اس کا نظارہ کر رہے تھے) مخاطب کر کے پوچھا: ''جس دن رسول خداؐ مبعوث بہ رسالت ہوئے، اس دن سب سے بہترین عمل کیا تھا؟ اسحاق نے جواب دیا: ''خدا پر اور اس کے پیغمبرؐ کی رسالت پر ایمان''۔ مامون نے پوچھا: ''کیا اسلام میں سبقت ،سب سے بہترین عمل نہیں تھا؟ اسحاق نے جواب دیا ''جی ہاں، قرآن مجید میں آیا ہے: ﴿السابقون السابقون اولٰئک المقرّبون﴾. (۱) مامون نے پوچھا: ''کیا علیؑ پر کسی نے اسلام میں سبقت اختیار کی ہے؟ یا علیؑ پہلے شخص ہیں جو پیغمبرؐ پر ایمان لائے؟ اسحاق نے جواب دیا حضرت علیؑ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے ہیں مگر جس دن وہ اسلام لائے بچے تھے۔ لہٰذا اس طرح ان کے اسلام قبول کرنے کا کوئی خاص مرتبہ نہیں ہے۔ لیکن ابوبکر اگر چہ بعد میں ایمان لائے۔ لیکن جب وہ مسلمانوں کی جماعت کا حصہ بنے، تو ایک کامل و بالغ فرد تھے۔ لہٰذا ان کے ایمان واعتقاد کی قدر و قیمت زیادہ ہے''۔

---

(۱) واقعہ ۵۶: ۱۰، ۱۱۔

مامون نے پوچھا: ''حضرت علیؑ کس طرح ایمان لائے؟ کیا پیغمبرؐ نے ان کو اسلام کی دعوت دی یا خدا کی طرف سے انھیں الہام ہوا کہ دین اسلام کو قبول کرلیں؟ ہرگز یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت علیؑ کا اسلام، خدا کی جانب سے الہام تھا۔ کیونکہ اس مطلب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا ایمان رسول خداؐ کے ایمان پر برتری رکھتا ہے۔ اب جب معلوم ہوگیا کہ قبول اسلام پیغمبرؐ کی دعوت کی خاطر تھا۔ کیا رسول خداؐ نے اپنے ارادے سے یہ کام انجام دیا یا حکم خدا سے؟ یہ بالکل نہیں کہا جاسکتا کہ رسول خداؐ نے خدا کی اجازت کے بغیر حضرت علیؑ کو دعوت اسلام دی، بلکہ قطعی بات ہے کہ علیؑ کو دعوت اسلام خدا کے حکم سے تھی۔ کیا خدائے حکیم حکم دیتا ہے کہ اس کا رسولؐ ایک بچے کو جو قبولیت اسلام کی استعداد نہیں رکھتا، اسلام کی طرف دعوت دے؟ لہٰذا قبول کرلینا چاہیے، کیا بچپن میں علیؑ کا شعور وادراک اس حد تک تھا کہ ان کا ایمان دیگر بزرگوں کے ایمان کے برابر ہو۔(۱)

کیا اچھا تھا کہ اسحاق اس بارے میں ایک اور جواب بھی دریافت کرلیتے، وہ یہ کہ اولیاء الٰہی کو ایک عام آدمی طرح نہیں سمجھنا چاہیئے ان کے بچپن کو عام بچوں کے بچپن کی طرح نہیں خیال کرنا چاہیئے کیونکہ وہ ولادت سے تو کیا رحم مادر سے ہی دوسروں کے ساتھ فرق رکھتے ہیں۔ ان کا فہم وشعور خارق العادہ اور غیر معمولی ہوتا ہے اور بچپن میں بھی وہ خداوند سبحان کے حکمت آمیز باتیں اور اعلیٰ معارف دریافت کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اس کے بہت سارے نمونے موجود ہیں. قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے: ﴿یا یحییٰ خُذالکتابَ بِقُوَّة و اٰتیناه الحُکمَ صبِیًّا﴾ ؛اے یحییٰ کتاب کو پوری قدرت کے ساتھ پکڑلو (اور اس کے مطابق عمل کرو) اور ہم نے ان کو بچپنے ہی میں حکمت عطا کی''۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت یحییٰ نبی جیسے افراد بچپن سے ہی معارف الٰہی اور حکمتوں کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ ولادت کے چند دن بعد ہی امر خدا سے بول پڑتے ہیں: ﴿اِنّی عَبدُ اللّٰهِ اٰتانی

(۱) مناظرہ کی تفصیل جاننے کے لئے رجوع کریں عقد الفرید، ج۵، ص۹۲؛ احقاق الحق، ج۳، ص۱۸۴۔

الکتابُ و جَعَلَنی نبیًّا﴾ (۱) میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنا کر بھیجا گیا۔ اسی طرح ائمہ معصومینؑ کے حالات زندگی میں پڑھتے ہیں کہ وہ بچپن میں ہی بہت پیچیدہ عقلی، فلسفی اور فقہی مسائل کا جواب اس طرح دیا کرتے تھے کہ بڑے بڑے علماء اور فقہاء حیران و ششدر رہ جاتے تھے۔ (۲) لہٰذا اولیائے خدا کے حالات و شرائط کا عام افراد سے مقائسہ و موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت علیؑ بھی نہج البلاغہ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں: "لایُقاسُ بآلِ محمّدٍ مِن هذِهِ الاُمّةِ احدٌ"؛ (۳) اس امت کے کسی فرد کا آل محمدؐ سے موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔ (۴)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اسلام میں حضرت علیؑ کی سبقت کو دلائل سے ثابت کرنے کے بعد اب ممکن ہے یہ سوال ذہن میں آئے کہ بعثت سے پہلے علیؑ کے ایمان کی کیا کیفیت تھی؟

گزشتہ مطالب کی روشنی میں اس سوال کا جواب قطعاً واضح ہے۔ روز بعثت علیؑ کا رسول خداؐ پر ایمان و اسلام سے مراد اپنے اسی دیرینہ ایمان و اعتقاد کا اظہار تھا کہ جو قبل از بعثت علیؑ کی جان و دل میں رچا بسا ہوا تھا جو ایک لمحے کے لئے بھی اس سے جدا نہ ہوا۔ کیونکہ والدین کے موحد ہونے کے علاوہ رسول خداؐ کا حضرت علیؑ کی مسلسل دیکھ بھال کرنا اور تعلیم و تربیت اس بات کا باعث بنا کہ خدائے قادر مطلق پر ایمان کی جڑیں آپ کی روح و جان کی گہرائیوں میں مستحکم ہو گئیں۔ آپ کا وجود

---

(۱) مریم ۱۹: ۱۲۔

(۲) نمونے کے طور پر ان پیچیدہ سوالات کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے جو ابوحنیفہ نے امام کاظمؑ اور یحییٰ ابن اکثم نے امام جوادؑ سے کئے۔

(۳) نہج البلاغہ، خطبہ دوم۔

(۴) یہ جواب کتاب فروغ ولایت سے ماخوذ ہے۔

سراپا ایمان واخلاص تھا۔ حضرت محمدؐ کے مقام رسالت پر فائز ہونے اور دعوت توحید کے عام اعلان کے بعد ضروری تھا کہ حضرت علیؑ بھی اپنے دیرینہ ایمان کو آشکار کریں ۔قرآن کریم میں بعض مقامات پر ایمان اور اسلام سے مراد دیرینہ عقیدہ کا اظہار لیا گیا ہے۔ جب خداوندمتعال ابراہیم خلیلؑ کوحکم دیتا ہے کہ اسلام لاؤ تو وہ بھی کہتے ہیں: ﴿اسلمت لرب العالمین﴾ (۱) میں اللہ رب العالمین کے سامنے تسلیم ہوں ۔ اس طرح قرآن مجید رسول خداؐ کی زبانی یوں بیان کرتا ہے: ﴿وامرت ان اسلم لرب العالمین﴾ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں کائنات کے رب کے سامنے تسلیم ہوؤں۔

یہ بات مسلم ہے کہ مذکورہ اوراس سے مشابہ موارد میں اسلام سے مراد اظہار تسلیم اوراس ایمان کا برملا اظہار ہے جوفرد کی جان ودل میں موجود ہے۔اس سے مراد ابتدائی ایمان کا حصول ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ پیغمبر اسلامؐ اس آیت کے نزول سے پہلے حتیٰ کہ قبل از بعثت بھی موحد اور تسلیم پروردگار تھے۔اس بنا پر ایمان کے دو معانی ہیں۔

۱۔ باطنی ایمان کا اظہار جو پہلے سے ہی انسان کی روح وجاں میں موجود ہواور حضرت علیؑ کے ایمان لانے سے یہی مراد ہے۔

۲۔ ایمان کا حصول اور اسلام کی طرف ابتدائی میلان ، اصحاب وانصار رسول خداؐ میں سے اکثر کا اسلام لانا اس معنی میں لیا جاتا ہے۔

امیرالمومنینؑ خود بھی نہج البلاغہ کے ایک خطبہ میں فرماتے ہیں: "ولدت علی الفطرة"؛ یعنی میں فطرت الٰہی پر پیدا ہوا ہوں۔ (۲)

اس جملہ سے امام کی مراد کیا ہے؟ کیا اس سے مراد یہ ہے کہ میری خلقت کی بنیاد فطرت توحید

---

(۱) نہج البلاغہ خطبہ ۵۷۔

(۲) بقرہ۲: ۱۳۱۔

بلکہ "کل مولود یولد علی الفطرة" ہر پیدا ہونے والا انسان فطرت توحیدی پر پیدا ہوتا ہے ظاہر یہی ہے کہ امامؑ کا مقصد وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ یعنی حضرتؑ نے پیدا ہوتے ہی ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی کہ جہاں بت پرستی کا کوئی نشان نہ تھا۔ چونکہ حضرت کا سارا گھرانہ خدا پرست اور موحد تھا۔ اس کے علاوہ بچپن سے ہی رسول خداؐ کے گھر کا حصہ بن گئے اور اس عظیم مربی بشریت کے دامن پاک میں پرورش پائی۔ آپؑ نے آنحضرتؐ کی نورانیت، معنویت اور خدا پرستی سے بھرپور استفادہ فرمایا۔ پیغمبر اکرمؐ نے اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا:" ثلاثة ما کفروا باللّٰه قط؛ مومن آل یاسین، و علی بن ابی طالب و آسیه امراة فرعون "؛(۱) تین انسانوں نے کبھی بھی کفر نہ کیا، مومن آل یاسین، علیؑ بن ابی طالبؑ اور فرعون کی زوجہ آسیہ۔ جیسا کہ خود حضرت علیؑ فرماتے ہیں: "ولدت علی الفطرة" حتیٰ کہ ایک لمحہ کے لئے بھی کفر وشرک کا تصور بھی نہ کیا۔ اور پیدا ہوتے ہی توحید پرست اور خدا شناس تھے۔

"ولدت علی الفطرة" کے بارے میں ابن ابی الحدید نے تین احتمال دیئے ہیں۔ یہاں پھر اس کا خلاصہ بیان کرتے ہیں۔

۱۔ فطرت پر ولادت سے مراد یہ ہو کہ حضرتؑ کی ولادت رسالت کے زمانے میں ہوئی ہو نہ کہ عصر جاہلیت میں۔ کیونکہ احادیث میں آیا ہے کہ بعثت سے دس سال قبل پیغمبرؐ کے کانوں میں کچھ غیبی آواز آتی تھیں، اور آپ انوار الٰہی کا مشاہدہ فرماتے تھے تا کہ وحی کے حصول کے لئے تیار ہو جائیں۔ لہٰذا یہ دن، ایام رسالت پیغمبرؐ کا حکم رکھتے ہیں۔ اس بات کی دلیل یہ ہے کہ رسول خداؐ بعثت سے دس سال قبل ہی لوگوں سے دور رہتے، غار حرا جاتے تھے اور عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ بعثت کے دس سال قبل آغاز ہی میں، ۳۰ ؍عام الفیل میں، حضرت علیؑ پیدا ہوئے اور رسول خداؐ نے اس سال کو خیر و برکت کا سال قرار دیا. آپ نے علیؑ کی ولادت کی خبر دوسروں کو دی۔ ایک

(۱) تاریخ دمشق، ج۲، ص۲۸۲، ح۸۰۶۔

روایت کے مطابق آپ نے فرمایا: "لقدوُلِدَ لنا الليلةُ مَولودٌ يَفتحُ اللهُ علينا بِهِ ابوَابًا كثيرةً مِن النّعمةِ و الرَّحمَة"؛ آج کی رات ایک ایسا مولود ہمارے یہاں دنیا میں آیا ہے کہ اس کے سبب نعمت ورحمت الٰہی کے دروازے ہم پر کھل جائیں گے۔

۲۔ابن ابی الحدید نے حضرتؑ کے اس کلام کے بارے میں دوسرا نظریہ یہ بیان کیا ہے کہ خداوند عالم تمام انسانوں کو پاک فطرت پر پیدا کرتا ہے۔لیکن کبھی ممکن ہے کہ غلط تربیت اس فطرت خدائی سے منحرف کردے۔حضرت علیؑ نہ فقط فطرت خدائی پر پیدا ہوئے، بلکہ پیغمبر اسلامؐ کے زیر نظر کمال مطلوب تک پہنچ گئے۔

۳۔تیسرا احتمال یہ ہے کہ فطرت سے مراد "عصمت" ہو۔یعنی آپؑ نے جو یہ فرمایا: "میں فطرت الٰہی پر دنیا میں آیا"۔اس سے مراد یہ ہو کہ میں معصوم طاہر ومطہر ہوں، کیونکہ حضرت علیؑ پیدائش سے لیکر شہادت تک کسی گناہ اور برے کام کے مرتکب نہ ہوئے۔اور آپ نے کبھی بھی کفر اختیار نہ کیا۔ابن ابی الحدید تیسرے احتمال کو شیعہ علماء کی طرف نسبت دیتے ہیں۔(۱)

چند بزرگان اسلام کے نظریے

بہت سے صحابہ کرام اور بزرگان اسلام نے اس حقیقت کی تائید کی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اظہار اسلام سے پہلے بھی توحید پرست تھے آپ کا پاک ضمیر ایک لمحے کے لئے بھی شرک وکفر سے آلودہ نہ ہوا۔

۱۔ابن عباس کہتے ہیں: "خدا کی قسم کوئی بھی خدا پر ایمان نہ لایا مگر یہ کہ وہ بت پرست تھا......" سوائے حضرت علی علیہ السلام کے۔کیونکہ وہ اس حالت میں ایمان لائے کہ کبھی بھی کسی بت کی پرستش نہ کی۔(۲)

(۱) شرح نہج البلاغہ، ج ۳،ص ۱۱۴۔ (۲) مناقب ابن شہر آشوب، ج ۲،ص ۸۔

۲۔عبدالکریم خطیب کی کتاب "علی بن ابی طالب بقیة النبوة و خاتم الخلافة" میں لکھا ہے: "......حضرت علیؑ کے اسلام کے بارے میں میرا عقیدہ یہ ہے کہ "انَّ علیًّا وُلِدَ مُسلمًا علی الفطرة ......"؛ حضرت علیؑ فطرت اسلام پر پیدا ہوئے۔ کیونکہ آپ بچپن ہی سے حضرت محمدؐ کے گھرانے میں زیر تربیت رہے، اور خداوند متعال نے انھیں اور جو بھی ان کے گھر میں تھا اسے شرک وگمراہی سے بہت دور رکھا۔(۱)

۳۔سنی عالم دین مقریزی کہتے ہیں: "......علیؑ تو مشرک نہ تھے تا کہ اسلام کی طرف بلائے جاتے بلکہ بعثت سے پہلے ہی نبی اکرمؐ کے گھر میں تھے"۔ اور آپ حضورؐ کے بیٹوں کی طرح تمام حالات میں ان کے مطیع تھے۔لہذا روز اول سے ہی آپ مسلمان تھے۔(۲)

۴۔محمود عقاد مصری لکھتے ہیں: "حضرت علیؑ کے خانہ کعبہ میں پیدا ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ مسلمان دنیا میں تشریف لائے۔یعنی ولادت علی کی روح مطہر اور عقیدہ اسلام کے ساتھ پروان چڑھا اور ہرگز بت کی پرستش نہ کی آپ ایسے گھر میں پروان چڑھے کہ جہاں سے اسلام کا آغاز ہوا......۔(۳)

۵۔علامہ شیخ خلیل لکھتے ہیں: "جس دن رسول خداؐ نے اپنی دعوت کو آشکار کیا، لوگوں میں سب سے پہلے جس نے اسلام قبول کیا، اور دوسروں سے پہلے ایمان لائے، وہ علیؑ بن ابی طالبؑ تھے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ پہلے انسان ہیں کہ جنھوں نے اپنے اسلام اور ایمان کا اعلان کیا۔ ورنہ اسلام اور ایمان تو علیؑ کے پورے وجود اور دل کی گہرائیوں میں از اول موجزن تھا۔ چونکہ آپ حضور اکرمؐ کے زیر سایہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہدایت اور ایمان اس طرح لے رہے تھے۔ اور ہدایت ایمان ان سے

---

(۱) مناقب ابن شہر آشوب، ج۲، ص۸۔

(۲) امتاع مقریزی کا خلاصہ ص۱۶ (بہ نقل از الغدیر ج، ج۳، ص۲۳۰)۔

(۳) عبقریۃ الامام، ص۴۳۔

زیر سایہ نبی اکرم ﷺ سے ہدایت اور ایمان اس طرح لے رہے تھے۔ اور ہدایت ایمان ان سے لے رہے تھے۔ جس طرح چاند اپنی روشنی اور نور کو سورج سے لیتا ہے۔ لہٰذا حضرت علیؑ کے مقام ومنزلت تک کسی بشر کی رسائی ممکن نہیں ہے۔(۱)

بے بنیاد اعتراضات اور بہانے

[الف]۔ بنی امیہ کے افراد اور وہ لوگ جو کسی نہ کسی وجہ سے حضرت علیؑ کے ساتھ باطنی اور دلی کدورت و دشمنی رکھتے ہیں۔ انھوں نے "اسلام میں حضرت علیؑ کی ایمانی سبقت سے انکار کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے اور بے بنیاد اعتراضات کیے ہیں۔ وہ جعلی روایات کو بڑھا چڑھا کر حضرت ابو بکر کو یا زید بن حارثہ کو پہلا مسلمان ثابت کرتے ہیں۔ وہ حضرت علیؑ کے اسلام کی سبقت کے بارے میں مذکورہ تمام روایات، اجماع اور اعترافات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے اسلام لاتے وقت ان کی عمر ۱۰ سال سے زیادہ نہ تھی۔ اس لئے دشمن کے مقابلے میں مسلمانوں کی قدرت و طاقت میں ایک بچے کا اسلام لانا، اور اضافہ کوئی اثر نہ رکھتا تھا۔

اس طرح بعض نے دوسرے بہانے بنا کر اسی عظیم فضیلت سے انکار کیا۔ یہاں پر اختصار کے ساتھ ہم بے بنیاد اور تعصب آمیز باتوں کا جواب دیتے ہیں

"یہ دعویٰ کرنا کہ حضرت علیؑ سے پہلے ابو بکر اسلام لائے۔ شیعہ علماء کے نزدیک بالاتفاق اور سنی علماء کے نزدیک قریب بہ اتفاق غلط ہے۔ وہ نہ صرف یہ کہ حضرت علیؑ سے پہلے اسلام نہیں لائے، بلکہ یہ مردوں میں اسلام لانے والے تیسرے فرد ہیں۔(۲) یا یہ کہ چودھویں مسلمان کے بعد ان کا نمبر آتا ہے۔(۳) حتیٰ یہ کہ طبری کہ جس نے یہ مطلب مردد حالت میں نقل کیا ہے اور صرف نقل قول اور

(۱) امام علیؑ رسالۃ وعدالۃ، ص ۲۵۔ (بہ نقل از "امام علیؑ" رحمانی ص ۲۰۶۔)

(۲) سیرہ ابن ہشام، ج ۱، ص ۲۵۷۔ (۳) مناقب ابن شہر آشوب، ج ۲، ص ۴۔

روایت پر اکتفا کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''محمد بن سعید نے اپنے باپ سے پوچھا: ''کیا ابوبکر سب سے پہلے ایمان لائے؟ اس نے کہا: ''نہیں، ان سے پہلے پچاس سے زیادہ افراد رسول خداؐ پر ایمان لا چکے تھے۔ لیکن ان کا اسلام ہمارے اسلام سے افضل تھا۔ (۱) اس بات کی تائید میں کہ ابوبکر پہلے مسلمان نہ تھے۔ ابن ابی الحدید کا بیان نقل کرتے ہیں:۔

اس نے اپنی کتاب میں پورا ایک باب اسی موضوع سے مخصوص کیا ہے اور حضرت علیؑ کی اسلام میں سبقت کے حوالے سے بہت ساری روایات نقل کی ہیں۔ جو لوگ اسلام ابوبکر کو اسلام علیؑ پر فوقیت دینے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان کے جواب میں لکھتے ہیں: '' تاریخ کے بہت سے محدثین اور محققین نے لکھا ہے کہ: ''علیؑ پہلے شخص ہیں، جنھوں نے اسلام قبول کیا''۔ پھر لکھتے ہیں: ''مورخین اور محدثین نے جس کثرت سے علیؑ کی اسلام میں سبقت کے بارے میں روایات بیان کی ہیں وہ ابوبکر کے بارے میں قابل موازنہ نہیں ہے۔ ان میں سے ایک روایت سلمان فارسی کی ہے جو انھوں نے رسول خداؐ سے نقل کی ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں: ''تم میں جو شخص سب سے پہلے حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات کرے گا وہی ہے جو ایمان واسلام میں سب سے آگے ہے، یعنی علی ابن ابی طالبؑ''۔ پھر کہتے ہیں: ابن عبدالبر کتاب استیعاب میں لکھتا ہے: ''سلمان، ابوذر، مقداد، خباب بن الارت، ابوسعید خدری اور زید بن اسلم سے منقول ہے کہ علیؑ سب سے پہلے اسلام لائے۔ (۲)

اسی طرح ابن ابی الحدید ابوجعفر اسکافی سے نقل کرتے ہیں کہ ''بعض کہتے ہیں کہ ابوبکر پہلے اسلام لائے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ خود حضرت ابوبکر نے کبھی بھی اس فضیلت کی طرف اشارہ نہیں کیا اور ان کے حامی کسی صحابی نے اس طرح کا دعویٰ نہ کیا، حالانکہ حضرت علیؑ نے اکثر مواقع پر اسلام میں اپنی سبقت کو حجت کے طور پر پیش کیا ہے۔ (۳)

---

(۱) تاریخ طبری، ج۲، ص۶۰۔ (۲) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۴، ص۱۱۶۔۱۲۴۔

(۳) شرح نہج البلاغہ، ج۱۳، ص۲۳۹۔

وہ دلیل جو زید بن حارثہ کی اسلام میں سبقت کے لئے پیش کیا جاتی ہے، وہ تو پہلی دلیلوں سے بھی کمزور ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ابن ابی الحدید نے کہا ہے: ''زید کے اسلام میں سبقت کے بارے میں جو ایک روایت موجود ہے وہ زہری سے منقول ہے اور ابن عبد البر نے استیعاب میں اسے قابل قبول قرار نہیں دیا ہے''۔(۱)

[ب]۔اسلام علیؑ کے بارے میں ایک اور اعتراض یہ ہے کہ چونکہ علیؑ، حضور اکرم کی تلقین اور ہدایت پر ایمان لائے اس لئے قابل قبول نہیں ہے۔

اس اعتراض کا جواب بھی واضح ہے۔ابن ابی الحدید اس حقیقت کا دفاع کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''یہ بات درست ہے کہ علیؑ رسول خداؐ کے گھر تھے۔لیکن ان کا رابطہ اپنے خاندان والوں سے بالکل منقطع نہیں ہوا تھا۔آپؑ ایسے ماحول میں زندگی گزار رہے تھے کہ شہر والے اور آپ کا خاندان (سوائے والدین کے) مشرک تھے۔لیکن رسول خداؐ اپنے عقیدہ اور فکر میں تنہا تھے۔اگر صرف تلقین مؤثر تھی تو اصولی طور پر معاشرے کے اکثر افراد کی تلقین کا حضرت علیؑ میں زیادہ اثر ہونا چاہیئے تھا۔ لہٰذا حضرت علیؑ کو بت پرستی کی طرف مائل ہونا چاہیئے تھا نہ کہ عقیدہ توحید کی طرف۔پس معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ اپنے اعتقاد اور فکر کی بنا پر مسلمان ہوئے نہ کہ تلقین کی بنا پر۔

دوسرے یہ کہ حضرت علیؑ کا اسلام لانا تلقین کی وجہ سے تھا نہ کہ عقیدہ کی بنا پر، تو اسلام لانے کی خاطر رسولؐ خدا نے جو ان کی مدح وثنا کی ہے، وہ فضول ہے۔اور آپؐ کبھی بھی اپنی بیٹی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی آپؑ سے شادی نہ کرتے۔اور یہ نہ فرماتے: کہ ''میں نے تیری شادی ایک ایسے انسان سے کی ہے جو اسلام میں سب سے آگے اور پیشقدم ہے۔اگر آپ کا اسلام، اعتقاد اور معرفت کی بنا پر نہیں تھا تو حضور اکرمؐ کبھی بھی ان کے اسلام میں سبقت ہونے کے علم وحلم کے ساتھ متصف نہ فرماتے:

''زَوَّجتُکِ اَقدَمهم سِلما و اکثرهم عِلمًا و اَعظَمَهم حِلمًا''۔

---

(۱) الغدیر، ج ۱۳، ص ۲۴۰۔

تیسرے یہ کہ اگر حضرت علیؑ کا اسلام لانا ظاہری طور پر اور تلقین کی بنا پر تھا نہ کہ اعتقاد و یقین کی بنیاد پر۔ تو حضرت علیؑ کبھی بھی ہزاروں اصحاب اور تابعین کے سامنے اپنے سابق الاسلام ہونے پر فخر نہ کرتے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ تمام اصحاب اور تابعین نے اس افتخار اور امتیاز کو تسلیم کیا ہے اور کسی نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا۔(۱)

[ج]۔ ایک اور بے بنیاد اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ علیؑ چونکہ بچپن میں اسلام لائے، اسی لئے قابل قبول نہیں ہے۔ کیونکہ اسلام قبول ہونے کی ایک شرط بلوغ ہے۔

جواب: اگر چہ بظاہر یہ اعتراض معتبر نظر آتا ہے۔ مگر مامون اور اسحاق بن ابراہیم کے مناظرے میں جو جواب ہم پیش کر چکے ہیں۔ اسے مد نظر رکھتے ہوئے اس اعتراض کا جواب بھی واضح ہے۔ لہٰذا مزید وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ اس موضوع کے بارے مزید اطلاع کے لئے ''الفصول المائہ جلد ا فصل ۶''، میں رجوع فرمائیں۔

---

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۳، ص ۲۳۵۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پہلا نمازی

ابن عباس کہتے ہیں:

علیٌّ ھو اَوّلُ عربیٌّ و اعجمیٌّ صلّی مَعَ رسو لِ اللّٰہ ؛

حضرت علی علیہ السلام عرب وعجم میں پہلے انسان ہیں کہ جنھوں نے رسول خداؐ کے ہمراہ نماز ادا کی۔(۱)

اسلام میں نماز کی اہمیت

اسلام کی آسمانی شریعت میں سب سے پہلی عبادت نماز ہے کہ جسے بجالانے کے لئے اللہ کی طرف سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ملا، اور اس کے بعد دوسرے احکام اسلام بیان ہوئے۔ نماز خدا سے قریب ہونے کا وسیلہ اور بندوں کی ملکوتی پرواز ہے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:" الصّلاۃ قربانُ کلّ تقی" ؛نماز ہر متقی انسان کو نزدیک کرنے والی ہے۔(۲) نماز ایسا مضبوط مورچہ ہے، جو نمازی کو اخلاقی اور اجتماعی کجروی سے دور رکھتا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے:﴿اِنَّ الصَّلاۃَ تَنھیٰ عَنِ الفَحشاءَ والمُنکَر و لَذِکرُ اللّٰہِ اکبر﴾ (۳) نماز انسان کو بے حیائی اور بری باتوں سے

(۱) مستدرک، حاکم نیشاپوری، ج ۳، ص ۱۲۰۔

(۲) کافی، ج ۱، ص ۲۶۵؛ نہج البلاغہ، حکمت ۱۳۶۔ (۳) عنکبوت ۲۹:۴۵۔

روکتی ہے اور ذکر خدا سب سے بالاتر ہے۔

دین اسلام میں جتنی اہمیت نماز کو دی گئی، اتنی کسی اور عبادت کو نہیں دی گئی ہے۔ نماز کو تمام عبادتوں کی کنجی قرار دیا گیا ہے۔ "اِنَّ قُبِلَتْ قُبِلَ مَا سِوَاهَا و ان رُدَّتْ رُدَّ ما سواہ"؛(۱) اگر نماز قبول ہوگئی تو سارے اعمال قبول ہو گئے اور اگر نماز رد کر دی گئی تو کوئی عمل بھی قبول نہ ہوگا۔

امام صادق علیہ السلام نماز و دیگر عبادت پر اہمیت وفضیلت کے بارے میں رسول خداؐ سے حدیث بیان فرماتے ہیں: نماز کی مثال خیمہ کے ستون کے مانند ہے اگر ستون مضبوط ہو تو خیمے کی رسیاں، کیلیں اور پردہ مفید ہوتا ہے۔ لیکن اگر خیمہ کا ستون ٹوٹ کر گر جائے تو پھر رسی کیل اور پردے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا''۔(۲)

معاویہ بن وہب نے امام صادق علیہ السلام سے سوال کیا: کہ وہ کونسا بہترین عمل ہے جو انسان کو خدا کے نزدیک کرتا ہے، اور خدا کے نزدیک وہ عمل تمام اعمال سے زیادہ محبوب ہے۔ امام نے جواب دیا: ''معرفت خدا کے بعد نماز سے بہترین عمل کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ کے صالح بندے عیسیٰؑ بن مریم نے کہا:'' خداوند متعال نے مجھے تادم آخر نماز و زکوۃ کا حکم دیا ہے''۔(۳)

نماز کی اہمیت کے بارے میں رسول خداؐ کا یہ فرمان ہی کافی ہے کہ " **جعلت قرة عيني في الصلاة**''؛ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔(۴)

نماز کی اہمیت وفضیلت کے بارے میں روایات واحادیث واقوال بے انتہا ہیں۔ مزید آگاہی کے لئے مولف کتاب ہذا کی دوسری تالیف ''علیؑ آئینہ عرفان'' میں رجوع کریں۔

---

(۱) کافی، ج۳، ص۲۶۸۔

(۲) کافی، ج۳، ص۲۶۶۔

(۳) کافی ج۳، ص۲۶۴؛ وسائل شیعہ، ج۳، ص۲۵۔

(۴) زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، ج۱، باب الصلاۃ۔

نماز میں حضرت علی علیہ السلام کی سبقت

ایک اور بڑی فضیلت جو صرف حضرت علی علیہ السلام سے مخصوص ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت مردوں میں پہلے شخص ہیں کہ جنھوں نے رسول خداؐ کی اقتدا میں نماز پڑھی ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ نماز پہلی عبادت ہے کہ جس کے وجوب کا حکم آغاز بعثت ہی میں منبع وحی سے نازل ہوا۔ اس بنا پر علیؑ جس زمانے میں آغاز بعثت میں حضورؐ پر ایمان لائے، اسی زمانے میں آپ نے حضورؐ کی اقتدا میں نماز بھی ادا کی۔ شیعہ اور اکثر سنی علماء کا اس بات پر اتفاق ہے۔ اس بارے میں چند روایات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

۱۔ ابن مغازلی شافعی اپنی سند میں ابوایوب انصاری سے منقول، حضور اکرمؐ کی یہ حدیث بیان کرتے ہیں: ''نبی اکرمؐ فرماتے ہیں: ''سات سال فرشتوں نے میرے اور علیؑ کے ساتھ نماز ادا کی۔ اس وقت سوائے علیؑ کے کوئی دوسرا شخص نماز میں میرے ہمراہ نہیں تھا''۔ (۱) پیغمبرؐ کی مراد ہے، مردوں میں سے کوئی نہ تھا وگرنہ حضرت خدیجہؑ تو حضورؐ کے ہمراہ نماز پڑھتی تھیں (اس کا ذکر انشاء اللہ بعد میں ملاحظہ فرمائیں گے)۔

۲۔ اسی کتاب میں عباد بن عبد الصمد سے نقل کرتے ہیں کہ انس بن مالک سے میں نے سنا وہ کہتے ہیں: کہ رسول خداؐ نے فرمایا: ''سات سال، میں اور علیؑ نماز پڑھتے رہے اور ملائکہ بھی ہمارے ساتھ تھے۔ اس وقت میرے اور علیؑ کے علاوہ کسی اور کی شہادت آسمان پر نہ جاتی تھی''۔ (۲)

شیخ مفید نے بھی اس سے مشابہ حدیث بیان کی ہے۔ (۳)

---

(۱) مناقب ابن مغازلی شافعی، ص ۱۴، ح ۱۷۔

(۲) مناقب، ص ۱۴، ح ۱۹۔

(۳) ارشاد مفید، ج ۱، ص ۳۰۔

۳۔ حضرت علیؑ نہج البلاغہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

''خدایا میں پہلا شخص ہوں جو تیری طرف متوجہ ہوا، تیرا پیغام سنا اور تیرے رسولؐ کی دعوت پر لبیک کہی اور تیرے رسولؐ کے علاوہ مجھ سے پہلے کسی نے نماز نہ پڑھی''۔(۱)

۴۔ شواہد التنزیل میں ابن عباس سے منقول ہے کہ آیہ: ﴿واركعوا مع الراكعين﴾ (۲) رسول خداؐ اور علیؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ یہ دونوں ہستیاں ہی تھیں جنھوں نے نماز ادا کی اور رکوع بجالائے۔(۳)

۵۔ استیعاب میں حضرت علیؑ سے روایت کی گئی ہے: کہ آپ نے فرمایا: ''میں نے رسول خداؐ کے ہمراہ نماز پڑھی، اور ہمارے و خدیجہؑ کے علاوہ کسی دوسرے نے نماز نہ پڑھی۔(۴)

۶۔ طبری ابن عباس سے روایت کرتے ہیں: کہ ''جس نے سب سے پہلے نماز پڑھی وہ علیؑ ہیں''۔(۵)

۷۔ ابن عساکر شافعی تاریخ دمشق میں لکھتے ہیں: ''ابی حمزہ، زید بن ارقم سے اس طرح روایت بیان کرتے ہیں: کہ جس نے سب سے پہلے رسول خداؐ کی اقتدا میں نماز ادا کی، وہ علیؑ تھے''۔(۶)

۸۔ بلاذری اور طبری نے مذکور بالا روایت کو زید بن ارقم سے اس طرح نقل کیا ہے: کہ ''پہلا شخص، جس نے رسول خداؐ کے ساتھ نماز پڑھی وہ علیؑ تھے''۔(۷)

۹۔ اہل سنت کی بعض کتب میں ابی رافع سے منقول ہے، وہ کہتے ہیں: ''پیغمبر خداؐ نے سب سے پہلے پیر کے دن نماز پڑھی، اور خدیجہ نے پیر کے دن کے آخر میں اور حضرت علیؑ نے منگل کے دن نماز ادا کی۔ علی کا یہ نماز پڑھنا سات سال اور کچھ ماہ تک مخفی طور پر تھا۔ اس دوران سوائے آپ

(۱) نہج البلاغہ، خطبہ ۱۳۱۔
(۲) بقرہ ۲: ۴۳۔
(۳) شواہد التنزیل، ج ۱، ص ۸۵۔
(۴) استیعاب در حاشیہ اصابہ، ج ۳، ص ۳۳۔
(۵) تاریخ طبری، ج ۲، ص ۵۵۔
(۶) تاریخ دمشق، ج ۱، ص ۲۶، ح ۱۰۶۔
(۷) الانساب والاشراف، ترجمہ امیر المومنین ص ۸؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۵۶۔

کے کسی نے رسول خداؐ کے ساتھ نماز نہ پڑھی''۔(۱)

۱۰۔ تاریخ طبری اور دیگر کتب میں درج ہے، کہ جابر نے کہا: ''رسول خداؐ پیر کے دن مبعوث بہ رسالت ہوئے اور علیؑ نے منگل کے دن نماز پڑھی''۔(۲)

۱۱۔ مستدرک حاکم میں ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت علیؑ کی چار فضیلتیں ایسی ہیں جو کسی دوسرے میں موجود نہ تھیں: ....۱۔ عرب وعجم میں آپ پہلے شخص ہیں جنھوں نے رسول خداؐ کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ ....۲۔ آپ ہی ہیں کہ جنھوں نے تمام جنگوں میں پرچم اسلام کو اپنے ہاتھوں میں بلند کیا۔ ....۳۔ آپ ہی ہیں کہ جنھوں نے روز مہراس (جنگ احد) سے سب کے فرار ہو جانے کے باوجود، صبر واستقامت دکھائی اور رسول خداؐ کے ہمراہ رہے۔ ....۴۔ آپ ہی وہ شخص ہیں کہ جنھوں نے پیغمبرؐ خدا کو غسل وکفن دیا اور دفن کیا''۔(۳)

ابی معیط، کے حسب ذیل اشعار میں اسی موضوع کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

وان ولی الامر بعد محمدعلی　　　وفی کل المواطی صاحبه

وصی رسول الله حقا وصنوه　　　واول من صلی ومن الان جانبه

بلاشک محمدؐ کے بعد صاحب امر علیؑ ہیں، وہ ہر جگہ پیغمبرؐ کے ہمراہ تھے۔ بے شک علیؑ رسول خداؐ کے وصی ہیں، اور آپ پہلے شخص ہیں، جنھوں نے نبیؐ کے ساتھ نماز ادا کی، اور ہمیشہ حضورؐ کے ہمراہ رہے۔(۴)

حضرت علیؑ نہ صرف یہ کہ اس امت میں پہلے نمازی ہیں۔ بلکہ رسول خداؐ کی اقتدا میں نماز

---

(۱) تاریخ دمشق، ج۱، ص۳۹، ح۷۲؛ فرائد السمطین، ج۱، ص۲۴۶۔

(۲) تاریخ طبری، ج۲، ص۵۵؛ کامل ابن اثیر، ج۱، ص۴۸۴۔

(۳) مستدرک حاکم، ج۳، ص۱۲۰؛ استیعاب، ج۳، ص۳۲؛ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۴، ص۱۱۶؛ خصال صدوق، ج۱، ص۲۰۱، ح۳۳۔

(۴) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱۳، ص۲۳۱۔

باجماعت ادا کرنے میں بھی سبقت کی۔ رسالت پر مبعوث ہوتے ہی نماز جیسا فریضہ الٰہی حضور اکرمؐ، علیؑ اور خدیجہؑ کے ہمراہ باجماعت بجالاتے تھے۔

دعوت ذوالعشیرہ (یوم الانذار)

قال امام علی علیه السلام :

ولما نزلت :﴿وانذر عشیرتک الاقربین﴾ فدعاهم الی دار عمه...... فقال : "فایکم یوازرنی علی هذاالامر علی ان یکون اخی و وصیی و خلیفتی فیکم ؟" فقلت: انا یا نبی الله اکون وزرک علیه ؛

جب آیہ "انذار" نازل ہوئی، تو رسول خداؐ نے اپنے رشتہ داروں کو دعوت دی ......اور آخر میں فرمایا: "تم میں سے کون ہے جو امر الٰہی (دین اسلام) میں میری مدد کرے گا؟" تا کہ وہ میرا بھائی وصی اور جانشین قرار پائے۔" صرف میں نے جواب دیا۔ اے رسول خداؐ! میں اس کار رسالت میں آپ کی مدد کروں گا۔(۱)

پیغمبر اسلام ﷺ، اللہ کی طرف سے اس بات پر مامور تھے کہ آغاز بعثت سے تین سال تک مخفی طور پر لوگوں کو دین اسلام کی دعوت دیں۔ اس وقت حالات کا تقاضا تھا کہ پیغمبر مخصوص ملاقاتوں کے ذریعے لائق و شائستہ افراد کو توحید کی دعوت دیتے۔ تا کہ بت پرست اور مشرکین مکہ بالکل متوجہ نہ

---

(۱) کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۴۸۸۔

ہوں اور لوگ اسلام قبول کرتے جائیں۔ اس مدت میں چالیس افراد مسلمان ہو چکے تھے۔ بعض کے نام درج ذیل ہیں۔

حضرت خدیجہؑ، حضرت علی بن ابی طالبؑ، ان کے بعد جو ایمان لائے وہ ہیں زید بن حارثہ، ابوبکر بن قحافہ، ابوذر غفاری، عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن وقاص، طلحہ بن عبید اللہ، ابوعبیدہ بن جراح، ارقم بن ابی الارقم، عثمان بن مظعون، اور اس کے دو بھائی قدامہ اور عبداللہ، سعید بن زید اور اس کی زوجہ فاطمہ (حضرت عمر بن خطاب کی بیٹی) خباب بن ارت، عمار یاسر، جعفر بن ابی طالب، اور ان کی زوجہ اسماء بنت عمیس، ابوخذیفہ وغیرہ۔ (۱)

تین سال کی خفیہ عبادت

جن تین سالوں میں اسلام کی دعوت خفیہ طریقے سے انجام پا رہی تھی، پیغمبر خداؐ اور آپ کے اصحاب اپنی نمازیں اور عبادتیں خفیہ طریقے سے، اور مشرکین مکہ کی دسترس سے دور جا کر بجالا رہے تھے تاکہ دشمنان اسلام کی اذیت و آزار سے محفوظ رہیں۔ رسول خداؐ علی مرتضیٰؑ اور دیگر اصحاب کے ہمراہ مکہ سے باہر چلے جاتے اور مکہ کے اطراف میں واقع گھاٹیوں اور وادیوں میں نماز و عبادت بجالاتے۔

ایک دن عمار یاسر، ابن مسعود، خباب بن ارت، سعید بن زید اور سعد بن وقاص مکہ سے باہر گھاٹیوں میں مشغول نماز تھے کہ بعض مشرکوں نے دیکھ لیا اور سخت اعتراض کیا، انھوں نے ان کی عبادت و نماز کی توہین کی اور مذاق اڑایا۔ بنابریں دونوں گروہوں میں سخت جھڑپ ہوئی، جس کے نتیجے میں سعد بن وقاص کے ہاتھوں ایک مشرک شدید زخمی ہو گیا۔ (۲)

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج ۱، ص ۲۸۰؛ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۴۸۵؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۶۰۔ (۲) سیرہ ابن ہشام، ج ۱، ص ۲۸۱؛ سیرہ حلبی، ج ۱، ص ۴۵۶؛ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۴۸۶؛ تاریخ طبری، ج ۱، ص ۶۱۔

اس جھڑپ کے بعد ضروری ہوگیا کہ رسول خداؐ مسلمانوں کی عبادت کے لئے ایک پرامن جگہ کا انتخاب کریں۔تاکہ مشرکوں کے ہر طرح کے ردعمل کو روکا جاسکے،اس لئے ارقم بن ابی الارقم کے گھر کو ،جو کوہ صفا(۱) کی بلندی پر تھا عبادت گاہ قرار دیا گیا۔اصحاب رسولؐ وہاں جمع ہوکر عبادت خدا بجالاتے یہ عمل بعثت کے چوتھے سال کی ابتدا تک جاری رہا۔یہاں تک کہ آیہ انذار(۲) نازل ہوئی اور دعوت پیغمبر خداؐ آشکار ہوگئی۔

دعوت اسلام کا عام ہونا

بعثت کے آغاز میں رسول خداؐ خفیہ انداز میں اور خاص خاص افراد کو دین کی تبلیغ کررہے تھے۔آپؐ اس دوران مشرکوں کے بتوں اور خداؤں کو سرعام تنقید کا نشانہ نہیں بناتے تھے،قریش کے سردار بھی آنخضرت ﷺ کی بے احترامی نہیں کرتے تھے۔وہ خیال کررہے تھے کہ آپ جلد ہی اپنی تبلیغ سے باز آجائیں گے۔اس طرح لوگ بھی آپ کے پیغام کو بھول جائیں گے،اور آپ کے گنے چنے پیروکار بھی تتر بتر ہوجائیں گے۔تین سال کی خفیہ دعوت کے بعد حضور اکرمؐ پر یہ آیت انذار نازل ہوئی اور اللہ کی طرف سے حکم ملا کہ اپنی دعوت کو عام کریں اور سب سے پہلے اپنے عزیز واقارب،اور رشتہ داروں کو دعوت اسلام دیں۔یہیں سے کفروشرک کے سرغنوں کی مخالفتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا ،اور وہ حضور اکرمؐ اور آپ کے اصحاب وانصار کو اذیت وآزار دینے پر کمربستہ ہوگئے۔

یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ حضور اکرمؐ نے اپنی دعوت کا آغاز رشتہ داروں سے کیوں کیا؟اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایک الٰہی رہبر یا اجتماعی راہنما پر اس کے قریبی رشتہ دار ایمان نہ لائیں اور اس کی فکر وروش کی حمایت وتائید نہ کریں،تو دوسروں کو دعوت دینا زیادہ مفید واقع نہیں ہوتا۔اس کے

---

(۱) سیرہ حلبی،ج۱،ص۴۵۶۔

(۲) ﴿وانذر عشیرتک الاقربین﴾ شعراء۲۶:۲۱۴۔

علاوہ رشتہ داری اس بات کا سبب ہوتی ہے کہ دوسروں کی نسبت وہ بات کو زیادہ غور و توجہ سے سنیں اور بغض و حسد اور قبائلی رنجشیں درمیان میں حائل نہ ہوں۔

اس کے علاوہ یہ عمل اس بات کا ثبوت ہے کہ رسول خداؐ امر الٰہی میں کسی سے کوئی ساز باز اور رو رعایت نہیں رکھتے اور رشتہ داری کی بنا پر کوئی لچک نہیں دکھاتے، حتیٰ کہ اپنے مشرک رشتہ داروں کو بھی دعوت حق و اسلام سے مستثنیٰ قرار نہیں دیتے۔ یہی وجہ تھی کہ آیت انذار کے نزول کے فوراً بعد حضور اکرمؐ نے حکم خداوندی کی بجا آوری کے لئے دعوت ذوالعشیرہ کا اہتمام کیا۔

ذوالعشیرہ میں حضرت علی علیہ السلام کا کردار

مفسرین اور اکثر تاریخ نگاروں نے آیہ انذار کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ رشتہ داروں کو دعوت اسلام دیں تو آنحضرتؐ نے تمام حالات و شرائط کا جائزہ لینے کے بعد ۱۳ر یا ۱۵ر سالہ حضرت علی کو، حکم دیا کہ کھانا تیار کریں اور کچھ دودھ بھی فراہم کریں۔ آپ نے بنی ہاشم کے سرداروں اور بزرگوں میں سے چالیس (۱) افراد کو حضرت ابو طالبؑ کے گھر دعوت دی۔ آپ نے مصمم ارادہ کیا کہ دعوت طعام کے ساتھ دعوت اسلام بھی آشکار کی جائے۔

مقررہ دن مہمان کہ جن میں حضورؐ کے چچا حضرات بھی شامل تھے، حضرت ابو طالبؑ کے گھر پہنچ گئے۔ کھانا تناول کرنے سے پہلے حضور اکرمؐ نے گوشت کے ایک ٹکڑے کے دو حصے کئے اور کھانے کے برتن میں رکھ دیئے۔ پھر ان سے کہا: ”خذوا بسم اللہ“ اللہ کے نام سے کھاؤ!۔ اللہ کے نام کی وجہ سے کھانے میں ایسی برکت ہوئی کہ سب نے وہ کھانا کھایا اور سیر ہو گئے۔ اس طرح اللہ کے نام کی برکت سے دودھ بھی بابرکت ہو گیا۔ تمام حاضرین اس بات پر بہت حیران تھے۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جب حضور اکرمؐ نے پیغام الٰہی پہنچانے کا ارادہ کیا تو ابولہب

(۱) بعض روایات میں ۴۵ر افراد کی تعداد بیان کی گئی ہے۔

اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے اپنی بیہودہ باتوں سے ماحول پراکندہ کر دیا۔ اس نے کہا محمدؐ نے تم پر جادو کر دیا ہے۔ اس طرح یہ محفل بغیر کسی دعوت و پیغام کے ختم ہوگئی سب لوگ اٹھ کر چلے گئے۔

رسول خداؐ نے اگلے دن پھر دعوت پر بلانے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے دوبارہ حضورؐ کے حکم پر کچھ غذا اور دودھ فراہم کیا۔ اور بنی ہاشم کی اہم شخصیات کو کھانے، اور رسول خداؐ کا پیغام سننے کے لئے بلایا۔ اس جلسے میں جب سب لوگ کھانا کھا چکے، تو آنحضرتؐ نے اللہ کی حمد و ثنا اور توحید کے اقرار کے بعد اپنی تقریر کا اس طرح آغاز کیا:۔

''بے شک ایک جماعت و اجتماع کا رہبر اور رہنما اپنے افراد سے کبھی بھی جھوٹ نہیں بولتا۔ اس خدا کی قسم کہ جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ میں تمہارے لئے بطور خاص اور تمام انسانوں کے لئے عام طور پر اللہ کی طرف سے رسولؐ بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ خدا کی قسم تم بالکل ویسے ہی جیسے کہ لوگ سوتے ہیں مر جاؤ گے اور جس طرح لوگ بیدار ہوتے ہیں قیامت میں اسی طرح دوبارہ اٹھائے جاؤ گے۔ اور جو کچھ تم اعمال بجالاتے ہو اس کا تم سے حساب و کتاب لیا جائے گا۔ اور پھر ہمیشہ ہمیشہ جنت (نیک لوگوں کا) اور جہنم (برے لوگوں کا) ٹھکانا ہوگا''۔(۱) اس کے بعد پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: ''اے اولادِ عبدالمطلب! پورے عرب میں کوئی ایسا جوان نہیں جو اپنی قوم کے لئے مجھ سے بہتر کوئی چیز لے کر آیا ہو۔ میں دنیا و آخرت کی بھلائی کا پیغام تمہارے لئے لیکر آیا ہوں۔ خداوند متعال نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں اس دین و آئین کی طرف دعوت دوں۔ تم میں کون اس کام میں میری مدد کرے گا تاکہ وہ میرا بھائی، وصی اور جانشین قرار پائے؟''۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھوڑی دیر کے لئے اسی لئے خاموش ہو گئے کہ دیکھیں کون ان کی آواز پر لبیک کہتا ہے۔ تمام لوگوں پر سکوت اور ایک حیرت طاری تھی لوگ سروں کو جھکائے ہوئے خاموش بیٹھے تھے۔ اس دوران حضرت علیؑ جو ابھی پندرہ سال کے بھی نہ ہونے پائے تھے اور حاضرین

---

(۱) کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۴۸۷؛ سیرہ حلبی، ج ۱، ص ۴۵۹۔

میں سب سے چھوٹے تھے، اٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے اپنی دلنشین اور آرام بخش تقریر سے محفل کے سکوت وحیرت کو توڑ دیا۔ آپؑ نے رسول خداؐ کو مخاطب کر کے عرض کیا: "انا یا نبی اللّٰہ اکون وزیرک علیہ"؛ اے پیغمبر خداؐ اس کام میں میں آپ کی مدد کروں گا۔

اس کے بعد آپؑ نے اپنا ہاتھ حضورؐ کی طرف بڑھایا تا کہ بعنوان عہد و وفاداری اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیں۔ رسول خداؐ نے حکم دیا کہ علیؑ بیٹھ جاؤ!۔ اور پھر دوبارہ اپنا سوال دھرایا۔ اس مرتبہ بھی علیؑ اٹھے اور اپنی آمادگی کا اعلان کیا۔ اس بار نبی اکرمؐ نے پھر انھیں بیٹھنے کے لئے کہا۔ تیسری مرتبہ بھی سوائے علیؑ کے کوئی نہ اٹھا۔ اور صرف آپؑ نے ہی حضور اکرمؐ کے مقدس ہدف کی مدد کرنے کا اعلان کیا رسول خداؐ نے علیؑ کے جواب میں اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھا، اور بزرگان وسرداران بنی ہاشم کی مجلس میں اس امام برحق کے بارے میں یہ تاریخی کلمات جاری کئے:

"اِنَّ ھذا اَخِی و وصیّی و خلیفتی فیکم ، فاسمعوا لہ و اطیعوا"

اے میرے رشتہ دارو! بے شک یہ علیؑ میرا بھائی وصی اور تمہارے درمیان میرا جانشین ہے۔ اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو!۔

حاضرین اٹھ کھڑے ہوئے اور ان میں سے بعض لوگ تمسخر آمیز انداز میں مسکراتے ہوئے حضرت ابوطالبؑ سے کہنے لگے: "تمہیں حکم دے رہا ہے کہ اپنے بیٹے کی بات پر کان دھرو اور اس کی اطاعت کرو۔(۱)

نبوت وامامت ایک ساتھ

اس حدیث سے (کہ جس کے بارے میں کسی نے شک وتردید نہیں کی) بخوبی واضح ہو جاتا

(۱) کامل ابن اثیر، ج۱، ص۴۸۷؛ تاریخ طبری، ج۲، ص۶۳؛ تفسیر الکاشف، ج۵، ص۵۲۲؛ (کچھ فرق کے ساتھ) تفسیر مجمع البیان، ج۷، ص۲۰۶؛ سیرہ حلبی، ج۱، ص۴۶۰۔

ہے کہ رسول خداؐ نے ایک ہی دن اپنی رسالت اور علیؑ کی امامت اعلان کیا۔ حضرت علیؑ کے امام اور مقام ومنزلت پر یہ خود ایک واضح دلیل ہے۔ کلام رسول خداؐ سے ثابت ہوتی ہے کہ یہ دونوں منصب ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں۔ اور ﴿ الیوم اکلت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا ﴾(۱) کے تحت امامت ہمیشہ مکمل و متمم رسالت ہے۔

شیعہ وسنی مؤرخین اور علماء نے اتفاق آراء سے اس تاریخی سند کو نقل کرتے ہوئے۔ اسے حضرت علیؑ کے فضائل ومناقب میں شمار کیا ہے، اور اعتراف کیا ہے کہ علیؑ وہ تنہا فرد ہے جنھوں نے یوم انذار رسول خداؐ کے ساتھ عہد و پیمان وفاداری کیا۔ اور رسول خداؐ نے بھی انھیں اپنا بھائی وصی اور جانشین قرار دیا۔ (۲)

یوم الانذار کے بارے میں چند روایات

مجمع البیان میں ہے کہ تفسیر ثعلبی نے اپنی سند سے براء بن عازب سے یوں نقل کیا ہے: ”جب

(۱) مائدہ ۵:۳۔

(۲) یہاں پر چند ایسے اہل سنت بزرگ علماء کے نام درج کرتے ہیں جنھوں نے یہ اہم واقعہ درج کیا ہے۔......
احمد بن حنبل اپنی مسند میں، ج ۱، ص ۱۵۹؛ علامہ طبری تفسیر طبری، ج ۱۹، ص ۶۸؛ تاریخ امم وملوک، ج ۲، ص ۱۵۹؛ حافظ ابو سعید الخرکوشی، شرف النبی مطابق نقل کاشی (خطی نسخہ) ص ۷۰؛ علامہ ثعلبی تفسیر ثعلبی، ص ۷۵؛ علامہ محمد بن احمد حنفی موصلی، بحر المناقب (خطی نسخہ) ص ۳۹؛ علامہ سبط احمد جوزی تذکرۃ الخواص، ص ۴۴؛ علامہ محب الدین طبری، ریاض النضرۃ، ص ۶۸؛ علامہ حموینی در فرائد السمطین، ج ۱؛ علامہ محمد بن یوسف زرندی حنفی نظم درر السمطین، ص ۸۶؛ مورخ ابوفدا دمشقی تفسیر حاشیہ فتح البیان، ج ۷، ص ۱۹۳؛ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر، مجمع الزوائد، ج ۸، ص ۳۰۲؛ علامہ ہندی، منتخب کنز العمال، حاشیہ مسند، ج ۵، ص ۴۱؛ علامہ حلبی شافعی، انسان العیون، ج ۱، ص ۲۸۶؛ علامہ سیوطی، تفسیر الدر المنثور، ج ۵، ص ۹۷؛ ۸؛ علامہ طنطاوی، تفسیر طنطاوی، ج ۳، ص ۱۱۱؛ علامہ قندوزی حنفی، ینابیع المودۃ، ص ۱۰۵؛ حافظ بن عساکر شافعی، تاریخ دمشق، ج ۱، ص ۱۸۸؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۶۳۔ ان کے علاوہ علماء شیعہ ودانشمند وتمام محدثین، مفسیرین، مؤرخین کا اتفاق ہے کہ اس دعوت میں حضرت رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کو اپنا وصی وزیر، بھائی خلیفہ، جانشین مقرر کیا ہے۔

یہ آیت نازل ہوئی، تو رسول خداؐ نے عبدالمطلب کے بیٹوں کو، جو ان دنوں ۴۰/افراد تھے، دعوت دی ان ۴۰/افراد میں ایسے بھی تھے جو اکیلے ہی کھانے سے بھرے ہوئے بڑے بڑے برتن کھا جاتے تھے اور دودھ و شربت کی بڑی بڑی صراحیاں پی جاتے تھے۔ رسول خداؐ نے علیؑ سے کہہ رکھا تھا کہ بکری کی ران کا شوربہ آمادہ کریں۔ مہمانوں کے آنے کے بعد حضور اکرمؐ نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا: ''نزدیک ہو جائیں اور اللہ کا نام لے کر کھائیں''۔ حاضرین دس دس کر کے دستر خوان کے گرد بیٹھے اور سب نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔ پھر آنحضرتؐ کے حکم پر دودھ کا برتن لایا گیا۔ پہلے خود آپؐ نے اس میں سے ایک گھونٹ پیا، پھر حاضرین سے کہا: ''خدا کا نام لے کر پیو''! سب نے سیر ہو کر پیا۔ ابولہب نے یہ سارا منظر دیکھ کر بغیر کسی تمہید کے حاضرین سے کہا: ''جو تم نے دیکھا یہ اس شخص (حضرت محمدؐ) کا سحر و جادو تھا''۔ حضور اکرمؐ نے اس دن کچھ نہ کہا اور سب لوگ چلے گئے۔

اگلے دن پھر اسی طرح دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ آپؐ نے بعد از طعام فرمایا: ''اے اولاد عبد المطلبؑ! میں خداوند متعال کی طرف سے نذیر تمہاری بود،، بنا کر طرف بھیجا گیا ہوں، اسلام لے آؤ اور میری اطاعت کرو تا کہ ہدایت پا جاؤ''۔ پھر فرمایا: ''جو میرے ساتھ اخوت کرے اور میری مدد کرے گا۔ وہ میرا ولی وصی اور میرے خاندان میں میرا جانشین قرار پائے گا۔''

سارے مجمع پر سکوت طاری تھا آنحضرتؐ نے تین بار اپنی بات دھرائی اور تینوں بار سوائے علیؑ کے کسی نے لبیک نہ کہی۔ حضرت علیؑ ہر بار اٹھے اور دعوت پر لبیک کہی۔ رسول خداؐ نے تیسری مرتبہ کے بعد علیؑ سے فرمایا ''تم میرے وصی اور جانشین ہو۔ پھر حاضرین اٹھ کر چلے گئے۔ بعض لوگ جاتے ہوئے ابوطالبؑ سے کہہ رہے تھے: آج کے بعد تم اپنے بیٹے کی اطاعت کرنا۔ چونکہ محمدؐ نے تمہارے بیٹے کو تمہارا امیر قرار دیا ہے''۔ (۱)

(۱) مجمع البیان، ج ۱، ص ۲۰۶

۲۔علامہ طبرسی کہتے ہیں: ''یہ واقعہ ابی رافع سے بھی اسی طرح نقل ہوا ہے؛ ''پیغمبرؐ نے فرزندان عبدالمطلبؑ کو شعب میں جمع کیا اوران کے لئے بکری کی ران پکائی، سب نے سیر ہوکر کھایا اور پانی کی ایک صراحی سے سب نے پانی پیا۔ پھر فرمایا: ''خدا نے مجھے رشتہ داروں کو ڈرانے (انذار) کا حکم دیا ہے۔ خدا نے کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا، مگر یہ کہ اس کے اہل میں سے ایک بھائی وزیر، خلیفہ اور وصی قرار دیا۔ اب تم میں سے کون ہے جو اٹھ کر میری بیعت کرے گا تاکہ وہ میرا بھائی وصی اور جانشین قراد پائے؟ اور میرے لئے ویسا ہی قرار پائے جیسے ہارون موسیٰ کے لئے تھے۔ حضرت علیؑ اٹھے اور کہا: ''یارسول اللہؐ میں حاضر ہوں''۔(۱)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے علیؑ میرے قریب آؤ! حضرت علی علیہ السلام آئے ان کا منھ کھولا اپنا لعاب دہن ان کے منھ میں ڈالا اور دونوں بازوؤں اور سینے کے درمیانی حصے کو لعاب سے تر کیا، ابو لہب نے یہ منظر دیکھنے بعد کہا: تم نے اپنے چچازاد بھائی کو تمہاری دعوت قبول کرنے پر کتنے برے تحفے سے نوازا ہے۔ حضرتؐ نے اس کے جواب میں فرمایا: کہ میں نے اس کو علم وحکمت سے مالا کردیا ہے۔

۳۔علامہ سیوطی الدرالمنثور میں آیہ ﴿انذر عشیرتک الاقربین﴾ کے ذیل میں ابن اسحاق ابن جریر، ابن ابی خاتم، ابن مردویہ اور ابن نعیم سے اور بیہقی کتاب دلائل میں اپنی سند سے حضرت علیؑ سے، پہلے اور دوسرے دن کی سرداران بنی ہاشم کے چالیس افراد کی دعوت کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پیغمبرؐ نے فرمایا: اے اولاد عبدالمطلب! خدا کی قسم عربوں میں میری نظر میں کوئی ایسا نہیں جو اپنی قوم کے لئے مجھ سے بہتر کوئی چیز لایا ہو۔ کیونکہ میں تمہارے لئے دنیا وآخرت کی بھلائی اور نیکی لے کر آیا ہوں۔ خدا نے مجھے حکم دیا کہ تمہیں اس کی طرف بلاؤں۔ اس امر میں کون میری مدد کرے

(۱) مجمع البیان، ج۱ص۲۰۶۔

گا؟ میں، جو انمیں سب سے چھوٹا تھا، کہا: ''میں حاضر ہوں'' حاضرین اٹھے اور مذاق کرتے ہوئے چلے گئے۔(۱)

۴۔ شیخ صدوق علل الشرائع میں عبداللہ بن حارث بن نوفل اور وہ حضرت علیؑ سے روایت کرتے ہیں: ''جب آیہ ﴿انذر عشیرتک الاقربین﴾ نازل ہوئی، تو رسول خداؐ نے عبدالمطلب کے بیٹوں کو، جن کی تعداد اس وقت چالیس تھی، دعوت دی اور فرمایا: ''تم میں سے کون میرا بھائی، وصی، وزیر اور لوگوں میں میرے بعد میرا خلیفہ بننا چاہتا ہے؟ آپؐ نے یہ بات ہر ایک سے کہی۔ سب نے آپ کی رائے کو رد کر دیا۔ یہاں تک کہ نبی اکرمؐ نے میری طرف رخ کیا، میں نے اپنی آمادگی ظاہر کی اور کہا: ''یا رسول اللہؐ میں حاضر ہوں''۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے عبد المطلب کے خاندان کی طرف رخ کر کے فرمایا: ''اے عبدالمطلب کے بیٹوں علیؑ میرا وارث، وزیر اور میرے بعد تمہارے درمیان میرا جانشین ہے۔'' حاضرین مجلس برہم ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور جاتے ہوئے حضرت ابوطالبؑ سے کہنے لگے، ''تمہیں حکم دیا جا رہا ہے کہ اس بچے کی اطاعت کرو''۔(۲)

۵۔ شیخ مفید نے کتاب ارشاد میں لکھا ہے: ''جب نبی اکرمؐ نے دعوت دین کا آغاز کیا، تو اپنے اعزا و اقارب کو اکٹھا کیا اور انھیں توحید پرستی اور ایمان کی دعوت دی اور ان سے کہا اگر تم میری بات مان لو تو میں تمہاری مدد کروں گا۔ اور تمہیں تمہارے دشمنوں اور کافروں پر فتح دلاؤں گا۔ دنیا و آخرت کی شرافت اور بہشت کی نعمت جاوید کی بھی ضمانت دیتا ہوں۔ حضرت علیؑ کے علاوہ کسی نے بھی حضرت کی دعوت قبول نہ کی۔ اس لئے رسول خداؐ نے انھیں اپنا بھائی، وزیر جانشین اور خلیفہ قرار دیا، اور جنت ان کے لئے واجب کر دی۔

(۱) تفسیر الدر المنثور، ج ۵، ص ۹۷۔

(۲) علل الشرائع، ج ۱، ص ۱۷۰۔

یہ واقعہ 'حدیث الدار' کے ذیل میں ہے کہ جس کی درستگی اور صحت پر تمام راویوں کا اتفاق نظر ہے۔ اس طرح بیان ہوا ہے: کہ "پیغمبرؐ نے عبد المطلب کی اولاد کو جو تقریباً چالیس افراد تھے، ابوطالبؑ کے گھر اکٹھا کیا، اور ان کے لئے کھانا تیار کروایا کہ جس میں بکری کی ایک ران، ایک پیانہ گندم اور چار پیمانے دودھ شامل تھا۔ حالانکہ ان میں ایسے افراد بھی شامل تھے جو ایک وقت میں پورا بکرا کھا جاتے تھے اور ۱۹/ جام شربت پی جاتے تھے۔ حضرت نبی اکرمؐ کا اس عمل سے مقصد معجزہ دکھانا تھا تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ آپؐ اتنی مختصر غذا کے باوجود، جو کہ صرف ایک آدمی کی خوراک تھی، ان تمام کو سیر کر دیں۔ رسول خداؐ نے حکم دیا اور مہمانوں کی اس مختصر غذا سے پذیرائی کی گئی۔ سب نے وہ کھانا سیر ہو کر کھایا اور کھانا جوں کا توں باقی رہا۔ وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے اور انھوں نے آپ کی قدرت اعجاز کا مشاہدہ کر لیا اور آپ کی صداقت وحقانیت ان پر عیاں ہو گئی۔

جب مہمان کھانے سے فارغ ہو گئے، تو حضرتؐ نے فرمایا: "اے عبد المطلب کے فرزندو! خدا نے مجھے تمہاری ہدایت کے لئے رسولؐ بنا کر بھیجا ہے۔

اب میں تمہیں دو کلمے کہنے کی دعوت دیتا ہوں، جو زبان پر جاری کرنا آسان ہے۔ اس کے وسیلے سے تم تازی و پارسی پر غلبہ حاصل کر لو گے۔ جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور عذاب خدا سے نجات حاصل کر لو گے۔ وہ دو کلمے وحدانیت خدا اور میری رسالت کی گواہی ہے۔ جو میری دعوت پر لبیک کہے اور دین خدا کو قبول کر لے وہ میرا بھائی، وصی، جانشین اور وزیر ہو گا"۔

حضرت رسول خداؐ اپنا پیغام پہنچا کر جواب کے منتظر رہے۔ مگر کسی نے ان کی آواز پر لبیک نہ کہی علیؑ فرماتے ہیں: اس دن میں جوان سب سے چھوٹا اور دبلا پتلا تھا۔ اپنی جگہ سے اٹھا اور عرض کیا اس راستے میں میں آپ کے ہمراہ ہوں"۔ رسول خداؐ نے فرمایا بیٹھ جاؤ، دوسری بار حضرتؐ نے پھر اسی بات کی تکرار کی، اس بار بھی میں اٹھا، تیسری بار بھی فقط میں نے لبیک کہی، اس بار حضرتؐ نے فرمایا:

"تو میرا بھائی، وصی، وزیر ہے اور میرے بعد میرا خلیفہ ہے۔ مہمان اٹھے اور ابوطالبؑ سے

کہنے لگے: ''اگر تم اپنے بھتیجے کے دین کو اختیار کرو گے تو جان لو کہ اس نے تمہارے بیٹے کو تمہارا امیر قرار دے دیا ہے۔(۱)

یوم الانذار کی تائید

ا۔اسکافی اپنی معروف کتاب میں اس تاریخی واقعہ کے بارے میں لکھتے ہیں: کہ علیؑ نے اپنے والد چچاؤں اور بنی ہاشم کی نمایاں شخصیتوں کی موجودگی میں، رسول خداؐ کے ساتھ فداکاری و جاں نثاری کا عہد کیا، آنحضرتؐ نے بھی اسے اپنا بھائی، وصی، اور خلیفہ بنایا۔ لکھتے ہیں: ''جو لوگ کہتے ہیں کہ امام بچپن میں ایمان لائے اور بچہ تو اچھائی برائی کی پہچان نہیں رکھتا، اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ کیا ممکن ہے رسول خداؐ بہت بڑی جماعت کے کھانے وغیرہ کا بندوبست ایک بچے کے سپرد کر دیں؟ یا بچے کو حکم دیں تا کہ وہ سرداران بنی ہاشم کو دعوت دے کر آئے؟ کیا یہ درست ہے کہ نبی اکرمؐ ایک نابالغ بچے کو اپنی نبوت کا رازدار قرار دیں۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام کر اسے اپنا بھائی وصی اور نمائندہ قرار دیں۔

حقیقت یہ ہے کہ علیؑ ان دنوں جسمانی اور فکری لحاظ سے اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ وہ ان تمام امور کی صلاحیت سے برخوردار تھے۔ لہٰذا یہ بچہ عام بچوں کی طرح کھیل کود میں وقت ضائع نہ کرتا تھا۔ بلکہ جب سے رسول خداؐ کے ساتھ خدمت وفداکاری کا عہد کیا اس وقت سے لے کر آخر تک اپنے عہد پر قائم رہے، اور ہمیشہ قول و عمل میں مطابقت رکھی۔ زندگی کے تمام مراحل میں حضور اکرمؐ کے مونس و غمخوار رہے۔ آپ نے دعوت ذوالعشیرہ میں نہ فقط اپنے ایمان واسلام کا اظہار کیا بلکہ رسول خداؐ کی یاری و مدد کے لئے اپنی کامل آمادگی کا بھی اعلان کیا۔(۲)

۲۔ ابورافع کہتا ہے: ''رحلت رسول خداؐ کے بعد ایک دن بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت ابو بکر نے

---

(۱) ارشاد مفید، ج۱، ص ۴۸۔

(۲) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۳، ص ۲۴۴۔

عباس ابن عبد المطلب سے کہا: ”تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کیا تمہیں یاد ہے کہ رسول خداؐ نے جب عبد المطلب کی اولاد کو دعوت دی اور تم بھی اس میں شامل تھے؟۔ رسول خداؐ نے حاضرین سے کہا: ”اے عبد المطلب کی اولاد! خداوند متعال نے کسی پیغمبر کو مبعوث نہیں کیا، مگر یہ کہ اس کی قوم میں سے اس کے لئے ایک وزیر، وصی اور خلیفہ قرار دیا۔ لہٰذا تم میں جو کوئی میری بیعت کرے گا وہ میرا بھائی، مددگار ،وصی اور جانشین ہوگا۔“

اس کے بعد کوئی نہ اٹھا یہاں تک کہ علیؑ تم میں سے اٹھے اور جس طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ چاہتے تھے اسی طرح آپ کی بیعت کی، اے عباس یہ خلافت اور جانشینی جو رسول خداؐ نے بیان کی ہے علی ہی کے بارے میں جانتے ہو؟ عباس نے کہا: ”ہاں ایسا ہی ہے۔(۱)

چند مخالف احادیث اور ان کا جواب

گزشتہ تمام روایات سے معلوم ہوگیا کہ علیؑ کا یوم الانذار کے واقعہ میں اہم کردار ہے۔ اس محفل میں صرف آپ ہی نے رسول خداؐ کی دعوت پر لبیک کہی۔ اور رسول اکرمؐ کی بیعت کر کے ان کی مدد کرنے کا عہد کیا۔ رسول خداؐ نے حاضرین کے سامنے علیؑ کو اپنا بھائی مددگار اور جانشین منصوب کیا لیکن بعض اہل سنت مفسرین نے، آیت ﴿وانذر عشیر تک الاقربین﴾ کی تفسیر میں چند روایات نقل کی ہیں۔ ان میں یوم الانذار کا واقعہ ایک دوسری طرح بیان ہوا ہے۔ ان میں سے کچھ روایات یہاں پر درج کرتے ہیں۔

سیوطی تفسیر الدر المنثور میں ابو ہریرہ سے یوں نقل کرتا ہے۔ ”جب آیت ﴿انذر عشیر تک الاقربین﴾ نازل ہوئی، رسول خداؐ نے قریش کو دعوت دی، اور اس دعوت میں عام وخاص اور دور و نزدیک والوں کے درمیان کوئی فرق نہ رکھا۔ آپؐ نے انھیں خطاب کرتے ہوئے

(۱) شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱۳، ص ۲۴۵۔

فرمایا: ''اے اہل قریش! خود کو آگ سے نجات دو۔ میں تمہارے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں۔ اے کعب بن لوی کی اولاد، خود کو آگ سے نجات دو۔ میں تمہارے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں اے قصی کی اولاد خود کو آگ سے نجات دو! میں تمہارے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں۔ اے عبد المناف کی اولاد دو! خود کو آگ سے نجات دو میں تمہارے نفع ونقصان کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ اے عبد المطلب کی اولاد خود کو آگ سے نجات دو کیونکہ میں تمہارے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں۔ اے فاطمہؑ! اے محمدؐ کی بیٹی، تم بھی خود کو آگ سے نجات دو۔ کیونکہ میں تمہارے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں، اور جان لو کہ تم میرے رشتہ دار ہو اور میں جلد ہی مناسب صلہ مہیا کردوں گا۔(۱)

اسی کتاب میں درج ہے کہ ''عبد بن حمید و ابن مردویہ، ابن جریر، ابن منذر اور ابن ابی حاتم ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: ''جس وقت آیہ ﴿ وانذر عشیرتک الاقربین ﴾ نازل ہوئی، تو رسول خداؐ نے قبیلہ قبیلہ کر کے لوگوں کو دعوت دی''۔(۲)

نیز اسی کتاب میں تحریر ہے: ''سعید بن منصور، بخاری، ابن مردویہ، ابن جریر، ابن منذر اور ابن حاتم۔ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں: ''جب آیہ ﴿ وانذر عشیرتک الاقربین. ورھطک المخلصین ﴾ نازل ہوئی تو پیغمبر خداؐ گھر سے باہر آئے اور کوہ صفا کے اوپر گئے، آواز دی کہ ''یا صباحاہ''. (عرب خطرے کی گھنٹی کے بجائے اور خطرناک و وحشت ناک خبر بتانے سے پہلے یہ کلمہ زبان پر جاری کرتے تھے) لوگوں نے کہا! یہ کون ہے جو آواز دے رہا ہے؟ ایک نے کہا یہ محمدؐ ہے۔ فوراً وہ لوگ آپ کے اردگرد اکٹھے ہوگئے۔ جو لوگ خود نہیں پہنچ سکتے تھے انھوں نے کسی کو خبر لینے کے لئے بھیجا۔ ابولہب اور قبیلہ قریش کے دیگر افراد بھی پہنچ گئے۔ رسول خداؐ نے فرمایا: ''اگر میں کہوں کہ مکہ شہر کے پیچھے وادی میں دشمن چھپا بیٹھا ہے اور وہ تم پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہے تو کیا تم

(۱) الدر المنثور، ج۵، ص۹۵۔

(۲) الدر المنثور، ج۵، ص۹۶۔

میری اس بات کی تصدیق کرو گے؟ سب نے کہا: ''ہاں! کیونکہ اب تک ہم نے آپ کو صادق وامین پایا ہے''۔ پھر فرمایا: ''اب میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ ایک شدید عذاب آئندہ تمہارے انتظار میں ہے''۔ ابولہب نے کہا: ''تبا لک'' نابود ہو جاؤ! (نعوذ باللہ) کیا اس لئے ہمیں بلایا تھا' اس واقعہ کے بعد آیہ ﴿تبت یدا ابی لھب و تب﴾ نازل ہوئی۔(۱)

مذکورہ کتاب ہی میں لکھا ہے طبرانی اور ابن مردویہ نے ابی امامہ سے روایت کی ہے: ''جب آیہ ﴿وانذر عشیرتک الاقربین﴾ نازل ہوئی تو رسول خداؐ نے بنی ہاشم کو اکٹھا کیا۔ مردوں کو گھر سے باہر اور عورتوں کو گھر کے اندر بٹھایا۔ اس کے بعد فرمایا: ''اے بنی ہاشم خود کو آگ سے بچاؤ! اور خدا کی پناہ میں آجاؤ، میں تمہارے لئے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں''۔ اس کے بعد اپنے اہل بیتؑ کی طرف رخ کیا اور فرمایا: ''اے ابوبکر کی بیٹی عائشہ، اے عمر کی بیٹی حفصہ، ام سلمہ، اے فاطمہ بنت محمدؐ، اے ام زبیر خود کو خدا کی پناہ میں پہنچاؤ! اور آگ سے آزاد کرو۔ کیونکہ خدا کے سامنے میں تمہارا ملک نہیں ہوں اور تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا......'' (۲)

پہلی تین روایات، آیہ انذار کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں رکھتیں۔ کیونکہ تینوں روایات میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ نے عموم قریش کو دعوت دی اور انذار فرمایا۔ جبکہ آیت میں قریبی رشتہ داروں کو ڈرانے کا حکم آیا ہے کہ جس میں عبد مناف شامل ہیں یا بنی ہاشم۔

دوسری روایت بھی آیت سے مطابقت نہیں رکھتی، کیونکہ اس میں آیا ہے کہ حضرتؐ نے لوگوں کو قبیلہ قبیلہ کر کے دعوت دی۔ حالانکہ مفسرین نے آیت مذکور کے ذیل میں لکھا ہے کہ مراد یہ ہے کہ تمہاری رسولؐ سے رشتہ داری کچھ کام نہ آئے گی اور بارگاہ خداوندی میں کوئی اثر نہ ہوگا۔ روایات میں بھی اس طرف اشارہ ہوا کہ ''میں خدا کی بارگاہ میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔'' لہٰذا یہ

---

(۱) الدرالمنثور، ج۵، ص۹۶۔

(۲) الدرالمنثور، ج۵، ص۹۶۔

دعوت قبائل سے سازگار نہیں ہے۔

چوتھی روایت بھی قابل اعتراض ہے، کیونکہ آیت ﴿ وانذر عشیرتک الاقربین ﴾ مکی آیت ہے اور کسی نے بھی نہیں لکھا کہ یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا۔ لہذا مذکورہ بیویوں کا مکہ میں وجود کوئی معنی نہیں رکھتا۔

خلاصہ بحث یہی ہے کہ صرف وہی روایتیں قابل اعتماد ہیں جس کا علماء شیعہ اور اکثر بزرگان اہلسنت نے اقرار کیا ہے کہ آیت انذار کے نزول کے بعد رسول خداؐ نے بنی ہاشم یا بنی عبدالمطلب کو دعوت دی اور تقریر ارشاد فرمائی۔

حقیقت پر پردہ (۱)

باوجود اس کے کہ تمام علماء اسلام، شیعہ وسنی نے روز انذار کی اس فضیلت کو حضرت علیؑ کے لئے بیان کیا ہے۔ مگر معروف سنی محقق ''ابن تیمیہ دمشقی'' کہ جس کی اپنی پرانی عادت ہی فضائل اہل بیتؑ اور خاندان عصمت وطہارت کی شان میں بیان کی گئی احادیث کا انکار کرنا ہے۔ اس نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ امیرالمومنین حضرت علیؑ کے فضائل ومناقب سے مربوط روایات کو رد کرتے ہوئے اسے جعلی قرار دے۔ اس نے حضرت علیؑ کی اس قطعی حدیث کا بھی انکار کیا ہے. وہ کہتا ہے وہ حدیث کہ جس میں کہا گیا ہے کہ ''حضرت علیؑ نے یوم انذار رسول خداؐ کی بیعت کی'' وہ جعلی ہے۔ اس کے اس جھوٹ کا جواب گزشتہ دلائل کی روشنی میں واضح ہے کہ جس کی مزید وضاحت ضروری نہیں ہے۔

استاد جعفر سبحانی کتاب فروغ ولایت میں دشمنان اہل بیتؑ کے تعصب کا ذکر کرتے ہوئے تاریخ الکامل کے حاشیہ نویس کا ایک جملہ نقل کرتے ہیں: ''یہ حدیث رسولؐ کہ ''تم میں سے کون مجھ پر ایمان لائے گا تا کہ وہ میرا بھائی، وصی اور جانشین قرار پائے۔'' اور بعد میں حضرت علیؑ نے اپنا ہاتھ

(۱) یہ بحث کتاب ''فروغ ولایت'' (از استاد جعفر سبحانی) سے ماخوذ ہے۔

رسول خداﷺ کی طرف بڑھایا، آنحضرتؐ نے فرمایا:" ان هذا اخی و وصی و خلیفتی"
یہ حدیث رحلت رسول خداؐ کے بعد حضرت ابوبکر کی خلافت کے ساتھ کوئی تضاد نہیں رکھتی۔ کیونکہ ان دنوں علیؑ کے علاوہ کوئی مسلمان نہ تھا، جو رسول خداؐ کا وصی بنتا!''۔

کیا واقعاً ایسا ہی ہے کہ چونکہ حضرت علیؑ کے علاوہ کوئی دوسرا مسلمان نہ تھا۔ اس لئے حضورؐ نے حضرت علیؑ کو اپنا جانشین مقرر کیا؟ اور اگر کوئی دوسرا مسلمان ہوا، تو حضرت علیؑ کی جانشینی ختم ہوگئی؟ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ معترض کو معلوم نہیں کہ ''یوم انذار'' تک چالیس افراد ایمان لا چکے تھے یا یہ کہ معترض نے تاریخ نہیں پڑھی یا پھر تعصب کی عینک لگا کر جان بوجھ کر حقیقت کو دیکھنے سے اندھا ہو گیا۔

محمد جریر طبری (متوفی ۳۱۰) جو ایک بہت بڑا مسلمان مورخ ہے۔ اس نے اپنی تاریخ میں اس فضیلت کا ذکر کیا ہے۔ لیکن جب وہ اپنی تفسیر میں آیت ﴿ وانذر عشیرتک الاقربین ﴾ کی تفسیر کرتا ہے تو اس وقت وہ حدیث انذار کو مجمل اور مبہم انداز میں نقل کرتا ہے۔ یہ جان بوجھ کر اندھا بننا حضرت علیؑ سے اس مد بغض وعناد پر دلالت کرتا ہے۔ مثلاً دعوت ذوالعشیرہ میں رسول خداؐ کے اس تاریخی جملہ: '' فایکم یوازرنی علی ان یکون اخی وصیی و خلیفتی؟'' کو طبری نے یوں ذکر کیا ہے: کہ ''علی ان یکون اخی و کذا و کذا؟ یعنی میرا بھائی اور میرا ایسا ویسا ہو''(۱) بلاشک دو کلموں ''وصیی''، اور '' خلیفتی '' کو حذف کرنا اور اسے ایسا ویسا جیسے مبہم الفاظ میں تبدیل کر دینا تعصب کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے۔ طبری نے نہ صرف نبی اکرم کے سوال میں تحریف کی ہے ہے بلکہ " وصیی خلیفتی "کے بجائے کذا کذا کا استعمال کیا ہے۔ (۲)

ابن کثیر شامی کہ جس تاریخ کی اساس طبری پر ہے، جب وہ اس سند پر پہنچتا ہے تو فوراً تاریخ طبری کو چھوڑ کر، تفسیر طبری کی پیروی کرتا ہے۔ وہ بھی اسی طرح ابہام واجمال کا سہارا لیتا ہے۔ اور

---

(۱) تاریخ طبری، ج ۲، ص ۶۳۔
(۲) تفسیر طبری، ج ۱۹، ص ۴۷۔

''کذا کذا'' جیسے الفاظ کے ذریعے حدیث رسول خداؐ میں تحریف کرتا ہے۔(۱)

استاد جعفر سبحانی مزید لکھتے ہیں: ''ڈاکٹر محمد حسنین ہیکل نے اپنی کتاب ''حیات محمد'' میں بدترین تحریف انجام دے کر اپنی کتاب کے اعتبار کو نقصان پہنچایا ہے۔ اس نے دعوت کے اختتام پر رسول خداؐ کے دو حساس جملوں میں سے پہلے جملے کا ذکر کیا ہے اور دوسرا جملہ جس میں حضورؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: ''تو میرا بھائی وصی اور خلیفہ ہے''، کو ختم کر دیا ہے۔ اور بعد والی اشاعتوں میں تو حدیث کے پہلے حصے کو بھی ختم کر دیا۔ اور حدیث انذار میں رسول خداؐ کے سؤال و جواب (دونوں جملوں) کو حذف کر دیا گویا کہ متعصب افراد نے اسے دونوں جملوں کو ختم کرنے پر مجبور کر دیا۔ تا کہ تاریخ میں تحریف کرنے والوں کی زیادہ خدمت ہو سکے۔ (۲)

مگر تمام تر کوششوں کے باوجود یہ لوگ فضائل و مناقب امام المتقین حضرت علیؑ کو چھپانے میں ناکام رہے اور انھوں نے اس نور کو جتنا بجھانے کی کوشش کی یہ اتنا زیادہ روشن و منور ہوتا گیا۔

---

(۱) بدایہ و نہایہ ابن کثیر، ج ۳، ص ۳۸۔

(۲) فروغ ولایت، ص ۵۸۔

لیلة المبیت

ہجرت کا آغاز

یروی انّه لمّا نام علی فراشه (صلی الله علیه اله و سلم) قام جبرئیل علیه السلام عند راسه و میکائیل عند رجلیه وجبرئیل ینادی: بَخٍ بَخٍ من مثلک یابن ابی طالب یُباهی اللّٰه بک الملائکة، و نزلت ﴿ ومِن النّاس مَن یشری نفسه ابتغاء مرضات اللّٰه و اللّٰه رؤف بالعباد﴾ (بقرہ۲:۲۰۷)

روایتکی جاتی ہے کہ جس رات علیؑ بستر رسولؐ پر لیٹے تو جبرئیل علیؑ کے سرہانے کھڑے ہوگئے اور میکائیل آپؑ کے پائینتی ، جبرئیل نے آواز دی مبارک ہو مبارک ہوا ے ابو طالبؑ کے فرزند، خدا ملائکہ کے سامنے آپ کے بارے میں فخر و مباہات کر رہا ہے۔ اسی دوران آیہ ﴿من الناس من یشری نفسه ابتغاً مرضات الله و اللّٰه رؤف بالعباد﴾ حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی۔ (۱)

---

(۱) تفسیر کبیر فخر الدین رازی، ج ۵، ص ۲۰۴۔

ہر انسان کی فدا کاری و جاں نثاری کا تناسب اس کے اعتقاد و ایمان سے وابستہ ہے۔ مسلمان کا خدا اور رسولؐ پر ایمان جس قدر محکم اور گہرا ہوگا اس کی فدا کاری اور جاں نثاری بھی اتنی ہی محکم اور گہری ہوگی۔ حتیٰ کہ وہ جاں نثاری میں اس حد تک چلا جاتا ہے کہ اپنی جان و مال اور آبرو کی بھی پرواہ نہیں کرتا قرآن کریم اس حقیقت کو یوں بیان کرتا ہے:

﴿ اِنَّما المُؤمنونَ الَّذینَ اٰمنوا باللّٰہِ ورسولِہ ثمّ لم یَرتابُوا وجاھَدوا بأموالِھِم و اَنفسِھِم فی سبیل اللّٰہ اُولٰئکَ ھُمُ الصّادقین ﴾(۱)

مومن وہ لوگ ہیں جو خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے، اور اس میں بالکل شک نہ کیا اپنے جان و مال کے ساتھ خدا کی راہ میں جہاد کیا، یہ لوگ بے شک اپنے ایمان میں سچے ہیں۔

علیؑ اس میدان میں بھی سب پر سبقت لے گئے ہیں۔ آپؑ کا نام اسلام کے فدا کاروں اور جاں نثاروں کی فہرست میں سب سے اوپر ہے۔ آپؑ نے اسلام کی سربلندی کی خاطر جان و مال کی ہر طرح کی قربانی دی۔ علیؑ نے اپنی نشیب و فراز کی پوری زندگی میں ثابت کیا کہ ایمان و اعتقاد سے بڑھ کر ان کے نزدیک کسی چیز کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ آپؑ اس قدر سخی تھے کہ اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا شام کا کھانا راہ خدا میں مسکینوں کو دے دیتے تھے۔

آیت ایثار﴿ویُؤثِرونَ علیٰ اَنفُسِھِم وَلو کانَ بِھِم خَصاصَۃ﴾ (۲) آپ ہی کی شان میں نازل ہوئی۔ آپ نے تین رات پانی کے ساتھ افطار کیا، اور اپنا اور اپنے گھر والوں کی افطاری راہ خدا میں مسکین، یتیم اور اسیر کو دے دی۔

قرآن نے اس بے نظیر سخاوت اور ایثار کی منظر کشی اس طرح کی ہے:﴿ویُطعِمُونَ الطّعام علیٰ حبّہ مسکینًا و یتیمًا و اَسیرًا﴾(۳)

(۱) حجرات ۴۹:۱۵۔ (۲) حشر ۵۹:۹۔ (۳) انسان ۷۶:۸۔

علیؑ کا ایثار اور فدا کاری فقط مال کی حد تک ہی نہیں بلکہ اسلام کی خاطر جان کی قربانی دینے کے حوالے سے بھی آپ بہت بڑی عظمت کے مالک ہیں۔ جنگ بدر، احد، حنین، خیبر وغیرہ میں پیغمبرؐ اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں کی کامیابی کے لئے شیر کی طرح دشمن کی صفوں پر حملہ آور ہوتے تھے ۔یہی وجہ تھی کہ ''حیدر کرارؑ'' کا لقب آپ کو ملا۔جن مواقع پر آپ کی فدا کاری عروج پر پہنچی اور خداوند عالم مباحات اور ملائکہ کی حیرت کا سبب بنی ان میں سے ایک موقع شب ہجرت کا ہے۔اس رات علیؑ نے رسول خداؐ کے بستر پر لیٹ کر کفر وشرک کے سرداروں کی ناپاک سازش کو خاک میں ملا دیا۔

دشمنان اسلام نے حضورؐ کو قتل کرنے کی سازش کی تو حضرت علیؑ نے اس سازش کو ناکام بنانے کے لئے اپنی جان حاضر کر دی۔خداوند عالم نے حضرت علیؑ کی اس جاں نثاری کی تعریف کی اور فرمایا:﴿ومِن النّاس مَن یشری نفسه ابتغاءَ مَرضاتِ الله و الله رؤف بالعِباد﴾لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی خوشنودی کی خاطر اپنی جان بیچ دیتے ہیں اور خداوند عالم اپنے بندوں کے ساتھ مہربان ہے''۔(۱)

علماء اسلام کا اعتراف

شیعہ وسنی اکثر علماء کا اتفاق ہے کہ آیہ﴿ ومن الناس من یشری نفسه ﴾لیلة المبیت میں نازل ہوئی۔ان کا اعتقاد ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی۔(۲)

---

(۱)(بقرہ۲:۲۰۷) (۲) مسند احمد بن حنبل، ج۱؛ تاریخ طبری، ج ۲؛ طبقات ابن سعد، ج۱؛ تاریخ یعقوبی، ج۲؛ سیرہ ابن ہشام ج۲؛ العقد الفرید ابن عبدربہ، ج ۳؛ تاریخ خطیب بغدادی، ج ۱۳؛ تفسیر ثعلبی؛ تفسیر طبری، ج۹؛ تفسیر رازی، ج۵؛ اسد الغابۃ، ابن اثیر، ج ۴؛ احیاء العلوم، غزالی؛ تذکرہ ابن جوزی؛ کفایۃ الطالب، گنجی شافعی؛ الجامع الاحکام القرآن قرطبی؛ اللوامع، حموینی، ج ۲؛ تفسیر علامہ نیشاپوری، ج ۲؛ البحر المحیط ابو حیان مغربی اندلسی؛ الفصول المہمہ، ابن صباغ مالکی؛ روح المعانی، آلوسی، ج ۲؛ السیرۃ النبویۃ، زینی دحلان؛ ینابیع المودۃ، سلیمان رضوی قندوزی حنفی؛ نزہۃ المجالس صفوری؛ المناقب المرتضویہ، محمد صالح کشفی ترمذی؛ شواہد التنزیل، ج ۲ وغیرہ۔

آغاز ہجرت

درحقیقت، لیلۃ المبیت، ہجرت مدینہ اور اسلام کے لئے ایک نئے باب کا آغاز تھا۔ اس تاریخ سے حکومت اسلامی کی بنیاد ڈالی گئی اور اسلام کی طاقت بڑھ گئی۔ ہجرت رسولؐ کا آغاز لیلۃ المبیت سے ہوا۔ ہجرت ہی اس زمانے کی دنیا پر تسلط پیدا کرنے اور ایران و روم کی دو بڑی حکومتوں کو شکست دینے کا باعث بنی۔ اس موضوع کی اہمیت پیش نظر ہم نے ضروری سمجھا کہ صدر اسلام کی تاریخ میں ماضی کے جھروکوں میں جھانک کر ہجرت رسولؐ کی وجہ، اور مدینہ کو مقام امن قرار دینے کے بارے میں تحقیق کریں تاریخ اسلام کے اس حساس دور کی بہتر شناخت ہمیں حضرت علیؑ کے کام کی عظمت سے زیادہ آشنا کرے گی۔

ابو طالبؑ کی وفات کے بعد مسلمانوں پر دباؤ کا بڑھنا

دین مقدس اسلام کی تبلیغ کے آغاز ہی سے حضرت محمدؐ کفار مکہ کی اذیتوں و آزار کا نشانہ بنے رہے۔ آپ کے پیروکاروں کی تعداد جوں جوں بڑھتی جا رہی تھی دشمنان اسلام کا دباؤ بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ بعثت کے پانچویں سال چند مسلمانوں نے جعفر بن ابی طالبؑ کی قیادت میں مجبوراً مکہ چھوڑ کر حبشہ چلے گئے اور ۷ھ تک (سال فتح خیبر) وہاں پر مقیم رہے۔ (۱)

حضرت ابو طالبؑ کا وجود اور آپ کی فدا کاری و جاں نثاری، حضور نبی اکرمؐ کی جان کی حفاظت کی ضامن تھی۔ بعثت کے دسویں سال، اسلام کے عظیم حامی اور محافظ حضرت ابو طالبؑ کا انتقال ہو گیا اس کے بعد چند دنوں بعد آنحضرتؐ کی مہربان شریک حیات حضرت خدیجہؑ (کہ جنھوں نے اسلام کی خاطر اپنی جان و مال قربان کر دی،) بھی خالق حقیقی سے جا ملی۔ اسلام کے ان دو عظیم حامیوں کی

---

(۱) اس کی تفصیل "حضرت علیؑ کے بھائی اور بہن" کے باب کے گزر چکی ہے؛

وفات کے بعد مسلمانوں پر مکہ کی سرزمین تنگ ہوگئی۔ اس دوران حضورؐ نے علیؑ کے ہمراہ شہر طائف کا سفر کیا تاکہ کچھ عرصہ قریش کے اذیت و آزار دور رہیں، اور دوسری طرف قبیلہ ''ثقیف'' میں دین اسلام کی تبلیغ کریں۔

حضور اکرمؐ نے قبیلہ ثقیف کے تین افراد عبد بن عمرو، مسعود بن عمرو، اور حبیب بن عمر (تین حقیقی بھائی) کو دعوت اسلام دی، مگر انھوں نے اس دعوت کو ٹھکرا دیا اور آپ کو شہر سے باہر نکال دیا، مکہ واپسی پر صرف عتبہ اور شیبہ کا نصرانی غلام عداس حضور پر ایمان لایا۔ پھر رسول خداؐ دوبارہ واپس مکہ لوٹ آئے۔(۱)

انصار کے اسلام لانے کا آغاز

طائف سے واپسی پر، رسول خداؐ نے محسوس کیا کہ مسلمان پہلے سے کہیں زیادہ مشکلات و مصائب کا شکار ہوگئے ہیں۔ اور کفار مکہ کی سختیاں انتہا کو پہنچ چکی ہیں۔ اس لئے آپ نے کسی پرامن جگہ کی تلاش شروع کردی۔ حرام مہینوں اور ایام حج کے دوران، تبلیغ اسلام میں کوئی رکاوٹ نہ ہوتی تھی آپ اس موقع کا فائدہ اٹھا کر مکہ تشریف لاتے اور قبائل کو قبول اسلام کی دعوت دیتے۔ بعثت کے گیارہویں سال، حج کے دنوں میں قبیلہ خزرج (۲) ان کے چھ افراد، اسعد بن زرارہ، (۳) عوف بن حارث، (۴) رافع بن مالک، (۵) قطبہ بن عامر، (۶) (عمرو)۔ عقبہ بن عامر، (۷) اور جابر بن عبداللہ، (۸) نے رسول خداؐ کے ساتھ ملاقات کی۔ حضرتؐ نے ان کے لئے قرآن کریم کی چند آیات کی تلاوت کی، اور اسلام کی نورانی تعلیمات و احکام کیا تعارف کرادیا۔ حضورؐ کی باتوں اور تبلیغ کا ان پر بہت زیادہ اثر ہوا اور وہ مسلمان ہوگئے۔

---

(۱) تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۳۶؛ سیرہ ابن ہشام، ج ۲، ص ۶۰؛ طبقات، ج ۱، ص ۲۱۰

(۲) خزرج اور اوس قحطانی عرب مہاجرین میں سے تھے۔ یہ ۳۰۰ء کے اوایل سے یثرب (باقی اگلے صفحہ پر)

یہ چند افراد جو خزرج قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ قبیلہ اوس کے ساتھ طویل جنگوں سے تنگ آ گئے تھے۔ پیغمبر اسلامؐ پر ایمان لانے کے بعد انھوں نے حضورؐ سے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسولؐ! ہمارے درمیان مسلسل جنگیں رہتی ہیں، امید ہے کہ خداوند متعال آپؐ کے دین کی برکت سے ہم پر کرم فرمائے گا۔ اور ہمیں اس جنگ و جدال سے نجات حاصل ہوگی۔ اب ہم مدینہ واپس جا کر لوگوں کو اس

(مدینہ) میں زندگی گزار رہے تھے۔ یہودیوں کے تین مشہور قبائل بنی قریظہ، بنی نضیر اور بنی قینقاع، جو کہ جزیرہ نما عرب کے شمالی مہاجران میں سے تھے، وہ بھی وہاں پر سکونت اختیار کیے ہوئے تھے۔ بنی خزرج اور اوس کے درمیان سالہا سال سے جنگ و جدال جاری تھی۔ کبھی خزرج والے غالب ہوتے، تو کبھی اوس والوں کی برتری ہوتی یہ سال ایام حج کے دوران ان دو قبیلوں کے افراد خانہ خدا کی زیارت کرنے اور قریش والوں سے فوجی مدد لینے کی غرض سے مکہ آتے تھے۔ بعثت کے گیارہویں بارہویں اور تیرہویں سال میں رسول خداؐ نے ان دونوں قبیلوں کے افراد سے ملاقات کی اور انھیں اسلام کی زندگی بخش تعلیمات سے آگاہ کیا۔ قرآن مجید کی تلاوت کے ذریعہ انھیں اسلام کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ بعض جوان مثلاً ایاس بن معاذ اور سوید بن صامت جو کہ دونوں اوس قبیلہ سے تھے، مسلمان ہو گئے۔ وہ ''جنگ بعاث'' میں خزرجیوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ مرتے وقت کلمہ شہادتین ''لا الــہ الا اللہ محمد رسو ل اللہ'' ان کی زبان پر تھا۔ (کامل ابن اثیر، ج۱، ص۵۱۰، ۵۱۱)۔

(۳) اسعد، بیعت عقبہ اولی سے پہلے ہی ایمان لایا، یہ بیعت عقبہ ثانی میں بھی موجود تھا۔ غزوہ بدر سے پہلے دنیا سے رخصت ہو گیا۔

(۴) عوف نے بدر میں شرکت کی اور اپنے بھائی معوذ کے ہمراہ جام شہادت نوش فرمایا۔

(۵) رافع نے بیعت عقبہ اولی اور ثانی میں شرکت کی، یہ غزوہ بدر میں شریک تھا۔

(۶) قطبہ بھی بیعت عقبہ اولی وثانی میں شریک تھے۔ انھوں نے جنگ بدر واحد اور دیگر غزوات میں بھی حصہ لیا، فتح مکہ کے موقع پر قبلہ بنی سلمہ کا پرچم اس کے ہاتھ میں تھا۔

(۷) عقبہ، عقبہ اولی میں شامل تھا۔ اس نے جنگ بدر واحد میں بھی حصہ لیا اور دیگر غزوات میں بھی شریک تھے۔ یہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

(۸) جابر جنگ بدر، احد، خندق اور دیگر غزوات میں رسول خداؐ کے ہمراہ تھے۔ عقبہ اولی سے ایک سال پہلے ایمان لائے۔

دین مقدس اسلام کی دعوت دیں گے۔ ہمیں امید ہے اس کی برکت سے ہمارے درمیان وحدت و محبت پیدا ہوگی۔ اگر ایسا ہوگیا تو آپ کا مقام و مرتبہ اہل مدینہ کے درمیان بہت بلند ہوگا۔

یہ چھ افراد مدینہ واپس جا کر تبلیغ اسلام میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑے عرصے ہی کے بعد ہر جگہ اسلام کا چرچا ہوگیا، گھر گھر میں نبی اکرمؐ کا تذکرہ ہونے لگا۔ اس طرح مسلمانوں کے لئے مدینہ کی طرف ہجرت کے مقدمات فراہم ہو گئے۔(۱)

عقبہ اولیٰ اور بیعت نساء

ان چھ افراد کی مدینہ میں تبلیغ کا بہت اچھا اثر ہوا کہ بہت سارے افراد اسلام لے آئے۔ بعثت کے بارہویں سال، ایام حج میں، بارہ افراد مدینہ سے چلے اور عقبہ (۲) میں رسولؐ خدا کی بیعت کی۔ ان کے اور رسول خداؐ کے درمیان یہ پہلی بیعت تھی۔ ان بارہ افراد میں سب سے معروف اسعد بن زرارہ، عبادہ بن صامت، ذکوان بن قیس تھے۔ ان بارہ افراد نے رسول خداؐ سے عہد کیا کہ وہ کسی خدا کا شریک قرار نہ دیں گے۔ چوری اور زنا نہیں کریں گے۔ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔ ایک دوسرے پر تہمت نہیں لگائیں گے۔ برے کام انجام نہ دیں گے۔ اور نیک کاموں کو ترک نہ کریں گے۔(۳)

رسول خداؐ نے فرمایا: ”اگر تم اس عہد پر قائم رہو تو تمہاری جگہ جنت میں ہے۔ اور اگر نافرمانی

---

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج ۲، ص ۷۲؛ طبقات، ج ۲، ص ۲۱۹؛ بدایہ و نہایہ ابن کثیر، ج ۳، ص ۱۴۷۔

(۲) عقبہ، منیٰ کے نزدیک ایک ٹیلے کا نام ہے۔

(۳) ان لانشرک باللہ شیئا و لا نسرق و لا نزنی و لا نقتل اولادنا و لا ناتی ببهتان نفتریه من بین ایدینا و ارجلنا و لا نعصیه فی معروف ، فان وفیتم فلکم الجنة...... (سیرہ ابن ہشام، ج ۲، ص ۷۶؛ بدایہ و نہایہ ابن کثیر، ج ۳، ص ۱۴۸؛ طبقات، ج ۲، ص ۲۲۰؛ الفصول المہمۃ، ۴۵)۔

کرو تو پھر خدا کے اختیار میں ہے کہ تمہیں بخش دے یا عذاب میں مبتلا کردے۔ تاریخ نگاروں کی اصطلاح میں اس بیعت کو "بیعة النساء" کہتے ہیں۔

یہ بارہ افراد ایمان کی نعمت سے مالا مال اور عشق رسولؐ سے سرشار مدینہ واپس ہوئے۔ اور پھر اوس اور خزرج دونوں قبیلوں نے رسول خدا کو خط لکھا کہ ہمارے لئے ایسا مبلغ بھیجیں جو ہمیں قرآن مجید کی تعلیم دے۔ پیغمبر اسلامؐ نے مصعب بن عمیر جیسے خوب سیرت، خوبصورت باایمان جوان کو جو قرآنی آیات سے مکمل آگاہی رکھتا تھا، ان کی تعلیم و تربیت کے لئے مدینہ بھیجا۔ وہ اسعد بن زرارہ کے گھر گئے۔ اہل مدینہ اس توانا مبلغ کی تعلیم و تربیت کی وجہ سے اسلام کے عاشق ہوگئے، وہ ان کی اقتداء میں نماز جماعت ادا کرتے تھے۔(۱)

تبلیغ اسلام کے لئے مصعب کی کوششیں

بیعت عقبہ کے بعد مسلمان جب مدینہ واپس گئے، تو مبلغ اسلام مصعب بن عمیر بیعت کرنے والوں کی درخواست پر رسول خداؐ کی طرف سے عازم مدینہ ہوئے۔ اسعد بن زرارہ اور دیگر مسلمانوں نے آیات قرآنی کے ذریعہ مدینہ کی اہم شخصیتوں کے دین اسلام کی طرف دعوت دینے کا پروگرام بنایا تا کہ اسلام، مدینہ اور اس کے اطراف کے علاقوں میں اثر ورسوخ پیدا کرلے۔ مصعب بن عمیر خزرج اور اوس کے سرداروں کی محافل میں شرکت کر کے انھیں اسلام کی دعوت دیتے۔ ایک دن اسعد بن زرارہ نے مصعب سے کہا: "میری خالہ کا بیٹا سعد بن معاذ قبیلہ اوس کے سرداروں میں سے ہے وہ شریف اور دانشمند آدمی ہے، اور اپنے خاندان میں ایک بہت بڑی حیثیت کا مالک ہے۔ اگر وہ اسلام لے آئے تو پھر سارے مدینہ میں توحید پرستی کا پرچم لہرائے گا۔

---

(۱) طبقات ابن سعد، ج ۳، ۲۲۰؛ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۱۱؛ سیرہ ابن ہشام، ج ۲، ص ۷۶؛ بدایہ ونہایہ ابن کثیر، ج ۳، ص ۱۴۸۔

مصعب ، اسعد کے ہمراہ سعد بن معاذ کی طرف گئے اور بہت ہی پیارے بیان کے ساتھ قرآن کریم کی چند آیات پڑھ کر اس کو اسلام کی دعوت دی۔ سب سے پہلے ان کی ملاقات اسید بن حضیر سے ہوئی۔ مصعب نے اسے قرآنی آیات کی تعلیم دی وہ مسلمان ہو گیا اور پھر سب مل کر سعید بن معاذ کے پاس گئے۔ مصعب نے سورہ فصلت کی پہلی دوسری آیت ﴿حم () تنزیل من الرحمن الرحیم﴾ کی تلاوت کی اور سعد بن معاذ کو اسلام کی دعوت دی۔ اس نے کلمہ شہادتین زبان پر جاری کیا، پھر غسل کیا، پاک لباس پہنا اور دو رکعت نماز پڑھی۔ اس کے بعد سعد نے مصعب کا ہاتھ پکڑ کر کہا: آپ کھل کر اسلام کی تبلیغ کریں اور کسی سے ہرگز نہ ڈریں۔ اس کے بعد وہ خود اپنی قوم والوں کے پاس گیا، پھر اس نے سب کو اکٹھا کیا اور کہا: ''اے لوگو! تمہارے درمیان میری کیا حیثیت ہے؟ سب نے کہا: ''آپ ہمارے سردار و مالک ہیں، اور ہم سب آپ کے فرمانبردار ہیں''۔ سعد نے کہا اے عورتو! و مردو! جب تک تم لوگ شہادتین زبان پر جاری نہ کرو گے، میں تمہارے ساتھ کلام نہیں کروں گا۔ لہٰذا تم اپنی زبان پر جاری کرو! ''لا الہ الا اللّٰہ محمد ارسو ل اللہ ، فالحمد للہ الذی اکرمنا بذلک''.

سعد کی تقریر کا قوم والوں پر گہرا اثر ہوا کہ وہ دیدار نبیؐ سے پہلے ہی اسلام لے آئے۔ کچھ ہی عرصے میں سارا یثرب مسلمان ہو گیا۔ اور سب کے سب اسلام و رسول خداؐ کے دفاع کے لئے آمادہ ہو گئے۔(۱)

دوسری بیعت عقبہ

بیعت عقبہ اولیٰ سے بارہ افراد کی واپسی اور مصعب بن عمیر کی پرجوش تبلیغ کے باعث مدینہ کے مسلمانوں میں ایمان کی لہر دوڑ گئی اور وہ بڑی بے قراری سے ایام حج کا انتظار کرنے لگے تاکہ خانہ خدا

(۱) تاریخ طبری، ج۲، ص ۸۸؛ بحار الانوار، ج ۱۹، ص ۱۰۔

کی زیارت اور جمال حبیب کا دیدار کر کے اپنی قلبی محبت کا اظہار کریں۔

بعثت کا تیرہواں سال ہے اور ایام حج کا آغاز ہو چکا ہے۔ ایک بہت بڑا کاروان جس میں مصعب بن عمیر بھی شامل ہیں، مکہ کی طرف رواں دواں ہے۔ اس کارواں میں اوس اور خزرج کے قبائل کے ستر مسلمان ہیں۔(۱) نسیبہ بنت کعب اور اسماء ام عمرو بن عدی نامی دو خواتین بھی اس میں شامل ہیں۔

اس مسلمان گروہ نے مکہ میں رسولؐ خدا سے ملاقات کی اور آنحضرتؐ سے بیعت وفاداری کے مراسم بجالانے کے لئے وقت مانگا۔ پیغمبر اسلامؐ نے بیعت کے لئے منیٰ میں تیرہ ذی الحجہ کی رات مقرر کی، تاکہ منیٰ کے نزدیک والے ٹیلے (عقبہ) کے پاس گفتگو ہو۔

شب تیرہ ذی الحجہ کو رسول خداؐ اور آپ کے چچا عباس متعلقہ مقام پر پہنچ گئے۔ جب رات کا تیسرا پہر ہوا اور مشرکین مکہ سو گئے، تو مسلمان اپنی خفیہ جگہوں سے باہر نکل آئے اور سب عقبہ میں اکٹھے ہو گئے۔ پہلے انھوں نے عباس سے ملاقات کی، عباس نے پہلے دین اسلام اور آنحضرتؐ کی شخصیت کے بارے میں کچھ باتیں کی۔ پھر وہ حضوؐر کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور سب نے اپنی وفاداری اور حمایت کا یقین دلایا۔ آخر میں اسعد بن زرارہ، براء بن معرور، اور ابوالہیثم بن تیہان نے اسلام کی حمایت میں اپنے احساسات کا اظہار کیا۔ جس نے سب سے پہلے بیعت کے لئے حضوؐر کی طرف ہاتھ بڑھایا وہ مختلف اقوال کی بنا پر اسعد یا براء یا ابوالہیثم تھا۔ اس کے بعد دوسرے مسلمانوں نے بیعت کی۔ سب نے عہد کیا کہ وہ اسلام و نبی اکرمؐ کی حمایت کی خاطر، جان تک کی بازی لگا دیں گے۔ اس لئے اس بیعت کو "بیعت الحرب" بھی کہتے ہیں۔(۲) یہی بیعت مدینہ کی طرف

---

(۱) کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۱۳، میں مسلمانوں کی تعداد ۷۰ بیان ہوئی ہے جب کہ سیرہ ابن ہشام، ج ۲، ص ۸۴، بدایہ ونہایہ ابن کثیر، ج ۳، ص ۱۵۸، میں تہتر (۷۳) کی تعداد بیان ہوئی ہے۔

(۲) سیرہ بن ہشام، ج ۲، ص ۸۱؛ کامل ابن اثیر، ج ۱، ۵۱۲؛ طبقات، ج ۲، ص ۲۲۱؛ بدایہ ونہایہ، ج ۳، ص ۱۵۶؛ سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۱۷۳۔

رسول خداؐ کی ہجرت کا پیش خیمہ بن گئی۔

بیعت عقبہ اور قریش کے سرداروں کا ردعمل

قریش کے سردار خیال کر رہے تھے کہ ابو طالبؑ کی وفات کے بعد پیغمبر اسلامؐ کی قدرت و طاقت کمزور پڑنی شروع ہوگئی ہے اور آپ کے پیروکاروں اور اصحاب میں اب اتنی سکت باقی نہیں رہی کہ وہ اپنا مشن جاری رکھ سکیں۔ اچانک انھوں نے جب سنا کہ یثرب کے ستر نئے مسلمانوں نے شب ۱۳ ذی الحجہ کو رسول خداؐ سے عہد وفاداری کا اقرار کیا ہے اور تادم آخر اسلام کی حفاظت کی خاطر مرنے مارنے پر تیار ہیں۔ تو اس خبر سے ان کے دلوں پر لرزہ طاری ہوگیا۔ وہ جان گئے کہ یثرب (مدینہ) میں مسلمانوں کا ایک مضبوط مرکز قائم ہو چکا ہے، اور جلد ہی مسلمان اپنی تمام تر توانائیوں کو بروئے کار لا کر مکہ کے بت پرستوں کے خلاف جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہونے کے لئے انھوں نے تحقیق شروع کر دی اور یثرب کے اس کاروان کا پیچھا کیا۔ مگر خدا کا کرنا یہ ہوا کہ چند غیر مسلموں نے، جو بیعت عقبہ میں شامل نہ تھے، اور وہ فقط اپنے کاروبار اور خانہ خدا کی زیارت کے لئے آئے تھے، انھوں نے قسمیں کھا کر یقین دلایا کہ بیعت عقبہ بالکل ہوئی ہی نہیں ہے اور یہ داستان جھوٹی ہے۔ دوسری طرف مسلمانوں کو کفار کے ارادوں کا علم ہوگیا۔ چنانچہ وہ جلدی جلدی مکہ سے نکل کھڑے ہوئے اور مکہ والوں کے دائرے سے دور چلے گئے۔ صرف دو آدمی (انصار) پکڑے گئے۔ ایک منذر بن عمرو جو تھوڑی دیر بعد فرار ہوگیا، اور دوسرا سعد بن عبادہ۔ وہ سعد کو اپنے ساتھ مکہ لے گئے اور اسے شدید اذیت و آزار دی، اس کے بالوں کو پکڑ کر زمین پر گھسیٹا، مگر تھوڑے ہی عرصے میں مطعم بن عدی اور بقول ابن ہشام ''ابوالبختری''، جو کہ وہ ان کا ہم میثاق و عہد تھا، اس نے پناہ دیکر نجات دلائی۔ وہ بھی مدینہ لوٹ آیا۔ یوں کفار مکہ بیعت عقبہ کے

بارے میں کوئی اطلاع حاصل نہ کر سکے۔(۱)

دارالندوہ میں سرداران قریش کی سازش اور ہجرت کا آغاز

مدینہ کے مسلمانوں کا اسلام اور رسول خداؐ کے لئے اپنی مکمل حمایت کا اعلان کرنا تھا کہ کفار قریش ایک بار پھر خواب غفلت سے بیدار ہو گئے اور انھوں نے مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا۔ رسول خداؐ کے پیروکاروں اور اصحاب نے جب دشمنان اسلام کی طرف سے روحانی اور جسمانی اذیتوں کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوتے دیکھا، تو انھوں نے حضورؐ سے مکہ سے ہجرت کرنے کی اجازت طلب کی۔ پیغمبر اسلامؐ نے انھیں مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ البتہ انھیں منزل ہجرت کو خفیہ رکھنے کی تلقین کی۔

ہجرت کی اجازت لینے کی بعد مسلمان مختلف بہانوں سے مکہ سے باہر نکلے، اور مدینہ کی طرف چل پڑے۔ مگر کچھ ہی عرصے میں کفار مکہ کو اس ہجرت کا علم ہو گیا، اور انھوں نے مسلمانوں کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر دیں۔ دوسری طرف مسلمان کسی نہ کسی طرح خفیہ طریقے سے مدینہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے اور قریش کے چنگل سے نجات پا گئے۔ مکہ میں صرف رسول خداؐ حضرت علیؑ، حضرت ابوبکر اور چند دیگر مسلمان جو مشرکوں کی قید میں تھے اسی طرح خواتین اور بیمار افراد باقی رہ گئے۔(۲)

قریش کو جب اس صورت حال کا علم ہوا تو وہ بہت وحشت زدہ ہو گئے اور سمجھ گئے کہ اب ہمارا دین بچنے والا نہیں ہے۔ وہ جان گئے کہ پیغمبر اسلامؐ اور آپ کے قریبی اصحاب کے یثرب جانے سے اسلام وہاں پر مرکزیت اختیار کر کے کفر و شرک کی بنیادیں ہلا دے گا۔ ''دارالندوہ'' میں بہت بڑا

---

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج ۲، ص ۹۰؛ بدایہ و نہایہ ابن کثیر، ج ۳، ص ۱۶۲؛ کامل ابن کثیر، ج ۱، ص ۵۱۴؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۹۵؛ طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۲۲۳؛ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۱، ص ۱۸۲۔

(۲) سیرہ ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۲۳؛ بدایہ و نہایہ ابن کثیر، ج ۳، ص ۱۶۷-۱۷۳؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۹۷

جلسہ کیا۔ وہ اس عظیم خطرے سے نجات اور پیغمبر اسلامؐ کو ختم کرنے کے لئے سازشوں میں مشغول ہوگئے۔

داستان کی تفصیل

جب قریش کے سردار (ابوسفیان بن حرب، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، جبیر بن مطعم، ابوجہل بن ہشام، امیہ بن خلف وغیرہ جو کہ کل دس افراد تھے) ''دارالندوہ'' میں اکٹھے ہوئے تو انھوں نے حضرت محمد ﷺ بارے میں بحث کرنا شروع کی۔ انھوں نے کہا کہ ہماری تمام مشکلات اور تفرقہ و اختلاف کی وجہ یہی محمدؐ ہیں، لہذا ان سے نجات حاصل کرنے کی کوئی نہ کوئی تدبیر کرنی چاہئے۔

حاضرین محفل میں سے ایک شخص اٹھا اور اس نے کہا: ''ہم قریش والوں کا تمام قبیلے احترام کرتے چلے آئے ہیں۔ لیکن محمدؐ نے آکر ہمارے درمیان اختلاف ڈال دیا ہے۔ اب ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اس کا واحد علاج یہ ہے کہ ہم میں سے ایک جرأت مند شخص خاموشی سے جا کر محمدؐ کی زندگی کا خاتمہ کر دے اور اگر بنی ہاشم اور ان کے حمایتی جھگڑا کریں تو اس وقت محمد کی دیت ادا کر دیں گے۔''

قبیلہ نجد کا ایک غیر مشہور بوڑھا شخص، جو کہ اکثر مورخین کے بقول شیطان تھا اور اس نے بوڑھے نجدی کا روپ اپنا کر اس جلسہ میں شرکت کی تھی، اس نے اس نظریے کی مخالفت کی اور کہا: ''یہ سازش کامیاب نہیں ہوگی، کیونکہ بنی ہاشم اس کی دیت پر راضی نہ ہوں گے اور جب تک اس کے قاتل کو نہ مار ڈالیں گے آرام سے نہیں بیٹھیں گے، لہٰذا جو کوئی بھی محمدؐ کو قتل کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ خود کو قصاص اور قتل ہونے کے لئے تیار رکھے، حالانکہ تمہارے درمیان ایسا کوئی آدمی نہیں ہے۔''

کفر کے سرداروں میں سے ابوالبختری نامی شخص نے یہ نظریہ پیش کیا کہ: ''بہتر یہ ہے کہا کہ محمد ﷺ کو قید کر لیا جائے اور اسے صرف ایک سوراخ سے پانی اور کھانا دیں، اس طرح سے ہم اس کی

پیشرفت کو بھی روک سکیں گے اور کوئی بھی اس کے قصاص کا دعویٰ نہ کر سکے گا۔"

اس بوڑھے نے اس رائے کو بھی رد کیا اور کہا: "بنی ہاشم اور ان کے حمایتی اسے نجات دینے کے لئے تمہارے ساتھ جنگ کریں گے اور اگر وہ اب بھی کامیاب نہ ہو سکے تو حج کے ایام میں دوسروں کی مدد سے وہ یہ کام ضرور کر بیٹھیں گے۔"

تیسرے شخص نے حضرتؐ کو جلاوطن کر دینے کا نظریہ پیش کیا۔ اس نجدی بوڑھے نے اس کی بھی مخالفت کی اور اس نے پیغمبرؐ کی جلاوطنی کو غیر مفید قرار دیا۔ بالآخر تمام حاضرین حیرت میں غلطاں چپ بیٹھے کسی تدبیر اور راہ حل کی فکر میں ہی تھے کہ ابوجہل اور بعض کے بقول نجدی بوڑھا جلسے کی خاموشی کو توڑتے ہوئے اچانک بول پڑا کہ: "ہر قبیلے سے ایک پھرتیلا جوان انتخاب کیا جائے اور ایک مقررہ رات یہ تمام جوان ہاتھوں میں تیز تلواریں لئے محمدؐ کے سرہانے پہنچ جائیں اور تمام افراد ایک ہی لمحے میں اپنی تلواروں سے اسے ٹکڑے کر دیں۔ یوں محمد بھی قتل ہو جائے گا اور اس کی تبلیغ سے بھی آسودہ خاطر ہو جائیں گی۔ اس طرح اس کا خون قبائل کے درمیان تقسیم ہو جائے گا اور بنی ہاشم تمام قبائل سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

ہمیں صرف اس کی دیت ادا کرنا پڑے گی۔ تمام حاضرین نے اس تجویز کی حمایت کی اور اس کے حق میں رائے دی۔ اس سازش کو عملی جامہ پہنانے والے افراد کا بھی انتخاب کر لیا گیا اور طے پایا کہ ایک مقررہ رات یہ کام انجام دے دیا جائے۔(۱)

فرشتہ وحی کا نزول

غیبی امداد سے بے خبر کفارِ مکہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ رسول اکرمؐ کا رب العالمین سے کوئی

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۲۴؛ سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۱۸۹؛ طبقات، ج ۲، ۲۲۷؛ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۱۵؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۹۷؛ بدایہ ونہایہ ابن کثیر، ج ۳، ص ۱۷۳؛ الفصول المہمہ، ص ۴۵؛ بحارالانوار، ج ۱۹، ص ۳۱۔

رابطہ نہیں ہے اور وہ جلد ہی ان کے قبضے میں آ کر ان کی تیز تلواروں سے قتل ہو جائیں گے۔ مگر وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ ان کی تمام سازشیں نقش بر آب ہو جائیں گی اور ان کا مکر و فریب خود انھیں کو نقصان پہنچائے گا۔

ماہ ربیع الاول ۱۳ بعثت پیر کی مقررہ شب، چالیس منتخب شدہ افراد شمشیر بدست، چالیس قبائل کی طرف سے یہ ذمہ داری لئے ہوئے رسول خداؐ کے گھر کا محاصرہ کریں اور اچانک شبخون مار کر رسول خداؐ کو قتل کر دیں۔ یکایک فرشتہ وحی نازل ہوا اور اس نے رسول خداؐ کو کفار کی ناپاک شازش سے آگاہ کر دیا: " لا تبت هذه الليلة على فراشك الذى كنت تبيت عليه" ؛ جس بستر پر آج تک سویا کرتے تھے آج کی رات اس پر نہ سونا کیونکہ تمہاری جان خطرے میں ہے۔"

پھر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ وَاِذْ يَمْكُرُبِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَ يَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ﴾ (۱)۔ اور (اے رسولؐ اس وقت کو یاد کرو) جبکہ کفار تم سے چال چل رہے تھے کہ تم کو قید کر دیں یا قتل کر دیں یا نکال دیں، وہ تو اپنی چال چل رہے تھے اور خدائے تعالیٰ بدلہ لینے پر آمادہ تھا اور اللہ سب سے بہتر بدلہ لینے والا ہے (۲) اس طرح اللہ کی طرف سے رسول اللہؐ کو مطلع کیا کہ مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔

حضرت علیؑ بستر رسولؐ پر

رسول خداؐ کو خدا کی طرف سے مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم ملا۔ لیکن رسولؐ خدا کا ان چالیس افراد کے ہاتھوں سے، جو تلواریں تھامے ہوئے آپ کے گھر کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اور

---

(۱) انفال ۸: ۳۰۔

(۲) بدایہ و نہایہ ابن کثیر، ج ۳، ص ۱۷۵؛ سیرۂ ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۲۶؛ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۱، ص ۱۸۲؛ تھوڑے فرق کے ساتھ کامل ابن ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۱۶؛ طبقات، ج ۲، ص ۱۲۷۔

آپ کو قتل کر دینے کا پختہ ارادہ کئے ہوئے، ہر آنے جانے والے پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے، بچ کر نکل جانا آسان کام نہ تھا۔

ان حالات میں ظاہر ہے کہ نبی اکرمؐ کو چاہئے تھا کہ کوئی خاص تدبیر اپنائیں تاکہ کفار کو ہوا تک نہ ہو اور وہ یہ خیال نہ کریں کہ پیغمبر گھر میں نہیں ہیں لہٰذا دشمن کی سازش کو ناکام بنانے کی خاطر ضروری تھا کہ کوئی فداکار اور جانثار ہمت والا انسان حضرت کی ہری چادر اوڑھ کر حضرت کی طرح آپ کے بستر پر سو جائے تاکہ گھر کا محاصرہ کرنے والے مسلح افراد یہ خیال نہ کریں کہ محمد گھر چھوڑ کر چلے گئے ہیں اور ان کی ساری توجہ حضرتؐ کے گھر پر ہو اور باہر جانے والے راستوں سے ان کی توجہ ہٹ جائے۔ تاکہ پیغمبر خداؐ راتوں رات محفوظ مقام تک پہنچ جائیں۔ مگر کون ہے جو اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر حضرتؐ کے بستر پر سو جائے؟ یہ فداکار شخص وہی انسان ہو سکتا ہے جو سب سے پہلے حضرت محمدؐ پر ایمان لایا اور آغاز بعثت سے ہی پروانہ وار ان کے شمع وجود کے گرد گھومتا رہا ہو۔ وہ کامل واکمل انسان اور فداکار ہستی سوائے علیؑ ابن ابی طالبؑ کے اور کون ہو سکتی ہے گویا کہ خداوند متعال یہی چاہتا ہے کہ یہ افتخار بھی انھیں ہی حاصل ہو۔ اسی لئے رسول خداؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا:

"یا علیؑ! ان الروح قبط علی بهذه الآية: ﴿ واذ يمكر بك الذين كفروا...... ﴾ (۱) انفا يخبرني ان قريشا اجتمعت على المكر بي وقتلي وانه اوحیٰ الی ربی ان اهجر دار قومي وان انطلق الى غار ثور تحت لبلتي، وانه امرني ان امرک بالمبيت على مضجعي لتخفي بمبيتک عله اثرى، فما انت قائل و صانع؟.

اے علیؑ جبرئیل نازل ہوئے ہیں اس نے یہ آیت ﴿ واذ یمکر بک الذین کفروا...... ﴾ مجھ پر نازل کی۔ اور اس نے مجھے خبر دی ہے کہ مشرکین قریش نے مجھے قتل کرنے کا

(۱) انفال ۸: ۳۰۔

منصوبہ بنایا ہے انھوں نے مل کر مجھ پر حملہ کرنے اور بستر ہی پر مار دینے کا پکا ارادہ کرلیا ہے۔ مجھے خدا کی طرف سے حکم ملا ہے مکہ سے ہجرت کر جاؤں اور تم بحکم خدا آج کی رات میرے بستر پر لیٹ جاؤ تا کہ وہ خیال کریں کہ میں اپنے گھر میں بستر پر لیٹا ہوا ہوں اور وہ میرا پیچھا نہ کریں۔ اس بارے میں تمہارا کیا خیال ہے اور تم کیا کرو گے؟ (۱)

حضرت علیؑ نے رسول خداؐ کے فرمان پر عرض کیا: "او تسلمن بمبیتی هناک ، یا نبی اللّٰہ؟" اے رسول خداؐ اگر میں آپ کی جگہ پر سو جاؤں تو کیا آپ کی جان بچ جائے گی؟ حضرتؐ نے فرمایا: ہاں! حضرت علیؑ، رسول خداؐ کی جان حفاظت سے مطمئن ہونے پر مسکرائے اور سجدہ شکر بجالائے۔ حدیث میں آیا ہے کہ یہ پہلا سجدہ شکر ہے جو اسلام میں بجالایا گیا۔ (۲) جب سجدہ سے سر اٹھایا تو فرمایا: یا رسولؐ اللہ! خدا نے آپ کو جو حکم دیا ہے آپ اسے انجام دیں۔ میرے کان، آنکھ اور مہر و محبت آپ پر قربان اور مجھے جو چاہیں حکم کریں جیسا کہ آپؐ خدا کے فرمانبردار اور مطیع ہیں۔ میں خدائے بزرگ و برتر کے علاوہ کسی سے بھی توفیق کا طلبگار نہیں ہوں۔ (۳)

حلبی شافعی کہتے ہیں: رسول خداؐ نے حاضرین کے درمیان ارشاد فرمایا: تم میں سے جو میرے بستر پر سوئے گا میں اس کے لئے بہشت کی ضمانت دیتا ہوں؟ علیؑ نے جواب دیا: "انا ابیت واجعل نفسی فداک" میں لیٹ جاتا ہوں اور اپنی جان آپ پر فدا کر دیتا ہوں۔ (۴) یہ بات باور کرنے کے قابل نہیں ہے، کیونکہ حضرت علیؑ کے علاوہ کوئی دوسرا گھر میں موجود نہ تھا۔

---

(۱) مناقب ابن شہر آشوب، ج ۱، ص ۱۸۳؛ بحار الانوار، ج ۱۹، ص ۶۰؛ در کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۶۱؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۹۹؛ سیرہ ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۲۴؛ بدایہ و نہایہ ابن کثیر، ج ۳، ص ۱۷۴؛ میں آیا ہے "نم علی فراشی وتسبح ببردی هذا الحضر می الاخضر."

(۲) بحار الانوار، ج ۱۹، ص ۶۰؛ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۱، ص ۱۸۳۔

(۳) بحار الانوار، ج ۱۹، ص ۶۰؛ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۱، ص ۱۸۳۔

(۴) سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۱۹۲۔

ابن شہر آشوب مناقب میں اور علامہ مجلسی امالی شیخ صدوق سے نقل کرتے ہیں: ”جب رسول خداؐ جانے لگے تو انھوں نے علیؑ کو مخاطب کر کے فرمایا: اے علیؑ میں خبر دیتا ہوں کہ خدائے متعال اپنے دوستوں کو ان کے ایمان اور دینی مقام کے مطابق آزماتا ہے، اسی بنا پر انبیاء، انسانوں میں سب سے زیادہ امتحان اور بلا میں مبتلا ہوئے ہیں۔ اس کے بعد وہ افراد جو ان کی سیرت و کردار کے زیادہ نزدیک تر ہیں، اے میری ماں کے بیٹے!(۱)

اس کے بعد حضورؐ نے حضرت علیؑ کو اپنے سینے سے لگایا اور اشک شوق آنکھوں میں آ گئے۔ علیؑ بھی آنحضرتؐ کے فراق پر بہت روئے۔(۲)

حضرت علی علیہ السلام کا بستر رسولؐ پر سونا

حضرت علیؑ وحی الٰہی کے مطابق رسولؐ خدا کے حکم پر ان کی سبز چادر اوڑھ کر ان کے بستر پر لیٹ گئے۔ ابھی رات کا ایک پہر بھی نہ گزرا تھا کہ چالیس افراد ہاتھوں میں تلواریں تھامیں، جو کہ چالیس قبائل سے تھے اور ابوجہل و ابولہب ان میں نمایاں تھے، وہ کفر و شرک کے سرداروں کے حکم کے منتظر تھے تا کہ خانۂ وحی پر حملہ کر کے رسول خداؐ کے بستر کو ان کے پاک خون سے رنگین کر دیں۔

اسلام کے یہ جانی دشمن جو رسولؐ خدا کے گھر کا محاصرہ کیے ہوئے تھے، کبھی دروازہ کی آڑ سے گھر کے اندر جھانکتے اور اپنے خیال میں محمدؐ کو بستر پر لیٹا دیکھ کر کہتے کہ وہ تو اپنے گھر کی دیوار کے پیچھے سے بھی بے خبر ہیں۔ اسے تو ہم بس ابھی قتل کر دیں گے۔ اس طرح چراغ اسلام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے

---

(۱) رسولؐ خدا فاطمۂ بنت اسد مادر گرامی حضرت علیؑ کو ماں کہہ کر پکارتے تھے۔ خدا نے تیرا امتحان لیا اور میرا تیرے متعلق امتحان لیا، جس طرح اس نے اپنے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ ذبیح کو آزمایا۔ لہٰذا بردبار بنو اور صبر اختیار کرو یقیناً رحمت خدا نیک لوگوں کے ہمراہ ہے۔“

(۲) مناقب ابن شہر آشوب، ج ۱، ص ۱۸۳؛ بحار الانوار، ج ۱۹، ص ۶۰۔

گل ہو جائے گا۔ حضرت علیؑ اطمینان قلب کے ساتھ بستر رسولؐ پر سبز چادر اوڑھے لیٹے ہوئے تھے۔

اگر چہ دشمنوں کا پہلے منصوبہ یہ تھا کہ گھر کا محاصرہ کرتے ہی حملہ کر دیں اور پیغمبر کو رات کے پہلے پہر ہی میں قتل کر دیں، مگر بعض وجوہات کی بنا پر انھوں نے قتل کا ارادہ اس وقت ملتوی کر کے سحر کے وقت کا پروگرام بنایا۔

اس دوران پیغمبر خداؐ نے ارادہ کیا کہ وہ گھر سے باہر نکلیں اور رات کے اندھیرے میں مسلح افراد کے درمیان سے اس طرح گزر جائیں کہ انھیں ہوا نہ ہو اور آپ کی جان کو کوئی خطرہ نہ ہو۔ حضور اکرمؐ اللہ کے حکم سے ان مسلح افراد کے درمیان سے نکل گئے۔ انھوں نے آپؐ کو نہ پہچانا اور آپؐ راتوں رات غار ثور کی طرف روانہ ہو گئے اور جو پناہ گاہ خدا نے مقرر کی تھی اس میں چھپ گئے۔

اکثر مورخین جیسے ابن ہشام، حلبی ابن کثیر اور علامہ مجلسی نے لکھا ہے: ''جب چالیس مسلح افراد گھر کا محاصرہ کئے ہوئے تھے کبھی کبھی وہ گھر کے اندر جھانک کر تسلی کر لیتے تھے۔ ابوجہل ان سے کہہ رہا تھا ''محمدؐ خیال کرتے ہیں کہ اگر ان کی پیروی کریں تو عرب وعجم کے مالک بن جائیں گے، قیامت میں دوبارہ زندہ ہوں گے اور جنت میں جائیں گے۔ اگر اطاعت نہ کریں گے تو قتل ہو جائیں گے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونگے اور آتش جہنم میں جلیں گے۔

اسی گفتگو کے دوران رسول خدا گھر سے باہر نکلے آپ کے ہاتھ میں کچھ خاک تھی آپؐ نے ان سے کہا: ''ہاں میں ایسا ہی کہتا ہوں اور اے ابوجہل! تو آتش دوزخ میں جلنے والوں میں شامل ہوگا۔'' اس کے بعد وہ خاک ان کے سروں پر پھینک دی اور ان آیات کی تلاوت کی: ﴿ یٰس ☆ والقرآن الحکیم انک لمن المرسلین ☆..........☆وجعلنا من بین ایدیھم سدًا ومن خلفھم سدًا فاغشیناھم فھم لا یُبصرون ﴾ (۱) آپ ان کے درمیان سے صحیح وسالم گزر گئے۔ اور وہ لوگ بالکل متوجہ نہ ہوئے ان سب کے سروں پر خاک پڑی ہوئی تھی۔ اسی دوران ایک

(۱) یٰس ۳۶: ۱تا۹۔

شخص نے آ کر چیخ و پکار بلند کی کہ تم کس بات کے منتظر ہو؟ انھوں نے کہا: ''ہم محمدؐ کے منتظر ہیں۔'' اس نے کہا: ''خدا تمھیں ناکام کرے، محمدؐ تمہارے درمیان سے چلا گیا اور تم سب کے سروں پر خاک ڈال گیا'' ان سب چالیس افراد نے جب اپنے سروں پر ہاتھ پھیرا تو دیکھا واقعتاً ایسا ہی ہے۔

یہ دیکھ کر سب کے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ مبادا محمدؐ فرار کر گئے ہیں۔ انھوں نے دروازے کے آڑ سے دیکھا کہ آپؐ سبز چادر اوڑھے سو رہے ہیں (بستر رسولؐ پر علیؑ کی سونے کی اہمیت یہاں پر زیادہ نمایاں نظر آتی ہے) انھوں نے اپنے آپ سے کہا کہ ''خدا کی قسم یہ تو محمدؐ سوئے ہوئے ہیں اور اپنی مخصوص چادر اوڑھے ہوئے ہیں''۔ وہ مطمئن ہو گئے کہ وہ تو بستر پر آرام سے سو رہے ہیں لہٰذا نہ تو انھوں نے گھر پر حملہ کیا اور نہ ہی وہ رسول خداؐ کی تلاش میں نکلے۔ وہ انتظار میں تھے کہ تاریکی ختم ہو اور صبح سویرے گھر پر حملہ کریں۔ (۱)

خانۂ وحی پر حملہ

مسلح افراد جو کفر و شرک کے سرداروں کی طرف سے پیغمبرؐ اسلام کو قتل کرنے کے لئے صبح کے انتظار میں ایک ایک لمحہ بیقراری سے گزار رہے تھے، روشنی کے ظاہر ہوتے ہی صبح سویرے وہ چالیس دہشت گرد کہ جن میں خالد بن ولید (۲) سب سے آگے آگے تھا۔ تلواریں ہاتھوں میں تھامے ہوئے مخصوص شور و غل کے ساتھ پیغمبرؐ کے گھر میں داخل ہو کر حضرتؐ کے بستر کے نزدیک پہنچ گئے۔ علیؑ نے تکیہ سے سر اٹھایا، کپڑا ہٹایا، چادر کو ایک طرف کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپؑ نے انھیں جتا دیا کہ

(۱) سیرۂ ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۲۷؛ سیرۂ حلبی، ج ۲، ص ۱۹۲؛ بدایہ و نہایہ ابن کثیر، ج ۳، ص ۱۷۵؛ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۲۲۸؛ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۱۶؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۱۰۰؛ بحار الانوار، ج ۱۹، ص ۶۱؛ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۱، ص ۱۸۳۔

(۲) بحار الانوار، ج ۱۹، ص ۶۱۔

نہیں ہوں اور وہ لوگ اب تک غلطی پر تھے۔

جب انھوں نے اپنی سازش کو شکست سے دوچار ہوتے دیکھا تو غصے سے لال پیلے ہوگئے وہ علیؑ سے پوچھنے لگے کہ ''محمد کہاں ہیں''؟ علیؑ نے جواب دیا: مجھے ان کی جگہ کے بارے میں علم نہیں ہے۔(۱) علی بن ابراہیم کی نقل کے مطابق آپ نے فرمایا: ''کیا تم انھیں میرے حوالے کر گئے تھے جو مجھ سے پوچھ رہے ہو۔ کیا تم خود یہ نہیں کہتے تھے کہ انھیں اپنے شہر سے نکال باہر کردیں گے۔ اب وہ خود ہی تمہارے درمیان سے چلے گئے ہیں۔(۲)

حضرت علیؑ کی اس رات کی تاریخی فداکاری کو یادگار بنانے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ رکھنے کے لئے خداوند عالم نے آپؑ کی شان میں آیت نازل فرمائی:

﴿ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات اللّٰه واللّٰه رؤف بالعباد﴾(۳)

حملہ آوروں کا ردّ عمل

جب حملہ آوروں نے رسول خداؐ کی جگہ پر علیؑ کو پایا تو وہ جان گئے کہ انھیں دھوکا ہوا ہے اور محمدؐ راتوں رات گھر سے چلے گئے ہیں۔ ان کی سازش ناکام ہوگئی ہے۔ وہ بہت غصے میں آئے اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لئے انھوں نے سب سے پہلے ابولہب پر اعتراض کیا اور اس کی جم کر پٹائی کی کہ تو نے ہمیں رات حملہ کرنے سے روک دیا اور حضرت علی علیہ السلام کو اذیت دیتے ہوئے بیت الشرف سے مسجد الحرام کی طرف لے گئے۔ انھوں نے حضرت علیؑ کو کافی دیر تک اپنے تحت نظر رکھا کہ شاید ان

(۱) سیرۂ حلبی، ج۲،ص۱۹۲؛ بحارالانوار، ج۱۹،ص۶۲۔

(۲) تفسیر علی بن ابراہیم، ج۱،ص۲۷۵؛ بحارالانوار، ج۱۹،ص۵۱؛

(۳) بقرہ۲: ۲۰۷۔

کے ذریعے رسول خداؑ کے مخفی ٹھکانے کا پتہ چلا سکیں۔ مگر جب وہ مایوس ہو گئے تو علیؑ کو رہا کر دیا اور پیغمبر اسلام کی کھوج میں نکل پڑے۔ (۱)

حضرت محمدؐ کا پیچھا کرنا

رسول اکرمؐ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق رات کے وقت، جبکہ حضرت ابوبکر بھی شہر سے باہر ان سے آملے، مکہ سے نکل پڑے۔ آپ مکہ کے جنوب کی طرف، جو کہ مدینہ کے بالکل مخالف میں تھا، چل پڑے اور غار ثور پہنچ گئے۔

پیغمبر خداؐ تین رات یعنی شب ہجرت کی پہلی، دوسری اور تیسری رات، ابوبکر کے ہمراہ اسی غار میں رہے۔ (۲) خداوند تعالیٰ کے حکم سے مکڑی نے غار کے دہانے پر جالا بنا دیا اور دو جنگلی کبوتروں نے وہاں گھونسلا بنا کر انڈے دیدیئے۔

قریش کے سرداروں نے ایک دوسرے سے مشورہ کرنے کے بعد رسول خداؐ کو ڈھونڈنے کی بھرپور کوشش کی، قریش کے جوان جو کہ مختلف قبائل سے تھے وہ تلواریں ہاتھوں میں تھامے مکہ کے اطراف میں پہاڑوں کی طرف پھیل گئے۔ مورخین نقل کرتے ہیں کہ حضرت محمدؐ کے ٹھکانے کا پتہ بتانے والے کے لئے سو اونٹ انعام رکھا گیا تھا۔ (۳) اسی لئے بہت سارے گروہ حضرت محمدؐ کی تلاش میں مشغول ہو گئے۔ ان کی زیادہ تلاش مدینہ کی طرف جانے والے راستے یعنی مکہ کے شمال میں تھی حالانکہ رسول خداؐ جنوبی مکہ یعنی مدینہ کے بالکل مقابل میں غار ثور میں مخفی تھے۔

کفار قریش رسول خداؐ کو پانے کی خاطر مختلف چارہ جوئیاں کر رہے تھے حتیٰ کہ انھوں نے

(۱) سیرۂ حلبی، ج ۲، ص ۱۹۴۔

(۲) مناقب ابن شہر آشوب، ج ۱، ۱۸۳؛ طبقات، ج ۲، ص ۲۲۹۔

(۳) کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۱۷؛ سیرۂ ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۳۲۔

معروف قیافہ شناس ابو کرز خزاعی (جو کہ پاؤں کے قدموں کی شناخت کرلیا کرتا تھا،) سے مدد طلب کی انھوں نے اس سے کہا ''آج تم محمدؐ کے مخفی ٹھکانے کا پتہ بتادو'' ابو کرز نے حضرتؐ کے گھر کے سامنے سے ان کے پیروں کے نشان ڈھونڈ لئے اور وسط راہ میں ابو بکر کے قدموں کا بھی پتہ لگایا۔ اس نے کہا کہ ابوبکر اور محمدؐ یہاں سے ساتھ گزر کر گئے ہیں۔ وہ چلتے چلتے غار ثور کے نزدیک پہنچ گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے ساتھ آنے والوں سے کہا ''محمدؐ اس جگہ سے آگے نہیں گئے ہیں۔ اگر وہ غار میں نہ ہوں تو یا تو وہ آسمان کی طرف پرواز کر گئے ہیں یا پھر زمین میں چلے گئے ہیں''۔

چونکہ غار ثور پہاڑ کی بہت بلندی پر واقع تھی اس لئے وہ بلندی پر غار کے پاس پہنچ گئے۔ لیکن جب انھوں نے اندر جانا چاہا تو دیکھا کہ مکڑی جالا بنائے ہوئے ہے اور جنگلی کبوتروں نے انڈے دیئے ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا ''غار کے اندر داخل ہوجائیں''۔ امید بن خلف نے کہا ''غار کے اندر جانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ مکڑی نے محمدؐ کی پیدائش سے پہلے ہی غار کے دہانے پر جالا بنادیا ہے اگر غار میں داخل ہوں گے تو جنگلی کبوتروں کے انڈے ٹوٹ جائیں گے''۔ وہ غار کے اس قدر نزدیک پہنچ گئے تھے کہ رسول خداؐ اور حضرت ابوبکر ان کی آوازیں سن رہے تھے۔ حضرت ابوبکر ڈر گئے اور غم واندوہ کے ساتھ کہا ''یا رسول اللہؐ انہ یرانا'' اے رسول خداؐ! وہ ہمیں دیکھ رہے ہیں۔'' پیغمبر خدا نے ان کو تسلی دی تاکہ چپ ہوجائے۔(۱)

قرآن مجید اس تاریخی واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت ابوبکر کے غم واندوہ کو بیان کرتا ہے کہ رسول خداؐ نے سورہ مبارکہ توبہ کی آیت نمبر چالیس کے مطابق اس سے فرمایا: ﴿لا تحزن انّ اللہ معنا﴾ (۲) غمگین نہ ہو خدا ہمارے ساتھ ہے۔ بالآخر کھوج لگانے والے تین دن کے بعد مایوس

---

(۱) سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۲۰۹؛ طبقات، ج ۲، ص ۲۲۸۔

(۲) حضرت علی علیہ السلام اور ابوبکر کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہے ابوبکر تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بازو میں بیٹھ کر بھی ڈرے مرے جارہے تھے ہیں جن کے بارے میں ﴿لاتحزن......﴾ کی آیت نازل ہوئی جبکہ حضرت (باقی اگلے صفحہ پر)

و ناامید واپس لوٹے اور مزید تگ ودو کرنا چھوڑ دی ۔ قرآن کریم اس بارے میں فرماتا ہے:
﴿فانزل اللّٰہ سکینتہ علیہ و ایدہ بجنود لم تروھا و جعل کلمۃ الذین کفروا السفلی و کلمۃ اللّٰہ ھی العلیا واللّٰہ عزیز حکیم﴾ (۱) پس اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ پر اپنی تسکین نازل فرمائی اور ایسے لشکروں سے ان کو مدد پہنچائی جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کی بات کو اس نے پست کردیا، اور اللہ ہی کا بول بالا رہا اور اللہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

حضرت علیؑ کی غار میں رسول خداؐ سے ملاقات

خداوند متعال کے حکم وارادہ سے رسول خداؐ اسلام کے دشمنوں کے چنگل سے بخیر وعافیت نکل گئے۔اور غار ثور میں مخفی ہوگئے۔اور آپ تین دن رات غار میں رہے یہاں تک کہ مدینہ جانے کے لئے وسائل مہیا ہوگئے۔رسول خداؐ کے خفیہ ٹھکانے سے فقط علیؑ اور ابوبکر بعض آل ابوبکر کے لوگ باخبر تھے۔ابن ہشام ابن اسحاق سے نقل کرتے ہیں: ''علیؑ اور ابوبکر کے علاوہ کوئی بھی ان کے خارج ہونے (اور مخفی گاہ) سے آگاہ نہ تھا۔(۲)

اکثر مؤرخین کے بقول عبداللہ ابن ابوبکر اور عامر ابن فہیرہ (ابوبکر کی بھیڑوں کا رکھوالا) حضورؐ اکرم کے پاس آتے جاتے تھے۔ابن اثیر لکھتے ہیں: ''ابوبکر کا بیٹا رات کو قریش کے فیصلوں سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آگاہ کرتا اور بھیڑوں کا رکھوالا بھیڑوں کے راستے کو اس طرح طے کرتا کہ غار کے نزدیک سے گزرے تاکہ رسول خداؐ اور ابوبکر ان کے دودھ سے استفادہ کرسکیں۔(۳) رسول خدا

علی علیہ السلام ایسے خطرناک موقع پر ایسے گھر میں کہ جو چالیس تلواروں سے گھرا ہوا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ پر بڑے سکون اور آرام سے سوگئے ان کی شان مبارک میں آیت ﴿ومن الناس من الیشری......﴾ نازل ہوئی۔

(۱) توبہ ۹: ۴۰۔ (۲) سیرہ ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۳۹۔ (۳) کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۱۷۔

ﷺ کو غار میں چھپے ہوئے دوسری رات تھی کہ علیؑ تاریکئ شب کا فائدہ اٹھاتے ہوئے خدیجہ کے بیٹے ہند بن ابی ہالہ کے ہمراہ حضورؐ کے پاس غار میں پہنچ گئے۔ رسول خداؐ نے علیؑ کو حکم دیا کہ لوگوں کی امانتیں واپس، اور قرض ادا کردیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''ابطح'' (مکہ میں ایک جگہ کا نام) میں کھڑے ہوکر بلند آواز میں اعلان کردینا کہ جس کسی کی محمد ﷺ کے پاس امانت ہے وہ آکر واپس لے جائے۔ پھر فرمایا: ''اے علیؑ آج کے بعد قریش تمہیں نقصان نہیں پہنچاسکیں گے اور تمہارے ساتھ ایسا رویہ رکھیں گے کہ تو آزردہ ہوجائے۔ یہاں تک کہ تم میرے پاس پہنچ جاؤ۔ (۱)

لہٰذا تم علی الاعلان اور سب کے سامنے میرے پاس لوگوں کی جو امانتیں ہیں واپس کردو۔ میں تمہیں اپنی جگہ پر اپنی بیٹی فاطمہ سلام اللہ علیہا کے لئے جانشین قرار دیتا ہوں اور خداوند متعال تمہارا نگہبان و محافظ ہے......''۔

رسول خداؐ نے ہند بن ابی ہالہ سے فرمایا: ''میرے لئے اور میرے ہمسفر ابوبکر کے لئے دو اونٹ مہیا کرو!'' ابوبکر نے کہا: ''میں نے اس مقصد کے لئے دو اونٹ تیار کر رکھے تھے''۔ رسول خداؐ نے فرمایا: ''یہ دو اونٹ اس صورت میں تم سے قبول کروں گا کہ ان کی قیمت ادا کروں''۔ (۲) اس کے بعد حضرت علیؑ سے فرمایا: کہ اونٹوں کی قیمت ابوبکر کو ادا کردو! (۳)

حضرت علیؑ نے رسول خداؐ کے حکم کے مطابق تین اونٹ، ایک معتمد رہنما عبداللہ ارقد لیثی (۴)

---

(۱) اس بارے میں وضاحت آئندہ انشاء اللہ ملاحظہ فرمائیں گے۔

(۲) آپؐ اس بات پر راضی نہ ہوئے کہ ابوبکر کے اونٹوں پر بیٹھ کر ہجرت کریں۔ اس بات کی دلیل تاریخ میں تو نہیں لیکن ممکن ہے کہ حضرت نہیں چاہتے تھے کہ اس مبارک اور الٰہی سفر میں ان کی سواری منت اور احسان والی ہو۔

(۳) بحار الانوار، ج۱۹،ص ۶۲؛ سیرہ ابن ہشام، ج۲،ص ۱۳۱؛ کامل ابن اثیر، ج۱، ۵۱۷؛ بدایہ ونہایہ ابن کثیر، ج۳،ص ۱۸۶؛ تاریخ طبری، ج۲،ص ۱۰۲۔

(۴) ابن ہشام کے بقول ارقط اور ابن صباغ کے مطابق اریقط ہے۔

کے ہمراہ لیلۃ المبیت کی چوتھی رات، غار کی طرف بھجوائے۔ اونٹوں اور رہنما کی آواز جب رسول خداؐ تک پہنچی تو آپ ابوبکر کے ہمراہ غار سے باہر نکلے وہ سب اونٹوں پر سوار ہو کر مکہ کی نچلی طرف سے ساحلی راستے کے قریب سے یثرب (مدینہ) عازم سفر ہوئے۔(۱)

لیلۃ المبیت میں حضرت علی علیہ السلام کی فضیلت کا انکار

لیلۃ المبیت میں حضرت علیؑ کی فداکاری اور اسلام ورسولؐ خدا کے ساتھ آپ کی وفاداری کا کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ یہاں تک کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت علیؑ کے اس عمل کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ وجاوید کر دیا اور اس کی تعریف کی (۲) مگر افسوس کی بات ہے کہ وہ لوگ جن کے عقل وشعور پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور بغض علی میں اندھے ہوگئے ہیں وہ اس عظیم تاریخی فضیلت کی تفسیر کرتے ہوئے امیر المومنین کی عظمت کو گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اہل سنت کے عالم جاحظ اپنی کتاب العثمانیہ میں لکھتے ہیں: علیؑ کا بستر رسولؐ پر سوجانا کوئی بڑی فضیلت نہیں ہے چونکہ آنحضرتؐ نے ان کو اطمینان دلا دیا تھا کہ انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔(۳)

ابن تیمیہ کہتا ہے: ''کیونکہ رسول خداؐ نے علیؑ سے کہا تھا کہ کل مکہ میں ایک معین جگہ پر اعلان کریں کہ جس کی محمدؐ کے پاس امانت ہے وہ آکر لے جائے۔ علیؑ کو اچھی طرح علم تھا کہ اگر وہ بستر رسول خداؐ پر سوجائیں گے تو زندہ رہیں گے اور انھیں کوئی نقصان نہ ہوگا۔ کیونکہ کل لوگوں کی امانتیں

---

(۱) الفصول المہمہ، ص۵۰؛ سیرہ ابن ہشام، ج۲، ص۱۳۰؛ کامل ابن اثیر، ج۱، ص۵۱۷؛ بدایہ ونہایہ ابن کثیر، ج۳، ص۱۸۴؛ تاریخ طبری، ج۲، ص۱۰۲۔ ان تواریخ میں آیا ہے کہ حضرت راضی نہ ہوئے کہ ابوبکر کی ملکیت والے اونٹ پر سوار ہوں بلکہ ابوبکر کو ان کے اونٹ کی قیمت دینے کے بعد اس پر سوار ہوئے۔

(۲) ﴿ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ﴾ (بقرہ۲:۲۰۷)

(۳) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱۳، ص۲۶۲۔

ان کو واپس کرنی ہے۔''(۱)

یہ تعصب آمیز دعویٰ چند دلائل کی بنا پر باطل ہے:

[الف]: جاحظ، ابن تیمیہ اور ان کے پیروکار حضرت علیؑ کے فضائل کا انکار کرنا چاہتے ہیں لیکن یہاں پر لاشعوری طور پر حضرت کی ایک اور بڑی فضیلت ثابت کر رہے ہیں'' کیونکہ علیؑ جو کہ رسول خداؐ کی طرف سے ان کے بستر پر سونے کے پابند تھے، ایمان کے لحاظ سے وہ دو صورتوں سے خارج نہ تھے۔ یا تو رسول خداؐ کی حقانیت اور صداقت پر ان کا ایمان ایک معمولی حد تک تھا یا آپ کی سچائی پر ان کا ایمان ایک غیر معمولی حد تک تھا۔ پہلی صورت میں حضرتؑ کی فداکاری ثابت ہوتی ہے۔ چونکہ علیؑ کو اپنی سلامتی کا یقینی علم نہ تھا کیونکہ جو لوگ کم درجہ والے ایمان کے حامل ہوتے ہیں۔ ان کے لئے حساس اور خطرناک موقع پر حضورؐ کی راستگوئی پر ایمان اور یقین حاصل نہیں ہوتا۔ اگر وہ بستر پر لیٹ بھی جائے تو اسے پریشانی لاحق رہتی ہے۔ اور اگر دوسری صورت قبول کر لی جائے یعنی یہ کہ علیؑ کا ایمان ایک اعلیٰ درجہ پر فائز تھا اور حضورؐ کی بات کی صداقت نور خورشید کی طرح ان کے دل میں منور تھی ،تو اس طرح حضرت کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے کیونکہ جس شخص کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت پر ایمان اس قدر محکم ہو کہ خطرے کی پرواہ کئے بغیر سو جائے تو اس سے بڑی فضیلت اور کیا ہو سکتی ہے۔

[ب]: جاحظ ابن تیمیہ اور ان کے پیروکاروں کی بات بے اساس ہے ابن ابی الحدید کے استاد ابو جعفر کہتے ہیں: ''یہ دعویٰ درست نہیں ہے کہ رسول خداؐ نے شب ہجرت علیؑ سے کہا کہ وہ اگر میرے بستر پر سو جائیں تو انھیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔(۲) بلکہ اس واقعہ کے دوسرے یا تیسرے روز جب علیؑ غار ثور میں گئے تو رسول خداؐ نے ان کو یہ خوشخبری دی کہ آج کے بعد دشمن کی طرف سے آپ کو کوئی

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۳، ص ۲۶۳۔

(۲) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۳، ص ۲۶۳۔

نقصان نہ پہنچے گا۔لہٰذا دشمنوں کے شر سے بچنے کی خوشخبری کا تعلق لیلۃ المبیت کے بعد سے ہے نہ کہ حادثہ کی رات کے ساتھ۔اکثر مؤرخین کہ جنھوں نے واقعہ ہجرت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، انھوں نے یہ جملہ بالکل نقل نہیں کیا ہے۔ان میں سے ایک مؤرخ محمد بن سعد معروف بہ ''کاتب واقدی'' (سال وفات ۲۳۰ھ.ق) ہے کہ جس نے اپنی کتاب طبقات کبریٰ میں واقعہ ہجرت کو تفصیل سے ذکر کیا ہے

نویں صدی کے معروف مؤرخ مقریزی (سال وفات ۸۴۵ھ.ق) نے بھی امتاع الاسماع میں جاحظ والے قول کا ذکر نہیں کیا ہے۔اگر چہ ابن اثیر نے کامل میں (۱) طبری نے اپنی تاریخ (۲) میں مذکورہ جملے کا ذکر کیا ہے تو ان کا ماخذ سیرہ ابن ہشام (۳) ہے کہ جس نے یہ جملہ نقل کیا ہے۔قابل ذکر ہے کہ ان دونوں مؤرخین کی عبارت ابن ہشام کی عبارت جیسی ہے۔

بنابریں ہجرت کی رات دشمنوں کے شر سے علیؑ کے سلامت رہنے والا رسول خداؐ کا قول ایک ہی نقل کی طرف منتہی ہوتا ہے۔علاوہ ازیں بعید نہیں ہے کہ ان کا قصد اصل حادثہ اور ہجرت کی داستان کا نقل کردینا ہی ہو اور زمان و مکان ان کے پیش نظر نہ ہو۔

[ج]: اگر بستر رسولؐ پر علیؑ کا سوجانا اہمیت کا حامل نہ تھا تو آیت: ﴿ومن الناس من یشری ......﴾ کا نزول کیا معنی رکھتا ہے؟۔خود حضرت علیؑ نے اپنے اشعار میں اسے اپنے لئے فخر قرار دیا ہے:

وقیت بنفسی خیر من وطاالحصی ومن طاف بالبیت العتیق و بالحجر
محمد لما خاف ان یمکروابه فوقاه ربی ذوالجلال من المکر

---

(۱) کامل ابن اثیر، ج۱، ص ۵۱۶۔

(۲) تاریخ طبری، ج۲، ص ۹۹۔

(۳) سیرہ ابن ہشام، ج۲، ص ۱۲۷۔

وَبِتُّ اراعیھِم مَتیٰ ینشرونني وقد وطئت نفسی علی القتل والاسر

میں نے اپنی جان کا فدیہ دے کر کرۂ ارض پر قدم رکھنے والے سب سے بہترین شخص اور ایسے نیک اور مطہر شخص کو ایسے خطرناک موقع پر بچایا کہ جب کفار نے ان کو قتل کرنے کا پروگرام بنا رکھا تھا لیکن اللہ نے ان کو دشمنوں کے مکر وفریب سے بچایا۔

میں نے ان کے حملے کے انتظار میں ساری رات بسر کی اور اپنے آپ کو قتل اور اسیری کے لئے تیار کر رکھا تھا۔(۱)

اگر بعض مؤرخین کا دعویٰ درست ہے تو انھوں نے آپ کے یہ اشعار دیکھنے کے بعد حضرتؑ پر اعتراض کیوں نہ کیا؟ کہ آپ کو کوئی خطرہ نہ تھا چونکہ رسول خداؐ نے آپ کی حفاظت وسلامتی کی تائید کر دی تھی۔ لہٰذا آپ کا اس بات پر فخر کرنا بے معنی ہے۔(۲)

اسی طرح خلیفہ کے تعین کے لئے حضرت عمر کے حکم پر بننے والی چھ رکنی کمیٹی میں حضرت علیؑ نے اس عظیم فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے کمیٹی کے افراد پر شدید احتجاج اور اعتراض کیا تھا۔ آپؑ نے فرمایا: ''اے کمیٹی کے لوگو! تم کو خدا ایک قسم دیتا ہوں یہ بتاؤ کہ غار حرا میں رسول خداؐ کے لئے کھانا کون لے کر جاتا تھا، بتاؤ کیا میرے علاوہ کوئی اور تھا جو شب ہجرت بستر رسولؐ پر اس خطرے میں سویا ہو؟ سب نے جواب دیا ''خدا کی قسم آپ کے علاوہ کوئی اور نہ تھا۔'' (۳)

لیلۃ المبیت میں حضرت علیؑ کے سونے پر خدا کا فخر ومباحات کرنا

لیلۃ المبیت میں بستر رسولؐ پر علی علیہ السلام کے سو جانے کی فضیلت کے بارے میں موجود روایات

(۱) الفصول المہمہ، ص ۴۸؛ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۲، ص ۶۰؛ بحار الانوار، ج ۱۹، ص ۶۳۔

(۲) فروغ ابدیت، ج ۱، ص ۴۵۔

(۳) احتجاج طبرسی، ص ۷۴۔

اس بات پر گواہ ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی جان قربان کرنے پر آمادہ تھے۔ اس بارے میں انھیں کوئی خبر نہ تھی کہ مشرکوں کی طرف سے انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ یہ احادیث ابن تیمیہ اور جاحظ کا جواب ہے جو کہتے ہیں ''رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لیلۃ المبیت کو علی علیہ السلام سے فرمایا کہ دشمن کی طرف سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا'' یہاں پر دو احادیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

حدیث اول:۔ اکثر محدثین اور مورخین نے نقل کیا ہے: ''کہ جس رات علیؑ بستر رسولؐ پر سوئے خدا نے جبرئیل و مکائیل کو وحی کی کہ میں نے تم دونوں میں برادری قائم کی ہے اور تم میں سے ہر ایک کی عمر ایک دوسرے سے زیادہ مقرر کی، اب تم میں سے کون حاضر ہے جو اپنی زیادہ عمر دوسرے کو بخش دے؟ دونوں نے لمبی عمر کو اختیار کیا۔ خدا نے دونوں کو مخاطب کر کے فرمایا: کیا وجہ ہے کہ تم علیؑ ابن ابی طالبؑ کے مانند نہیں ہو؟ میں نے اس کے اور اپنے رسولؐ کے درمیان برادری قائم کی ہے اب علیؑ بستر رسولؐ پر سوئے ہیں۔ اس نے اپنی جان اس پر قربان وفدا کی ہے تم دونوں زمین کی طرف جاؤ اور اسے دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھو''۔

وہ دونوں فرشتے حکم خداوندی سے زمین پر آئے جبرئیل علیؑ کے سرہانے اور میکائیل پاؤں کی طرف کھڑے ہو گئے۔ جبرئیل نے آواز دی ''بخ بخ من مثلک یابن ابی طالب ، یباھی اللّٰہ عزوجل بک الملئکة ؛اے ابوطالبؑ کے بیٹے آپ کو مبارک ہو! خداوند متعال فرشتوں کے سامنے آپ کے بارے میں افتخار کر رہا ہے''۔ اس واقعہ کے بارے میں آیت ﴿ومن الناس من یشری نفسه...... ﴾ علیؑ کی شان میں نازل ہوئی۔

حدیث دوم: بحار الانوار میں رسول خداؐ سے اس طرح منقول ہے: ''اس دن صبح جب میں غار ثور میں تھا جبرئیل مجھ پر نازل ہوئے، میں نے دیکھا کہ وہ بہت مسرور ہے اس سے میں نے کہا: بہت خوشحال ہو'' اس نے کہا: ''یا رسول اللہؐ میں کیوں خوشحال نہ ہوں جبکہ خداوند تعالیٰ کی آپ کے بھائی علی ابن ابی طالبؑ پر ہونیوالی کرامت نے میری آنکھیں روشن کر دی ہیں۔ میں اسی وجہ سے خوش

ہوں۔ میں نے اس سے کہا: ''خداوند متعال نے کس لئے اسے کرامت بخشی ؟ اس نے کہا: خداوند عالم نے گزشتہ رات کی علیؑ کی عبادت پر ملائکہ کے سامنے افتخار و مباہات کیا اور فرمایا: اے فرشتوں میرے رسولؐ کے بعد زمین پر میری حجت کی طرف دیکھو اس نے اپنی جان نثار کر دی اور میری عظمت کے سامنے اپنے سر کو سجدہ شکر کے بطور زمین پر رکھدیا۔ تم گواہ رہنا کہ وہ لوگوں کا پیشوا اور میرے بندوں کا آقا و مولا ہے۔(۱)

بزرگان اسلام کا اعتراف

اکثر علمائے اسلام نے بستر رسولؐ پر علیؑ کے سونے کو ناقابل انکار فضیلت قرار دیا ہے۔ خود یہ اعتراف اس بات کی دلیل ہے کہ علیؑ اس رات اپنی سلامتی کے بارے میں آگاہ نہ تھے۔ یہاں پر تین مثالیں پیش کرتے ہیں:

۱۔ ابوالفضل شیبانی اپنی سند کے ساتھ مجاہد سے نقل کرتے ہیں کہ: ایک روز عائشہ اس بات پر فخر و مباہات کر رہی تھی کہ شب ہجرت اور غار ثور میں میرے بابا رسول خداؐ کے ساتھ تھے عبداللہ بن شداد نے اس کے جواب میں کہا: تیرا باپ کہاں اور علی بن ابی طالبؑ کہاں؟ علیؑ ایسے موقع پر نبی اکرمؐ کے بستر پر سوئے جبکہ ان کی موت سامنے تھی۔ عائشہ چپ ہوگئی اور جواب دینے کے لئے ان کے پاس کوئی بات نہ تھی۔

۲۔ طبری، خطیب قزوینی اور ثعلبی کہتے ہیں: ''خداوند تعالی نے اپنے رسول کو کفار کے فریب سے محفوظ کر لیا اور خدا کی تدبیر یہ تھی کہ علیؑ کو ان کے بستر پر سلا دیا''۔(۲)

۳۔ مامون نے اہل سنت کے چالیس فقہاء کے ساتھ ایک مناظرہ میں علیؑ کی فضیلت کے

(۱) بحار الانوار، ج ۹، ص ۸۷۔

(۲) مناقب ابن شہر آشوب، ج ۲، ص ۵۷۔

بارے میں گفتگو کی۔ جن فضائل کا ذکر ہوا ان میں سے ایک فضیلت حضرت علیؑ کا بستر رسولؐ پر سو جانا بھی تھا۔ وہ چالیس عالم اس فضیلت کے سامنے سر تسلیم خم ہو گئے۔(۱)

مذکورہ بالا شواہد اور دلائل سے واضح ہو گیا کہ لیلۃ المبیت میں علیؑ کی فضیلت کا جاحظ اور ابن تیمیہ کی طرف سے انکار کرنا بے بنیاد ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ علیؑ ہی وہ ہستی ہے جو تمام مراحل میں رسول خداؐ کی مطیع و فرمانبردار رہی ہے۔

سمرۃ بن جندب اور ایک اور تحریف

تمام گزشتہ تاریخی ادوار میں دشمنان اسلام نے حضرت علیؑ کے فضائل کم کرنے کی بہت کوشش کی ہے۔ انھوں نے اہل بیتؑ اطہار کی شان کے بارے میں آیات و روایات میں تحریف کی ہے۔

اموی دور کا خیانت کار سمرۃ بن جندب بہت ہی پست و پلید اور ایک بہت بے رحم شخص تھا اس نے اہل بیتؑ پیغمبر کے محبوں کو قتل کیا۔ تاریخ اس کے برے اعمال سے بھری پڑی ہے۔

اس نے معاویہ سے چار لاکھ درہم لے کر دین بیچ دیا اور اس کے بدلے میں اس نے شام کے عام لوگوں کے سامنے یہ کہا کہ آیت ﴿ ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات اللّٰه ﴾ (۲) عبدالرحمان ابن ملجم مرادی (قاتل حضرت علیؑ) کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حالانکہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان و منزلت میں لیلۃ المبیت کے موقع پر نازل ہوئی۔ نہ فقط یہ بلکہ اس نے کہا کہ آیت ﴿ومن الناس من یعجبک قوله فی الحیاة الدنیاویشهد اللّٰه علی ما فی قلبه وهو الدُّ الخصام ﴾ (۳) (جونکہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی) حضرت علیؑ کے

---

(۱) عقد الفرید، ج ۵، ص ۹۸۔

(۲) بقرہ ۲: ۲۰۷۔

(۳) بقرہ ۲: ۲۰۴۔

بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اگرچہ سمرۃ بن جندب کی تحریفات نے اس زمانے میں کچھ شامیوں کو گمراہ کیا اور معاویہ کو اس کے بدبودار مقاصد میں کامیاب کیا (یعنی امام المتقین حضرت علیؑ کو بدنام کرنا) لیکن چونکہ سورج ہمیشہ بادلوں میں چھپا نہیں رہتا آخر کار انصاف پسند مسلمان محققین نے آیت ﴿ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء......﴾ کے بارے میں تصدیق کی کہ یہ آیت حضرت علیؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت علیؑ کے انتظار میں پیغمبر اسلامؐ کا قبا میں ٹھہرنا

لیلۃ المبیت اور آغاز ہجرت میں علیؑ کی جانثاری اور فداکاری کے بارے میں جاننے کے بعد ہم ہجرت کے حوالے سے دیگر فداکاریوں کا ذکر کریں گے۔ رسول خداؐ، ابوبکر اور عبداللہ بن ارقد (اریقط، ارقط) کے ہمراہ اونٹوں پر سوار ہوئے اور مکہ و مدینہ کے درمیان چار سو کلومیٹر کا گرم و بیابانی راستہ طے کیا۔(۱) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۲ ربیع الاول پیر کے دن قبا نامی گاؤں میں داخل ہوئے۔ یہ گاؤں مدینہ سے دو فرسخ کے فاصلے پر قبیلہ "بنی عمرو بن عوف" کا مرکز تھا۔ حضور اکرمؐ کا تقریباً پانچ سو انصار و مہاجرین نے بڑے اشتیاق سے استقبال کیا۔(۲) آپ قبیلہ بنی عمرو کے فرد کلثوم بن ہرم یا سعد بن خثیمہ (۳) کے گھر میں وارد ہوئے، نیز حضرت ابوبکر حبیب بن اساف کے گھر میں داخل ہوئے۔(۴)

---

(۱) طبری اپنی تاریخ میں نقل کرتے ہیں کہ یہ ہجرت انتہائی گرم موسم میں واقع ہوئی۔، ج ۲، ص ۱۰۶۔

(۲) سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۲۳۲۔

(۳) ابن اثیر، طبری اور ابن ہشام نے کلثوم بن ہرم کا نام ذکر کیا ہے۔

(۴) مناقب ابن شہر آشوب، ج ۲، ص ۱۸۵۔

رسول خداؐ نے چند دن (بعض کے بقول دس دن اور ایک قول کے مطابق پیر تا جمعہ) اسی جگہ میں قیام فرمایا۔ قبا میں قیام کے دوران آپؐ نے یہاں کے لوگوں کے لئے عبادت واجتماع کرنے کی خاطر مسجد قبا کی بنیاد رکھی اس مسجد کے بارے میں آیا ہے کہ ﴿اُسِّسَ علی التقویٰ مِن اوَّلِ یوم﴾ حضرتؐ نے خود بھی اس کی تعمیر میں حصہ لیا اور تکمیل کے بعد نماز اس میں ادا کی۔(۱)

قبا میں قیام کے دوران بعض استقبال کرنے والوں نے کہا کہ مدینہ میں لوگ آپ کے منتظر ہیں آپ تشریف لے چلیں، لیکن رسول خداؐ نے ان سے کہا:

''میں اس وقت مدینہ میں داخل ہوں گا جب میرے چچازاد بھائی علیؑ اور میری بیٹی فاطمہؑ مکہ سے ہمارے پاس پہنچ جائیں گے''۔(۲)

بالآخر علیؑ و فاطمہؑ اور دیگر افراد کے مدینہ پہنچنے پر دو دن مزید قبا میں قیام فرمایا اور اس کے بعد آپ سب کے ہمراہ مدینہ میں داخل ہو گئے۔ جہاں رسول خداؐ کے اونٹ نے زانو طے کئے وہ جگہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی اسے دس دینار (۳) میں خریدا گیا۔ اور مسجد تعمیر کی گئی۔(۴)

اب ایوب انصاری کا گھر اس زمین کے نزدیک تھا۔ اس کی ماں رسول خداؐ کا سامان سفر گھر لے گئی۔ لوگ حضرتؐ کو اپنے اپنے گھر لے جانے کے لئے اصرار کر رہے تھے۔ حضرتؐ نے ان کے اشتیاق بھرے نزاع کو ختم کرنے کے لئے فرمایا میرا سامان سفر کہاں ہیں؟ لوگوں نے کہا: ابوایوب کی والدہ لے گئی ہیں۔ ''حضورؐ نے فرمایا: ''المرء مع رحلہ'' آدمی وہیں جاتا ہے جہاں اس کا سامان رکھا ہو۔ اسعد بن زرارہ رسول خداؐ کا اونٹ گھر لے گئے۔ اس طرح تاریخ ہجرت کا آغاز ہوا اور

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۳۸؛ الفصول المہمہ، ص ۵۳؛ کامل ابن اثیر، ج ۱، ۵۱۸؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۱۰۶؛ بدایہ و نہایہ ابن کثیر، ج ۳، ۱۸۴؛ بحار الانوار، ج ۱۹، ص ۱۰۶۔

(۲) الفصول المہمہ، ص ۵۲؛ بحار الانوار، ج ۱۹، ص ۱۰۶؛ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۱، ص ۱۸۵۔

(۳) بحار الانوار، ج ۲۹، ص ۱۱۱۔

(۴) سیرہ ابن ہشام و سایر مدارک فوق۔

حکومت اسلامی مدینہ منورہ میں قائم ہوگئی۔

امانتیں واپس دینے کے بعد علیؑ کا مدینہ کی طرف ہجرت کرنا

حضرت علی علیہ السلام، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد تین دن مکہ میں رہے اور رسول خداؐ کے پاس رکھی ہوئی امانتیں لوگوں کو واپس کیں۔ اس کے بعد خاندان رسالت کی چند خواتین اور چند بے چارے افراد کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ حلبی اپنی سیرت کی کتاب میں لکھتا ہے: ''حضور اکرمؐ جب مدینہ چلے گئے تو علیؑ ابطح نامی بلند مقام پر کھڑے ہو گئے اور کہا: ''جس کسی نے اپنی امانت رسول خداؐ کے سپرد کی ہے وہ آ کر واپس لے لے۔'' (۱)

جن جن لوگوں کی امانتیں تھیں انھوں نے نشانی بتا کر واپس لے لیں۔ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ: جب حضرت علیؑ نے امانتیں واپس کرنا چاہیں تو کعبہ کی چھت پر جا کر اعلان کیا ''اے لوگوں جس کسی کی امانت وثیقہ یا وعدہ رسول خداؐ کے ذمہ ہو وہ آ کر لے جائے۔'' (۲)

مشہور قول کے مطابق حضرت علیؑ نے تین دن کے اندر اندر رسول خداؐ کی ہدایات پر سب کی امانتیں واپس کر دی پھر رسول خداؐ نے ابو واقد لیثی (راستے کا راہنما) کے ذریعے بھیجے گئے خط میں حضرت علیؑ اور ہجرت کے لئے آمادہ مسلمانوں کی ہجرت کا پروگرام لکھنے کے ساتھ ساتھ انھیں پیغام دیا کہ خفیہ طور پر مکہ سے نکل جائیں اور شہر سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر ''ذی طویٰ'' نامی مقام پر ٹھہریں تا کہ حضرت کا قافلہ بھی ان تک پہنچ جائے۔ حضرت علیؑ نے ان سے کہا تھا کہ خفیہ طور پر جائیں لیکن خود نے روز روشن سفر کیا۔ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا فاطمہ بنت اسدؑ و فاطمہ بنت زبیر بن عوام کو ام ایمن کی مدد سے اونٹ پر سوار کیا۔ (۳) اور چل پڑے۔ ابو واقد اونٹوں کو تیز تیز لے جا رہے تھے۔ حضرتؑ نے

---

(۱) سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۲۳۲۔ (۲) مناقب، ج ۲، ص ۵۸۔ (۳) بعض مؤرخین کے بقول حضرت عائشہ نے چند عورتوں اور مردوں کا قافلہ تیار کیا اور حضرت علیؑ نے ان کو بھی مدینہ پہنچایا۔

اس سے فرمایا: ''اے ابوواقد اونٹوں کو آہستہ چلاؤ کیونکہ خواتین کے لئے تیز چلنا مشکل ہے''۔ ابو واقد نے کہا مجھے ڈر ہے کہ کفار نہ پہنچ جائیں''۔ حضرت علیؑ نے ان کے جواب میں فرمایا: ''اطمینان رکھو کیونکہ رسول خداؐ نے مجھ سے فرمایا ہے کہ تمہیں نقصان نہ پہنچے گا۔''(۱) اس کے بعد خود حضرتؑ نے اونٹوں کو چلانا شروع کردیا۔ اور حضرت اونٹوں کو آہستہ آہستہ چلاتے ہوئے یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

ولیس الا اللہ فارفع ضنکا — یکفیک رب الناس ما اھمکا

تمام امور کی باگ ڈور صرف خدا کے ہاتھ میں ہے، لہٰذا ہر بدگمانی دور کرو، دونوں جہاں کا پروردگار ہر حاجت پوری کرنے کے لئے کافی ہے۔(۲)

ابن شہرآشوب لکھتے ہیں: ''عباس کو پتہ چلا کہ حضرت علیؑ چاہتے ہیں کہ دن کے وقت دشمنوں کے سامنے مکہ سے جائیں اور خواتین کو بھی ساتھ لے جائیں۔ اس لئے وہ فوراً حضرت علیؑ کے پاس آئے اور کہا: محمدؐ خفیہ طور پر مکہ سے گئے اور قریش والوں نے آپ کو پانے کی خاطر مکہ کا چپہ چپہ چھان مارا، اب تم کیسے اس قافلے کے ہمراہ دشمنوں کی آنکھوں کے سامنے سے جاؤ گے؟ کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ وہ تمہیں جانے نہیں دیں گے؟ حضرت علیؑ نے اس کے جواب میں شعر پڑھے، جن کا مفہوم یہ ہے:۔

جس رات میں نے غار ثور میں رسول خداؐ سے ملاقات کی تو حضورؐ نے حکم دیا کہ ہاشمی خواتین کے ہمراہ مکہ سے ہجرت کروں۔ آپؐ نے مجھے خوشخبری دی کہ اس کے بعد تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ مجھے اپنے پروردگار پر بھرپور اعتماد اور رسول خداؐ کے قول پر یقین کامل ہے۔ ان کا اور میرا راستہ ایک ہے۔ لہٰذا روز روشن قریش والوں کے سامنے مکہ سے جاؤں گا۔(۳)

(۱) بحارالانوار، ج۱۹، ص۶۵۔

(۲) مناقب ابن شہرآشوب، ج۲، ص۵۹۔

(۳) اس قول رسول خداؐ کی طرف اشارہ ہے جو لیلۃ المبیت کی دوسری رات علیؑ سے فرمایا: ''انھم لن یصلوا من الان الیک یا علی بامر تکرھہ''۔

کفار مکہ حضرت علی علیہ السلام کی تلاش میں

امام کا کاروان جب ضجنان (مکہ شہر سے باہر) کے قریب آیا تو قریش کے آٹھ نقابدار افراد (ان میں حارث بن امیہ کا غلام 'جناح' بھی شامل تھا) آتے دکھائی دیئے۔ وہ بڑی تیزی سے حضرتؑ کے قافلہ کی طرف آرہے تھے۔ حضرت علیؑ نے حفظ ماتقدم کے طور پر خواتین کی حفاظت کی خاطر واقد لیثی اور ایمن کو حکم دیا کہ اونٹوں کو فوراً نیچے بٹھادیں ان کے پاؤں باندھ دیں اور خواتین نیچے اتر آئیں۔ نقابدار ننگی تلواروں کے ساتھ پہنچ گئے۔ ان کے چہرے غصے سے لال پیلے ہو رہے تھے انھوں نے کہا: کیا تم خیال کرتے ہو کہ ان خواتین کے ساتھ فرار ہو جاؤ گے۔ فوراً واپس چلے جاؤ! ''حضرت علیؑ نے جواب دیا اگر واپس نہ جاؤں تو کیا ہوگا؟ انھیں نے کہا یا تو زبردستی تمہیں لے جائیں گے یا تمہارا سر لے جائیں گے''۔ وہ یہ کہہ کر آگے بڑھے کہ اونٹوں کو ہنکائیں۔ حضرت علیؑ اپنی تلوار لے کر آگے بڑھے اور خواتین اور اونٹوں کے آگے ڈھال بن کر کھڑے ہوگئے۔ جناح تلوار لیکر آگے بڑھا۔ حضرت علیؑ نے اس پر حملہ کیا، نزدیک تھا کہ تلوار اس کے کاندھے پر لگے اچانک اس کا گھوڑا پیچھے ہٹ گیا اور آپ تلوار اس کے گھوڑے کی پشت پر جا لگی۔ اس دوران حضرت علیؑ نے انھیں للکارا ''میں مدینہ جا رہا ہوں اور میرا واحد مقصد رسول خداؐ تک پہنچنا ہے۔ جو ٹکڑے ٹکڑے ہونا چاہتا ہے اور اپنا خون ضائع کرنا چاہتا ہے وہ آگے آئے۔'' آپؑ نے یہ رجز پڑھا:

خلو سبیل الجاهد الجاهد　　　الیت لا اعبد غیر الواحد

جو راہ خدا میں جہاد کر رہا ہے اس کا راستہ صاف کردو، خدا کی قسم میں خدا کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کرتا ہوں۔ آپؑ نے ابو واقد اور ایمن سے کہا: ''اونٹوں کے پاؤں کھول دو اور حرکت کرو۔''(۱) دشمن حضرت علیؑ کے محکم ارادے کو دیکھ کر واپس مکہ چلے گئے۔ حضرت علیؑ نے مدینہ کی

(۱) بحار الانوار، ج ۱۹، ص ۶۵؛ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۱، ص ۱۸۳۔

طرف اپنا سفر جاری رکھا۔ کوہ ضجنان کے نزدیک ایک دن رات آرام کیا تا کہ دوسرے مہاجرین بھی ان کے ساتھ آملیں۔ بعد میں ملحق ہونے والوں میں ام ایمن بھی شامل تھی۔ (۱)

تاریخی کتب میں درج ہے کہ حضرت علیؑ نے یہ سارا راستہ پیدل طے کیا پورے راستے ان کی زبان پر ذکر خدا کا وردرہا اور اپنے ہمسفروں کے ساتھ نمازیں بجالاتے رہے۔ بعض مفسرین کے بقول آیات: ﴿الذین یذکرون اللّٰہ قیاما و قعودا و علی جنوبھم و یتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض بونا ما خلقت ھذا باطلاً...... فاستجاب لھم ربھم انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی...... واللّٰہ عندہ حسن الثواب﴾ (۲) مکہ سے مدینہ ہجرت کرتے وقت حضرت علیؑ اور آپؐ کے ہمراہ آنے والوں کے مقام و منزلت کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ (۳)

آخر کار حضرت علیؑ ربیع الاول کے وسط میں قبا نامی دیہات پہنچے۔ مؤرخین کے بقول آنحضرتؑ کے پاؤں پیدل چلنے کی وجہ سے زخمی ہو گئے تھے۔ رسول خدا کو خبر دی گئی کہ حضرت علیؑ پہنچ گئے ہیں لیکن آپؐ کے پاس حاضر نہیں ہو سکتے۔ پیغمبر اکرمؐ بلا فاصلہ حضرت علیؑ کے پاس آئے اور ان کو گلے سے لگایا۔ حضرت علیؑ کے زخمی پاؤں دیکھ کر حضور کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کے بعد آپؐ نے اپنے لعاب دہن کو علیؑ کے زخمی پاؤں پر لگایا اور دعا کی۔ اس کے بعد حضرت علیؑ جب تک زندہ رہے پاؤں کے درد میں مبتلا نہ ہوئے۔ (۴)

اس کے بعد نبی اکرمؐ، حضرت علیؑ کے لئے اس آیت تلاوت کی فرمائی: ﴿ان اللّٰہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ......﴾ (۵) خداوند متعال نے مؤمنین کی

(۱) بحار الانوار، ج ۱۹، ص ۶۶۔

(۲) آل عمران ۳: ۱۹۰ تا ۱۹۴۔

(۳) مناقب ابن شہر آشوب، ج ۱، ص ۱۸۴؛ بحار الانوار، ج ۱۹، ص ۶۶۔

(۴) کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۱۹۔ (۵) توبہ ۹: ۱۱۱۔

جان ومال (جو راہ خدا میں دیتے ہیں) کے بدلے انھیں جنت دیدی۔ اس کے بعد فرمایا:

''اے علیؑ تم اس امت میں سے پہلے شخص ہو جو خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے۔ اور پہلے شخص ہو کہ جس نے خدا اور اس کے رسولؐ کی طرف ہجرت کی اور آخری شخص ہو کہ جو اپنے عہد و پیمان کے وفادار رہو گے۔ اے علیؑ اس ذات کی قسم ہے کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تمھیں دوست نہیں رکھتا مگر وہ مؤمن کہ جس کے دل کا خدا نے امتحان کر لیا ہے اور تیرے ساتھ دشمنی نہیں رکھتا مگر وہ شخص جو منافق یا کافر ہے۔ (۱)

توضیح:

روایات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ جب قبا پہنچے تو حضور اکرمؐ وہاں آپ کے منتظر تھے۔ مؤرخین کے بقول حضرت علیؑ ہجرت رسول خداؐ کے بعد تین دن تک مکہ میں رہے، امانتیں واپس کرنے کے بعد آپ نے بلا فاصلہ خاندان رسالت کی خواتین اور دیگر افراد کے ہمراہ مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ گزشتہ بحث کی روشنی میں یہ بات ثابت ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کم از کم پانچ دن (پیر سے جمعہ تک) اور ایک قول کے مطابق دس دن اس مقام پر رہے۔ بنا بریں ضروری ہے کہ حضرت علیؑ نے کم از کم دو دن یا سات دن حضور اکرمؐ کے پاس قبا میں گزارے ہیں۔

علاوہ ازیں حضرت علیؑ جب قبا میں پہنچے تو بعض مؤرخین کے بقول 'کلثوم بن ہرم' کے گھر گئے۔ حضور اکرمؐ بھی وہاں موجود تھے۔ (۲) اگر حضرت علیؑ پیغمبر اکرمؐ کے جانے کے بعد قبا میں داخل ہوئے ہوتے تو یقیناً وہ فوراً وہاں سے مدینہ کی طرف رسول خداؐ کے پاس چلے جاتے۔ کلثوم کے گھر قیام کرنا ثابت کرتا ہے کہ حضور اکرمؐ ابھی قبا میں ہی رہ کر علیؑ کے آنے کے منتظر تھے۔

---

(۱) سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۲۳۳؛ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۱، ص ۱۸۶۔

(۲) سیرہ ابن ہشام، ج ۱، ص ۱۳۸۔

یوں حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ جیسے حق شناس انسان نے رسول خداؐ کی حفاظت اور آپ کی ہجرت کی خاطر فداکاری و جانثاری کر کے اسلام و مسلمانوں کی عظیم خدمت کی۔ خواتین اور دیگر افراد کے ہمراہ خود پیدل سفرِ ہجرت کر کے اسلام اور رسول خداؐ کے ساتھ اپنے خالص ایمان کا اظہار کیا۔

عقد مبارک

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جبرئیل میرے پاس آئے اور کہا:

اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

"ان اللّٰہ یقرأ علیک السلام ویقول : قد زوجت فاطمة من علی ، فزوجها منه، وقد امرت شجرة طوبیٰ ان تحمل الدر و المرجان والیاقوت ، وان اهل السماء قد فرحوا بذالک و سیولد مهما ولد ان سید اشباب اهل الجنة فابشر یا محمد......؛"

خداوند عالم بعد درود وسلام کے کہتا ہے کہ میں نے فاطمہ سلام اللہ علیہا کا عقد علیؑ کے ساتھ کر دیا ہے، تم بھی یہ کام انجام دے دو، میں نے طوبیٰ کے درخت کو حکم دیا ہے کہ وہ دُرّ یاقوت اور مرجان سے آراستہ ہو جائے، آسمان والے اس مبارک عقد سے خوش ہیں۔ علیؑ و فاطمہؑ سے دو فرزند پیدا ہونگے وہ جوانان اہل جنت کے سردار ہیں، تو اے محمدؐ تمہیں بشارت ہو......"(۱)

اس باب میں سب سے پہلے رسول خداؐ کی دختر محترمہ اور حضرت علیؑ کی باوفا بیوی حضرت زہراؑ کی زندگی اور ان کے فضائل کا مختصر طور پر ذکر کریں گے۔ اس کے بعد علیؑ و فاطمہؑ جیسے دو گوہر تابناک کے درمیان رشتہ ازدواج کی کیفیت کی طرف اشارہ کریں گے۔ یہ مبارک شادی جنگ بدر کے بعد

(۱) مقتل الحسینؑ، موفق بن احمد، ص ۶۵؛ صحیفہ امام رضاؑ، ص ۱۷۲، ح ۱۰۸۔

۲ھ میں واقع ہوئی۔

ولادت باسعادت حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ظہور اسلام کے وقت اور اپنے والد گرامی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد اسلام کی حیات بخش تحریک کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا اور یہ تحریک ترقی اور کامیابی کی منزلیں طے کر رہی تھی تب آپؑ دنیا میں تشریف لائیں۔

فاطمہؑ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باوفا شعار زوجہ حضرت خدیجہؑ کی یادگار ہیں۔ حضرت خدیجہؑ وہ پہلی خاتون ہیں کہ جن کے ساتھ حضورؐ نے شادی کی نیز آنحضرتؐ کی بعثت کے آغاز میں سب سے پہلے آپ ہی حضور اکرمؐ پر ایمان لائیں اور دین اسلام کو جان ودل سے قبول کیا۔

حضرت خدیجہؑ نے اپنی ساری دولت اسلام پر قربان کر کے دین خدا کو مضبوط و محکم کر دیا۔ آپ نے توحید و اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہ فرمایا۔ رسول خداؐ نے ان کی فداکاری و جاںنثاری کو بلند درجہ عطا فرمایا۔ اور اسے کبھی بھی فراموش نہ کیا۔

شیعہ مؤرخین کے نزدیک آپ کی ولادت باسعادت بعثت رسول خداؐ سے تین یا پانچ سال پہلے واقع ہوئی۔ یہاں پر بعض شیعہ وسنی مؤرخین کے اقوال کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ علامہ کلینی لکھتے ہیں: ''فاطمہؑ زہرا بعثت رسول خداؐ کے پانچ سال بعد دنیا میں تشریف لائیں اور آنحضرتؐ کی رحلت کے ۷۵ دن بعد ۱۸ سال کی عمر میں دنیا سے چلی گئیں۔ (۱)

۲۔ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں: ''فاطمہ زہراؑ بعثت کے پانچ سال بعد ۲۰ جمادی الثانی کو یعنی معراج کے تین سال بعد، پیدا ہوئیں۔ آپ نے آٹھ سال اپنے والد گرامی کے ساتھ مکہ میں گزارے اس کے بعد مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ جب حضورؐ کی وفات ہوئی تو آپ کی عمر ۱۸ سال

(۱) کافی، ج ۱، ص ۴۵۸۔

اور ۷ ماہ تھی۔ باپ کی رحلت کے بعد ۷۲ یا ۷۵ دن سے زیادہ زندہ نہ رہیں۔ (۱)

طبری نے دلائل الامامہ میں (۲) علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں (۳) اور علامہ اربلی (۴)۔ نے کشف الغمہ میں مذکورہ قول کی تائید کی ہے۔ اس قول کی تائید روایات میں بھی موجود ہیں اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم ان کو نقل نہیں کریں گے۔

اہل سنت علماء سے منقول ایک قول کے مطابق "حضرت فاطمہ زہراؑ کی ولادت بعثت رسولؐ سے پانچ سال قبل واقع ہوئی، یعنی جس زمانے میں سیلاب کی وجہ سے خانۂ کعبہ کو نقصان پہنچا اور قریش کعبہ کی بنیادیں بنا رہے تھے۔ (۵)

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ولادت قبل از بعثت قرار دینے اور تاریخ ولادت کو تبدیل کرنے کی ظاہراً دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔......۱۔ ولادت جناب فاطمہؑ کے بارے میں فضائل سے متعلق موجود روایات کو خدشہ دار کرنا۔......۲۔ اس غلط تاریخ کو نقل کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ فاطمہؑ کا حضرت علیؑ کے ساتھ عقد ۱۸ سال کی عمر میں ہوا اور اس سے یہ نتیجہ نکالیں کہ وہ ایک عام سی لڑکی تھی وہ گھر میں پڑی ہوئی تھی اور کوئی اس کے ساتھ شادی کرنے پر رغبت نہیں رکھتا تھا۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی تاریخ ولادت میں تحریف کر کے وہ ایک طرف تو آپ کی شخصیت کو گھٹانا چاہتے ہیں اور دوسری طرف اس ازدواج کی وجہ سے آپ کو جو افتخار ملا ہے اسے نظر انداز کر دینا چاہتے ہیں۔

صحیح روایات اور تاریخ کے مطابق آپ کی ولادت کو قبل از بعثت قرار دینا باطل اور بے بنیاد

---

(۱) مناقب ابن شہر آشوب، ج ۳، ص ۳۵۷۔

(۲) مناقب ابن شہر آشوب، ج ۳، ص ۹۔

(۳) مناقب ابن شہر آشوب، ج ۳، ص ۹۔

(۴) مناقب ابن شہر آشوب، ج ۳، ص ۴

(۵) احقاق الحق، ج ۱۰، ص ۱۱؛ المختار فی مناقب الاخیار، ص ۵۶؛ ذخائر العقبیٰ، ص ۲۶؛ الثغور الباسمہ، ص ۱۵۔

ہے۔ آپ کی ولادت بعثت کے بعد واقع ہوئی اور اس درِّ بے بہا کا نطفہ ایک خاص اہتمام کے ساتھ منعقد ہوا۔ آپ بہشتی خواتین کے ہمراہ دنیا میں تشریف لائیں۔ اس کی تفصیل درج ذیل ملاحظہ فرمائیں۔

جنتی پھلوں سے نطفۂ فاطمہ سلام اللہ علیہا کا انعقاد

ابو بکر بغدادی حضرت عائشہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتی ہیں: ''میں نے رسول خداؐ سے عرض کیا: ''یا رسول اللہؐ کیا وجہ ہے کہ جب فاطمہؑ آپ کے پاس آتی ہے تو اسے بوسہ دیتے ہیں اور اپنی زبان اس کے منہ میں رکھتے ہیں...... '' حضرتؐ نے فرمایا: ''ہاں اے عائشہ! جب میں سفر معراج پر گیا تو جبرئیل مجھے بہشت میں لے گئے اور انھوں نے بہشتی سیب مجھے دیا میں نے وہ کھایا اور وہی سیب میرے صلب میں نطفہ میں تبدیل ہوگیا۔ جب میں زمین پر آیا تو خدیجہ کے ساتھ تھا جس کے سبب خدیجہ حاملہ حضرت فاطمہؑ ہوئیں۔ حضرت فاطمہؑ حواری انسیہ ہیں۔ میں جب بھی بہشت کا مشتاق ہوتا ہوں تو اپنی بیٹی حضرت فاطمہؑ کو بوسہ دیتا ہوں'' (۱)

علامہ اخطب خوارزمی نے مذکورہ روایت کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ البتہ انھوں نے بجائے خوشبو کے میں سونگھتا ہوں، لکھا ہے۔ (۲)

حاکم مستدرک میں سعد بن مالک سے نقل کرتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا: ''جب میں معراج پر گیا تو جبرئیل بہشت سے میرے لئے ایک گلابی پھل لائے۔ میں نے وہ کھائی اور حضرت خدیجہؑ حاملہ ہوگئی۔ میں جب بھی جنت کا مشتاق ہوتا ہوں تو حضرت فاطمہؑ کی گردن کا بوسہ دیتا ہوں۔ (۱)

---

(۱) تاریخ بغداد، ج ۵، ص ۸۷؛ ینابیع المودۃ، ج ۲، ص ۲۴؛ بحار الانوار، ۴۳، ص ۴۔

(۲) احقاق الحق، ج ۱۰، ص ۵۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا بطن مادر میں کلام کرنا

شیخ صدوق امالی میں مفضل بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''جب خدیجہ نے رسول خداؐ سے شادی کی تو مکہ کی عورتوں نے آپؐ سے ناراض ہو کر قطع تعلق کر لیا۔ خدیجہ اس غم سے اداس رہتی تھیں یہاں تک کہ آپ حضرت فاطمہ کی حاملہ ہوئیں۔ یہ بچی بطن مادر میں اپنی والدہ سے کلام کرتی تھیں۔ حضرت خدیجہ کو دلاسا دیتی تھیں۔ حضرت خدیجہ نے رسول خداؐ سے یہ راز چھپائے رکھا یہاں تک کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر تشریف لائے اور سنا کہ خدیجہ کسی سے ہمکلام ہیں۔ پوچھا خدیجہ کس کے ساتھ باتیں کر رہی تھیں؟ خدیجہ نے جواب دیا ''جو بچہ میرے شکم پیٹ میں ہے وہ میرے ساتھ ہمکلام تھا وہ میرا ہمدم و ہمدرد ہے۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا: ''اے خدیجہؑ جبرئیل نے مجھے اطلاع دی ہے کہ تیرے پیٹ میں لڑکی ہے اور خدائے تعالیٰ اس سے تیری نسل کو آگے بڑھائے گا۔ وحی منقطع ہو جانے کے بعد خداوند متعال جن رہنماؤں کو زمین میں اپنا جانشین اور ائمہ دین قرار دے گا وہ اس کی نسل سے ہونگے۔ (۲)

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ولادت کی کیفیت

جب حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کا وضع حمل نزدیک آیا تو حضرت خدیجہ نے کسی کو قریش کی عورتوں کے پاس بھیجا اور ان سے کہا کہ وہ میرے گھر آئیں اور حضرت فاطمہؑ کی ولادت کے حوالے سے میری مدد کریں قریش کی عورتوں نے پیغام بھیجا کہ تو نے پہلے ہماری بات نہ مانی اور

(۱) مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۶۹؛ احقاق الحق، ج ۱۰، ص ۱۲؛ میزان الاعتدال، ج ۱، ص ۳۸؛ مجمع الزوائد، ج ۶، ص ۲۰۲؛ لسان المیزان، ج ۵، ص ۹۷؛ ینابیع المودۃ، ص ۱۹۷؛ ارجح المطالب، ۲۳۹؛ وسیلۃ المال، ص ۷۸۔

(۲) بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۲؛ نزہۃ المجالس، ج ۲، ص ۲۲۷؛ قندوزی حنفی در ینابیع المودۃ، ص ۱۹۷؛ تجہیز الجیش، ص ۹۹؛ روض الفائق، ص ۲۱۴؛ احقاق الحق، ج ۱۰، ص ۱۲۔

عبداللہ کے یتیم اور نادار سے ساتھ شادی کر لی اب ہم بھی تمہاری مدد نہیں کریں گے۔

حضرت خدیجہ ان کے جواب سے غمگین ہوگئیں اسی دوران انھوں نے چار بلند قامت خواتین (ہاشمی خواتین سے مشابہ) کو اندر آتے دیکھا۔ آپ انھیں دیکھ کر پریشان ہوگئیں۔ ان میں سے ایک نے کہا ''اے خدیجہ نہ ڈرو ہم تمہاری بہنیں ہیں۔ میں سارہ ہوں یہ آسیہ بنت مزاحم (فرعون کی بیوی) ہے جو جنت میں تیری ہمدم ہوگی۔ وہ مریم بنت عمران اور چوتھی کلثوم خواہر موسیٰ ابن عمران ہے۔ خداوند تعالیٰ نے ہمیں تیرے وضع حمل میں مدد کے لئے بھیجا ہے۔'' انھوں نے مدد کی اس کے بعد حضرت فاطمہؑ دنیا میں تشریف لائیں۔ (۱)

حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا کے نام کا انتخاب

اسلام نے جن مسائل کی اہمیت بیان کی ہے ان میں سے ایک اہم مسئلہ بچے کے لئے اچھا نام انتخاب کرنا ہے اور یہ بچے کا حق والدین کے ذمہ قرار دیا ہے۔ بعض گھرانے اپنے بچوں کا نام رکھنے میں خاص خیال نہیں رکھتے اور نامناسب نام رکھنے کی وجہ سے ان کے بچے معاشرہ میں مشکل سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ بسا اوقات نامناسب نام ان کی توہین اور مسخرہ کا باعث بن جاتا ہے۔ علاوہ ازیں مناسب نام خاندان اور معاشرے کی بھی عکاسی کرتا ہے۔

اگر ہم انبیائے الٰہی کے ناموں پر غور وفکر کریں تو معلوم ہوگا کہ اللہ کے یہ نمائندے بامقصد بامعنی اور شخصیت کے مطابق ناموں کے حامل تھے۔ اس طرح ہمارے ائمہ علیہم السلام کے نام بھی بامعنی اور بامقصد ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول خداؐ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؑ کے لئے جو نام تجویز کیے وہ بلا مقصد نہ تھے، بلکہ اپنے اندر عظیم معانی لئے ہوئے تھے۔ ہم یہاں پر اس عظیم اسلامی خاتون کے بعض اسماء کی مختصر طور پر وضاحت کرتے ہیں۔

---

(۱) بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۳؛ ینابیع المودۃ، ص ۱۹۹؛ وسیلۃ المآل، ص ۷۷؛ نزہۃ المجالس، ج ۲، ص ۲۲۷؛ احقاق الحق، ج ۱۰، ص ۱۳۔

فاطمہؑ:

بعض روایات کے مطابق یہ نام خداوند تعالیٰ کی طرف سے منتخب ہوا ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: جب فاطمہؑ پیدا ہوئیں تو خداوند عالم نے ایک فرشتہ وحی سے فرمایا کہ زمین پر جاؤ اور یہ نام محمدؐ کی زبان پر جاری کردو۔ اس طرح حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نوزاد بیٹی کا نام فاطمہؑ انتخاب کیا۔ پھر رب العالمین نے فرمایا: ''اے فاطمہؑ! میں نے علم کے ذریعہ دودھ کو تجھ سے چھڑایا اور عام عورتوں کی آلودگیوں سے تجھے پاکیزہ قرار دیا ہے۔(۱)

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: ''واللہ خداوند عالم نے اس محترمہ کو بہت زیادہ علم کے ذریعہ دودھ سے چھڑایا اور پاکی کے لحاظ سے اسے عورتوں والی نجاستوں سے منزہ قرار دیا۔(۲)

شیعہ، سنی روایات میں یہ نام رکھنے کی وجہ اس طرح بیان کی گئی ہے: ابوبکر احمد بن علی شافعی ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

''میری بیٹی فاطمہؑ حورائے انسیہ ہے۔ حیض اور عام عورتوں والی تمام آلودگیوں سے مبرا و منزہ ہیں۔ ان کا نام فاطمہؑ رکھا گیا، کیونکہ خداوند عالم نے اسے اور اس کے ماننے والوں کو آتش جہنم سے دور رکھا ہے۔''(۳)

امام صادق علیہ السلام اپنے اجداد کے ذریعہ رسول خداؐ سے نقل کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے علیؑ سے فرمایا: ''اے علیؑ کیا تم جانتے ہو کہ فاطمہؑ کا یہ نام کیوں رکھا گیا ہے؟ حضرت علیؑ نے عرض کیا ''کیوں یا رسول اللہؐ؟ حضرتؐ نے فرمایا: "لانها فطمت هي و شيعتها عن النار" کیونکہ وہ اور شیعہ آتش جہنم سے دور رکھے گئے ہیں۔(۱)

(۱) جب بچے سے دودھ چھڑانا چاہتے ہیں تو اسے کھانا دیتے ہیں تاکہ وہ آہستہ آہستہ دودھ چھوڑ دے۔ خداوند عالم نے علم کو فاطمہؑ کے لئے دودھ کا جانشین قرار دیا۔

(۲) کافی، ج ۱، ص ۴۶۰؛ کشف الغمہ، ج ۲، ص ۱۹؛ بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۱۳۔

(۳) احقاق الحق، ج ۱۰، ص ۱۶؛ از نقل تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۳۳۱۔

ایک دوسری جگہ آیا ہے ''چونکہ فاطمہؑ شر اور بدی سے دور ہے اس لئے ان کا یہ نام رکھا گیا ہے۔'' امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''کیا تم جانتے ہو فاطمہؑ کے کیا معنی ہے؟ راوی جواب دیتا ہے مولا مجھے معلوم نہیں آپ ہی اس کی وجہ بیان فرمائیں تب آپ نے فرمایا: ''فطمت من الشر'' یعنی شر اور بدی آپ کے نزدیک نہیں آسکتی''۔(۲)

صدیقہ:

صدیقہ، صدیق کی مونث اور صیغہ مبالغہ ہے، یعنی انتہائی سچ بولنے والی، یا جو اپنے قول کی تصدیق کرے۔ آیات و روایات کے مطابق صدیق روز قیامت انبیاء وشہداء کے ہمراہ ہونگی اور وہ خاص مقام و درجہ پر فائز ہونگی۔ ﴿واذکر فی الکتاب ابراھیم انه کانه صدیقا نبیاء﴾ (۳) کتاب الٰہی میں حضرت ادریس کے احوال یاد کرو جو بہت زیادہ سچے اور پیغمبر خدا تھے۔

﴿وما المسیح بن مریم الا رسول قد خلقت من قبله الرسل وامه صدیقه﴾ سچ ہے کہ فرزند مریم پیغمبر خدا کے علاوہ کچھ نہیں ان سے پہلے بھی اللہ کے رسول آئے ہیں اور ان کی ماں بھی بہت زیادہ سچ بولنے والی اور بہت زیادہ سچی ہیں۔

حضرت زہراؑ سیدہ زنان عالمیان صدیقین کے مرتبہ پر فائز ہیں اس لئے رسول خداؐ نے انھیں صدیقہ کے نام سے یاد کیا ہے۔

رسول خداؐ نے علیؑ سے فرمایا ''تجھے تین ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو کسی کو بھی حتیٰ مجھے بھی نہیں دی گئیں:۔

(۱) مناقب ابن شہر آشوب، ج۳، ص۳۲۹؛ احقاق الحق، ج۱۰، ص۲۴، ۱۷۔

(۲) مناقب ابن شہر آشوب، ج۳، ص۳۳۰۔

(۳) مریم ۱۹:۴۱۔

۱۔ تو رسولؐ اللہ ﷺ جیسی ہستی کا داماد ہے، جبکہ میرا خسر تیرے خسر جیسا نہیں ہے۔

۲۔ تیری زوجہ صدیقہ طاہرہ رسول خداؐ کی بیٹی ہے جبکہ میرے پاس ایسی زوجہ نہیں ہے۔

۳۔ تجھے حسن و حسین علیہما السلام جیسے بیٹے عطا کیے گئے جبکہ مجھے ایسا کوئی بیٹا عطا نہ ہوا۔ اے علیؑ تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔(۱)

شیعہ عقیدہ کے مطابق اور صدیقہ کو صرف صدیق ہی غسل دے سکتا ہے، لہٰذا حضرت علیؑ نے ہی حضرت زہراؑ کو غسل دیا۔ مفضل بن عمر امام صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں ''جسم اطہر کو حضرت علیؑ نے غسل دیا......'' مزید فرمایا: ''فاطمہؑ صدیقہ ہیں اور صدیقہ کو فقط صدیق ہی غسل دے سکتا ہے کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ حضرت مریم کو حضرت عیسیٰؑ کے علاوہ کسی نے غسل نہ دیا۔(۲)

مبارکہ:

مبارکہ کا مادہ برکت ہے۔ راغب لکھتے ہیں ''جہاں پر خیر الٰہی اسقدر ہو کہ اسے محدود کرنا اور شمار وغیرہ ممکن نہ ہو اور انسان اس پر جتنی ہی نظر کرے اور غور کرے تو اسے اس میں زیادتی ہی نظر آئے گی ایسے موقع پر کہتے ہیں کہ اس میں برکت ہے اور مبارک ہے۔''

خداوند تعالیٰ نے اس محترمہ کو بہت سی برکتیں عطا کی تھیں رسول گرامی اسلامؐ کی نسل کی بقا بھی آپ ہی کے ذریعہ سے ہے۔ آپ کی شہادت کے بعد دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ واقعہ کربلا میں امام حسن علیہ السلام کے بیٹے اور ایک نقل کے مطابق سات بیٹے۔ اسی طرح حضرت زینبؑ کے دو بیٹے شہید ہو گئے۔ امام حسین علیہ السلام کے صرف ایک بیٹے امام سجاد علیہ السلام ہی بچے اور ام کلثوم بغیر بچے کے دنیا سے چلی گئیں۔ واقعہ کربلا کے بعد بھی رسول خداؐ، علی مرتضیٰؑ اور حضرت فاطمہ زہراؑ کی اولاد کا قتل و کشتار کا

(۱) فاطمہ زہرا من المہد الی اللحد (مترجم)، ص ۷۳۔

(۲) کافی، ج ۱، ص ۴۵۹؛ بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۲۱۱، ۲۱۵۔

سلسلہ جاری رہا۔اس کے باوجود خداوند تعالی نے نسل فاطمہؑ میں برکت قرار دی اور آیت ﴿ انا اعطیناک الکوثر﴾ کے مصداق ہونے کے باعث اولاد کثیر عطا کی گئی۔آپ اس حقیقت کا پوری دنیا میں مشاہدہ کرسکتے ہیں۔آج فرزندان حضرت فاطمہؑ جو دراصل فرزندان رسول خداؐ ہی ہیں۔وہ دنیا کے مختلف ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں۔اعداد وشمار کے مطابق ایران میں تقریباً تیس لاکھ،عراق میں دس لاکھ مصر میں پچاس لاکھ اور مغرب میں تقریباً پچاس لاکھ......اولاد فاطمہ آباد ہیں کل سادات تقریباً تین کروڑ پچاس لاکھ افراد ہیں۔(۱)

طاہرہ:

حضرت فاطمہؑ کا ایک نام طاہرہ بھی ہے۔شیعہ علماء اور اکثر سنی علماء کا یہ عقیدہ ہے کہ فاطمہؑ آیت﴿انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھر کم تطھیرا﴾ (۲) کی مصداق ہیں۔اس بارے میں بہت ساری روایات موجود ہیں۔یہاں پر صرف ایک حدیث پر اکتفا کرتے ہیں۔(۳)

اہل سنت علماء ام سلمہ، عائشہ،ابی سعید خدری، زید بن ارقم،ابن عباس،ضحاک بن مزاحم،ابی الحمراء اور عمر بن ابی سلمہ وغیرہ سے یوں روایت کرتے ہیں ”جب آیہ تطہیر نازل ہوئی تو رسول خداؐ نے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ علیہم السلام کو بلایا اور عبا کے نیچے ان سب کو جمع کرلیا اور پھر فرمایا ”خدا کی قسم یہ میرے اہل بیتؑ ہیں، خداوندا! رجس اور پلیدی کو ان سے دور رکھ اور انھیں پاک و پاکیزہ قرار دے“۔(۱)

---

(۱)فاطمہ زہرا من المھد الی اللحد (مترجم)،ص۷۸۔

(۲)احزاب۳۳:۳۳۔

(۳) آیہ تطہیر کے بارے میں دیگر روایات مصنف کی دوسری کتاب بنام ”علی درقرآن وسنت“ میں آئینگی۔

زہراؑ:

اس نام کی اصل "زہر" یعنی روشن وصفا ہے۔ امام صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ فاطمہؑ کو زہرا کیوں کہتے ہیں؟ آپؑ نے فرمایا "حضرت فاطمہؑ کے لئے جنت میں سرخ یاقوت کا محل ہوگا اس محل کی بلندی اور عظمت کے باعث اہل بہشت کو آسمان پر یہ ایک درخشاں ستارے کے مانند نظر آئے گا وہ ایک دوسرے سے کہیں گے "ھذہ الزھراء لفاطمہ" یہ نورانی محل حضرت فاطمہؑ زہرا کا ہے۔(۲)

حضرت زہرا کے دیگر اسماء یہ ہیں: بتول، عذرا، زکیہ، راضیہ، مرضیہ، محدثہ، حورا، انسیہ، آپ کی کنیت: ام الحسن، ام الحسین، ام المحسن، ام الائمہ، ام ابیہا اور ام المومنین ہے۔

فضائل حضرت فاطمہ علیہا السلام

اسلام کی اس عظیم اور محترم خاتون کے فضائل ومناقب کا احاطہ کرنا ہمارے بس سے باہر ہے یہاں پر بطور اجمالی ان کا ذکر کیا جاتا ہے:

رسول خداؐ کی فاطمہ سلام اللہ علیہا سے محبت

رسول خداؐ کی فاطمہ علیہا السلام سے محبت بلاوجہ اور فقط باپ بیٹی کی محبت نہ تھی، کیونکہ آنحضرتؐ کی اور بیٹیاں بھی تھیں، علاوہ ازیں پیغمبر اسلامؐ ﴿وما ینطق عن الھویٰ﴾ کے مطابق کسی کی بھی بلاوجہ تعریف ومدح نہ کرتے تھے۔

---

(۱) الدر المنثور، ج۵، ۱۹۸؛ الاتقان فی علوم القرآن، ج۲، ص۱۲۶۸؛ مستدرک حاکم، ج۳، ص۱۵۹، ۱۶۰۔

(۲) بحار الانوار، ج۴۳، ص۱۶۔

بنابریں کہا جاسکتا ہے کہ کمسنی سے ہی حضرت زہرا علیہا السلام ایسے فضائل وکمالات سے بلند و بالا تھیں کہ رسول خداؐ کی توجہ جلب کرنے کا باعث بنے۔ یہی وجہ تھی کہ رسول خداؐ نے آپ کی عظمت کے بارے میں ایسے اقوال ارشاد فرمائے ہیں جو کسی دوسرے کے لئے نہیں فرمائے۔ مثلاً "ان اللّٰہ یرضیٰ لرضاک و یغضب لغضبک" خداوندتعالیٰ تیری رضا پر راضی اور تیرے غضب پر غضبناک ہوتا ہے"۔(۱) "فاطمه بضعة منی فمن اذاها فقد اذانی ، ومن اذانی فقد اذی اللّٰہ" فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے جس نے اسے اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی"(۲)

ایک اور قول کے مطابق فرمایا: فاطمہؑ میری جان دل ہے جو میرے سینے میں ہے۔(۳)

مزید فرمایا: "وہ میری آنکھ کا نور اور میوۂ دل ہے"۔(۴)

فاطمہؑ سے رسول خداؐ کی محبت اس قدر تھی کہ ابن عمر کا قول ہے "جب بھی رسول خداؐ سفر پر جانے کا ارادہ فرماتے تو جس کے ساتھ سب سے آخر میں خداحافظی کرتے وہ حضرت فاطمہ تھی اور سفر سے واپسی پر جس کو سب سے پہلے دیکھنے کے لئے جاتے وہ بھی حضرت فاطمہؑ ہی تھی۔(۵) یہاں تک کہ رسول خداؐ حضرت فاطمہؑ سے فرماتے تھے "فداک ابی و امی" (۱) میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔

حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں "حضرت فاطمہؑ نطق و کلام کے حوالے سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ تھیں۔ حضرت فاطمہؑ جب بھی آنحضرتؐ کے پاس جاتی تھی تو آپ انھیں خوش آمدید

(۱) ینابیع المودۃ، ج ۱، ص ۱۷۱؛ بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۲۰۔

(۲) مناقب ابن شہر آشوب، ج ۳، ص ۳۳۲؛ بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۸۰؛ صحیح مسلم، ج ۱۶، ص ۲؛ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۷۳؛ حلیۃ الاولیاء، ج ۲، ص ۴۰۔

(۳) بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۸۰۔

(۴) بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۲۴۔

(۵) مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۶۷۔

اور مرحبا کہتے تھے۔ اٹھ کر ان کا استقبال کرتے تھے۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیتے اور انھیں اپنے جگہ بٹھاتے تھے"۔(۲)

عبادت حضرت فاطمہ علیہا السلام

حضرت فاطمہؑ دنیا کی سب سے عابد تگذار اور نیک خاتون ہیں۔ تمام گھریلو مصروفیات اور مسائل کے باوجود آپؑ واجبات، مستحبات اور انفرادی و اجتماعی عبادات بجالانے میں تاریخ کا نمونہ تھیں۔

شیخ صدوق اور دوسرے محدثین امام حسن علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں "میری والدہ فاطمہؑ شب جمعہ محراب عبادت میں کھڑی ہو گئیں اور صبح تک عبادت میں، رکوع و سجود میں مصروف رہیں میں نے دیکھا کہ ہمیشہ باایمان مردوں اور خواتین کا نام لیکر ان کے لئے دعا کرتیں اپنے لئے دعا نہ کرتیں، میں نے پوچھا:

"اے مادر گرامی جیسے دوسروں کے لئے دعا کرتی ہیں ویسے اپنے لئے دعا کیوں نہیں کرتیں۔

انھوں نے فرمایا "یا بنی الجار ثم الدار "اے میرے بیٹے پہلے ہمسایہ پھر گھر۔(۳)

حسن بصری حضرت فاطمہؑ کی عبادت کے بارے میں کہتے ہیں "اس امت میں فاطمہؑ سے بڑھ کر کوئی عبادت گذار نہیں ہے، اس لئے کہ آپ عبادت کے لئے اسقدر کھڑی رہتی تھیں کہ پاؤں میں ورم کر جاتے تھے۔(۱)

---

(۱) مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۷۰۔

(۲) مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۶۷۔

(۳) کشف الغمہ، ج ۲، ص ۲۵۔

حضرت فاطمہ علیہا السلام سیدہ زنان عالم

علماء شیعہ وسنی اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت فاطمہؑ کائنات کی خواتین کی سردار ہیں۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ''میں حضورؐ کے پاس بیٹھی تھی (جبکہ آپ مریض تھے اور پھر رحلت فرما گئے) حضرت فاطمہؑ اندر داخل ہوئی وہ مثل رسول خداؐ قدم بڑھا رہی تھیں۔ رسول خداؐ نے فرمایا: ''اے میری بیٹی فاطمہؑ خوش آمدید''۔ پھر اسے اپنے دائیں یا بائیں طرف بٹھایا۔ آپ نے ان کے کان میں کوئی راز کی بات کی جس کو سنکر حضرت فاطمہؑ رو پڑیں اس کے بعد کوئی دوسری بات کی اس بار حضرت فاطمہؑ مسکرائیں۔ میں نے حضرت فاطمہؑ سے وجہ پوچھی کہ رسول خداؐ نے کیا فرمایا؟ حضرت فاطمہؑ نے کہا ''جب تک رسول اکرمؐ زندہ ہیں ان کا راز فاش نہیں کروں گی''۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں۔ پیغمبر اسلامؐ کی رحلت کے بعد میں نے حضرت فاطمہؑ سے کہا، پیغمبرؐ نے رحلت کے وقت تم سے کیا فرمایا کہ تم روئیں اور پھر ہنسیں؟ حضرت فاطمہؑ نے کہا ''میرے والد نے فرمایا'' جبرئیل ہر سال مرے سامنے ایک مرتبہ قرآن مجید پیش کرتے تھے۔ مگر اس بار دو مرتبہ پیش کیا، ایسا لگتا ہے کہ میری رحلت کا وقت نزدیک آ گیا ہے''۔ میں اپنے والد سے ان کی رحلت کی خبر سنکر رو پڑی۔ پھر انھوں نے فرمایا کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم اس امت کی سب سے بہترین خاتون ہو؟ حضرت فاطمہؑ نے کہا اس بات پر میں مسکرائی۔ (۲)

---

(۱) مناقب ابن شہر آشوب، ج ۳، ۳۴۱۔

(۲) طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۴۔

روز قیامت عظمتِ فاطمہ علیہا السلام

ابن عباس، ابوایوب اور ابو ہریرہ سے منقول روایات میں درج ہے:

''روز قیامت جب سب انسان خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونگے تو اس وقت منادی حق پس پردہ آواز دے گا ''اے انسانوں، اپنی آنکھیں بند کرلو اور اپنے سروں کو جھکالو، کیونکہ محمدؐ کی بیٹی فاطمہؑ پل صراط سے گزر رہی ہیں''۔(۱) بعض دیگر احادیث میں مذکور ہے ''رسول خداؐ کی بیٹی فاطمہؑ محشر سے گزرنا چاہتی ہیں''۔(۲)

حضرت علی علیہ السلام کا عقد جناب فاطمہ علیہا السلام کے ساتھ

حضرت علی علیہ السلام و حضرت فاطمہ علیہا السلام کے فضائل و مناقب سے اجمالی طور پر آگاہ ہونے کے بعد اب ہم اصل ان دونوروں کے رشتۂ ازدواج پر روشنی ڈالیں گے۔ اس امید کے ساتھ کہ ان دو ہستیوں کی زندگی ہمارے لئے خاص طور پر جوان شادی شدہ مرد و زن کے لئے نمونۂ عمل بن جائے۔

حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی عمر اس وقت ۲۵ / یا ۲۶ / سال کی ہے۔ امر الٰہی اور سنت حسنہ اسلامی کے مطابق اب انھیں ایسی خاتون کے ساتھ شادی کرنا ہے جو ایمان و تقویٰ دانش و بصیرت اور اصالت و نجابت کے حوالے سے ان کی کفو اور ہم مرتبہ ہو؛ تاکہ زندگی کی کشتی سکون و آرام کے ساتھ اپنی آخری منزل پر پہنچے۔ ایسی باعظمت خاتون سوائے بنت رسولؐ کے اور کوئی نہ تھی جن کی تمام خصوصیات کی ولادت سے لیکر تا حال، سے آپ کاملا جانتے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت زہراؑ کی عمر نو سال ہوگئی تھی اور آپ جسمانی رشد کے ساتھ ساتھ فکری کمال سے بھی برخوردار تھیں۔ کم سنی کے

---

(۱) مناقب ابن شہر آشوب، ج ۳، ص ۳۲۶؛ بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۵۲؛ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۶۶؛ ینابیع المودۃ، ج ۲، ص: الفصول المہمہ، ۱۴۷؛ بیشتر معلومات کے لئے رجوع کریں، احقاق الحق، ج ۱۰، ص ۱۲۸۔

(۲) الفصول المہمہ، ۱۴۷۔

باوجود فکری وعقلی رشد وکمال کے لحاظ سے دوسروں سے ممتاز تھیں۔ خداوند تعالیٰ نے انھیں کامل ذہانت اور ذکاوت کے ساتھ ساتھ ظاہری جمال وزیبائی سے بھی بطور اتم نوازا تھا۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ حضرت زہرأ نے وحی ورسالت کی گود میں پرورش پائی اور اسلامی علوم ومعارف پیغمبر اسلامؐ سے کسب کئے۔ غرض یہ کہ آپ ہر لحاظ سے حدکمال تک پہنچی ہوئی تھیں۔ آپؑ کے انھیں فضائل اور کمالات کے باعث رسول خداؐ کے بہت سارے معروف اصحاب اور مالدار افراد نے، جیسے حضرت ابوبکر، عمر، عثمان اور عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہ نے شادی کی درخواست کی، مگر حضور اکرمؐ نے کسی کو بھی مثبت جواب نہ دیا۔ آپؐ ان کی درخواست کے جواب میں فرماتے ''حضرت فاطمہؑ کی شادی خدا کے اختیار میں ہے۔ خدا جسے چاہے گا اس کی زوجیت میں قرار دے گا۔ (۱) ابھی ان کی شادی کا وقت نہیں ہوا ہے۔ (۲)

فاطمہؑ کی شادی ایسی شخصیت سے ہونی چاہیئے جو فضائل وکمالات میں ان کی کفو ہو اور وہ ہستی علی ابن ابی طالبؑ کے علاوہ اور کوئی نہ تھی۔

شادی کے خواہشمند گھٹیا فکر افراد

بعض بے بصیرت اور دنیادار افراد یہ خیال کرتے تھے کہ رسول خداؐ بھی انھیں کی طرح تمام مسائل کو مادی نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔ اگر وہ ان کی بیٹی سے شادی کے خواہشمند افراد کو مثبت جواب نہیں دیتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ زیادہ دولت مند افراد کے منتظر ہیں۔ ان لوگوں کو پیغمبر خداؐ کی معرفت نہ تھی وہ کسی نہ کسی طریقہ سے اپنے مال ودولت کے بل پر رسول خداؐ سے قربت بڑھانے کی فکر میں تھے۔ جبکہ حضرت محمدؐ کی بعثت کا مقصد ہی ایسے غلط افکار کا خاتمہ کرنا تھا۔ اسلام اس طرح کے

(۱) بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۱۲۵؛ احقاق الحق، ج ۱۰، ص ۳۲۶۔۳۳۳۔

(۲) مناقب ابن شہر آشوب، ج ۲، ۱۸۲، ج ۳، ص ۳۴۳؛ احقاق الحق، ۱۰، ص ۳۳۱۔

کھو کھلے اور بے بنیاد افتخارات کو ختم کر کے تمام معیاروں کو معنوی فضائل اور کمالات پر استوار کرنے کے لئے آیا ہے۔ رسول خداؐ اپنی بیٹی کی شادی کے مسئلے میں بھی اس معیار کو مدنظر رکھے ہوئے تھے۔ لہٰذا آپؐ نے اپنی نور نظر حضرت فاطمہؑ کی حضرت علیؑ سے شادی کر دی۔ حضرت علیؑ کے پاس دنیا کا مال و دولت نہ تھا، شادی کے لئے جو مہر معین کیا گیا وہ اس حقیقت کا بین ثبوت ہے۔

حضرت علیؑ حضرت فاطمہؑ کے کفو

بطور کلی ہر مسلمان مرد اور عورت ایک دوسرے کے ہم مرتبہ ہیں۔ البتہ فکری اور روحانی جہتوں کی طرف دھیان دیا جائے تو ہوسکتا ہے بعض مرد بعض عورتوں کے ہم شان و کفو نہ ہوں۔ اسی طرح بعض عورتیں بعض مردوں کے ہم شان و کفو نہ ہوں۔ جو افراد و شخصیات بلند افکار اور اعلیٰ اخلاقی صفات کے حامل ہیں انھیں ایسی خواتین سے رشتہ ازدواج قائم کرنا چاہیے کہ جو فکری و معنوی لحاظ سے ان کے شایان شان ہوں۔ اس کے بغیر ازدواجی سکون و آرام حاصل نہ ہوگا۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے رسول خداؐ کے لئے اللہ کے اس کلام (۱) کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ فرمایا:

"اگر میں علیؑ کو پیدا نہ کرتا، آدمؑ سے لے کر دوسروں تک، تو تیری بیٹی فاطمہؑ کے لئے روئے زمین پر کوئی کفو و ہمسر نہ ہوتا۔" (۲)

اسی طرح رسول اکرمؐ سے منقول ہے: "اگر خدا نے علیؑ کو خلق نہ کیا ہوتا تو فاطمہؑ کا کوئی کفو نہ تھا۔" (۳)

---

(۱) خدا کی طرف نسبت دیئے گئے ایسے کلمات وحی نہیں ہیں بلکہ حدیث قدسی کے نام سے مشہور ہیں۔

(۲) بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۹۲۔

(۳) کنوز الحقائق، دمناوی، ص ۱۲۴۔

علیؑ کی فاطمہؑ کے ساتھ شادی کرنے کی خواہش

حضرت علیؑ نے پوری زندگی حضرت زہرؑا سے شادی کے بارے میں کسی سے اظہار نہیں کیا اور شرم وحیا کے باعث رسول خداؐ کے حضور کبھی اپنی خواہش کا اظہار نہ کرسکے۔اس وجہ سے بھی کہ آپ کی مالی حالت بہتر نہ تھی اور مدینہ میں آپ کا کوئی گھر بھی نہ تھا۔

ایک دن حضرت ابوبکر حضرت عمر اور سعد بن معاذ مسجد میں بیٹھے بنت رسولؐ کے بارے میں باتیں کرر ہے تھے۔ابوبکر نے سعد سے کہا ''بڑے بڑے مالدار اور مشہور معروف لوگوں نے فاطمہؑ سے شادی کرنے کا اظہار کیا ہے مگر رسول خداؐ نے فرمایا''از دواج فاطمہؑ خدا کے اختیار میں ہے وہی جو چاہے گا کرے گا۔

پھر کہنے لگے کہ حضرت علی ابن ابی طالبؑ ابھی تک حضرت فاطمہؑ کی خواستگاری کے لئے نہیں گئے ہیں۔شاید وہ اپنی تنگدستی اور ناداری کے باعث جانے کی ہمت نہیں کر پار ہے ہیں۔میرا خیال ہے کہ خدا اور رسولؐ نے فاطمہؑ کو علیؑ کے لئے مخصوص کیا ہے۔بہتر یہ ہے کہ ہم سب علیؑ کے پاس چل کر اس موضوع پر بات کرتے ہیں تا کہ اگر انھیں کوئی مشکل ہے تو ان کی مدد کریں۔''

وہ تینوں حضرت علیؑ کی تلاش میں مسجد سے نکلے تو انھیں انصار کے باغ میں کھجوروں کے درختوں میں پانی دیتے ہوئے پایا۔جب علیؑ نے انھیں دیکھا تو فرمایا۔کیسے آئے ہو؟ انھوں ہے کہا ''قریش کے ثروتمندوں نے بنت رسولؐ سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا ہے مگر آنحضرتؐ نے انھیں اختیار خداوندی کا حوالہ دیا ہے۔ہمیں امید ہے اگر آپ حضرت فاطمہؑ کی خواستگاری کے لئے جائیں گے تو مثبت میں جواب پائیں گے یہ سنتے ہی علیؑ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور کہنے لگے: میں تو دختر رسول کو بہت چاہتا ہوں مگر میرے لئے ناداری رکاوٹ بنی ہے۔ابوبکر نے کہا: رسول خداؐ کی نظر میں دنیا اور مافیہا گرد وخاک سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

حضرت علیؑ رسول خداؐ کی طرف گئے، آنحضرتؐ اس وقت ام سلمہ کے پاس تھے، آپؐ نے

دروازہ پر دستک دی۔ آنحضرتؐ نے ام سلمہ سے فرمایا: ''دروازہ کھولو اور اسے آنے دو، کیونکہ خدا اور رسولؐ اسے دوست رکھتے ہیں۔ اور وہ خدا و رسولؐ رکھتا ہے۔'' ام سلمہ کہتی ہیں میں نے جلدی سے دروازہ کھولا دیکھا کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں۔ حضرت علیؑ عرض سلام کے بعد حضورؐ کے پاس بیٹھ گئے۔ حضورؐ کی عظمت کے باعث بات کرنے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا:

''گویا کہ کسی حاجت کے لئے آئے ہو، جو کچھ دل میں ہے کہہ دو! جو حاجت ہے پوری کر دی جائے گی''۔

حضرت علیؑ نے عرض کیا ''میرے والدین آپ پر فدا ہوں۔ خاندان رسالت کے ساتھ میری قرابت، دین میں میری پائیداری اور حفظ ونشر اسلام میں میری کوشش و جہاد سے آپ آگاہ ہیں، آپؐ نے میری بچپن سے تربیت کی ہے......'' حضرت علیؑ نے جو کچھ عرض کیا اس کے بارے میں رسول خداؐ نے فرمایا: ''تمہارا مقام اس سے بھی بالاتر ہے'' حضرت علیؑ نے عرض کیا ''کیا آپ پسند فرمائیں گے کہ فاطمہؑ کی میرے ساتھ شادی کر دیں؟۔

ام سلمہ کہتی ہیں: ''میں نے دیکھا کہ رسول خداؐ کا چہرہ خوشی سے کھل گیا۔ آپ مسکرائے اور بلا فاصلہ اس رشتہ کی موافقت کر دی۔ آپؐ نے مہر اور شادی کے مراسم کے بارے میں بات کی'' حضورؐ نے فرمایا ''تمہارے پاس مہر دینے کے لئے کوئی چیز ہے؟'' حضرت علیؑ نے عرض کیا ''میری زندگی کے بارے میں آپ پوری طرح آگاہ ہیں۔ میرے پاس ایک تلوار ایک زرہ اور ایک اونٹ ہے......''۔(۱) بعض مورخین کے بقول آپؐ نے مرضی فاطمہؑ کو شرط قرار دیا۔

حضرت فاطمہؑ کی حضرت علیؑ سے شادی کی مرضی

رسول خداؐ اگرچہ تمام مسلمانوں پر اسی طرح اپنی بیٹی فاطمہ زہراؑ پر ولایت وحکومت رکھتے

(۱) کشف الغمہ، ج ۱، ص ۳۷۶۔

تھے۔(۱) اس کے باوجود بیٹی کے احترام اور اس کی خواہش کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی مرضی کو ضروری قرار دیا۔ حضورؐ نے اپنے اس عمل سے واضح کردیا کہ شادی میں بیٹی کی رضامندی ضروری ہے کیونکہ زندگی اس کو گزارنی ہے، لہٰذا شریک حیات کا انتخاب کرنا بھی اس ہی کا حق ہے۔ بیٹی کی رضایت کے بغیر شادی کرنا اس کی شخصیت کی توہین ہے۔ پیغمبرؐ نے اس بنا پر فرمایا ''اے علیؑ تم سے پہلے بھی دوسرے لوگ شادی کی درخواست لے کر آئے لیکن میں نے احساس کیا کہ وہ راضی نہیں ہے۔ اب تیری درخواست بھی اس کے سامنے رکھتا ہوں اس کے بعد تجھے نتیجہ سے آگاہ کرتا ہوں''۔

حضرت علیؑ بیٹھے رہے، پیغمبر فاطمہؑ کے پاس آئے۔ فاطمہؑ نے والد کے کاندھے سے عبا اتاری جوتے اتار کر پاؤں دھوئے، پھر وضو کیا۔ فاطمہؑ باپ کے سامنے بیٹھ گئی۔ حضورؐ نے علیؑ کی شادی کی خواہش کا ذکر کیا۔

فطری بات ہے کہ ہر شادی میں باپ کو درخواست کرنے والے کی تمام خصوصیات کا ذکر کرنا چاہیے تا کہ وہ علم و آگہی کے ساتھ اپنے شریک حیات کا انتخاب کر سکے۔ یہاں پر فاطمہؑ علیؑ کے تمام خصوصیات و عادات سے بخوبی واقف تھیں۔ رسول گرامی اسلامؐ نے فقط اتنا فرمایا ''فاطمہؑ جان، تم علیؑ کے فضائل و مراتب ایمان اور اس کی میرے ساتھ قرابت سے بخوبی آگاہ ہو۔ میں نے اپنے پروردگار سے چاہا ہے کہ تمہارے لئے خلق میں سے بہترین اور محبوب ترین شخص کا انتخاب کروں۔ اب وہ تیری خواستگاری کے لئے آیا ہے۔ تیرا اس بارے میں کیا خیال ہے؟'' حضرت فاطمہؑ نے سر جھکالیا اور کچھ نہ کہا، آپ کے چہرے پر سکون و اطمینان کے آثار نمایاں تھے۔ رسول خداؐ نے اس کے سکوت کو رضایت قرار دیا اور فرمایا: '' اللہ اکبر سکوتھا اقرارھا، میری بیٹی کا سکوت اس کی رضایت کی علامت ہے''۔ اس کے بعد جبرئیل نازل ہوئے اور حکم خدا پہنچایا کہ صیغہ ازدواج علیؑ و

(۱) طبق آیت کریمہ ﴿النبی اولی بالمؤ منین من انفسھم﴾

فاطمہؑ زمین پر جاری ہو جائے''۔ (۱)

عبداللہ بن مسعود نقل کرتے ہیں ''جب رسول خداؐ نے فاطمہؑ کا علیؑ سے عقد کرنا چاہا تو فرمایا: ''میں نے صرف اپنی مرضی سے تیری شادی علیؑ کے ساتھ نہیں کی بلکہ خدائے متعال نے مجھے یہ حکم دیا کہ تیری شادی ان کے ساتھ کر دوں''۔ (۲)

حضرت علی علیہ السلام اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شادی کے حوالے سے حکم خداوندی آنے کے بارے میں اہل سنت کی روایتیں حد تواتر سے بھی زیادہ ہیں۔

حضرت فاطمہ زہراؑ کا مہر

اسلامی احکامات کے مطابق کسی کو حق نہیں ہے کہ وہ بغیر مہر کے کسی عورت سے عقد کرے۔ یہ احترام اسلام نے عورت کو عطا کیا ہے۔ علاوہ ازیں اسلام نے اپنے پیروکاروں کو حد سے زیادہ مہر مقرر کرنے پر بھی منع کیا ہے۔ رسول خداؐ فرماتے ہیں: میری امت کی بہترین خواتین، زیباترین اور کم مہر والی خواتین ہیں۔ (۳) اسی طرح دوسری حدیث میں آیا ہے۔ سب سے برکت والی وہ عورتیں ہیں جن کا مہر دوسروں سے کم ہو۔ (۴)

افسوس کی بات ہے کہ ہم اس اسلامی روایت سے دور ہو گئے ہیں اور مہر و شادی کی رسومات کو بہت مشکل اور بھاری بنا کر دیا ہے۔ یہی وجہ کہ بہت سارے جوان لڑکے اور لڑکیاں شادی کی اصل عمر ویسے ہی گزار دیتے ہیں جن کی وجہ سے گناہوں میں پڑنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

---

(۱) بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۹۳؛ سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۱۷۴۔

(۲) ینابیع المودۃ، ج ۲، ص ۲۱؛ احقاق الحق، ج ۶، ص ۵۹۲، ۶۲۳۔

(۳) کافی، ج ۵، ص ۳۲۴۔

(۴) المحجۃ البیضاء، ج ۳، ص ۹۱۔

پیغمبر اسلامؐ نے اس اسلامی سنت حسنہ کی بنیاد رکھی اور حضرت علیؑ سے فرمایا ''کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے جس کے بدلے میں فاطمہؑ کی تیرے ساتھ شادی کردوں؟'' علیؑ نے فرمایا: ''میرے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں۔ آپ میری زندگی سے بہتر آگاہ ہیں۔ سوائے تلوار، زرہ اور اونٹ کے میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔

رسول خداؐ نے فرمایا: ''تلوار تو جہاد کے لئے ضروری ہے اور اونٹ کے ذریعہ کھجور کے درختوں کو پانی دینا ہے، علاوہ ازیں حمل و نقل کے کام آتا ہے۔ البتہ زرہ کو مہر قرار دے سکتے ہو اور میں اس زرہ کے بدلے میں فاطمہؑ کو تیرے عقد میں دے دیتا ہوں''۔ (۱) روایات میں مذکور ہے کہ علیؑ نے حکم رسول خداؐ کے تحت وہ زرہ بازار میں فروخت کردی۔ (۲) بعض کے بقول وہ زرہ چار سو درہم (۳) میں فروخت کی بعض نے ۴۸۰/درہم (۴) اور کسی نے ۵۰۰/درہم (۵) بھی لکھا ہے۔ حضرت فاطمہ زہراؑ اشرف زنان عالم کا حق مہر یہی تھا۔ باوجود اس کے کہ دوسرے لوگ بہت زیادہ حق مہر دے کر شادی کرنا چاہتے تھے۔ رسول خداؐ نے چار یا پانچ سو مہر (اس دور کے لحاظ سے ایک سو سات تولہ چاندی ہوتی ہے) (۶) پر انتہائی سادگی کے ساتھ فاطمہؑ کی علیؑ کے ساتھ شادی کردی۔

---

(۱) مناقب ابن شہر آشوب، ج ۳، ۳۵؛ کشف الغمہ، ج ۱، ص ۴۸۰؛ بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۱۲۷؛ ینابیع المودۃ، ج ۲، ص ۳۵۱؛ کشف الغمہ، ینابیع المودۃ، ج ۲، ص ۲۱۔

(۲) بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۱۳۰۔

(۳) بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۱۳۰۔

(۴) ینابیع المودۃ، ج ۲، ص ۲۱۔

(۵) مناقب ابن شہر آشوب، ج ۳، ص ۳۵۱۔

(۶) ایک درہم ایک مثقال چاندی کے برابر ہوتا ہے۔

آسمانوں میں مراسم عقد

ان دو گوہر گرانقدر کے مراسم عقد و شادی زمین سے پہلے آسمان پر منعقد کیے گئے۔ جبرئیل کو مامور کیا گیا کہ وہ چوتھے آسمان پر کھڑے ہو جائیں خطبہ نکاح پڑھیں۔ فرشتے صف میں کھڑے تھے۔ اس کے بعد بہشتی درختوں کو حکم ملا کہ وہ جواہرات اٹھا کر فرشتوں پر نثار کر دیں۔ جس فرشتے نے بھی زیادہ جواہرات اکٹھے کیے وہ روز قیامت تک دوسروں پر افتخار کرے گا۔

ام سلمہؓ کہتی ہیں: ''فاطمہؑ دوسری خواتین پر فخر کرتی تھیں کیونکہ آپ پہلی خاتون تھیں کہ جس کا خطبہ نکاح جبرئیل نے پڑھا۔''(۱)

آسمان پر شادی کی رسومات ادا ہونے کے بعد جبرئیل زمین پر نازل ہوئے اور حکم خدا پہنچایا کہ اب زمین پر بھی خطبۂ عقد علیؑ و فاطمہؑ پڑھ دیا جائے۔ رسول خداؐ نے مسجد میں منبر پر لوگوں کے سامنے خطبۂ عقد پڑھا۔(۲)

شادی کی تاریخ

مؤرخین اور سیرت نگار علیؑ کے فاطمہ زہراؑ کے ساتھ ازدواج کے سال میں اختلاف رکھتے ہیں۔ شیخ مفید کہتے ہیں ''فاطمہؑ کی مولائے متقیان علیؑ کے ساتھ شادی ۲۱ محرم کی رات ہجرت کے تیسرے سال میں واقع ہوئی۔(۳) شیخ طوسی، مصباح میں لکھتے ہیں ''فاطمہؑ کی شادی اول ذی الحجہ یا چھ ذی الحجہ کو واقع ہوئی''۔(۴) شیخ طوسی امالی میں لکھتے ہیں: ''فاطمہؑ و علیؑ کی شادی رقیہ زن عثمان کی وفات کے ۱۶ر دن بعد واقع ہوئی یعنی علیؑ کے جنگ بدر سے واپسی پر، شوال کے اوائل میں''۔(۵) حضرت فاطمہؑ کی تاریخ زفاف میں آٹھ قول موجود ہیں۔ (نیمۂ رجب، آخر ماہ

---

(۱) حلیۃ الاولیا، ج ۵، ص ۵۹؛ تاریخ بغدادی، ج ۴، ص ۱۲۸۔

(۲) بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۱۲۰۔ (۳) بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۹۲۔

(۴) بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۹۲۔ (۵) فاطمہ زہرا من المہد الی اللحد، ص ۱۷۳۔

رمضان، سوم شوال، صفر، بستم ذی الحجہ وغیرہ......)(۱)

زرہ کی رقم سے جہیز

عقد کے مراسم کے بعد اب گھر کا سامان یعنی جہیز کی آمادگی کا وقت تھا تا کہ علیؑ و فاطمہؑ مشترکہ زندگی کا آغاز کریں۔ جیسا کہ اشارہ کیا گیا ہے علیؑ نے زرہ کی رقم چار یا پانچ سو درہم رسول خداؐ کے حوالے کی۔ پیغمبر اسلامؐ نے کچھ رقم ابوبکر کو دی تا کہ گھر کی ضروری اشیاء خریدی جائیں۔ عمار، یاسر اور سلمان کو بھی اسی مقصد کے لئے ابوبکر کے ہمراہ بازار بھیجا۔

ابوبکر کہتے ہیں ''رسول خداؐ نے فاطمہؑ کے جہیز کے لئے مجھے کل ۶۳/درہم دیئے'' (۲) باقی رقم عطر کے لئے بلال کو دی اور شب عروسی کا ولیمہ ام سلمہ کے پاس رکھا۔ (۳)

ابوبکر اور آپ ہمراہی جو چیزیں خرید کر لائے وہ بقول شیخ طوسی کے ۱۶/چیزیں تھی۔

۱۔ کپڑے کا ایک تھان (۷/درہم)

۲۔ ایک بڑی چادر (چار درہم)

۳۔ ایک سیاہ خیبری چادر

۴۔ ایک تخت خواب جو کہ خرما کے درخت کے پتوں سے بنایا گیا تھا۔ (۴)

۵۔ مصری کپڑے سے بنے ہوئے روئی کے تکیے۔ ایک میں کھجور کی چھال اور دوسری میں بھیڑ

---

(۱) حضرت علیؑ و حضرت فاطمہؑ کی تاریخ ازدواج کے بارے میں سنی علماء میں بھی اختلاف ہے (احقاق الحق، ج ۱۰، ص ۳۴۹)۔

(۲) بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۱۳۰۔

(۳) مناقب ابن شہر آشوب، ج ۳، ص ۳۵۲۔

(۴) اسی طرح کے بیڈ (تخت) آج کل بھی سعودی عرب میں پائے جاتے ہیں۔

کی اون تھی۔

۶۔ طائف کے اون سے بنے ہوئے چار ٹیک لگانے والے موٹے بڑے تکیے، ان میں اذخر نامی خوشبودار گھاس بھی تھی۔

۷۔ نازک اون کا پردہ۔

۸۔ ایک چٹائی۔

۹۔ آٹا پیسنے والی چکی (جو و گندم کو پیسنے کے لئے)

۱۰۔ کپڑے دھونے کے لئے تانبے کا تھال۔

۱۱۔ پانی لانے کے لئے چمڑے کی مشک۔

۱۲۔ ایک بڑا پیالہ دودھ دوہنے کے لئے۔

۱۳۔ چمڑے کا ایک پیالہ پانی پینے کے لئے

۱۴۔ مٹی کا لوٹا

۱۵۔ ایک ہری مٹی والا گھڑا۔

۱۶۔ مٹی کے دو پیالے(۱)

ابن شہر آشوب (۲) نے دو چیزوں کا اضافہ کیا ہے۔

۱۷۔ چمڑے کا ایک فرش

۱۸۔ قطر یا قطران کے کپڑے کی ایک چادر۔

جب یہ ساری چیزیں حضورؐ کے پاس لا کر رکھی گئی تو آپ نےؐ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے انھیں اوپر نیچے کیا اور فرمایا: "بارک اللہ لاھل البیت؛ خدا میرے اہل بیتؑ کے لئے یہ چیزیں

(۱) بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۹۴۔ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۳، ص ۳۵۲۔

(۲) مناقب، ج ۳، ۳۵۳۔

مبارک کرے''۔(۱)

ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ جس وقت رسول خداؐ نے ان چیزوں کا مشاہدہ کیا تو حضورؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے پھر سر آسمان کی طرف بلند کر کے فرمایا ''خدایا تو اس گھرانے میں برکت عطا فرما کہ جس کے زیادہ تر برتن مٹی کے ہیں۔''(۲)

مراسم عروسی وشب زفاف

عقد اور عروسی کے مراسم کے درمیان فاصلہ آ گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت علیؑ اس بات سے حیا محسوس کرتے تھے کہ وہ عروسی کے بارے میں فاطمہؑ سے بات کریں۔ رسول خداؐ بھی نہیں چاہتے تھے کہ شوہر کی درخواست سے پہلے ہی، سیدۂ عالم کی حرمت کے پیش نظر انھیں شوہر کے گھر بھیج دیں۔

ایک یا چند ماہ گزر گئے۔ عقیل ابن ابی طالبؑ علیؑ کے پاس آئے اور تاخیر کی وجہ دریافت کی۔ بہر حال عقیل کے اصرار پر حضرت علیؑ گھر سے نکلے تا کہ رسول خداؐ سے عرض کریں۔ راستے میں ام ایمن (۳) سے ملاقات ہوئی انھوں نے علیؑ کا پیغام رسول خداؐ تک پہنچانے کی ذمہ داری لی۔ وہ پہلے ام سلمہ کے پاس گئیں۔ اس کے بعد نبی اکرمؐ کی دوسری بیویوں کو اس بارے میں آگاہ کیا۔ حضورؐ کی بیویاں حضرت عائشہ کے گھر میں جمع ہوئیں اور وہ سب حضرتؐ کے چاروطرف جمع ہو گئیں اور کہا:

(۱) بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۹۴۔

(۲) کشف الغمہ، ج ۱، ص ۴۸۶؛ احقاق الحق، ج ۱۰، ص ۳۶۹ـ۳۸۲؛ مسند احمد بن محمد حنبل، ج ۱، ۱۰۸؛ مستدرک حاکم نیشاپوری، ج ۲، ۱۸۵؛ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۲۰۲؛ وسیلۃ المآل، ص ۸۴؛ مواحب الدینہ، ج ۲، ص ۷؛ ذخائر العقبیٰ، ص ۱۰۵؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۶۸؛ مطالب السؤول، ص ۹؛ الثغور الباسمہ، ص ۲۔

(۳) ام ایمن وہ خاتون ہیں کہ جس نے کئی سال بعنوان کنیز و خدمتگار رسول خداؐ کے گھر زندگی گزاری ہے ایک نقل کے مطابق آپ رسول خداؐ کی والدہ حضرت آمنہؑ کی کنیز تھیں۔ حضرت آمنہ کی وفات کے بعد پیغمبر اسلامؐ کی نگہداشت ام ایمن نے کی اس لئے حضور اکرمؐ آپ کو ماں کہہ کر پکارتے تھے۔

''اے اللہ کے رسولؐ ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان ہو۔ ہم آپ کے پاس ایک مسئلہ کے لئے آئیں ہیں اگر خدیجہؑ زندہ ہوتی تو یقیناً وہ خوشحال ہوتیں۔'' خدیجہ کا نام سنکر حضرتؐ کے آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا:

''خدیجہ کے مانند کوئی نہیں ہوسکتا۔ جب سب لوگ میری تکذیب کر رہے تھے تو خدیجہ ہی تھی کہ جس نے میری تائید وتصدیق کی اور دین خدا کی نشر واشاعت میں میری مدد فرمائی۔ اس نے اپنی دولت میرے اختیار میں دیدی۔ خدا نے مجھے حکم دیا کہ میں خدیجہ کو خوشخبری سنا دوں کہ اس کے لئے جنت میں زمرد کا گھر تیار ہے کہ جس میں نہ شور وغل ہوگا نہ رنج وغم''۔

رسول خداؐ کی باوفا بیوی ام سلمہ نے جب رسول خداؐ کی یہ باتیں سنی اور حضرتؐ کی یہ حالت دیکھی تو عرض کیا ''میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ خدیجہ کے بارے میں جتنا بھی کہیں درست ہے مگر وہ تو دنیا سے تشریف لے گئی ہیں اور اب اپنے پروردگار کے حضورؐ میں ہیں۔ اب ہم جس مقصد کے لئے آئی ہیں وہ یہ ہے کہ آپ کے چچازاد بھائی علیؑ ابن ابی طالبؑ آپؐ کی نظر کرم کے منتظر ہیں کہ آپ انھیں اجازت دیں کہ وہ اپنی بیوی فاطمہؑ کو اپنے گھر لے جائیں۔ رسول خداؐ نے فرمایا ''کیا وجہ ہے کہ خود علیؑ نے مجھ سے سوٗال نہیں کیا؟ ام سلمہ نے کہا ''حیا وشرم مانع ہے''۔

ام ایمن سے حضورؐ نے کہا کہ علیؑ کے پاس جاؤ اور اسے پیغام دو کہ وہ خود میرے پاس آئے۔ دوسرے طرف حضرت علیؑ بھی رسول خداؐ کے منتظر تھے۔ ام ایمن کی طرفسے پیغام دریافت کرنے کے بعد حضرت علیؑ فوراً رسول خداؐ کے پاس آئے۔ شرم وحیاء سے سر جھکائے ہوئے تھے۔ رسول خداؐ نے ان سے فرمایا ''کیا اپنی بیوی کو گھر لے جانا چاہتے ہو؟'' علیؑ نے سر جھکائے ہوئے عرض کیا ''جی میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔''

رسول خداؐ نے فرمایا ''بہت اچھا آج کی رات یا کل رات آؤ اور اپنی بیوی کو لے جاؤ''۔ علیؑ اٹھ کر گھر چلے گئے۔ رسول خداؐ نے خواتین کو حکم دیا کہ شادی کے مراسم کی تیاری کریں۔ فاطمہؑ کو خوشبو

لگائیں اور شب عروسی کے لئے کمرہ تیار کریں۔(۱)

دولہا اور دلہن کا گھر

یہ سؤال پیدا ہوتا ہے کہ رسول خداؐ کے داماد نے کونسا گھر تیار کیا تا کہ وہ بہترین خلق خدا کی بیٹی کو وہاں لے جائیں؟ پہلے اشارہ کیا گیا ہے کہ حضرت علیؑ کے پاس مدینہ میں کوئی گھر نہ تھا نہ ہی کوئی باغ تھا۔آپ مہاجر تھے اور آپ باغبانی اور آبیاری کر کے روزگار مہیا کر رہے تھے۔آپ نے جنگ بدر میں بھی مردانہ طور پر شرکت کر کے بہت سے دشمنان خدا کی ناک زمین پر رگڑی ہے۔ایسے موقع پر بھی آپ باغ میں درختوں کی آبیاری میں مشغول ہیں تا کہ اپنے لئے نان ونمک کا انتظام کرسکیں اور کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کریں، اس وجہ سے وہ اب تک کہیں گھر بھی نہ بنا سکے کہ اپنی جوان بیوی کو وہاں لے جائیں تو اب یہ پاک وپاکیزہ دلہن کونسے گھر میں زندگی گزارنے؟۔

شیخ عباس قمی کتاب بیت الاحزان (۲) میں لکھتے ہیں: ''رسول خداؐ نے فرمایا''میری بیٹی اور چچازاد بھائی کے لئے نزدیکی حجروں میں سے ایک حجرہ تیار کریں''۔ام سلمہ نے عرض کیا''کونسا کمرہ'' حضرت نے فرمایا: ''اپنا کمرہ''اس قول کے مطابق علیؑ وفاطمہؑ کی شادی کے مراسم ام سلمہ کے حجرے میں انجام پائے اور اس کے علاوہ کوئی گھر موجود نہ تھا۔

سید کاظم قزوینی اپنی کتاب ''فاطمہ الزہرا من المھد الی اللحد'' (۳) میں فاطمہؑ کی رخصتی کے بارے میں علیؑ کی رسول خداؐ سے کی گئی درخواست کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں ''پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: ''ایک گھر آمادہ کرو اور فاطمہؑ کو وہاں لے جاؤ''۔علیؑ نے عرض کیا''حارثہ بن نعمان

(۱) بحارالانوار، ج ۴۳،ص ۱۳۰؛ کشف الغمہ، ج ۱،ص ۴۸۴؛ احقاق الحق، ج ۴،ص ۴۷۔

(۲) بیت الاحزان،ص ۵۸۔

(۳) فاطمہ الزہرا من المھد الی اللحد (مترجم)،ص ۱۶۳۔

کے گھر کے علاوہ اور کوئی جگہ اس وقت میری نظر میں نہیں ہے۔" رسول خداؐ نے فرمایا: "ہمیں حارثہ بن نعمان سے شرم آتی ہے، کیونکہ ہم نے اس کے سارے گھر فقیروں اور مہاجروں کے لئے لے لئے ہیں۔"

جونہی یہ خبر حارثہ کو پہنچی، وہ فوراً حضورؐ کے پاس آئے اور عرض کیا "اے اللہ کے رسولؐ میں اور میرا مال و دولت خدا اور اس کے رسولؐ پر فدا ہے، خدا کی قسم جو کچھ آپ طلب کریں گے مجھے دل وجان سے قبول ہے اور جو کچھ آپؐ کے پاس ہوگا وہ اس سے بہتر ہوگا جو میرے پاس باقی رہ جائے گا۔" حارثہ کی رضایت کے بعد اس کا ایک حجرہ حضرت علیؑ کے اختیار میں دے دیا گیا۔ امیر المومنینؑ نے شادی کے مراسم انجام دینے کے لئے حجرہ کو آمادہ کرنا شروع کیا۔ (۱) دلہن اور دولہا کا کمرہ جس طریقے سے سجایا گیا تھا اس کی کیفیت اس طرح تھی:

۱۔ حجرے میں کچھ سنگریزے وغیرہ بچھائے گئے۔

۲۔ حجرے کے اندر لکڑی کی ایک چھڑی نصب کر دی گئی تا کہ اس پر مشک اور پانی پیالہ لٹکایا جائے۔

۳۔ ایک بہت بڑی چھڑی دیوار میں کپڑے لٹکانے کے لئے نصب کی گئی۔

۴۔ حجرے میں پھیلائے گئے سنگریزوں پر بھیڑ کی کھال بچھائی اور کھجور کے درخت کی چھال سے بنے ہوئے گدّے اس کے اوپر ڈال دیئے۔ (۲)

یہ تھے سارے وسائل خانہ اور مال دنیا جو علیؑ کے پاس تھا اور جسے دلہن کا کمرہ سجانے میں

---

(۱) علیؑ و فاطمہؑ کتنا عرصہ حارثہ بن نعمان کے گھر میں رہے یہ مشخص نہیں ہے۔ ابھی آپ دونوں اس کے گھر میں ہی تھے کہ پیغمبر اسلامؐ نے مسجد کے ساتھ ایک گھر کی بنیاد رکھی۔ علیؑ و فاطمہؑ گھر کی تعمیر مکمل ہونے بعد اس میں منتقل ہو گئے اور پیغمبر خداؐ کی ہمسائگی میں زندگی گزارنا شروع کر دی۔

(۲) احقاق الحق، ج ۱۰، ص ۳۴۰۔۳۹۵؛ سنن المصطفیٰ، ج ۳، ص ۵۳۸؛ صفۃ الصفوۃ، ج ۲، ص ۳؛ تذکرۃ الخواص ص ۳۱۶؛ ذخائر العقبیٰ، ص ۳۶؛ منتخب کنز العمال، ج ۵، ص ۵۶۔

استعمال کیا گیا۔ اس کے علاوہ وہ سامان جو رسول خداؐ نے فاطمہؑ کے مہر سے خریدا تھا جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

گویا کہ یہ دولہا و دلہن دونوں ہی اللہ کے عظیم فرشتے ہیں جو زمین پر زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ سوائے خدا اور رسولؐ اور دین اسلام کے کسی بھی چیز کی فکر میں نہیں ہیں۔ انھوں نے تمام دنیاوی چمک و دمک اور مال و دولت کو دنیاداروں کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ انھوں نے اپنے رہبر و رہنما پیغمبرؐ خدا سے یہی درس حاصل کیا ہے کہ دنیا سے دل نہ لگائیں۔

ولیمہ:

شادی کے بعد ولیمہ کرنا اسلامی سنت قرار دیا گیا ہے۔ مستحب ہے کہ شادی کے مراسم میں کھانا تیار کر کے حاضرین کو کھلایا جائے۔ البتہ اس اسلامی سنت کی کیفیت اور مقدار میں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ استطاعت سے بڑھ کر نہ ہو اور دوسرے یہ کہ دیگر طبقات کا بھی خیال رکھا جائے کہ بعد میں ان کے لئے مشکل ایجاد نہ ہو۔ مقصد یہ کہ ولیمہ میں ہر قسم کی فضول خرچی اور شاہی مزاج کی بالکل کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اب وقت آ گیا تھا کہ فاطمہؑ شوہر کے گھر روانہ ہوں تو ولیمہ کی اسلامی سنت ادا کرنے کے لئے پیغمبرؐ خدا نے حضرت زہراؑ کے مہر کی باقی رقم جو ام سلمہ کے پاس امانت کے طور پر رکھی تھی حضرت علیؑ کے حوالے کی تاکہ بازار سے ولیمہ کا سامان لیکر آئیں۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: ''رسول خداؐ کے حکم سے اس رقم سے میں نے کچھ مقدار گھی، کھجور اور دہی (کشک) خریدی۔ خود آنحضرتؐ نے آستین اوپر کی اور چمڑے کا دسترخوان منگوایا کھجور، گھی اور کشک کو مخلوط کیا اور کھانا تیار کیا۔ اس کے بعد فرمایا: ''یا علی ادع من احببت؛ اے علیؑ اٹھو اور

جسے چاہتے ہو کھانے کی دعوت کردو"۔

علیؑ فرماتے ہیں: "میں مسجد میں آیا دیکھا کہ بہت سارے اصحاب مسجد میں حاضر ہیں۔ میں نے چاہا کہ انھیں دعوت دوں مگر شرم آئی، اس لئے بلندی پر جا کر یہ جملہ اونچی آواز میں کہا: "اجیبوا! رسول اللہؐ؛ رسول خداؐ کی دعوت (ولیمہ فاطمہؑ) پر لبیک کہو"۔

حضرت علیؑ کی آواز مدینہ کے باغوں اور کھیتوں میں پہنچ گئی۔ تمام مرد و زن رسول خداؐ کے گھر پہنچ گئے۔ لوگوں کی کثرت اور غذا کی قلت دیکھ کر علیؑ پریشان ہو گئے۔ رسول خداؐ نے علیؑ کی پریشانی کو دیکھ کر دعا کی کھانے میں برکت ہو گئی۔ لوگ جوق در جوق رسول اکرمؐ کے گھر آئے اور کھانا کھا کر چلے جاتے یہاں تک کہ کہا جاتا ہے سات سو سے زیادہ افراد نے حضرت زہرؑا کے ولیمہ میں شرکت کی مگر کھانا کم نہ ہوا۔(۱)

مراسم زفاف وشب عروسی

رات ہو گئی تمام مہمان اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اب حضرت فاطمہؑ شوہر کے گھر جانے کے لئے تیار ہیں، پیغمبر خداؐ نے بیٹی کے زفاف کے لئے تمام ضروری اقدامات کر لئے۔ اگر چہ تمام مراسم ازدواج بڑی سادگی کے ساتھ بغیر کسی تکلف کے منعقد ہوئے، مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ مراسم بڑی شان و شوکت اور خاص نورانیت کے ہمراہ تھے۔

رسول خداؐ نے حکم دیا کہ فاطمہؑ کے مہر کے باقیماندہ پیسے سے خریدے گئے عطر سے فاطمہؑ کو سجایا جائے اور معطر کیا جائے۔ جب فاطمہؑ کو لے جانا چاہتے تھے تو حضرتؐ کے حکم سے پانی کا ایک برتن لایا گیا، حضورؐ نے اس پر سورہ فلق اور سورہ ناس پڑھی اس کے بعد اس برتن میں سے کچھ پانی آپ نے تبرک کے طور اپنے منھ میں رکھا۔ اس کے بعد علیؑ و فاطمہؑ کو بلایا۔ فاطمہؑ کو اپنے بائیں

(۱) کشف الغمہ، ج۱، ص۳۸۸؛ بحار الانوار، ج۴۳، ص۱۳۲؛ احقاق الحق، ج۱۰، ص۴۰۸۔

طرف اور علیؑ کو دائیں طرف بٹھا کر وہ پانی دونوں پر چھڑکا اور ان کے حق میں یہ دعا کی: ”خداوندا! یہ دونوں مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں خدایا! جس طرح تو نے رجس (معنوی نجاست) کو مجھ سے دور رکھا اور مجھے پاکیزہ قرار دیا اس طرح رجس کو ان دونوں سے دور رکھنا اور ان کو بھی پاکیزہ قرار دے۔(۱)

بعض روایات میں یہ جملہ بھی اضافہ ہوا ”خداوندا! میں فاطمہؑ اور اس کے بچوں کو شر شیطان رجیم سے بچا کر تیری پناہ میں دیتا ہوں۔ (۲)

ان مراسم کے بعد رسول خداؐ نے فاطمہؑ کے ہاتھ کو علیؑ کے ہاتھ میں دیا۔ دونوں کی پیشانی کا بوسہ لیا اور علیؑ کو مخاطب کر کے فرمایا: ”**نعم الزوجه زوجتک فاطمه؛** فاطمہؑ تیرے لئے ایک بہترین بیوی ہے“ پھر حضرت فاطمہؑ کو مخاطب کر کے فرمایا: ”**نعم البعل بعلک؛** علیؑ تیرے لئے ایک بہترین شوہر ہے۔“ اس کے بعد آپ اٹھے اور ان کے لئے جو گھر تیار کیا تھا وہاں تک ان کے ساتھ گئے۔ واپسی پر گھر کے دروزہ پر کھڑے ہو کر فرمایا: ”خداوند تعالیٰ تمہیں اور تمہاری نسل کو پاک و پاکیزہ قرار دے جو تمہارے ساتھ دوستی اور صلح کرے گا میری بھی ان کے ساتھ دوستی اور صلح ہے اور جو تمہارے ساتھ دشمنی رکھے گا میری بھی ان کے ساتھ دشمنی ہوگی۔ میں تمہیں خدائے بزرگ کے حوالے کرتا ہوں اور اسے ہی تمہارا سرپرست قرار دیتا ہوں۔(۳)

شب شادی اور ہمراہان حضرت زہرا سلام اللہ علیہا

خطیب بغدادی اور اکثر علماء اہل سنت نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جس رات حضرت

(۱) بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۱۳۲۔

(۲) احقاق الحق، ج ۱۰، ص ۴۰۸۔

(۳) احقاق الحق، ج ۱۰، ص ۴۰۵؛ منتخب کنز العمال، ج ۵، ص ۹۹۔

زہراؑ کو زفاف کے لئے علیؑ کے گھر لے جا رہے تھے، رسول خداؐ آگے آگے تھے اور جبرئیل دائیں طرف، میکائیل بائیں طرف اور ستر ہزار فرشتے ان کے پیچھے پیچھے اللہ کی حمد وثنا کرتے چلے آ رہے تھے۔(۱)

شیخ صدوق نقل کرتے ہیں: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی ہاشم کی خواتین کو حکم دیا کہ وہ فاطمہؑ کے ساتھ ساتھ، آپ کی بیویاں آگے آگے اور مہاجرین وانصار کی خواتین، خاتون عفت وعصمت وطہارت کے چاروں طرف تکبیر کہتی ہوئیں چلیں۔(۲)

جابر نقل کرتے ہیں کہ رسول خداؐ کے حکم کے مطابق حضرت فاطمہؑ کو حضور اکرمؐ کے اونٹ بنام (شہبا) کے اوپر سوار کیا گیا، حضرت سلمان اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے تھے۔ پیغمبرؐ کی بیویاں اور دیگر خواتین اللہ اکبر کہتی ہوئیں اور اشعار پڑھتی ہوئیں گھر کی طرف بڑھتی جا رہی تھیں۔(۳) رسول خداؐ نے علیؑ وفاطمہؑ کو بلا کر مبارک باد دی، فاطمہؑ کا ہاتھ علیؑ کے ہاتھ میں دیا اور علیؑ کو مخاطب کر کے فرمایا ''فاطمہؑ تمہارے پاس میری امانت ہے۔'' پھر دعا کی اور فرمایا ''خدایا ان کی زندگی میں برکت عطا کر اور ان کے دلوں کو آپس میں جوڑ دے، انھیں اور ان کی اولاد کو بہشت کا وارث قرار دے، انھیں پاکیزہ نسل عطا کر، ان کی نسل میں برکت دے۔ ان کی نسل میں رہبر وپیشوا اور ائمہ قرار دے جو لوگوں کو تیری طرف دعوت دیں اور انھیں ہدایت کریں۔ خداوند تعالیٰ تو جانتا ہے میں ان دونوں سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہوں تو بھی انھیں دوست رکھ انھیں اور ان کی اولاد کو شیطان کے شر سے بچا کر تیری پناہ میں دیتا ہوں''۔ گھر سے باہر آتے ہوئے فرمایا ''تمھیں اور تمہاری نسل کو خدا مطہر قرار دے۔ تمہارے دوستوں کا دوست اور دشمنوں کا دشمن ہوں''۔

---

(۱) تاریخ بغداد، ج ۵، ص ۷؛ ینابیع المودۃ، ج ۲، ص ۲۲؛ بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۱۱۵۔

(۲) بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۱۱۵۔

(۳) بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۱۱۵۔

خواتین حضرت زہراؑ کے ہمراہ چلتے چلتے اشعار پڑھ رہی تھیں۔ جناب ام سلمہ کے چند اشعار یہاں پردرج کرتے ہیں:

سِرنَ بعون اللّٰہ جاراتی واشکرنَہ فی کلّ حالات

واذکرنَ ما انعم ربُّ العلی مِن کشفِ مکروہٍ و افات

وسِرنَ مَع خیرِ نساء الوَری تَفدی بِعَمّاتٍ و خالات

یا بنت مَن فَضَّلَہُ ذُو العُلی بِالوحی مِنہ والرّسالات

اے نبیؐ کی بیویوں خدا کی مدد کے ساتھ سیر کرو، اور ہر حال میں اس کی حمد وشکر بجالاؤ۔

خدا نے تم پر جو انعام نازل کیا ہے اسے یاد کرو، اس نے مشکلات وآفات کو تم سے دور کردیا ہے۔

کائنات کی بہترین خاتون کے ہمراہ چلو وہ خاتون کہ جو اس لائق ہے کہ اسے کہا جائے کہ میری پھوپھیاں اور خالائیں تم پر فدا ہوں۔

اے اس ہستی کی دختر گرامی، کہ جسے بلند مرتبہ خداوند متعال نے وحی ورسالت کے ساتھ فضیلت بخشی۔

جناب عائشہ نے بھی اشعار پڑھے ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں:

یانِسوۃُ استِرنَ بِالمعاجر واذکرنَ ما یَحسُنُ فی المحاضر

سرن بھا فاللّٰہ اُعطی ذکرھا وخَصَّھا منہ بُطھرٍ طاھرِ

اے عورتوں خود کو چادروں میں چھپالو اور ایسی محفلوں میں جو کچھ پسندیدہ ہے وہ پڑھو۔

فاطمہؑ کے ساتھ آگے بڑھو، خدا نے اس کے ذکر کو بلند کیا ہے اور اسے پاک وپاکیزہ شوہر عطا کیا ہے۔

جناب حفصہ نے بھی اشعار کہے ہیں۔ ان میں چند یہ ہیں:

فــاطــمةُ خیــرُ نســاء البشــر　　ومن لهــا وجــهٌ کَـوجــه القمر

فَضّلَکَ اللّٰـه علـی کلِّ الوری　　بفضل مَن خُصَّ بایِ الزُّمر

زَوَّجک الـلّٰـــهُ فتَـی فــاضِلاً　　اَعنی علیًّا خیر من فی الحَضر

فاطمہؑ بہترین زنانِ عالم، وہ دختر کہ جس کی صورت چاند جیسی ہے۔

تیرے پروردگار نے تجھے سب پر برتری عطا کی، اس شخص کی فضیلت کے سبب جس کی شان میں قرآنی آیات نازل ہوئی ہیں۔

خداوند تعالیٰ نے ایک فاضل جوان کے ساتھ تیری شادی کردی۔ میری مراد علیؑ ہے جو سب مردوں سے بہترین ہے۔

دوسری خواتین بھی مانند معاذہ (سعد بن معاذ کی والدہ) جو کہ بہت بوڑھی تھیں، اشعار پڑھتی جارہی تھیں۔ وہ تکبیر کہتی ہوئیں علیؑ کے گھر تک آئیں۔(۱)

شادی کا جوڑا سائل کو عطا کرنا

بعض کام اگرچہ مادّی نقطۂ نظر سے زیادہ اہم نہیں ہیں مگر زمان و مکان کی کیفیت اور موقعیت اس کی اہمیت اور افادیت کو کئی گناہ بڑھا دیتی ہے۔ حضرت زہرؑا نے جو کام انجام دیے ہیں کہ جن کی مثال تاریخ انسانی میں ملنا مشکل ہے، ان میں سے ایک کام شادی کے جوڑے کا راہ خدا میں سائل کو دیدینا ہے۔ حضرت زہرؑا نے یہ انفاق رضائے الٰہی کے حصول کے لئے کیا۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ ایک جوڑے کا انفاق کردینا اس قدر اہمیت نہیں رکھتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک نو سالہ دلہن اپنی شادی کا مخصوص جوڑا سائل کو دے دیتی ہے اور شب زفاف پرانا لباس زیب تن کرتی ہیں تو یقیناً یہ عمل ایثار ہے اور وہ اس آیت قرآنی ﴿ ویؤ ثرون علی انفسھم ولو

(۱) بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۱۱۵۔

کان بھم خصاصة﴾(۱) ''گوانھیں خودضرورت ہوتاہم دوسروں کواپنی ذات پرترجیح دیتے ہیں۔''

اس دعویٰ کا ثبوت وہ ضربت ہے جوعلیؑ نے جنگ خندق کے دن 'عمروبن عبدود' پرلگائی اوروہ قتل ہوگیا۔حضرتؑ نے بارہاتلوارچلائی مگراس مرتبہ زمان ومکان کی مناسبت اورکل کفرپرکل حق کی مکمل فتح وکامیابی کے سبب اس ضربت کی اہمیت بڑھ گئی اوراس کی شان میں کہاگیا'قتل علیؑ لعمرو بن عبد ود افضل من عبادة الثقلین''۔(۲)عمروبن عبدودکاجنگ خندق میں علیؑ کے ہاتھوں قتل ہوجاناجن وانس کی عبادت سے بالاترہے۔''حضرت زہراؑ کے انفاق لباس کے بارے میں روایت اس طرح ہے:

صفوری شافعی ابن جوزی سے نقل کرتے ہیں ''حکم رسول خداؐ سے فاطمہؑ کی شب عروسی کے لئے ایک لباس تیارکیاگیا۔ایک پرانااورپیوندزدہ لباس حضرت زہراؑ کے پاس پہلے سے موجودتھا۔اس ہی موقع پرسائل آیااوراس نے آوازدی کہ رسول خداؐ کے گھرسے پرانالباس مانگتاہوں۔حضرت فاطمہؑ نے اس آیت کومعنی اورعملی جامہ پہناتے ہوئے پرانے لباس کے بجائے شادی کاجوڑاسائل کودیدیا:
﴿لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون﴾ (۳)تم ہرگز(ہرگز)نیکی(کے درجے)کونہ پہنچوگے جب تک کہ ان چیزوں میں سے(راہ خدامیں)خرچ نہ کروجوتم کومحبوب ہیں۔

شب زفاف جبرئیل رسول خداؐ پرنازل ہوئے اورعرض کیایارسول اللہ!خداوندتعالیٰ نے آپ کواورحضرت فاطمہؑ کوسلام پہنچایاہے۔اورفاطمہؑ کے لئے بہشتی لباس بھیجاہے''۔ (۴)

---

(۱)،حشر۵۹:۹۔

(۲)سیرہ حلبی،ج۲،ص۶۴۲۔

(۳)آل عمران۳:۹۲۔

(۴)احقاق الحق،ج۱۰،ص۴۰۱؛بہ نقل ازنزہۃ المجالس،ج۲،ص۲۲۶۔

حضرت علی علیہ السلام سے متعلق تاریخی افسانے

بعض خود غرض تاریخ نویسوں نے حضرت علیؑ کے فضائل کا انکار کیا ہے حتیٰ کہ حضرت پر ناروا تہمتیں اور الزامات لگانے سے بھی باز نہ آئے۔ مثلاً یہ کہ حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ سے شادی کرنے کے بعد کفار مکہ کے سردار ابو جہل کی بیٹی سے شادی کی غرض سے رشتہ دیا۔ جب یہ خبر فاطمہؑ تک پہنچی تو وہ بہت رنجیدہ ہوئیں اور انھوں نے اپنے والد رسول خداؐ سے اس بات کا ذکر کیا۔ رسول خداؐ یہ سنکر غضبناک ہوئے اور انتہائی غصہ کی حالت میں منبر پر جا کر اس کام کی شدید مذمت کی۔ (۱)

مصری مصنف عائشہ بن مشاطی، اپنی کتاب 'دختران پیامبرؐ' میں اسی طرح کی بکواس لکھتے ہوئے کہتا ہے ''کاش علیؑ ایک عورت پر ہی اکتفا کر لیتے'' اس کے بعد اپنے کتاب کے بہت سارے صفحات میں ابو جہل کی مذمت اور ابو جہل اور پیغمبر اسلام کی بیٹی کے درمیان موازنہ کرتے ہیں۔ اس طرح اس نے اپنے خیال میں علیؑ کی اس تصوراتی شادی کی مذمت کی ہے۔ (۲)

انتہائی افسوس کی بات ہے کہ ایک مسلمان مصنف، بغیر کسی دلیل کے اور اس بات کی طرف توجہ کئے بغیر کہ کیا حضرت علیؑ جیسی ہستی ایک کافر سردار کی بیٹی سے شادی کی خواہش کر سکتی ہے اور اس (فرضی) مسئلہ کو درست اور قطعی مان کر اس کے بارے میں قلم فرسائی کرے اور حضرت علیؑ کے عمل کی مذمت کرے!!۔

علامہ سید حسن امین اس بارے میں ذخائر العقبیٰ سے مذکور حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ''مصنف نے حضرت علیؑ و حضرت فاطمہؑ کو مورد تنقید قرار دینے کی کوشش کی ہے لیکن دراصل اس نے خود پیغمبر اسلام کو واضح تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ چونکہ اس نے یہ واقعہ نقل کر کے ثابت کیا ہے کہ پیغمبرؐ اسلام ایسے انسان ہیں جو شرعی احکامات سے متعلق اپنے اور دوسرے لوگوں کے درمیان فرق

(۱) دائرۃ معارف اسلام شیعی، حسن امین، جزء سوم، ص ۱۰۔

(۲) فاطمه الزهرا من المهد الى اللحد، ص ۱۸۵۔

کے قائل ہیں۔ رسول خداؐ دوسروں کے لئے تو تعدد زوجات کو مباح قرار دیتے ہیں۔ مگر اپنی بیٹی کے متعلق اس بات کو پسند نہیں کرتے یہ بدترین تہمت ہے جو پیغمبر اسلامؐ پر لگائی گئی ہے۔

وہ حضرت علیؑ کو ایک ایسا شخص ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ گویا حضرت علیؑ اپنی بیوی اور بنت رسول حضرت فاطمہؑ کو رنج دیتے ہیں اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی غضبناک کرتے ہیں۔ (۱)

وہ حضرت فاطمہؑ کو بھی مورد طعن قرار دیتا ہے مصنف کے خیال میں فاطمہؑ ایسی خاتون ہیں جو شرعی احکامات کو (جو ان کے پدر بزرگوار رسول خداؐ خداوند تعالیٰ کی طرف سے لائے) اپنے لئے پسند نہیں کرتیں۔

اس روایت کی سند کا باطل اور فاسد ہونا اظہر من الشمس ہے۔ سوال یہ ہے کہ جھوٹے راویوں نے اس واقعہ کو ابوجہل کی بیٹی کے ساتھ کیوں مخصوص کیا ہے'' کسی اور کی بیٹی کی طرف نسبت کیوں نہیں دی۔ کیا وہ زیادہ خوبصورت تھی؟ یا اس جعلی روایت گھڑنے کا مقصد یہ تھا کہ علیؑ کو رسولؐ خدا اور بنت رسولؐ کی ناراضگی اور غضب کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ یہی وہ نکتہ ہے جو جھوٹا افسانہ بنانے والوں کی سازش سے آگاہ کرتا ہے۔ اس جعلی داستان کی تکمیل کی خاطر ایک اور جھوٹ کی نسبت پیغمبر خداؐ کی طرف دی گئی وہ یہ کہ رسول خداؐ نے اپنے ایک ایسے داماد کا نام لیکر کہا جو عبد شمس کے بیٹوں میں سے تھا، تعریف کی ہے اور کہا ہے کہ ''وہ میرے ساتھ سچ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو پورا کرتا ہے'' اس جعلی روایت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ رسول خداؐ کے دوسرے داماد یعنی علیؑ رسول خداؐ کے ساتھ (نعوذ باللہ) جھوٹ بولتے ہیں اور جب رسول خداؐ سے وعدہ کرتے ہیں تو پورا نہیں کرتے۔ لہٰذا پیغمبر اسلامؐ نے اپنے دوسرے داماد کی تعریف کر کے ان کی مذمت کرنا چاہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس جعلی

(۱) بنابریں پیغمبر خداؐ کی حضرت زہراؑ کے متعلق روایات (جس نے فاطمہؑ کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے خدا کو اذیت دی) کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ اس جعلی واقعہ سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ علی خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دینے والے ہیں (نعوذ باللہ)۔

روایت بنانے والے کا مقصد پیغمبر اسلامؐ کی بیٹی فاطمہؑ کو غضبناک کرنے والوں سے لوگوں کی توجہ ہٹا کر علیؑ کی طرف اس رخ موڑ دیا۔ اس کے بعد یہی جعلی خبر بنانے والا اپنی اس خبر کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ ان میں سے دوسری احادیث سے استفادہ کرتا ہے اور ہر حدیث سے ایک خاص ہدف کو مدنظر رکھتا ہے۔ ان میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ ''فاطمہؑ میرا ٹکڑا جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔ اس کے بعد اس حدیث کی یوں تغیر کرتا ہے کہ رسول اکرمؐ کی اس سے مراد یہ تھی کہ خداوند تعالیٰ نے علیؑ کے لئے فاطمہؑ کے علاوہ دوسری بیوی حرام قرار دی ہے۔ (۱)

اس مبارک شادی کا مبارک ثمر

اس مبارک شادی کا ثمر چار بچے ہیں کہ جن سے نسل پیغمبرؐ آگے بڑھی ہے۔ حضرت فاطمہؑ اور حضرت علیؑ کے پہلے بیٹے حسنؑ ہیں۔ آپ پندرہ رمضان المبارک ۳ھ کو دنیا میں تشریف لائے جبرئیلؑ خدا کی طرف سے خوشخبری لے کر آئے اور عرض کیا یا رسول اللہؐ اپنے بیٹے کا نام ہارون کے بیٹے کے نام پر رکھیں۔ رسول خداؐ نے ان سے ہارون کے بیٹے کا نام پوچھا، جبرئیلؑ نے عرض کیا ''شبّر'' رسول اکرمؐ نے فرمایا: ''میری زبان عربی ہے اور شبّر عبرانی زبان کا لفظ ہے'' جبرائیلؑ نے کہا ان کا نام حسنؑ رکھیں۔ پیغمبرؐ نے ان کا نام حسنؑ رکھا۔ دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی۔ ولادت کے ساتویں دن دو سیاہ و سفید بکرے ذبح کر کے عقیقہ کیا۔

اس مبارک شادی کا دوسرا فرزند حسینؑ ہے۔ آپؑ کا نام بھی امام حسنؑ کے مانند خدا کے حکم سے رکھا۔ دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی۔ اور ساتویں دن عقیقہ کیا۔ آپ دونوں اللہ کے رسولؐ کے پیارے اور عزیز نواسے تھے۔

اس مبارک شادی کا تیسرا ثمر حضرت زینبؑ ہیں۔ صحیح قول کے مطابق حضرت زینبؑ امام حسینؑ

(۱) دائرۃ المعارف اسلام الشیعی، جزء سوم، ص ۱۰، ۱۱۔

کی ولادت کے بعد متولد ہوئیں۔ آپؑ کی تاریخ ولادت کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ پانچ جمادی الاول ۶ ھ۔ اوائل شعبان۔ ماہ رمضان المبارک اور بعض کے نزدیک ربیع الثانی کے آخری عشرہ میں۔ آپؑ کی ولادت واقع ہوئی۔ بعض نے ماہ محرم ۵ ھ کا بھی ذکر کیا ہے۔

آپؑ کی تاریخ وفات کے بارے میں دو قول مشہور ہیں۔ یعنی ماہ رجب اور چودہ رجب۔ آپؑ کا نام زینبؑ یعنی ''زین، اب'' ہے۔ اس کا مطلب ہے باپ کی زینت. آپؑ کا مشہور لقب ''عقیلہ'' یا عقیلہ بنی ہاشم ہے اس کا معنیٰ ہے، اپنے خاندان میں بہت زیادہ دانشمند خاتون۔ آپؑ کی کنیت ''ام کلثوم''، ''ام عبداللہ'' ہے۔

حضرت زینبؑ کے شوہر کا نام عبداللہ ابن جعفر ہے۔ آپ واقعہ کربلا میں اپنے بھائی امام حسینؑ کے شریک رہیں۔ عاشورہ کے غمناک واقعہ کے بعد شام تک اہل بیتؑ کی قافلہ سالار تھیں۔ اس عظیم خاتون کے بارے میں مشہور عالم شیخ محمد جواد مغنیہ کا قول نقل کرتے ہیں۔ (۱)

''حضرت زینبؑ عظیم منزلت کی حامل ہیں۔ آپؑ کے فضائل و کمالات بے شمار ہیں۔ آپ کی پوری زندگی میں بہت سارے غمناک حوادث رونما ہوئے۔ مثلاً بچپن میں رسول خداؐ کی رحلت اور والدہ گرامی کی اندوہناک وفات۔ والد گرامی کی پچیس سالہ خانہ نشینی اور حق خلافت کا غصب ہو جانا، اس کے بعد مدینہ سے کوفہ کی طرف ہجرت، جو اس زمانے میں حضرت علیؑ کا دار الخلافہ تھا۔ حضرت علیؑ کی غمناک شہادت ''امام حسنؑ کا مسموم ہو کر شہید ہو جانا؛ علاوہ ازیں چند سالوں کے بعد وہ عظیم حادثہ رونما ہوا کہ تاریخ انسانی میں جس کی مظلومیت کی مثالیں نہیں ملتی۔

حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کی دوسری بیٹی کا نام ''ام کلثومؑ'' ہے۔ بعض کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کا اصل نام زینب صغریٰ ہے۔ اور ام کلثومؑ کنیت ہے۔ ام کلثومؑ بھی شرافت و نجابت میں اپنی بہن حضرت زینبؑ کی طرح تھیں۔ ایک روایت کے مطابق آپؑ واقعہ کربلا سے پہلے مدینہ ہی میں فوت

---

(۱) حسینؑ و بانوا قہرمان کربلا۔

ہوگئی تھیں۔ اور اسی شہر میں دفن کی گئی۔ چنانچہ روایات میں جو یہ آیا ہے کہ ام کلثومؑ نے کربلا میں تقریر کی یا وہ موجود تھی۔ اس کا تعلق حضرت زینبؑ سے ہے یا حضرت علیؑ کی دوسری بیٹیوں میں ہی سے ایک بیٹی جو کہ حضرت فاطمہؑ کے علاوہ کسی دوسری ماں سے تھی جن کا نام ام کلثوم تھا۔

ان کے پانچویں فرزند محسنؑ ہیں جو رحلت پیغمبرؐ کے بعد حاکمان وقت کی طرف سے حضرت علیؑ کے گھر حملہ کر کے دروازہ پر آگ لگائی گئی اور حضرت زہراؑ کے اوپر دروازہ کرایا گیا جس سے آپ کے شکم میں حضرت محسنؑ شہید ہوئے۔

حضرت علی اور حضرت فاطمہ علیہا السلام کے بچوں کی زندگی ہم نے اجمالی طور پر بیان کی ہے تفصیلی طور پر ذکر کرنے کے لئے ایک مستقل اور ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔

حضرت علی علیہ السلام اور معرکۂ جہاد

ابن عباس کہتے ہیں:

''مہاجرین کا علم ہمیشہ، تمام جنگوں میں حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ آپ تمام جنگوں، بدر، احد، خیبر، احزاب، خندق، فتح مکہ، اور دیگر اسلامی محاذوں پر لشکر اسلام کے علمبردار تھے''۔(۱)

حضرت علیؑ کی شخصیت کی ایک جھلک جنگی محاذوں اور جہادوں، معرکوں میں نظر آتی ہے۔ ان محاذوں پر ہم نہ فقط شجاعت بلکہ آنحضرتؐ کی عدالت اور زہد کا بھی بخوبی مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس الٰہی انسان کی تمام صفات اور خوبیاں ایک دوسرے سے جدائی ناپذیر تھیں۔ تاریخ میں بہادر انسان بہت زیادہ ملتے ہیں مگر ایک ایسا انسان جو ہمزمان شجاع بھی ہو اور زاہد، عارف اور عادل بھی ہو، ملنا محال اور ناممکن ہے۔ جب انسان دیکھتا ہے کہ آنحضرتؑ نے کافروں کے شجاع ترین اور بہادر پہلوان کو زمین پر گرانے کے بعد اسے قتل کرنے میں صبر کام لیا یہاں تک کہ ان کا ذاتی غصہ ٹھنڈا ہو جائے، تو وہ حیران و ششدر اور مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے۔ اللہ کی راہ میں تلوار چلانے کا مفہوم و معنی یہاں پر واضح نظر آتا ہے۔

یہ عظیم انسان یتیم و بے کس افراد کے سامنے انتہائی متواضع ہوتا ہے اور دست شفقت ان کے

---

(۱) تاریخ دمشق، ترجمہ امام علیؑ، ج۱، ص۱۴۲، ح۲۰۰۔

سروں پر رکھتا ہے، مگر کفار و مشرکین کے طاقتور سرداروں اور پہلوانوں کے سامنے ڈٹ کر ان کی صفوں کو چیرتا ہوا آگے بڑھتا ہے انھیں حق و باطل کے معرکے میں شکست دیتا ہے۔ ہر کافر جنگجو حضرت علیؑ کی ضربت سے ڈرتا تھا۔

رسول خداؐ نے جن جنگوں میں خود بھی شرکت کی انھیں ''غزوہ'' اور جن جنگوں میں خود تشریف نہیں لے گئے بلکہ اپنا نمائندہ بھیجتے تھے ایسی جنگوں کو ''سریہ'' کہتے ہیں۔(۱) اکثر غزوات اور سریوں میں رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کی شجاعت اور بہادری کی تعریف کی اور اسے سراہا اور اکثر جنگوں میں بہت ساری جنگی اور فنی الجھنیں حضرت علیؑ کی شمشیر و تدبیر سے سلجھیں۔

ان معرکوں کی تعداد بہت زیادہ ہے ہم یہاں پر صرف اہم معرکوں کا ذکر کریں گے۔ ہم نے دوسری کتاب 'تجلی امامت' میں تین جنگوں، جمل، صفین اور نہروان کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ حضرت علیؑ کی جنگوں میں بہت سارے نکات پنہاں ہیں۔ اہل جہاد و معرکہ ان سے مفید درس حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم نے ان معرکوں کو قارئین کی سہولت کی خاطر ایک ہی جگہ پر جمع کر دیا ہے۔ اسی لئے بعض تاریخی واقعات کی ترتیب بدل دی ہے۔ مثلاً حضرتؑ کا عقد، جنگ بدر کے بعد واقع ہوا مگر ہم نے اسے جنگ بدر سے پہلے ذکر کر دیا ہے تاکہ تمام جنگوں کی تفصیل ایک ہی جگہ پر تحریر کر دی جائے۔

---

(۱) کل غزوات ۲۶ یا ۲۷ ہیں۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ غزوہ خیبر اور غزوہ وادی القریٰ جو کہ دونوں ساتھ ساتھ رونما ہوئے انھیں دو علیحدہ یا ایک ہی غزوہ شمار کیا ہے۔ سریوں کی کل تعداد ۳۵ یا ۳۶ یا ۴۸ / اور یہاں تک ۶۶ / تک بیان کی گئی ہے۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ بعض سریوں کو افراد کی تعداد کم ہونے کے باعث شمار نہیں کیا گیا۔

جنگ بدر (۱)

ابن عباس کہتے ہیں:

"ان النبی اعطی علیا الرایة یوم بدر وھو ابن عشرین سنة."

"بے شک رسول خداؐ نے جنگ بدر میں علم حضرت علیؑ کے ہاتھ میں دیا اس وقت آپ بیس سال کے نوجوان تھے۔" (۲)

مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ہونے والی سب سے پہلی جنگ، جنگ بدر کہلاتی ہے کہ جس میں مسلمانوں کی قیادت اور رہبری خود پیغمبر اسلامؐ نے فرمائی۔ اسلام وکفر کے درمیان یہ سب سے اہم جنگ تھی اس میں اسلام کی عزت وشوکت اور کفر کی ذلت وخواری کا نمایاں طور پر مشاہدہ کیا

---

(۱) بدر، مدینہ ومکہ کے درمیان ایک وسیع علاقہ ہے۔ اسی علاقہ میں بہت سارے کنویں کھودے گئے تھے۔ اس علاقہ کو بدر اس لئے کہتے ہیں چونکہ قبیلہ غفار کے ایک شخص 'بدر' نے اپنے نام سے یہاں کنواں کھودا۔ (مناقب ابن شہر آشوب، ج۱، ص۱۸۷؛ سیرہ ابن ہشام، ج۲، ص۲۷۷۔)

(۲) سیرۂ حلبی، ج۲، ص۳۸۲۔

گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس جنگ کو بدرالعظمیٰ، بدرالکبریٰ اور بدرالقتال بھی کہتے ہیں۔(۱) یہ اہم تاریخی واقعہ ۱۷؍ یا ۱۹؍ ماہ رمضان المبارک ۲ھ میں پیش آیا۔(۲) جنگ بدر کی اہمیت کے لئے یہی کافی ہے کہ اس میں شریک ہونے والے مسلمانوں کو خاص مقام حاصل ہے اور انھیں 'بدری' کہتے ہیں۔ جس واقعہ یا مسئلہ میں بدری شرکت کرتا تھا اس واقعہ یا مسئلہ کی اہمیت دوچنداں ہو جاتی تھی اور بدریوں کی کسی مسئلہ کے ساتھ موافقت کو قبولیت کا درجہ دے دیا جاتا تھا۔

امیر المومنین حضرت علیؑ جو کہ جوان تھے اور مسلمان مجاہدین میں سب سے کم عمر تھے وہ اس جنگ میں اسلامی فوج کے علمبردار تھے۔ اس جنگ میں حضرت علیؑ نے اپنی دلاوری اور جوانمردی کے بے مثال جوہر دکھائے اور قریش کے بہت سے سرداروں کو واصل جہنم کیا۔

جنگ بدر کے اسباب

کفار قریش نے مہاجر مسلمانوں کے گھربار اور مال و دولت پر قبضہ کر لیا تھا اور وہ مدینہ کی طرف خالی ہاتھ زندگی ہجرت کر رہے تھے۔ مسلمان اس تگ و دو میں تھے کہ وہ اپنے پامال شدہ حقوق، کفار سے لیں اور ان کے اموال پر قبضہ کریں۔ قرآن مجید نے بھی اس عادلانہ بدلے کی اجازت دی ہے ﴿اذن للذین یقاتلون بانهم ظلموا و ان الله علی نصرهم لقدیر﴾ (۳) جن لوگوں پر ظلم کیا گیا ہے انھیں دفاع کرنے اور لڑنے کی اجازت ہے بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ لہٰذا مسلمان اس فرصت کی تلاش میں تھے کہ کفار مکہ کے تجارتی قافلے کو اپنے قبضے میں لے لیں جو کہ مکہ سے مدینہ کے راستے شام کی طرف جاتا تھا۔ اس طرح وہ ان کے اقتصاد اور ظالمانہ سیاست کو

---

(۱) سیرۂ حلبی، ج ۲، ص ۳۷۴
(۲) کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۲۴۔
(۳) حج ۲۲: ۳۹۔

نقصان پہنچانا چاہتے تھے ۔ اور کفار کو ہی سبق سکھادیں کہ اگر کفار اسلامی تبلیغ کی راہ میں رکاوٹ ڈالیں اور اگر مسلمانوں کی بیان اور عقیدے کی آزادی چھیننے کی چکر میں ہوں تو ان کی شہ رگ حیات (اقتصاد) کو نقصان پہنچائیں گے۔

مذکورہ وجوہات کے پیش نظر نیمہ جمادی الاول ۲ھ میں خبر ملی کہ قریش کا تجارتی قافلہ ابو سفیان کی قیادت میں شام کی طرف جا رہا ہے۔ رسول خداؐ نے اصحاب کے ہمراہ ذات العشیرہ تک کاروان کا پیچھا کیا مگر وہ دور نکل چکے تھے ۔ لہٰذا وہ مدینہ لوٹ آئے اور کاروان کی واپسی کا انتظار کرنے لگے ۔(۱)

چند ماہ گزرنے کے بعد خبر ملی کہ ابو سفیان (۲) تیس، چالیس افراد من جملہ مخرمہ بن نوفل اور عمرو عاص کے ہمراہ ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ لیکر آرہا ہے کہ جس میں ہزار اونٹوں پر تجارتی مال رکھا ہوا ہے۔ (۳) رسول خداؐ نے یہ خبر سن کر اصحاب کو جمع کیا اور فرمایا ''اے لوگوں قریش کا کاروان آرہا ہے، ان کے مال واسباب پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے مدینہ سے نکل پڑو! شاید خداوند تعالیٰ تمہارے لئے کوئی راہ نکال دے''۔ (۴) اصحاب رسولؐ نے یہ طے کیا کہ نبی اکرمؐ کے ساتھ مدینہ سے نکل جائیں تاکہ اس طرح قریش کے تجارتی لشکر کا راستہ بند کردیں اور ان کا مال اسی طرح دبالیں جس طرح انھیں نے ہمارا مال غصب کیا ہے۔ یہ کفار کا قریش کا مال دبانا جنگ بدر چھڑنے کا باعث ہوا۔

---

(۱) کامل ابن اثیر، ج۱، ص۵۲۲؛ بدایہ ونہایہ ابن کثیر، ج۳، ص۲۴۶۔

(۲) بحار الانوار، ۱۹، ص۲۱۷؛ خبر لانے والے کا نام عدی تھا۔

(۳) سیرہ ابن ہشام، ج۲، ص۲۵۷؛ کامل ابن اثیر، ج۱، ص۵۲۵؛ تاریخ طبری، ج۲، ۱۳۵؛ بدایہ ونہایہ ابن کثیر، ج۳، ص۳۵۵؛ بحار الانوار، ج۲۹، ص۲۲۵؛ ۲۱۷۔

(۴) سیرہ ابن ہشام، ج۲، ص۲۵۷؛ کامل ابن اثیر، ج۱، ص۵۲۵؛ تاریخ طبری، ج۲، ص۱۳۵؛ بدایہ ونہایہ ابن کثیر، ج۳، ص۳۵۵؛ بحار الانوار، ج۲۹، ص۲۲۵۔۲۱۷؛ سیرہ حلبی، ج۲، ص۳۷۵۔

لشکر اسلام کی روانگی

رسول خداؐ جنگی اور غیر جنگی سفر پر جب بھی مدینہ سے باہر جاتے تھے تو لوگوں کے سیاسی ،عبادی اور اجتماعی مسائل حل کرنے کے لئے کسی نہ کسی کو اپنی جگہ پر منصوب کر جاتے تھے اس سفر میں پیغمبر اسلامؐ نے عبداللہ بن ام مکتوم کو نماز جماعت کے لئے اور ابولبابہ کو مدینہ کے انتظام وانصرام کے لئے منصوب کیا۔ حضرت محمدؐ ۳۱۳ ر افراد کے ہمراہ کہ جن میں ۷۷ ر مہاجرین اور باقی انصار (قبیلۂ اوس اور خزرج کے افراد) میں سے تھے۔ ۸ ر رمضان المبارک ۲ھ بروز جمعہ، مدینہ سے روانہ ہوئے اور بدر سے کچھ فاصلے پ (ذفران) کے مقام پر قریش کے تجارتی کاروان کے راستے پر پہنچ گئے۔

لشکر اسلام کے پاس دو گھوڑے تھے۔ ایک مقداد اور دوسرا زبیر بن عوام یا مرثد بن ابی مرثد کے لئے اور ستر اونٹ تھے تین یا چار افراد اپنی اپنی نوبت پر اونٹ پر سوار ہوتے تھے۔ رسول خداؐ حضرت علیؑ اور زید بن حارثہ کے لئے ایک اونٹ تھا۔ ''عقاب'' نامی، رسول خداؐ کا علم حضرت علیؑ کے ہاتھ میں تھا۔ (۱)

کفار مکہ کا ردّ عمل

مکہ کی واپسی پر ابوسفیان کو اس بات کا احساس ہوگیا تھا کہ ممکن ہے مسلمان راستے میں رکاوٹ ڈالیں۔ اس لئے بدر کے نزدیک وہ آنے جانے والوں سے پوچھ رہا تھا کہ محمدؐ اور ان کے اصحاب ہماری کھوج میں تو نہیں ہیں؟ بالآخر اسے خبر ملی کہ مسلمان (ذفران) کے مقام پر جمع ہیں۔

---

(۱) کامل ابن اثیر، ج ا،ص ۵۲۶، ۵۲۷؛ سیرہ ابن ہشام، ج ۲،ص ۲۶۳ ـ ۲۶۶؛ تاریخ طبری، ج ۲، ۱۳۸؛ سیرہ حلبی، ج ۲،ص ۳۸۲ ـ ۳۸۶۔

ابوسفیان یہ سنکر بہت پریشان ہوگیا فوراً اس نے کاروان کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اس نے تیز اونٹ سوار ضمضم بن عمرو غفاری کو بیس دینار دیئے تاکہ وہ جلدی سے مکہ جاکر تجارتی اموال کے مالکوں اور مکہ کے لوگوں کو مسلمانوں کے حملہ کی خبر دے۔

'ضمضم' نے بڑی تیزی کے ساتھ خود کو مکہ پہنچایا۔ اس نے ابوسفیان کے حکم پر اپنے اونٹ کے کان کاٹ دیئے اور ناک زخمی کردی اور اپنا لباس پھاڑ ڈالا۔ وہ اس دلخراش حالت میں اپنے اونٹ پر کھڑا ہوکر فریاد کرنے لگا "اے قریش والوں! عطر، مشک اور دیگر تجارتی سامان لانے والا تمہارا قافلہ سخت خطرے میں گھرا ہوا ہے۔ محمدؐ اور ان کے پیروکار تمہارے تجارتی سامان کو لوٹنا چاہتے ہیں۔ اس صورت میں تمہارے ہاتھ تو کچھ بھی نہیں آئے گا۔ جلدی کرو مدد کو پہنچو مدد کو پہنچو!"۔ (۱)

اونٹ کی رقت بار حالت، کہ جس کے کان وناک سے خون بہہ رہا تھا، ضمضم کی دلخراش صورت حال اور اس کی مایوس کنندہ آہ وبکا نے مکہ کے لوگوں کو خاص طور پر ان افراد کو جن کا تجارتی اموال میں حصہ تھا، ان میں ہیجان پیدا کردیا۔ لہٰذا تھوڑی ہی دیر میں ایک بہت بڑی اور طاقتور فوج تیار ہوگئی جو جدید جنگی وسائل سے برخوردار تھی، فوجیوں کی تعداد ۹۵۰ سے لیکر ایک ہزار تک تھی۔ (۲) اس لشکر میں مکہ کی معروف شخصیات شامل تھیں، جیسے ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ، ولید بن عتبہ، ابوالبختری، حکیم بن حزام، حارث بن عامر، طعیمہ بن عدی، نضر بن حارث، امیہ بن خلف، عمرو بن عبدود وغیرہ، فقط ابولہب نے عاص بن ہشام مغیرہ کو چار ہزار درہم دے کر اپنی جگہ پر جنگ کرنے لئے بھیجا۔ لشکر مکہ کا لشکر سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑوں کے ساتھ بدر کی طرف روانہ ہوا۔ (۳)

---

(۱) کامل ابن اثیر، ج ۱، ۵۲۵؛ سیرہ ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۶۰؛ سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۳۷۵؛ بدایہ ونہایہ ابن کثیر، ج ۳، ص ۲۵۷؛ بحار الانوار، ۱۹، ص ۲۱۵۔

(۲) سیرہ ابن ہشام، ج ۲، ص ۵۲۶؛ تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۴۵۔

(۳) سیرہ ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۶۱؛ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۲۶؛ سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۳۷۷؛ بدایہ ونہایہ ابن کثیر، ج ۳، ص ۲۵۷۔

پیغمبر اسلامؐ کا لشکر کفار کی روانگی سے آگاہ ہونا

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ رسول خداؐ اپنے اصحاب کے ہمراہ قریش کے تجارتی مال کو اپنی چھینی گئی جائیداد کے بدلے اپنے قبضہ میں لینے کے لئے مدینہ سے نکلے تھے کہ اچانک خبر ملی کہ مکہ کے لوگ تجارتی قافلہ کی حفاظت کے لئے ابوجہل کی قیادت میں پورے جنگی سازوسامان کے ساتھ بدر کے نزدیک لڑنے کے لئے تیار کھڑے ہیں۔(۱)

یہ خبر سن کر رسول خداؐ کے سامنے دوراستے تھے۔ایک طرف تو آپؐ کے اصحاب مدینہ سے اس لئے آئے تھے کہ قریش کے تجارتی قافلے کو قبضے میں میں لیں۔لہٰذا ان کی کوئی جنگی تیاری نہ تھی۔ دوسری طرف اگر وہ بغیر مقصد حاصل کئے واپس چلے جاتے ہیں تو اس طرح اصحاب کی نفسیاتی شکست اور انتشار ممکن ہے کہ دشمن اپنی پیش قدمی کو جاری رکھتے ہوئے مدینہ پر حملہ کردے۔اس لئے حضور اکرمؐ نے واپس جانا مناسب نہ سمجھا اور دشمن کے ساتھ جنگ کرنے کا ارادہ کرلیا۔البتہ ایک مشکل یہ تھی کہ آپؐ کے ہمراہ آنے والوں میں زیادہ تعداد انصار کے جوانوں کی تھی ۔یعنی ۲۳۶/افراد تھے اور مہاجرین صرف ۷۷/افراد تھے،انصار نے عقبہ میں پیغمبر اسلامؐ سے جو عہد کیا تھا وہ دفاعی نوعیت کا تھا نہ کہ جنگی نوعیت کا،یعنی انھوں نے یہ عہد کیا تھا کہ پیغمبر اسلامؐ کی جان کی حفاظت ویسے ہی کریں گے جس طرح اپنی اور اپنے خاندان والوں کی حفاظت کرتے ہیں۔مگر انھوں نے غزوہ یا سریہ میں شرکت کرنے اور دشمن کے ساتھ جنگ کرنے کا عہد نہیں کیا تھا۔لہٰذا رسول خداؐ نے اس مسئلہ کے حل کے لئے مشورہ طلب کیا۔

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں مغازلی واقدی سے نقل کرتے ہیں ''جب پیغمبر اسلامؐ نے جنگ کرنے یا واپس مدینہ جانے کے بارے میں اصحاب کی رائے جاننا چاہی۔تو مہاجرین میں سے کچھ افراد نے مدینہ کی واپسی کا مشورہ دیا جس کو سنکر حضرت بہت غضبناک ہوئے اور کہ خاموش

(۱)سیرہ ابن ہشام،ج۲،ص۳۹۹۔

بیٹھوں۔ جناب مقداد نے کہا" یا رسول اللہؐ ہمارے دل آپ کے ساتھ ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے آپؐ کو جو حکم دیا ہے آپ اسے انجام دیں ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ خدا کی قسم ہم ہرگز بنی اسرائیل کی طرح نہ کہیں گے کہ اے موسیٰ تو اور تیرا پروردگار جاؤ جہاد کرو اور ہم یہاں بیٹھے ہیں بلکہ ہم کہیں گے کہ اے اللہ کے رسولؐ آپ خدا کی مدد اور تائید سے آگے بڑھیں ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ (۱) مقداد کی باتیں سنکر رسول خداؐ بہت مسرور ہوئے اور ان کے حق میں دعا کی۔ مقداد کی جوشیلی باتوں پر دوسرے اصحاب رشک کرنے لگے۔ چنانچہ طبری کے بقول عبداللہ بن مسعود حسرت سے کہا کرتے تھے" کاش مقداد کی جگہ پر میں ہوتا"۔ (۲)

پیغمبر اسلامؐ کا قطعی فیصلہ

رسول خداؐ کا اصل ہدف گروہ انصار سے مشورہ کرنا تھا کہ وہ اپنے فیصلے سے آگاہ کریں۔ آیا وہ عہد عقبہ کے مطابق فقط پیغمبر اسلام کا دفاع کریں گے یا کفار قریش سے جنگ کرنے کے لئے اور اسلام کی مدد کے لئے بھی تیار ہیں۔ لہٰذا رسول خداؐ نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا:" آپ لوگ اپنا نظریہ بیان کریں"۔ سعد بن معاذ (جو انصار کے سربراہ تھے انھوں) نے کھڑے ہو کر کہا" یا رسول اللہ گویا کہ آپؐ ہم سے ہی مشورہ کرنا چاہتے ہیں؟ حضرتؐ نے فرمایا:" ہاں! معاذ نے کہا" یا رسول اللہؐ ہم آپ پر ایمان لائے ہیں اور آپ کی تصدیق کی ہے۔ جو کچھ آپ لائیں ہیں اس کی گواہی دیتے ہیں، لہٰذا آپ جو بھی فیصلہ کریں گے ہمیں قبول ہے۔ اس خدا کی قسم کہ جس نے آپ کو رسالت پر مبعوث کیا، اگر آپؐ اس دریا (دریائے احمر) میں داخل ہوں تو ہم بھی آپؐ کے پیچھے داخل

---

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج۲، ص۲۶۶؛ طبری، ج۲، ص۱۴۱؛ کامل ابن اثیر، ج۱، ص۵۲۸؛ شرح ابن الحدید، ج۱۴، ص۱۱۲۔

(۲) تاریخ طبری، ج۲، ص۱۴۰۔

ہو جائیں گے۔ ہمارا ایک آدمی بھی آپ کی مخالفت نہ کرے گا۔ ہم دشمن سے مقابلہ کرنے سے بالکل نہیں گھبراتے۔ امید ہے خداوند عالم ہماری ایثار و فداکاری سے آپ کی آنکھیں روشن کرے۔ ہمیں بحکم خدا جہاں ضروری سمجھتے ہیں روانہ کریں"۔

سعد بن معاذ کی باتیں سنکر پیغمبر اسلامؐ اس قدر خوشحال ہوئے کہ آپؐ نے فوراً کفار قریش سے لڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ آپؐ نے فرمایا:

"حرکت کرو اور تمہیں بشارت ہو کہ خداوند تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ یا دشمن کے قافلہ کا سامنا کروگے اور اس کے مال و اسباب کو قبضے میں لے لوگے یا امدادی گروہوں کے ساتھ جو کہ ان کی مدد کے لئے آئے ہیں، لڑوگے۔ خدا کی قسم گویا کہ میں قریش کی قتل گاہ کو دیکھ رہا ہوں اور انھیں بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا ہے۔"

اس کے فوراً بعد لشکر توحید نے پیغمبر اسلامؐ کی سربراہی میں 'ذفران' سے حرکت کی اور بدر کے کنویں کے نزدیک مورچہ بندی کرلی۔ (۱)

حضرت علی علیہ السلام اسلامی فوج کے علمبردار

جب دونوں طرف سے جنگ کرنے کی تیاری مکمل ہو چکی تو رسول خداؐ نے اپنا مخصوص پرچم "عقاب" حضرت علیؑ کو دیکر اسلامی فوج کی علمبرداری سے سرفراز کیا۔

ابن عبدالبر لکھتا ہے: "مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ علی ابن ابی طالبؑ نے دو قبلوں کی طرف نماز ادا کی، ہجرت کی اور جنگ بدر و دیگر جنگوں میں حصہ لیا۔ جنگ بدر، احد، خندق، خیبر اور دیگر بہت ساری اسلامی جنگوں میں رسول اکرمؐ کا علم حضرت علیؑ کے ہاتھ میں تھا۔ (۲)

---

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج۲،ص ۲۶۷؛ کامل ابن اثیر، ج۱،ص ۵۲۸؛ تاریخ طبری، ج۲، ص ۱۴۱؛ بحار الانوار، ج۱۹،ص ۲۱۸۔
(۲) استیعاب (اصابہ کے حاشیہ میں، ج۳،ص ۳۳)۔

ابن عساکر شافعی ابن عباس سے نقل کرتے ہیں ''رسول خداؐ نے جنگ بدر میں پرچم اسلام حضرت علی ابن ابی طالبؑ کو دیا اس وقت آپ بیس (۱) ۲۰ رسال کے جوان تھے۔ (۲)

اسی طرح وہ ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ تمام جنگوں میں بدر، احد، احزاب، خیبر اور فتح مکہ میں مہاجرین کا علم حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے ہاتھ میں تھا۔ (۳)

دشمن کی فوج کی معلومات کے لئے حضرت علی علیہ السلام کی روانگی

جنگی اصولوں اور مہارتوں میں سے ایک دشمن کی فوج کے بارے میں اطلاعات اور ان کے جنگی رازوں کا جاننا ہے۔ اسی لئے رسول خداؐ نے اسلامی لشکر کو پرامن جگہ پر ٹھہرایا اور دشمن کی نقل و حرکت سے پوری طرح آگاہی کے لئے زبیر بن عوام اور سعد بن وقاص کو حضرت علیؑ کی قیادت میں چاہ بدر کے نزدیک بھیجا۔ انھوں نے چاہ بدر کے نزدیک قریش کے دو غلاموں کو گرفتار کیا۔ انھوں نے پیغمبر اسلامؐ کے سامنے اعتراف کیا کہ وہ لشکر قریش کے لئے پانی لے کر جاتے ہیں۔ پھر انھوں نے بتایا کہ ''قریش والے بیابان بدر کے اسی طرف پہاڑ کے پیچھے جنگی تیاریوں میں مصروف ہیں اور ہر روز ۹ رسے ۱۰ رتک اونٹ قربانی کرتے ہیں'' رسول خداؐ نے ان کی اونٹوں کی قربانی سے یہ اندازہ لگایا کہ ان کی تعداد نو سو سے ہزار تک ہے۔ اس کے بعد ان کے سربراہوں کے نام پوچھے انھوں نے کہا ان کے سردار کے نام یہ ہیں، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ، ولید اور ابو جہل۔ اس وقت رسول اکرمؐ نے فرمایا ''شہر مکہ نے اپنے جگر پارے باہر پھینک دیئے ہیں۔ اس کے بعد حضورؐ نے حکم دیا کہ ان دونوں افراد

(۱) جنگ بدر دو ہجری میں واقع ہوئی۔ رسول خداؐ تیرہ سال بعد از بعثت مکہ میں تھے، حضرت علیؑ بعثت سے ۱۰ رسال قبل دنیا میں تشریف لائے۔ اس بنا پر حضرت علیؑ کی عمر جنگ بدر میں عمر ۲۵ رسال کی تھی۔ ابن عساکر کی عبارت نامکمل ہے۔

(۲) تاریخ دمشق ترجمہ امام علیؑ، ج ۱، ص ۱۴۲ ح ۱۹۹۔

(۳) تاریخ دمشق، ج ۱، ص ۱۴۲، ح ۲۰۰۔

کو پکڑ کر ان سے تحقیقات جاری رکھی جائے۔(۱)

ابو سفیان کا میدان جنگ سے فرار

ابوسفیان کا خیال یہ تھا کہ ممکن ہے مسلمان ان کے تجارتی کاروان کے راستے میں رکاوٹ بنیں لہٰذا شام سے واپسی پر وہ مسلمانوں کے علاقے کے نزدیک گیا وہ خود حالات سے آگاہی کی غرض سے بدر کے گاؤں میں داخل ہوا۔ اسے ایک شخص 'مجدی بن عمرو' ملا اس سے پوچھا کیا تمہیں کوئی مشکوک آدمی نظر آیا ہے؟'' اس نے کہا کوئی خاص مشکوک آدمی تو نظر نہیں آیا۔ البتہ دو اونٹ سوار دیکھے ہیں کہ جنھوں نے اپنے اونٹوں کو اس ٹیلے پر کھڑا کیا وہ نیچے اترے اور پانی پی کر واپس چلے گئے۔''

ابوسفیان ٹیلے پر آیا اس نے چند بوریاں پھاڑی اس میں موجود کھجوروں کو دیکھا اور کہا یہ مال تو مدینہ کا ہے'' وہ فوراً اپنے کاروان کی طرف آیا اور اسے فوراً مسلمانوں کے علاقہ سے دور لے گیا۔ اس نے فوری طور پر ایک شخص کو قریش کی طرف بھیجا تا کہ وہ انھیں خبر دے کہ انھیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نجات مل گئی ہے اور اب وہ واپس چلے جائیں۔ اس شخص نے جحفہ کے مقام لشکر قریش سے ملاقات کی اور انھیں ابوسفیان کا پیغام پہنچایا۔ مگر ابو جہل نے کہا'' ہم بالکل واپس نہیں جائیں گے بلکہ بدر کی طرف جائیں اور وہاں تین دن عیش و عشرت کریں گے۔ وہاں شراب خواری اور عورتوں کے ساتھ رقص و سرور کریں گے اور جنگی مشقیں کر کے لوگوں میں خاص طور پر مسلمانوں میں رعب و وحشت ایجاد کریں گے۔

''اخنس بن شریق' قبیلہ نبی زہرہ کے ہم پیمان نے مکہ جانے کی رائے دی اور کہا'' ہمارا مقصد

---

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج۲، ص۲۶۹؛ تاریخ طبری، ج۲، ص۱۴۱؛ کامل ابن اثیر، ج۱، ص۵۲۷؛ سیرہ حلبی، ج۲، ص۳۸۸۔

تجارتی قافلہ کو نجات دینا تھا اب چونکہ خطرہ ٹل گیا ہے لہٰذا واپس چلتے ہیں اور مسلمانوں کو ان کے حال پر چھوڑتے ہیں۔'' لیکن ابو جہل رضا مند نہ ہوا اور اس نے بدر جانے پر اصرار کیا۔ اختلاف کی وجہ سے قبیلۂ بن زہرہ اخنس اور قبیلۂ عدی بنی جھہ واپس چلے گئے۔(۱)

ابو جہل اپنی فوج کے ہمراہ آگے بڑھا یہاں تک کہ 'العروۃ القصوی' (بیابان بدر میں ایک اونچا ٹیلہ ہے) پہنچے۔ اس دوران شدید بارش ہوئی اور راستہ چلنا دشوار ہو گیا۔ بارش کے پانی کا رخ 'العروۃ الدنیا' کی طرف تھا۔ مگر خدا کے لطف سے لشکر اسلام (جو عدوہ الدنیا میں ٹھہرا تھا) کوئی نقصان نہ پہنچا۔ رسول خداؐ نے حباب بن منذر کی سفارش پر حکم دیا کہ سپاہ اسلام بدر کے کنویں کے پاس جمع ہو کر اپنے اور اپنے گھوڑوں کے لئے پانی کا ذخیرہ کریں۔(۲)

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا

ماہ رمضان (۳) میں کفار قریش کی لشکر کشی بدر کے علاقہ تک ہوئی اور ۱۷ / یا ۱۹ / (۴) رمضان المبارک کی صبح اچانک قریش کے سپاہی مسلمانوں سے لڑنے کی خاطر ٹیلے کے پیچھے سے دشت بدر میں داخل ہو گئے۔ رسول خداؐ نے جونہی انھیں دیکھا تو دعا کی: ''خداوندا قریش کا یہ گروہ بڑے غرور اور گھمنڈ کے ساتھ تجھ سے جنگ کرنے اور تیرے رسولؐ کی تکذیب کرنے لئے آیا ہے۔ پروردگارا جس مدد کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے اسے محقق فرما اور آج انھیں ہلاک کر دے۔''(۵)

---

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۷۰، ۲۷۱؛ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۲۸، ۵۲۹؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۱۴۳، ۱۴۴؛ سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۳۹۰-۳۹۲۔

(۲) سیرہ ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۷۰، ۲۷۱۔

(۳) کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۲۴۔

(۴) سیرہ ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۷۳۔

(۵) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۴، ص ۱۲۱۔

سپاہ دشمن میں رعب و وحشت

قریش کا لشکر جب دشت بدر کی طرف آیا تو وہ یہاں پر مستقر ہو کر جنگی مشقوں میں مصروف ہو گیا۔ مسلمانوں کی تعداد اور طاقت کے بارے میں اطلاع حاصل کرنے کے لئے ایک شخص ’عمیر بن وہب جمحی‘ (جو کہ ایک دلاور اور تجربہ کار آدمی تھا) کو سپاہ اسلامی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے بھیجا۔

عمیر بن وہب، اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور لشکر اسلام کے اطراف میں اس نے گھوڑا بھگایا وہ بڑی تیزی سے واپس آیا اور کہنے لگا کہ مسلمان سپاہیوں کی تعداد تقریباً تین سو افراد پر مشتمل ہے۔ لیکن اگر اجازت دیں تو ایک دفعہ پھر پورا چکر کاٹ کر آتا ہوں تا کہ اس بات کا پتہ چلاؤں کہ ان کے پاس خفیہ اضافی افراد تو موجود نہیں ہیں‘‘ اس نے سارے بیابان کا چکر لگایا مگر اسے کوئی امدادی فوج نظر نہ آئی۔ البتہ واپسی پر وہ ایک خبر لے کر آیا جس سے کفار کے دلوں پر رعب و وحشت طاری ہو گئی۔ اس نے کہا ’’مجھے سپاہیوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آیا لیکن ان میں ایک چیز دیکھی ہے کہ وہ قتل کرنے پر بالکل آمادہ ہیں اور خدا کی قسم ان میں سے ہر ایک جب تک تم میں سے ہر ایک کو قتل نہ کر دے گا آرام سے نہ بیٹھیں گے۔ اگر وہ اپنی تعداد کے برابر تم لوگوں کو قتل کر دیں تو پھر جینے کا کیا فائدہ، لہٰذا کوئی صحیح فیصلہ کرو‘‘ جب وحشتناک خبر لشکر کفر میں پھیلی تو حکیم بن حزام ’عتبہ بن ربیعہ کے پاس گیا اور کہا کہ جنگ کا ارادہ ترک کر کے واپس مکہ چلے جائیں۔ عتبہ، حکیم کی باتوں سے بہت متاثر ہوا، اس نے سپاہیوں کو اکھٹا کیا اور کہا ’’لوگوں محمدؐ کے کام کو عربوں کے حوالے کر دو! عرب جب بھی اس کے دین کو ختم کر دیں گے ہمیں بھی سکون آجائے گا اور اگر محمد کامیاب ہو گیا تو ہمیں کوئی مشکل نہ ہو گی کیونکہ ہم نے بھرپور قدرت و طاقت رکھتے ہوئے حملہ کرنے سے گریز کیا ہے۔ لہٰذا اب جبکہ ہمارا تجارتی قافلہ صحیح وسالم ہے تو جس راستے سے آئے تھے اسی سے واپس پلٹ جائیں۔

حکیم نے فوراً عتبہ کا پیغام ابوجہل کو دیا مگر وہ کسی صورت میں واپسی راضی نہ ہوا۔ ادھر عامر

حضرمی نے بھی اپنے بھائی عمرو حضرمی کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے ابوجہل کو ورغلایا، عتبہ یہ صورت حال دیکھ کر دوبارہ جنگ کرنے پر آمادہ ہوگیا۔(۱)

لشکر کفر کے مقابلہ میں لشکر توحید کی صف آرائی

آخر کار سپاہِ اسلام جو ۳۱۳ افراد پر مشتمل تھی بہت تھوڑے جنگی وسائل کے ساتھ ایک طاقتور لشکر کفر کے مقابلہ میں، کہ جنگی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی، ۱۷ رمضان المبارک کو، صف آراء ہوگئی۔

سپاہ اسلام کی تھوڑی سی تعداد کو دیکھ کر ابوجہل نے کہا ''محمدؐ اور ان کے اصحاب تو عتبہ کے لئے ایک لقمہ سے زیادہ نہیں ہیں''۔ حالانکہ عتبہ کا بیٹا ولید بھی ہمارے لشکر میں ہے۔

ابوجہل کی مجاہدین اسلام کے بارے میں اس طرح کی توہین آمیز باتیں سنکر لشکر کفر کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اسود بن عبدالاسد مخزومی جو کہ بہت مغرور اور سخت مزاج شخص تھا اس نے مسلمانوں کے حوض کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عہد کیا کہ ''یا تو وہ اس حوض سے پانی پی کر اسے گرادے گا یا اس کے نزدیک قتل ہوجائے گا۔''

اس کا یہ کام جنگ کے شعلے بھڑکانے میں معاون ثابت ہوا۔ چونکہ جونہی اسود کافروں کی صف سے باہر نکل کر آیا تو حضرت حمزہ علیہ السلام نے اسے مہلت دیئے بغیر اس پر حملہ کر دیا اس نے بڑی مشکل سے خود کو حوض کے نزدیک پہنچایا۔ حضرت حمزہؑ نے دوسرا وار کر کے اسے واصل جہنم کر دیا۔ اسی وار سے جنگ کا آغاز ہوگیا۔(۲)

---

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۷۴؛ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۳۰؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۱۴۶، ۱۴۷؛ سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۳۹۶۔

(۲) تاریخ طبری، ج ۲، ص ۱۴۷؛ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۳۱۔

حضرت علی علیہ السلام کے قابل افتخار جنگی معرکے

گزشتہ قوموں میں خاص طور پر اعراب جاہلی میں رواج تھا کہ میدان جنگ میں پہلے تن بہ تن (ایک کے مقابلہ میں ایک) لڑائی ہوتی تھی، پھر عمومی جنگ شروع ہو جاتی تھی۔ اسود بن اسد مخزومی کے قتل ہو جانے کے بعد فوراً لشکر کفار سے تین نامور جنگجو، عتبہ بن ربیعہ (۱) اس کا بھائی شیبہ اور اس کا بیٹا ولید، جو کہ جنگی اسلحے سے لیس تھے، غراتے ہوئے میدان جنگ میں کود پڑے۔

لشکر اسلام کے مجاہدین، عوف بن حارث اس کا بھائی معوّذ اور عبداللہ بن رواحہ، رسولؐ خدا کے حکم سے میدان کی طرف روانہ ہوئے۔ عتبہ نے دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ انصار ہیں۔ اس نے غرور، خود خواہی اور حقارت آمیز لہجہ میں کہا ''تم چاروں سے ہمارہ کوئی جھگڑا نہیں ہے''۔ (واپس چلے جاؤ!) پھر اس نے آواز دی ''اے محمدؐ جو افراد ہمارے مرتبہ وشان کے مطابق ہیں انھیں ہمارے مقابلے کے لئے بھیجو!''۔

رسول خداؐ نے اسلام کے تین مجاہدوں کو، جو مہاجرین میں سے تھے، کفر کے سرداروں سے جنگ کرنے لئے بھیجا۔ یہ مجاہد ستر سال کے عبیدہ بن حارث، حضرت حمزہؓ سید الشہداء اور حضرت علی ابن ابی طالبؑ تھے۔ فرمایا: ''اے عبیدہ، اے حمزہؓ اور اے علیؑ اٹھو! اور خداوند عالم نے جو حق تمہارے لئے مخصوص کیا ہے اسے لے لو۔ کیونکہ قریش غرور وتکبر کے ساتھ نور خدا یعنی اسلام کو ختم کرنے کے لئے آئے ہیں۔ لیکن حمزہ تم شیبہ کے اور علیؑ تم ولید کے مقابلہ میں کھڑے ہو جاؤ!۔

مجاہدین اسلام جو کہ اسلحہ سے لیس تھے۔ وہ میدان کارزار کی طرف روانہ ہوئے۔ جنگجوؤں کے تعارف کے بعد جنگ کا آغاز ہو گیا۔ حضرت علیؑ جوان میں سب سے چھوٹے تھے، انھوں نے ولید بن عتبہ کو، حضرت حمزہ نے شیبہ کو اور عبیدہ بن حارث نے عتبہ کو چند لمحوں میں واصل جہنم کر دیا۔ (۲)

---

(۱) عتبہ ہندہ (ابوسفیان کی بیوی) کا باپ۔ (۲) سیرہ ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۷۷؛ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۳۱۔

شیعہ وسنی اور سیرت نگاروں نے لکھا ہے "علیؑ نے ایک غافلگیر حملہ کر کے ولید کو ڈھیر کر دیا۔

شیخ مفید لکھتے ہیں: "حضرت علیؑ نے پہلے وار میں ولید کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا۔ اس نے زور سے چیخ ماری اور غصے میں بائیں ہاتھ سے کٹے بازو کو پکڑ کر حضرتؑ کے دے مارا، اس نے میدان سے فرار ہونے کی کوشش کی مگر حضرت علیؑ نے ایک ہی ضربت سے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس دوران آپ نے اس کا سر بدن سے جدا کر دیا۔(۱)

حضرت حمزہؑ نے شیبہ بن عتبہ پر حملہ کیا اور پہلے ہی وار میں اسے خاک ذلت چٹا دی۔ اس کے بعد حضرت علیؑ اور حضرت حمزہؑ دونوں عبیدہ کی مدد کے لئے آگے بڑھے اور عتبہ کو بھی ہلاک کر دیا۔ اس جنگ میں عبیدہ کا پاؤں عتبہ کی تلوار سے کٹ گیا تھا۔(۲)

علامہ مجلسی نقل کرتے ہیں کہ عتبہ کی ہلاکت کے بعد عبیدہ زخمی حالت میں پیغمبرؐ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا میں شہید نہیں ہوں؟ حضرتؐ نے انھیں خوشخبری دی کہ تم میرے اہل بیتؑ سے پہلے شہید ہو۔(۳)

قریش کے طاقتور ان جنگجوؤں کے قتل ہو جانے کے بعد لشکر کفر کے حوصلے پست ہو گئے اور مجاہدین اسلام میں جہاد و جنگ کا جذبہ بڑھ گیا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جنگی مہارت

جب قریش کے تین جنگجو مارے گئے تو ابو جہل نے عمومی حملے کا حکم دے دیا۔ سپاہ اسلام کے سپہ سالار نے بھی دشمن کے عمومی حملے کا مقابلہ کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ اور کہا کہ دشمن کے سپاہیوں کی

(۱) ارشاد مفید، ج۱، ص ۶۷۔

(۲) سیرہ ابن ہشام، ج۲، ص ۲۷۷؛ کامل ابن اثیر، ج۱، ص ۵۳۱؛ تاریخ طبری، ج۲، ص ۱۴۸۔

(۳) بحار الانوار، ج۱۹، ص ۲۲۵۔

طرف تیر باران کرو اور ان کو بڑھنے نہ دو۔ پھر یقینی فتح کے حصول کی خاطر فنی اقدام کیا۔ آپؐ مرکز سے نکل کر سپاہیوں کی طرف آئے اور ان کی صفوں کو منظم کیا۔

اسی دوران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ تعلیمی چھڑی جس کے ذریعہ سے لشکر اسلام کو تعلیم فرما رہے تھے اسود کے سینہ پر آرام سے رکھ کر فرمایا کہ سارے سپاہیوں کے برابر کھڑے ہو آگے نہ بڑھو! (اس نے محسوس کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے مارا ہے)۔ اس نے کہا میں اس کا قصاص چاہتا ہوں ایسے حساس حالات میں اس کی یہ بات مسلمانوں کے لئے پریشانی کا باعث بنی، مگر حضور اکرمؐ نے عدالت کو برقرار رکھتے ہوئے اپنی قمیص کو (قصاص کے لئے) اوپر اٹھادی۔ اس نے حضورؐ کے سینہ کو چوم کر عرض کیا میں چاہتا تھا کہ زندگی کے آخری لحات میں آپ کو چوم لوں۔ پیغمبر اکرمؐ نے اس کے حق میں دعا کی۔(۱)

لشکر اسلامی کا حوصلہ بڑھانے اور اس کی پائیداری اور استقامت کو برقرار رکھنے کے لئے حضورؐ نے قرآن کریم کی چند آیات کی تلاوت کی، حضور اکرمؐ نے انھیں خوشخبری دی اور فرمایا کہ تمہیں دشمن کی ہلاکت کی خبر دیتا ہوں۔ ﴿سیھزم الجمع و یولون الدبر﴾ (۲) دشمن کی فوج جلد ہی بکھر جائے گی اور وہ فرار ہو جائیں گے۔

اس طرح آپ نے اسلام کے سپاہیوں کو صبر و استقامت کا درس دیا اور شہادت کی صورت میں انھیں دائمی بہشت کا وعدہ کیا۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا ''اس خدا کی قسم کہ جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے، جو شخص آج صبر و حوصلہ کے ساتھ جنگ کرے گا بشرطیکہ اس کی جنگ فقط خدا کے لئے ہو۔ اگر وہ اس راہ میں قتل ہو جائے تو خداوند عالم اسے جنت میں داخل کرے گا۔(۳)

---

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج۲، ص۲۷۸؛ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱۴، ص۱۱۹۔

(۲) قمر۵۴: ۴۵۔

(۳) سیرہ ابن ہشام، ج۲، ص۲۷۹؛ تاریخ طبری، ج۲، ص۱۵۰؛ کامل ابن اثیر، ج۱، ص۵۳۲۔

رسول خداؐ کی نوید بخش گفتگو کا مجاہدین اسلام کے دلوں پر اس قدر اثر ہوا کہ انھوں نے مقام شہادت پر جلدی فائز ہونے کے شوق میں بڑی بے قراری سے میدان جنگ میں قدم بڑھا رہے تھے اور آخر دم تک لڑے۔

عمیر بن حمام کھجوریں کھا رہے تھے، اس نے جب پیغمبر اسلام کا یہ فرمان سنا تو فوراً کھجوریں زمین پر پھینک کر جہاد میں مشغول ہوگئے۔ وہ پکار رہے تھے ''واہ واہ اب میرے اور جنت کے درمیان خدا کے دشمنوں کے ساتھ جنگ اور قتال کے علاوہ، کوئی چیز حائل نہیں ہے۔ وہ اس قدر لڑے کہ شہید ہوگئے۔(۱)

جس وقت مجاہدین اسلام ایثار و فداکاری کے لئے تیار تھے اس وقت پیغمبر نے کچھ خاک اٹھائی اور کفار قریش کی طرف پھینکی۔ پھر فرمایا: ''شاهت الوجوه'' تمہارے چہرے سیاہ ہوجائیں۔'' اس کے بعد آپؐ نے عمومی حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔(۲)

لشکر اسلام کی فتح اور غیبی امداد

جب دشمن نے عمومی حملہ کا آغاز کر دیا تو رسول خداؐ نے بھی عمومی حملہ کا حکم صادر کر دیا۔ رسول خداؐ ایمان سے لبریز قلب کے ساتھ خدائے متعال سے مناجات کر رہے تھے اور فرما رہے تھے ''خداوندا اگر آج اسلام کی جماعت قتل ہوگئی تو پھر زمین پر کوئی بھی تیری عبادت کرنے والا نہ ہوگا۔ تو نے فتح و نصرت کا جو وعدہ کیا ہے اسے پورا فرما۔ اسی دوران غیبی امداد اور ملائکہ، اسلام کے ان چند مجاہدین کی مدد کے لئے نازل ہوئے۔(۳)

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج۲، ص۲۷۹؛ تاریخ طبری، ج۲، ص۱۵۰؛ کامل ابن اثیر، ج۱، ص۵۳۲۔

(۲) سیرہ ابن ہشام، ج۲، ص۲۷۹؛ تاریخ طبری، ج۲، ص۱۵۰؛ کامل ابن اثیر، ج۱، ص۵۳۲۔

(۳) کامل ابن اثیر، ج۱، ص۵۳۱۔

غیبی امداد اور مجاہدین اسلام خاص طور پر حضرت علیؑ کی بے مثال جاں نثاری اور فداکاری کی برکت سے سپاہ توحید میں فتح و کامرانی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ دشمن کے بہت سارے سپاہی قتل اور اسیر ہوگئے، باقی راہ فرار اختیار کر گئے اور باطل پر حق کی فتح یقینی ہوگئی۔

اللہ کے فرشتوں کا مسلمانوں کی مدد کے لئے نازل ہونا قرآن کریم اور احادیث و روایات سے بطور مسلم ثابت ہے، شیعہ و سنی دونوں فرقوں کا اس بات پر اتفاق ہے۔

ابن اثیر کامل میں لکھتے: ''رسول خداؐ ایک لمحے کے لئے سو گئے جب بیدار ہوئے تو فرمایا'' اے ابوبکر! فتح و کامرانی یقینی ہوگئی یہ جبرئیل ہیں جو ہماری مدد کے لئے آئے ہیں۔''(۱)

ابن عباس کا غلام شعبہ نقل کرتا ہے کہ میں نے اپنے آقا ابن عباس سے سنا وہ کہہ رہے تھے ''کفر و اسلام کی فوجیں جنگ بدر میں صف آراء ہوئیں، تو اسی دوران پیغمبرؐ خدا کو تھوڑی دیر کے نیند آ گئی جب بیدار ہوئے تو مسلمانوں کو بشارت دی کہ جبرئیل ملائکہ کی ایک جماعت کے ہمراہ لشکر اسلام کے دائیں طرف اور میکائیل ایک دوسری جماعت کے ساتھ بائیں طرف اور اسرافیل ایک ہزار فرشتوں کی معیت میں مسلمانوں کی مدد کے لئے آئے ہیں۔''(۲)

ابن عباس سے ایک دوسری حدیث میں منقول ہے کہ جنگ بدر کے علاوہ فرشتوں نے جنگ نہیں لڑی''۔(۳)

یہ احادیث، قرآن کریم کی ان واضح آیات کی تشریح ہے کہ جن میں فرمایا گیا ہے: ﴿اذ تقول للمؤمنين الن يكفيكم ان يمدكم ربكم بثلاثة الاف من الملئكة منزلين﴾ (اے پیغمبرؐ تم اس وقت کو یاد کرو) جب تم مومنوں سے یہ کہہ رہے تھے کہ کیا یہ بات تمہارے لئے کافی ہو

---

(۱) کامل ابن اثیر، ج۱، ص۵۳۱۔

(۲) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱۴، ص۱۵۷۔

(۳) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱۴، ص۱۶۱۔

گی کہ تمہارا پروردگار (آسمان سے) تین ہزار فرشتے بھیج کر تمہاری مدد کرے گا۔" (۱)

جنگ بدر میں حضرت علی علیہ السلام کی افتخار آمیز فداکاری اور کامیابی

حضرت علیؑ حالانکہ اس وقت دیگر مجاہدین اسلام کی بہ نسبت کمسن تھے۔ مگر اس کے باوجود جو افتخار اور جیسی کامیابی جنگ بدر میں آپؑ کو حاصل ہوئیں وہ باقی تمام مجاہدین سے زیادہ تھیں۔

کفار کے لوگوں میں تقریباً آدھے لوگ حضرت علیؑ کی ضربت سے مارے گئے۔ محقق اربلی مغازی واقدی سے نقل کرتے ہیں "جنگ بدر میں کفار قریش کے مقتولین کی کل تعداد ۴۹ تھی۔ ان میں سے ۱۸ افراد کو حضرت علیؑ نے تن تنہا واصل جہنم کیا اور دیگر چار کفار کو قتل کرنے میں بھی شریک تھے۔ (۲)

شیخ مفید لکھتے ہیں "اکثر شیعہ اور سنی مورخین کا کہنا ہے کہ جنگ بدر میں ہلاک ہونے والے کفار قریش کے بیشتر جنگجو حضرت علیؑ کی فداکاریوں کے سبب واصل جہنم ہوئے۔ ستر میں سے چھتیس افراد حضرت علیؑ کی ہاتھوں مارے گئے۔ انھوں نے ان افراد کے نام مع تفصیلات ذکر کیے ہیں۔

(۱) ولید بن عتبہ: عرب کا مشہور جنگجو، پہلے ہی وار میں خاک ذلت چاٹ گیا۔

(۲) عاص بن سعید: بہت خطرناک اور قوی ہیکل انسان تھا۔

(۳) طعیمہ بن عدی: یہ بھی کفر و شرک کے سرداروں میں سے تھا جس کی تلوار سے گھبرا کر بھگوڑے بھاگ گئے۔

(۴) نوفل بن خویلد: رسول خداؐ کے سخت ترین دشمنوں سے میں تھا۔ رسول خداؐ نے جب سنا کہ نوفل علیؑ کے ہاتھوں واصل جہنم ہوگیا ہے تو فرمایا "خدا کا شکر ہے کہ اس نے نوفل کے بارے میں

---

(۱) آل عمران ۳: ۱۲۴۔

(۲) کشف الغمہ و ترجمہ مناقب، ج ۱، ص ۲۵۔

میری بددعا قبول کر لی۔

(۵) حظلہ بن ابوسفیان: حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے سر پر اتنی زور سے تلوار ماری کہ اس کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔

اس کے علاوہ کفار جو حضرت علیؑ کے ہاتھوں مارے گئے ان کے نام یہ ہیں:

زمعہ بن اسود، حارث بن زمعہ، نضر بن حارث، عمیر بن عثمان، عثمان، مالک، عبید اللہ کے دو بیٹے، مسعود بن ابی امیہ، قیس بن فاکہ، حذیفہ بن ابی حذیفہ، ابوقیس بن ولید، حظلہ بن ابوسفیان، عمرو بن مخزوم، ابومنذر بن ابی رفاعہ، منبہ بن حجاج، عاص بن منبہ، علقمہ بن کلدہ، ابوالعاص بن قیس، معاویہ بن مغیرہ، لوذان بن ربیعہ، عبد اللہ بن منذر، مسعود بن امیہ، حاجب بن سائب، اوس بن مغیرہ، زید بن ملیص، عاصم بن ابی عوف، سعید بن وہب، معاویہ بن عامر، عبداللہ بن جمیل، سائب بن مالک، ابوالحکم بن اخنس، وہشام بن ابی امیہ۔ اس کے علاوہ دیگر افراد کو جن کے قتل میں دوسرے مجاہدین اسلام نے مدد کی۔(۱)

اسلام کی عزت اور کفر کی ذلت

یہ جنگ بدر اسی روز زوال کے نزدیک ختم ہوگئی مسلمانوں کو کامیابی اور کفار کو ذلت وخواری نصیب ہوئی۔ کفار کے ستر افراد مارے گئے اور ستر ہی قیدی بنائے گئے۔ اس جنگ میں ۱۴ر مسلمان شہید ہوئے۔

رسول خداؐ کے حکم سے شہدائے اسلام کو میدان بدر کے پاس دفن کر دیا گیا۔ اور مشرک مقتولین کو کنویں میں پھینک کر اوپر سے خاک ڈال دی۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے کنویں پر کھڑے ہو کر فرمایا: ''اے کنویں میں ابدی نیند سونے والو! تم رسول خداؐ کے کتنے بُرے رشتہ دار تھے۔ کیونکہ تم نے

(۱) ارشاد مفید، ج۱، ص ۷۰۔۷۷؛ بحارالانوار، ج۱۹، ص ۲۷۷۔

میری تکذیب کی جبکہ غیروں نے میری تصدیق کی۔

اے عتبہ، اے شیبہ، اے امیہ اور اے ابو جہل کیا تم سے تمہارے پروردگار نے جو وعدہ کیا تھا اسے تم نے سچ پایا؟ میرے پروردگار نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا میں نے اسے سچ پایا ہے۔''

شہداء کی تدفین کے بعد حضور اکرمؐ نے عصر کی نماز اسی جگہ پر ادا فرمائی اور غروب آفتاب سے قبل بدر کے بیابان سے تشریف لے گئے۔

اسیران بدر کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن سلوک

جنگ ختم ہونے اور مال غنیمت کی تقسیم کے بعد پیغمبر اکرمؐ نے اسیروں کے ساتھ نرمی سے پیش آنے کا حکم دیا۔ قریش کے اسیروں میں کئی معروف شخصیتیں بھی شامل تھیں۔ مثلاً نضر بن حارث، عقبہ بن معیط، ابو الغرہ، سہیل بن عمرو، ابو العاص (شوہر زینب بنت خدیجہ) اور عباس بن عبد المطلب۔(۱)

جب اسیروں کو مدینہ لایا گیا تو حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ ہر قیدی اپنی مالی حیثیت کے مطابق ایک ہزار درہم سے لیکر چار ہزار درہم تک فدیہ دے کر آزاد ہو سکتا ہے۔ جو قیدی پڑھا لکھا ہے وہ دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے تو آزاد ہے۔ جو اسیر پڑھے لکھے نہیں ہیں اور نہ ہی مالدار ہیں وہ بغیر فدیہ کے آزاد ہیں۔(۲)

مکہ میں اس خبر کا پھیلنا تھا اسیروں کے رشتہ داروں نے فدیہ کی رقم آمادہ کی اور مدینہ میں اسے

(۱) ابو رافع کہتا ہے ''عباس بن عبد المطلب دین اسلام پر ایمان لے آئے تھے مگر اس وقت کے حالات کے پیش نظر مصلحت کے تحت کفار کے درمیان زندگی گزار رہے تھے تا کہ کفار کی سرگرمیوں کے بارے میں بہتر طور پر آگاہ ہوں اور رسول خدا کو باخبر رکھ سکیں۔''

(۲) سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۴۵۲۔

ادا کر کے اپنے اپنے اسیروں کو آزاد کروایا۔ ابو العاص مکہ کا مشہور تاجر تھا۔ زینب بنت خدیجہ کے ساتھ اس کی شادی بعثت رسول اکرمؐ سے پہلے انجام پائی۔ اپنی بیوی کے برخلاف وہ مسلمان نہ ہوا۔ اس کی بیوی مکہ میں تھی۔ زینب نے شوہر کی رہائی کے لئے گردن بند (جو ان کی والدہ حضرت خدیجہ نے شادی کے موقع پر دیا تھا) مدینہ بھجوایا۔ پیغمبر اکرم کی نظر جب گردن بند پر پڑی تو حضرت خدیجہ کی فداکاری یاد آ گئی اور آنکھوں میں آنسوں بھر آئے۔

پیغمبر اسلامؐ نے مسلمانوں سے کہا کہ اگر تم رضایت دو تو یہ گردن بند زینب کو واپس دے دیا جائے اور ابو العاص کو بغیر فدیہ کے رہا کر دیا جائے۔ اصحاب رسولؐ نے بخوشی گردن بند بخش دیا۔ رسول اکرمؐ نے ابو العاص سے وعدہ لیا کہ وہ زینب کو چھوڑ دے اور مدینہ بھیج دے۔ ابو العاص نے بھی اپنے وعدہ پر عمل کیا اور خود بھی مسلمان ہو گیا۔ (۱)

(۱) کامل ابن اثیر، ج۱، ص۵۳۷؛ سیرہ ابن ہشام، ج۲، ص۳۰۷؛ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱۴، ص۱۹۰۔

جنگ احد

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں:

''اے علیؑ اگر تمام مخلوق کے ایمان اور عمل کو ایک پلڑے میں اور تیرے عمل کو دوسرے پلڑے میں رکھدیا جائے یقیناً تمہارا عمل سب پر بھاری رہے گا۔ بیشک خداوند عالم احد کے دن تمہارے عمل پر تمام فرشتوں سے فخر ومباہات کرتا ہے''۔(۱)

احد مدینہ سے چھ کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک پہاڑی کا نام ہے جو بزرگ اور مشہور پہاڑ ہے۔ جناب موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام اسی پہاڑ کے کے دامن میں دفن ہیں جنھیں خود جناب موسیٰ علیہ السلام نے وہاں دفن کیا تھا۔(۲)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پہاڑ کی اہمیت وعظمت کے بارے میں فرمایا: کوہ احد جنت کے ارکانوں میں سے ایک رکن ہے۔(۳)

---

(۱) ینابیع المودہ، ج۱،ص۶۴۔

(۱) سیرہ حلبی، ج۲،ص۴۸۷۔

(۲) سیرہ حلبی، ج۲،ص۴۸۷۔

ایک اور روایت میں نقل ہوا: کہ احد جنت کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے۔(۱)

صدر اسلام کے مسلمانوں اور کفار مکہ کے درمیان دوسری جنگ اسی پہاڑ کے دامن میں ہوئی اسی لئے اسے جنگ احد سے یاد کیا جاتا ہے۔ کفار قریش، جنگ بدر کے مقتولین کے انتقام اور اسلام کی نابودی کے ارادہ سے اپنے طاقتور لشکر کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور ۵ر شوال ۳ھ میں عصر پنجشنبہ اسی پہاڑ کے نزدیک پڑاؤ ڈالا۔ آنحضرتؐ نے اسلامی فوج کے سرداروں اور شجاع و دلیر فوجیوں سے مشورہ کے بعد ان کے مقابل صف آرائی کی اور سرانجام کوہ احد کے نزدیک مسلمانوں اور کفار کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں ۷۰ر یا ایک قول کے مطابق ۸۱ر اسلامی فوجی شہید ہوئے جبکہ مشرکین مکہ کے مقتول ۲۰ر سے زیادہ نہ تھے۔

اسی باعظمت پہاڑ کے دامن میں رسول خداؐ کے چچا حضرت حمزہؓ اور شہدائے احد دفن ہیں۔ جب زائرین خانہ خدا اور مدینہ منورہ کی زیارت کے لئے آتے ہیں تو یہاں ضرور حاضری دیتے ہیں اور ان عظیم شہداء کی تربت مطہر سے اپنی مرادیں پاتے ہیں۔

جنگ احد کے اسباب

جیسا کہ بدر میں گزر چکا ہے کہ قریش کے ستر افراد مارے گئے اور ستر اسیر کئے گئے اور باقی ہزیمت اٹھا کر مکہ فرار ہو گئے۔ وہ اس شکست سے غم و غصہ اور انتقام کی آگ میں جل رہے تھے اور دوسری جانب انھیں مسلمانوں سے اپنے اقتصاد اور معیشت پر ضرب لگنے کا خطرہ تھا کیونکہ شام کو جانے والے تجارتی قافلے مدینہ کی شاہراہ سے ہو کر گزرتے تھے اس لئے انھیں مدینہ کے مسلمانوں کی طرف سے حملہ خوف تھا۔

لہٰذا شکست کی شرمندگی اور مستقبل کے خوف نے ان کے لئے جنگ کے اسباب فراہم کر دیئے

(۱) سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۴۸۷۔

اور جو چیز انھیں جنگ کے لئے ابھارتی تھی وہ مقتولین بدر کے گھرانے تھے۔ جیسے عبداللہ بن ابی ربیعہ ،عکرمہ بن ابی جہل ،صفوان بن امیہ وغیرہ کے گھرانے کہ جنھوں نے جنگ میں باپ بیٹے یا بھائی کا داغ اٹھایا تھا وہ بہت زیادہ جنگ کے لئے اکسار ہے تھے۔

اس بیچ ابوسفیان جو قیادت اور سر براہی کے خواب دیکھ رہا تھا لوگوں کو جنگ کے لئے ابھارنے میں پیش پیش تھا اسی لئے اس نے قریش کی عورتوں کو دستور دیا کہ جب تک اسلام ،پیمبر خداؐ ﷺ، حمزہؓ اور علی علیہ السلام سے مقتولین بدر کا بدلہ نہ لے لیا جائے تب تک کوئی اپنے مقتولین پر گریہ نہ کرے اور لوگوں کو متاثر کرنے کے لئے اس نے قسم کھائی کہ میں اس وقت تک عطریات اور اپنی بیوی سے ہمبستری سے پرہیز کروں گا جب تک قاتلان بدر سے انتقام نہ لے لوں۔

یہی وہ اسباب تھے کہ جنگ بدر کے ایک سال کے اندر انتقام کی فریاد کے ساتھ ابوسفیان کی سرداری میں ایک منظم اور طاقتور فوج تیار ہوگئی جس میں تین ہزار جنگی مرد، دوسو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ شامل تھے۔

اس لشکر کشی میں سرداران قریش اپنی بیویوں کو بھی لے آئے تا کہ وہ گا بجا کر فوجیوں میں جوش پیدا کریں اور مقتولین بدر پر مرثیہ پڑھ کر فوجیوں کو جنگ کے لئے ابھاریں اوران تمام عورتوں کی سر پرستی ابوسفیان کی بیوی ہند بن عتبہ نبھا رہی تھی کہ جس کے باپ اور بھائی جنگ بدر میں مارے گئے تھے۔(۱)

یہ عورتیں ہند بنت عتبہ کے ساتھ صفوں کے آگے کھڑی ہوگئیں اور لشکریوں میں جوش پیدا کرنے لئے ڈھول کے ساتھ ٹھمکے لگا لگا کر گانے لگیں:

نحن بنات طارق ………… نمشي علی النمارق…………نشي القطا النوازق

ہم ستاوں کی بیٹیاں ہیں قالینوں پر ناز وانداز سے اس طرح چلتی ہیں جس طرح سبک رو قطا

(۱) سیرہ حلبی، ج۲،ص ۴۸۸؛ کامل ابن اثیر، ج۱،ص ۵۴۸؛ اعیان الشیعہ ،ج ۱،ص ۳۸۵۔

پرندہ چلتا ہے۔

وامسک فی المفار.......... والدر فی المخانق.......... ان تقبلوا نعانق

مانگ میں مشک بھری ہے اور گردنوں میں موتی جگمگا رہے ہیں اگر تم آگے بڑھو گے تو ہم تمہیں گلے سے لگائینگے۔

ونفرش النمارق.......... او تدبر و انفارق.......... فراق غیر وامق

اور تمہارے لئے مسندیں بچھائیں گے اور پیٹھ پھرائی تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے اس طرح کہ گویا تم سے کبھی چاہت تھی ہی نہیں۔(۱)

اور جب کوئی سپاہی میدان جنگ سے فرار اختیار کرتا تو عورتیں اس کے ہاتھ میں سرمہ دانی دیکر کہتیں کہ تم جنگ سے بھاگے ہو تو لو سرمہ آنکھوں میں لگا کر عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھو۔(۲)

دشمن کی روانگی سے پیغمبر اسلامؐ کی آگاہی

پیغمبر اسلامؐ کے چچا حضرت عباس ابن عبد المطلب حقیقت میں مسلمان تھے اور رسول خداؐ سے خاص الفت رکھتے تھے لیکن کچھ مصلحتوں کی وجہ سے اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھے۔جیسے ہی انھیں لشکر قریش کے مدینہ جانے کی خبر ملی انھوں نے فوراً رسول خداؐ کے نام ایک خط لکھا اور اس پر اپنی مہر لگا کر بنی غفار کے ایک شخص کے سپرد کیا اور اس سے کہا کہ تین دن کے اندر اپنے آپ کو رسول خداؐ تک پہنچا کر یہ خط ان کے حوالے کردے۔قاصد لشکر قریش کے مدینہ پہنچنے سے پہلے رسول خداؐ سے جا ملا اور خط کو ان کے سپرد کردیا اس طرح رسولؐ خدا دشمن کی چال سے آگاہ ہو گئے۔(۳)

---

(۱) تاریخ طبری، ج۲،ص ۱۹۵؛ سیرہ ابن ہشام، ج۳،ص۲۷۔

(۲) بحار الانوار، ج۲۰،ص ۵۵؛ تفسیر مجمع البیان، ج۱، و۲،ص ۴۹۷۔

(۳) دایرۃ المعارف حسن امین، ج۱،ص۸۴۔

۵؍شوال ۳ھ جمعہ کی رات تھی جس رات آپ نے یہ جاننے کے لئے کہ دشمن کتنے فاصلے پر ہے اوران کی فوجی طاقت وقوت کتنی ہے۔ مخفیانہ طور پر آنس ومونس دوافراد کو مکہ مدینہ کے راستے پر بھیجا یہ دونوں افراد ذی الحلیفہ تک آگئے۔ جیسے ہی دشمن کے لشکر پران کی نظر پڑی انھوں نے لشکر کا اچھی طرح جائزہ لیا اور بڑی تیزی سے رسول خداؐ کی خدمت میں لوٹے اور بتایا کہ ابوسفیان کافی طاقتور اور مسلح فوج کے ساتھ مدینہ پہنچنے والا ہے ان کی سواریاں مدینہ کے کھیتوں میں چر رہی ہیں (یہ جنگ احد سے دودن پہلے کی بات ہے۔)

بڑی تیزی سے یہ خبر شہر مدینہ میں پھیل گئی اور مسلمانوں کے پاس تیاری کے لئے دودن سے بھی کم وقت رہ گیا تھا۔ لیکن پھر بھی انھوں نے لشکر قریش سے مقابلہ کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کیا اور حرکت میں آگئے بلکہ رسول خداؐ کے بعض وفادار اصحاب جیسے سعد بن عبادہ، اسید بن حضیر اور سعد بن معاذ تو اسی رات مسلح ہوکر رسول خداؐ کے گھر کی نگرانی میں لگ گئے تاکہ وہ دشمن کی گزند سے محفوظ رہیں۔(۱)

سپاہ اسلام سے رسول خداؐ کا مشورہ

قرآنی نص کے مطابق ﴿وشاورھم فی الامر﴾ (۲) رسول خداؐ کی ایک ماموریت یہ بھی ہے کہ وہ جنگ اور اس جیسے مسائل میں اپنے اصحاب اور تجربہ کار افراد سے مشورہ کریں، خدانے یہ حکم اس لئے دیا تاکہ امت اسلامیہ کے اندر حق طلبی کا جوہر پیدا ہو اور وہ رسولؐ کی اس سیرت کی پیروی کرتے ہوئے خودخواہی وخودمحوری سے پرہیز کریں اور مل جل کر کام کرنے کا جذبہ پیدا کریں۔

اسی بنیاد پر لشکر قریش کے پہنچنے سے پہلے رسول خداؐ نے روز جمعہ تمام اصحاب اور دوسرے

(۱) سیرہ حلبی، ج۲، ص۴۹۰؛ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۴، ص۲۲۰۔

(۲) آل عمران۳: ۱۵۹۔

مسلمانوں کو مسجد میں بلوایا اور دشمن کے مدینہ کی جانب رخ آنے کی خبر دی اور دشمن کے اس طاقتور لشکر سے مقابلہ کے سلسلہ میں ان سے مشورہ کیا کہ کیا اندرونِ شہر رہ کران سے مقابلہ کیا جائے یا بیرون شہران سے محاذ آرائی کی جائے۔

بعض بوڑھے مہاجر و انصار کا نظریہ یہ تھا کہ مدینہ ہی میں رہیں اور دفاعی جنگی صورت اختیار کرتے ہوئے، اندرون شہر رہ کرلڑنا چاہیئے اس لئے کہ مدینہ کی تنگ گلیوں میں تن بہ تن جنگ کر کے ہم دشمن کا زور توڑ سکتے ہیں اور ہماری عورتیں کنیزیں وضعیف افراد بھی اس جنگ میں حصہ لے کر دشمن کی فوج پر سنگساری کر کے ہماری مدد کر سکتے ہیں۔

عبداللہ بن سلول مدینہ کے منافقین میں سے تھا اس نے اس نظریہ کی پر زور حمایت کی اور کہنے لگا ''خدا کی قسم ہم آج تک دشمن سے مقابلہ کے لئے مدینہ سے باہر نہیں گئے اور ہم ہی دشمن پر ہمیشہ غالب رہے ہم داخل شہر اور دشمن بیرون شہر رہ کرلڑیں تو اس کی شکست یقینی ہے اور اگر وہ سینہ زوری و تجاوز کر کے حدود شہر میں داخل ہو جائے تو ہمارے دلیر اور بہادر سپاہی ان سے مقابلہ کریں گے اور ہمارے بچے اور عورتیں ان پر سنگساری کر کے انھیں شکست دیں گے۔(۱)

لیکن دفاعی جنگ کی صورت اس وقت کام آتی ہے جب دشمن سے لڑنے کا حوصلہ نہ ہو اس لئے دوسرے گروہ اس نظریہ کے مخالف تھے۔ سعد بن معاذ اور قبیلۂ اوس کے چند افراد کا کہنا تھا کہ ''جب ہم مشرک تھے تب عرب میں اتنی جرأت نہ تھی کہ ہم پر غالب آسکے اور ہمارے مال و متاع پر ہاتھ ڈالے بحمد للہ آج ہمارے پاس ایمان کی طاقت اور رسول خداؐ کا وجود مبارک ہمارے درمیان ہے تو اب کیسے ممکن ہے کہ وہ ہم پر غالب آجائیں اس لئے مدینہ میں رہ کر اپنی کمزوری اور بے طاقتی کا تاثر دینے کے بجائے ہمیں شہر سے باہر نکل کر محاذ جنگ قائم کرنا چاہیئے۔ اگر خدانخواستہ ہم میں سے کوئی

(۱) سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۴۹۰؛ کامل ابن اثیر، ج ۲، ص ۵۴۹؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۱۸۹؛ سیرہ ابن ہشام، ج ۳، ص ۶۷۔

قتل بھی ہو جائے تو وہ درجہ شہادت پر فائز ہوگا۔

اسلام کے بڑے فہیم اور بہادر سپاہی سید الشہداء حضرت حمزہؓ بھی اسی نظریہ کے طرفدار تھے انھوں نے یہاں تک کہا ''اس خدا کی قسم جس نے قرآن جیسی عظیم کتاب نازل کی میں آج اس وقت تک کھانا نہ کھاؤں گا جب تک شہر کے باہر لشکر قریش سے جنگ نہ کرلوں۔

اس مشورہ اور گفتگو کے بعد طے ہوا کہ شہر سے باہر دشمن سے مقابلہ کیا جائے پیغمبر اسلامؐ نے اکثریت کے نظریہ کو بہتر جان کر تیار ہونے کا حکم دیا اور اس محفل سے اٹھ کر آپ فوراً گھر تشریف لے گئے جنگی لباس زیب تن کیا شمشیر حمایل کی، سپر کو پشت پر ڈالا اور کمان کو کاندھے پر لٹکا کر نیزہ ہاتھ میں لیا اور مسجد میں آئے وہاں اصحاب اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی۔ نماز کے بعد آپ ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ احد کی جانب چل پڑے اور اپنی جگہ مدینہ میں ابن مکتوم کو منصوب کر کے اس کو مدینہ کا منتظم اور نگراں بنایا۔(۱)

اکثر مؤرخین نے لکھا ہے کہ دوسرے دن یعنی سنیچر کے روز اسلامی لشکر رسول اللہؐ کی سرداری میں مقام شوط تک پہنچا ہی تھا کہ عبد اللہ ابن ابی اپنے قبیلہ کے تین سو ساتھیوں کے ساتھ رسول خدا کو چھوڑ کر مدینہ واپس آ گیا اور بہانہ یہ بنایا کہ چونکہ مدینہ میں رہ کر جنگ کرنے والی میری رائے پر عمل نہیں کیا گیا لہٰذا میں شہر کے باہر جنگ کر کے اپنے ساتھیوں کی جان خطرے میں نہیں ڈالوں گا۔ رسول خداؐ باقی سات سو سپاہیوں کے ساتھ ہی احد کی جانب روانہ ہو گئے۔

اقدامات لازم

۷ر شوال ۳ھ کی صبح اسلام کے سات سو بہادر سپاہیوں نے قریش کی اکٹھی ہو کر لڑنے والی

(۱) کامل ابن اثیر، ج۱، ص ۵۴۹؛ تاریخ طبری، ج۲، ص۱۹۰؛ سیرہ ابن ہشام، ج۳، ص ۶۸؛ سیرہ حلبی، ج۲، ص ۴۹۳۔

فوج سے صف آرائی کی اور جنگ وجہاد کے لئے تیار ہو گئے ۔ چونکہ مسلمانوں کے پاس فوج اور ہتھیاروں کی قلت تھی اس لئے آپ نے لشکر اسلام کو اس طرح ترتیب دیا کہ دشمن کو کسی بھی طرف سے حملہ کا موقع نہ مل سکے اس کے لئے آپؐ نے کوہ احد کو پیچھے کی طرف اور مدینہ کو سامنے کے رخ پر قرار دیا، بائیں جانب کوہ عینین تنگ بڑی گھاٹی تھی، کوہ احد سے گھوم کر دشمن کی فوج اس گھاٹی سے فوج پر حملہ آور ہو سکتی تھی اس لئے آپ نے عبداللہ بن جبیر کے زیر نگرانی ۵۰ سپاہیوں کو اس ٹیلہ پر کھڑا کیا تا کہ دشمن اس راستہ سے داخل نہ ہو سکے، جنگی اعتبار سے یہ کاروائی نہایت ضروری تھی اس کے ساتھ ساتھ آپ نے کوہ عینین پر مستقر کمانداروں کو تاکید کر دی کہ دیکھو دشمن کو تیر بارانی سے روکے رکھو اور اس بات کا خیال رکھو کہ وہ ہم کو غافلگیر کر کے فوجی چھاؤنی تک نہ پہنچ جائیں، ہم چاہیں جیتیں یا ہاریں کسی صورت میں بھی اس مورچہ کو مت چھوڑنا۔ (۱)

بعض روایتوں میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: یہاں تک کہ اگر ہم جیت جائیں اور دشمن کا مکہ تک پیچھا کریں یا ہار جائیں اور مدینہ کی جانب عقب کرنے لگے تب بھی تم اس مورچہ پر ڈٹے رہیں اور کسی بھی حال میں اس مورچہ کو خالی نہ چھوڑنا۔ (۲)

ادھر ابوسفیان بھی اس مورچہ سے آگاہ تھا اس لئے اس نے بھی دوسو تیر اندازوں کو خالد بن ولید کی سرداری میں پشت احد کی کمینگاہ پر مستقر کر دیا تا کہ وہ دونوں لشکروں کی لڑائی اور درگیری سے موقع پا کر مسلمانوں پر پشت سے حملہ کر دے۔ (۳)

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ عبداللہ بن جبیر کے زیر نگرانی جو فوجی تھے وہ جنگی غنائم کے لالچ میں آگئے اور سوق الجیشی کے اس اہم اور حساس مورچہ کو چھوڑ کر غنائم کے پیچھے دوڑنے لگے۔ جس

(۱) کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۴۹؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۱۹۰؛ سیرہ ابن ہشام، ج ۳، ص ۶۸؛ سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۴۹۳۔

(۲) کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۴۹؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۱۹۰؛ سیرہ ابن ہشام، ج ۳، ص ۷۰۔

(۳) دائرۃ المعارف حسن امین، ج ۱، ص ۸۴۔

سے فائدہ اٹھا کر خالد بن ولید نے پیچھے سے حملہ کیا اور لشکر کفار کی بھاگی ہوئی فوج لوٹ آئی اور مسلمان جیتی ہوئی جنگ ہار گئے۔

آغاز جنگ اور حضرت علیؑ کی فداکاریاں

تمام جنگوں کی طرح اس جنگ کے علمبردار حضرت علیؑ ہی تھے۔ ابن عباس کہتے ہیں: اسلام کی ساری جنگوں کے علمبردار علیؑ ہی تھے اور جنگ احد میں مہاجرین کا پرچم علیؑ اور انصار کا پرچم سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا۔(۱)

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ" احد میں اسلامی فوج کا پرچم مصعب بن عمیر کے ہاتھ میں تھا جب وہ شہید ہوگئے تو پیغمبر اسلامؐ نے یہ پرچم علیؑ کے حوالے کیا۔(۲)

مصعب بن عمیر کو پہلے پرچم دے دیئے جانے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ لشکر قریش کا پرچم قبیلہ عبد الدار کے پرچمدار کے پاس تھا اور چونکہ مصعب بھی اسی قبیلہ کے تھے شاید اس لئے انھیں پہلے پرچمدار بنایا گیا ہو۔(۳)

(جنگ لڑنے اور جیتنے کے لئے لشکر قریش کے پاس جنگی ساز وسامان بھی فراوان تھا اور مسلمانوں کے مقابل ان کی تعداد بھی گئی گنا زیادہ تھی اس کے علاوہ ان کے دل مسلمانوں کی نفرت سے بھرے ہوئے تھے اور وہ عورتیں باجا ڈھبری بجا بجا کر گاتے ہوئے مقتولین بدر کا مرثیہ پڑھ کر انھیں جنگ پر اکسا رہی تھیں۔ اتنے امکانات اور اہتمام کے ساتھ ان کے لئے بہت آسان تھا کہ مختصر سی مدت میں مسلمانوں کو پسپا کرنے کی غرض سے ان میں پھوٹ ڈال کر انھیں تتر بتر کر دیتے۔

---

۱) دائرۃ المعارف حسن امین، ج ۱، ص ۸۴۔

(۲) سیرہ ابن ہشام، ج ۳، ص ۷۷۔

(۳) بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۹۴۔

لیکن پیغمبر اسلام کی حکیمانہ سرداری اور اسلام کے دلیر وشجاع سپاہیوں کی بہادری اور دلاوری (خصوصا حضرت علی اور جناب حمزہ کے تابڑتوڑ حملے) نے لشکر کفار کو تھوڑی ہی دیر میں بہت زیادہ نقاصان پہنچا کر کراری ہار دے دی۔ جس کی وجہ سے لشکر کفار نے بھاگنے کو ڈٹ کر حملہ کرنے پر ترجیح دی اور مسلمان فتحیاب ہو گئے۔

تمام مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس جنگ میں کفار قریش کے اکثر مقتولین حضرت علیؑ کے ہاتھوں ہلاک ہوئے یہاں ہم دلیل کے طور پر چند اقوال نقل کرتے ہیں:۔

ا۔ ابن ہشام لکھتے ہیں: ''کہ مقتولین مکہ کی تعداد ۲۲ تھی کہ ان میں سے اکثر حضرت علیؑ کے ہاتھوں ہلاک ہوئے''۔(۱)

۲۔ ابن ابی الحدید معتزلی لکھتے ہیں: ''بنی عبد مناف اور بنی عبد الدار کے بیشتر افراد جنگ بدر اور جنگ احد میں علیؑ ہی کے ہاتھوں مارے گئے۔(۲)

۳۔ مشہور ومعروف مؤرخ اسلام حلبی اور دوسرے علماء اہل تسنن اور اہل تشیع نے روایت کی ہے کہ قریش کے پرچمدار بنی عبد الدار میں سے تھے اور لشکر کا سب سے بڑا اور اہم پرچم طائفۂ عبد الدار کے سردار طلحہ بن ابی طلحہ کو ہاتھ میں تھا اسی لئے لوگ اسے کبش الکتیبہ (پہریدار) کہتے تھے۔

قریش کا علمبردار طلحہ بن ابی طلحہ ہتھیاروں سے لیس بڑے کروفر سے میدان میں آیا اور طنز آمیز لہجہ میں کہنے لگا:

''یا اصحاب محمد انکم تزعمون ان الله تعالی یعجلنا بسیو فکم الی النار و یعجلکم بسیو فنا الی الجنة، احد منکم یعجلنی بسیفه الی النار اور اعجله بسیفی الی الجنة؟''

---

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج ۳، ص ۱۳۴۔

(۲) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۴، ص ۳۴۔

''اے محمدؐ کے ساتھیوں تمہارا یہ خیال ہے کہ اگر ہم سے کوئی مارا جائے تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہوتا ہے اور تم میں سے کوئی مارا جائے تو وہ جنت میں جاتا ہے. لہٰذا جو مجھے دوزخ میں بھیجنے کا خواہشمند ہو یا تم میں سے جو جنت میں جانا چاہے وہ آئے اور مجھ سے لڑے''۔

تمام اصحاب میں سے اس کے مقابلہ کے لئے اگر کوئی اٹھا، تو وہ حضرت علیؑ ہی تھے جو اس گستاخی کا جواب دے سکتے تھے رسول خداؐ نے بھی آپ کو مقابلہ کی اجازت دی، اجازت ملتے ہی حضرت علیؑ تلوار لہراتے ہوئے نکلے اور رجز پڑھ کر اسے سمجھا دیا کہ ''تمہارے سامنے تیز دھار شمشیر لے کر وہ شیر آیا ہے کہ جس کے حامی خدا اور رسولؐ ہیں''۔(۱)

طلحہ نے عرب کے دستور کے مطابق پوچھا: اے نوجوان تم کون ہو؟

حضرت علیؑ نے جواب دیا: میں علیؑ بن ابی طالبؑ ہوں۔

طلحہ نے کہا: میں جانتا تھا کہ تم ہی آؤ گے ورنہ کس میں اتنی جرأت ہے جو مجھ سے لڑے۔

یہ کہہ کر اس نے بڑی تیزی سے حضرت علیؑ کی جانب تلوار لہرا کر حملہ کر دیا۔ حضرت علیؑ نے فوراً اپنی سپر سے اس حملہ کو روکا اور اسی وقت پلٹ کر طلحہ پر ضرب لگائی اور نعرۂ تکبیر بلند کیا ادھر اس کے دونوں پاؤں کٹ کر گر گئے اور وہ پیٹھ کے بل زمین پر گر پڑا۔ اس کے گرتے ہی کفر کا پرچم سرنگوں ہوگیا حضرت علی علیہ السلام آگے بڑھے تا کہ اس کا سر تن سے جدا کریں، لیکن اس نے رشتہ داری اور خدا کا واسطہ دیکر جان کی بھیک مانگی، سخی ابن سخی نے اس کی جان بخش دی۔(۲)

دوسری جگہ نقل ہوا کہ جب طلحہ زمین پر گرا تو اس نے اپنی شرمگاہ کھول دی اور حضرت علی علیہ السلام کو خدا کا واسطہ اور اپنی رشتہ داری کی قسم دے کر جان کی بھیک مانگی۔ حضرتؑ نے اس کی برہنگی سے شرما کر اور اس کے واسطہ کا لحاظ کرتے ہوئے اسے قتل کرنے سے گریز کیا۔ جب حضرت علی علیہ السلام سے

---

(۱) بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۵۰۔

(۲) سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۴۹۷؛ بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۵۰۔

پوچھا گیا کہ آپ نے اسے زندہ کیوں چھوڑ دیا تو آپ نے فرمایا اس لئے کہ وہ برہنہ ہو گیا تھا اور مجھے رشتہ داری کی قسم دیکر جان کی بھیک مانگی، اس لئے میں نے اسے زندہ چھوڑ دیا(۱) لیکن اسے میں نے ایسی ضرب لگائی کہ وہ کبھی بھی اٹھنے کے قابل نہیں رہا۔(۲)

ایک اور جگہ نقل ہوا کہ: پیغمبر اسلامؐ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ طلحہ کو قتل کردو علیؑ نے رسول خداؐ کی اطاعت کرتے ہوئے اسے قتل کر دیا۔(۳)

جب کفر کا پرچم طلحہ کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گرا تو بلا فاصلہ طلحہ کے بھائی ابوسعید بن ابی طلحہ نے پرچم اٹھالیا اور حضرت علیؑ کے مقابلہ کے لئے آ گیا کچھ دیر نہ گزری کہ حضرت علیؑ کے قوی ہاتھوں نے اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا، یہ دیکھ کر طلحہ کا دوسرا بھائی عثمان بن ابی طلحہ نے گرے ہوئے پرچم کو اٹھا کر حضرت علیؑ کے مقابل میں آیا آپ نے اس کو بھی تہ تیغ کر دیا۔ (۴) سرانجام قبیلۂ عبدالدار کے نو افراد ایک کے بعد ایک آتے گئے اور حضرت علیؑ کے ہاتھوں ہلاک ہوتے گئے۔ ان میں سے آخری شخص کا نام ارطاۃ بن شرجیل تھا۔(۵) ان کے بعد صوٴاب نامی حبشی غلام نے پرچم اٹھایا اور اپنی خوفناک ہیکل اور وحشتناک صورت لئے علیؑ کو ڈرانے آیا اور للکارنے لگا۔ حضرت علیؑ نے بڑھ کر اسے بھی ہلاک کر دیا۔(۶)

حضرت علی علیہ السلام اصحاب رسولؐ کے درمیان ایک محفل میں جنگ احد کے کارناموں پر فخر و مباہات کرتے ہوئے حاضرین سے یوں فرماتے ہیں: کیا تمہیں وہ دن یاد ہے جب احد میں قبیلہ بنی

---

(۱) سیرہ حلبی، ج۲، ص۴۹۸۔

(۲) بحارالانوار، ج۲۰، ص۵۱۔

(۳) سیرہ حلبی، ج۲، ص۴۹۸۔

(۴) سیرہ حلبی، ج۲، ص۴۹۸۔

(۵) بحارالانوار، ج۲۰، ص۵۱؛ سیرہ حلبی، ج۲، ص۴۹۸۔

(۶) سیرہ حلبی، ج۲، ص۴۹۹۔

عبدالدار کے نوسورما کے بعد دیگرے پرچم اٹھائے نعرہ لگاتے ہوئے مجھ سے مقابلہ کے لئے آرہے تھے اور میں نے لگاتاران نو جنگجوؤں کے شر سے تم کو نجات دلائی'' سب نے حضرت علیؑ کی تصدیق کی پھر آپ نے فرمایا: کیا تمہیں یہ بھی یاد ہے کہ ان افراد کے بعد صؤاب نامی حبشی غلام میدان میں آیا جس کا وحد ہدف رسول خدا کو قتل کرنا تھا اور وہ اس قدر وحشتناک تھا کہ اس کے منھ سے جھاگ آرہے تھے اور اس کی آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں اور تم سب اسے دیکھتے ہی ڈر سے پیچھے ہٹ گئے تھے لیکن میں نہیں ڈرا اور آگے بڑھ کر اس کی کمر پر ایسی ضرب لگائی کہ وہ فوراً زمین پر گر پڑا'' سب نے حضرت علیؑ کی اس بات کی بھی تصدیق کی۔(۱)

جنگ احد میں حضرت علی علیہ السلام کے پے در پے حملوں سے اور بنی عبدالدار کے سورماؤں کے قتل سے قریش میں بے چینی پیدا ہوگئی اور ان کی فوج کے حوصلے پست ہوگئے جب رسول خداؐ کے حکم سے مسلمانوں نے ان پر چڑھائی کی تو لشکر قریش ڈر مارے سے بھاگ کھڑا ہوا اور اس طرح مسلمانوں نے چند لحوں میں فتح حاصل کر لی۔(۲)

فتحیابی کے بعد شکست

جب مسلمانوں نے لشکر قریش کو منتشر کر دیا اور ان میں مسلمانوں سے جنگ کرنے کی جرأت وقدرت نہ رہی تو انھوں نے فرار اختیار کیا اور میدان چھوڑ دیا۔قریش کی عورتیں جو لشکریوں کو جوش دلانے آئیں تھی اپنے ہوش کھو بیٹھیں اور انھوں نے خوف وگھبراہٹ کی وجہ سے پہاڑوں میں پناہ لی، ادھر اسلامی فوج کے ان بہادر سپاہیوں نے ان کو بھاگتے ہوئے دیکھا تو ان کا پیچھا چھوڑ کر مال غنیمت کے پیچھے دوڑ پڑے اور مال غنیمت کو لوٹنے لگے کوہ عینین کے محافظوں نے جب مال غنیمت

(۱) فروغ ابدیت، ج۲،ص۴۹۔

(۲) اعیان الشیعہ، ج۱،ص۲۵۷۔

لٹتے دیکھا تو ان کے منھ میں بھی پانی آ گیا وہ بھی مال غنیمت کے لئے دوڑ پڑے۔ عبداللہ بن جبیر نے انھیں بہت روکا اور رسول خداؐ کی بات یاد دلائی کہ جنگ ہاریں یا جیتیں یہ مورچہ نہیں چھوڑنا مگر کسی نے ایک نہ سنی بلکہ کہنے لگے گھاٹی کی حفاظت جنگ کی حالت میں تھی اور اب جنگ ختم ہوچکی ہے اس لئے ہمارا یہاں رہنا کوئی فائدہ مند نہیں ہے یہ بہانہ سنا کر سب چلے گئے مگر قول رسولؐ کے پاسدار عبد اللہ بن جبیر اور دوسرے وفادار سپاہیوں نے جنبش نہ کی اور وہ گھاٹی کی محافظت کے لئے وہیں رکے رہے۔

گھاٹی کے محافظوں کی اس نافرمانی سے مسلمانوں کی جیتی ہوئی جنگ ہار میں بدل گئی۔ فتحیابی شکست میں تبدیل ہوگئی اور ان کی وجہ سے مسلمان فوجیوں کی جان خطرے میں پڑ گئی اس لئے کہ خالد بن ولید پہلے ہی سے وہاں کمین گاہ میں بٹھا ہوا تھا جب اس نے دیکھا کہ عینین کی گھاٹی کے سپاہی تقریباً جا چکے ہیں تو وہ موقع پا کر کوہ احد سے گھومتا ہوا عینین کی گھاٹی تک آیا اور وہاں مستقر دس سپاہیوں پر حملہ آور ہوا دس سپاہی دو سو گھوڑے سواروں سے لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔ جب لشکر قریش کے فراریوں نے خالد بن ولید کا یہ کارنامہ دیکھا تو سب فتح کا نعرے لگاتے ہوئے پلٹ آئے۔ کفر کا سرنگوں پرچم عمرہ بن علقمہ کے ہاتھوں بلند ہوگیا اور لشکر کفار اس کے گرد جمع ہو کر اب چاروں طرف سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا ادھر اسلامی فوج کا نظم وضبط ختم ہوجانے سے وہ دشمن کے حملہ کو روک نہ سکے اور اپنی جان کے خوف سے میدان سے بھاگنے لگے اور کچھ لڑتے لڑتے شہید ہوگئے الٰہی شہیدوں میں جناب مصعب بن عمیر بھی تھے جیسے ہی وہ شہید ہوئے پیغمبرؐ نے پرچم اسلام حضرت علیؑ کے سپرد کیا۔ چونکہ اسلامی فوجیوں کے چہرے ڈھکے ہوئے تھے اس لئے جب مصعب شہید ہو کر گر پڑے تو لشکر قریش نے سمجھا کہ رسول خداؐ شہید ہوگئے اس لئے انھوں نے نعرہ لگانا شروع کردیا کہ پیغمبرؐ قتل ہوگئے ابن قمیہ لیثی (۱) اور ایک قول کے مطابق شیطان نے فریاد بلند کی

---

(۱) دوسرے نسخوں میں قمہ لیثی لکھا ہوا ہے۔

کہ "آگاہ ہو جاؤ محمدؐ قتل ہو گئے"۔

پیغمبرؐ کی موت کی خبر نے لشکر اسلام کو تتر بتر کر دیا اور اس کے علاوہ جناب حمزہ اور پیغمبرؐ کے بعض شجاع صحابیوں کے شہید ہونے سے لشکر اسلام کی ہمتیں پست اور امید ناامیدی میں بدل گئی ان حادثات کا اتنا برا اثر ہوا کہ مجاہدین اسلام ڈر اور خوف کی وجہ سے کوہ احد کی پناہ گاہوں میں جا چھپے۔(۱)

حضرت علیؑ میدان احد کے تنہا محافظ

رسول خداؐ کی شہادت کی جھوٹی خبر اور حضرت حمزہؑ کے شہید ہونے کی خبر سے اسلامی سپاہی میدان جنگ سے فرار کر گئے اور رسولؐ کو تنِ تنہا چھوڑ دیا اگر کوئی رہ گیا تو وہ حضرت علیؑ، ابو دجانہ انصاری اور سہیل بن حنیف اور چند دوسرے افراد تھے کہ جنھوں نے میدان کارزار میں وفاداری کا ثبوت دیا اور رسول خداؐ کو اپنے گھیرے میں لے کر پروانہ کی طرح شمع الٰہی کی محافظت کرتے رہے۔ حضرت علیؑ محافظتِ رسول خداؐ کے ساتھ ساتھ فوج سے لڑتے بھی رہے دشمن کا لشکر پچاس پچاس کی ٹولیاں بنا کر چاروں طرف سے حملہ آور ہو رہا تھا اور حضرت علیؑ ان حملہ آوروں کے حملوں سے رسول خداؐ کو بچا رہے تھے۔

اس دن حضرت علیؑ نے اتنی شمشیر چلائی کہ آپ کی تلوار ٹوٹ گئی جیسے ہی تلوار ٹوٹ کر گری رسول خداؐ نے اپنی مخصوص تلوار جو ذوالفقار کے نام سے معروف تھی حضرت علیؑ کو دیدی تاکہ وہ اپنی جاویدانہ دفاعی کاروائی انجام دیتے رہیں اور خود رسول خداؐ نے کوہ احد کے ایک گوشہ میں اپنا مورچہ سنبھالا تاکہ دشمن آسانی سے ان تک نہ پہنچ پائے اور حضرت علی علیہ السلام بھی دوسری طرف حملہ آوروں

(۱) سیرہ حلبی، ج۲، ص۵۰۲؛ تاریخ طبری، ج۲، ص۱۹۹؛ سیرہ ابن ہشام، ج۳، ص۷۷؛ ارشاد مفید، ج۱، ص۸۲۔

سے لڑ سکیں اور ان کے پے در پے حملوں کو روک سکیں اس پکڑ دھکڑ اور دشمنوں سے مدبھیڑ میں حضرت علیؑ کے بدن پر بہت زیادہ زخم وارد ہوئے۔ لیکن اس کے باوجود ان کے جذبہ جہاد اور پھرتی میں کوئی کمی نہ آئی اور کسی صورت انھوں نے رسول خدا کو اکیلا نہ چھوڑا، حضرت علیؑ کے اس دلیرانہ دفع سے رسولؐ اور دوسرے سپاہیوں کی جان بچی۔ بھاگی ہوئی فوج میں سے کچھ سپاہیوں میں ہمت آئی اور انھوں نے لوٹ کر حضرت علیؑ کی سرداری میں دشمنوں سے مقابلہ کیا اور ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔(۱)

حضرت علیؑ کے حق میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب میدان احد میں حضرت علیؑ کی شمشیر ٹوٹ گئی تو پیغمبرؐ نے اپنی ذوالفقار آپ کو دی تا کہ اسلام اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفع کر سکیں۔ حضرت علیؑ نے بھی ذوالفقار لے کر قلب دشمن پر پے در پے ایسے کرارنے حملے کئے کہ پھر کسی کو نزدیک آنے کی جرأت نہ ہوئی اور جو آیا وہ بچ کر نہ جا سکا تب ان بزدلوں نے دور ہی دور سے نیزے اور تیر برسانے شروع کئے اور نیزے بھالوں سے اتنے حملے کئے کہ آپ کی زرہ پھٹنے لگی جس سے آپ کی جان خطرہ میں پڑ گئی۔ یہی وہ موقع تھا کہ رسولؐ خدا نے بارگاہ رب العزت میں اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر حضرت علیؑ کے حق میں دعا کی:

''بارالہا بے شک محمدؐ تیرا بندہ اور تیرا رسول ہے خدایا تو نے ہر پیغمبرؐ کے لئے اس کے اہل سے ایک وزیر مقرر کیا ہے تا کہ اس کے ذریعہ پیغمبر کے بازوؤں کو مضبوط کرے اور اس کے رسالت کاموں میں اسے شریک قرار دے۔ خدایا میرے اہل سے میرے لئے (علی ابن ابی طالبؑ) کو وزیر قرار دے کیونکہ وہ اچھا بھائی اور اچھا وزیر ہے خدایا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ چار ہزار فرشتوں

(۱) بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۵۴۔

سے میری مدد فرمائے گا خدایا تیرا وعدہ حق اور تخلف ناپذیر ہے خدایا تو نے مجھ سے وعدہ کیا کہ اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب کرے گا چاہے مشرکین ناخوش ہی کیوں نہ ہوں۔(۱)

پیغمبرؐ اسلام مسلسل دعا اور گریہ وزاری کرتے رہے اسی وقت آسمان سے ایک ندا آئی پیغمبرؐ نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ جبرئیل چار ہزار فرشتوں کے ساتھ قریب کھڑے ہوئے ندا دے رہے ہیں:

"لا فتیٰ الا علی ولا سیف الا ذوالفقار" (۲)

علیؑ کے علاوہ کوئی جوان نہیں ہے اور ذوالفقار کے علاوہ کوئی تلوار نہیں ہے

بڑے بڑے صحابیوں کا جنگ سے بھاگنا

شیعہ اور اہل سنت مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ جنگ احد میں دشمن کی یورش اور حملہ سے گھبرا کر بڑے بڑے دعویدار صحابی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے اور پہاڑوں میں جاکر چھپ بیٹھے۔

معروف مؤرخ ابن ہشام انس ابن مالک کے چچا انس بن نضرہ سے نقل کرتے ہیں کہ " جب اسلامی فوج پر دشمن کا دباؤ بڑھنے لگا اور رسولؐ کے قتل کی خبر پھیل گئی تو بہت سے مسلمان اپنی اپنی جانوں کی حفاظت میں لگ گئے اور ہر ایک کسی نہ کسی گوشہ میں پناہ لیکر بیٹھ گیا۔ میں نے مہاجرین و انصار کے ایک گروہ کو دیکھا کہ ایک گوشہ میں چھپ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے اعتراض آمیز لہجہ میں ان سے کہا کہ تم لوگ یہاں چھپ کر کیوں بیٹھ گئے ہو؟ کہنے لگے جب رسولؐ ہی نہ رہے تو جنگ کا کیا فائدہ۔ میں نے کہا تو کیا ہوا اٹھو تم بھی اسی راہ پر چلو جس راہ پر تمہارے پیغمبرؐ چلے ہیں۔ لیکن ان پر میری بات کا کچھ اثر نہ ہوا یہ دیکھ کر میں اکیلا اسلحہ لیکر جنگ کرنے چلا گیا۔ ابن ہشام آگے لکھتے ہیں "انس اسی جنگ میں ستر زخم کھا کر شہید ہو گئے ان کے بدن پر اتنے زخم لگے کہ ان کی بہن کے علاوہ

(۱) بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۱۰۵۔

(۲) بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۱۰۵؛ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۵؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۱۹۷۔

کوئی اور انھیں نہ پہچان سکا۔(۱)

اسی طرح ابن ہشام آگے لکھتے ہیں کہ بعض مسلمان اتنے مایوس اور گھبرا گئے تھے کہ وہ اپنی نجات کے لئے عبداللہ ابن ابی سے مل کر ابوسفیان سے امان طلب کرنے کی فکر میں تھے اور بعض تو پہاڑوں میں جا کر چھپ گئے۔(۲)

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ ۶۰۸ھ کی بات ہے کہ اس وقت میں بغداد میں دانشمند بزرگ استاد محمد بن معد علوی کے یہاں ''مغازی'' پڑھنے جایا کرتا تھا درس کے دوران ایک دن ہماری بحث اس مطلب پر پہنچی کہ ''محمد بن سلمہ بطور صریح نقل کرتے ہیں کہ میں نے احد کے دن اپنے کانوں سے سنا ہے اور اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ مسلمان کوہ احد پر چڑھ رہے ہیں اور پیغمبرؐ ایک ایک کا نام لے کر پکار رہے ہیں کہ اے فلاں رکو کہاں جا رہے ہو لیکن کسی نے پیغمبرؐ کی نہ سنی''۔

قرن ہفتم کے شیعہ مؤرخ علامہ اربلی نقل کرتے ہیں: ''کہ جس وقت جنگ احد میں اکثر لوگوں کے قدم لڑکھڑا گئے تھے ایسے موقع پر صرف حضرت علیؑ ثابت قدم اور استوار رہے اور جنگ احد میں جتنی تکلیف انھوں نے اٹھائی کسی اور مسلمان نے نہیں اٹھائی، وہ ہی تھے جنھوں نے شرک و کفر کے سرداروں کو قتل کیا اور رسولؐ کو ہر خطرے سے بچاتے رہے اور خلوص دل سے رسولؐ کی خدمت کرتے رہے۔'' آگے لکھتے ہیں: زید بن وہب نے ابن مسعود سے پوچھا ''کیا حضرت علی علیہ السلام، ابو دجانہ اور سہیل بن حنیف کے علاوہ سارے کے سارے رسولؐ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ لیکن جب حضرت علیؑ کو جنگ کرتا دیکھا تو کچھ صحابی لوٹ کر آنے لگے جن میں سب سے پہلے عاصم، ابودجانہ، اور سہیل تھے۔ پھر ان کے بعد طلحہ بن عبید اللہ بھی لوٹ آئے۔ میں نے پوچھا یہ ابوبکر اور عثمان کہاں تھے کہنے لگے'' وہ بھی بھاگ چکے تھے میں نے کہا عثمان؟ کہا وہ تو ایسے بھاگے کہ پھر

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج۳، ص۸۸؛ تاریخ طبری، ج۲، ص۱۹۹۔

(۲) سیرہ ابن ہشام، ج۳، ص۸۸؛ تاریخ طبری، ج۲، ص۱۹۹۔

تین دن بعد ہی لوٹے۔ جب رسولؐ کے پاس پہنچے تو رسول خداؐ نے کہا: تم بڑے لمبے غائب ہو گئے تھے۔ زید بن وہب کہتے ہیں میں نے پوچھا یہ بتاؤ اس وقت تم خود کہاں تھے؟ کہنے لگے میں بھی بھاگ گیا تھا میں نے کہا جب تم خود نہیں تھے تو یہ سب باتیں کس سے سنی؟ کہا عاصم بن ثابت اور سہیل بن حنیف نے مجمع سے روایت کی میں نے کہا ایسی موقعیت میں علیؑ کی ثابت قدمی شگفت انگیز ہے؟ کہا تم آج جس طرح حیران ہو اس دن ملائکہ اس فداکاری اور پائیداری پر حیران تھے۔ جانتے ہو اس دن جبرئیل کا ترانہ کیا تھا وہ آسمان کی جانب عروج کرتے ہوئے کہہ رہے تھے:

لاسیف الا ذوالفقار　　　　لا فتیٰ الا علی (۱)

دشمن کی آخری کوشش

حضرت علیؑ کی فداکاری اور دلیرانہ جنگ سے رسول خداؐ اور دوسرے سپاہیوں کی جان بچ گئی اور بھاگے ہوئے سپاہی واپس ہونے لگے پھر دوبارہ مسلمان سپاہی دشمن سے جم کر لڑے اگر چہ اس جنگ میں مسلمانوں کی جانیں زیادہ گئیں لیکن دشمن بھی اب لڑتے لڑتے تھک گئے تھے اور اس ڈر سے کہ کہیں ان کی بھی جیتی ہوئی جنگ ہار میں تبدیل نہ ہو جائے تو انھوں نے جنگ ترک کر دی اور مکہ لوٹ جانا مناسب سمجھا۔(۱) لیکن جب لشکر قریش لوٹ رہا تھا تو ابوسفیان نے کوہ احد پر چڑھ کر ایک نظر اطراف پر دوڑائی اور مسلمانوں کو رسوا اور ان کے حوصلوں کو پست کرنے کے لئے کہنے لگا "اعل ھبل" ہبل کا بت سرفراز ہے۔ پیغمبرؐ نے اصحاب (علیؑ) (۲) سے کہا تم اس طرح جواب دو "اللّٰه اعلی و اجل" اللہ بزرگ و برتر ہے ابوسفیان نے جواب میں کہا "ان لنا العزی و لا عزی

---

(۱) کشف الغمہ، ج۱، ص۲۵۹۔

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج۳، ص۹۹۔

(۲) تفسیر بن ابراہیم قمی، ج۱، ص۱۱۷۔

لکم " ہمارے پاس عزی ہے اور تمہارے پاس نہیں۔ پیغمبرؐ نے کہا تم کہو" اللہ مولانا و لا مولی لکم "اللہ ہمارا ولی ہے اور تمہارا کوئی ولی نہیں"۔

ابوسفیان مسلمانوں کے جذبۂ جہاد کو کمزور کرنے کے لئے اسی طرح نعرہ بازی کرتا رہا اور پھر کہنے لگا " ھذا بیوم بدر والحرب سجال" ہم نے مقتولین بدر کا انتقام تم سے لے لیا ہے کل تم جیتے تھے آج ہم جیتے ہیں"۔(۱)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہو! لا سواء قتلانا فی الجنة و قتلاکم فی النار "تم جیسا سوچ رہے ہو ایسا نہیں ہے اس لئے کہ ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمہارے مقتولین جہنم میں۔(۲)

ابوسفیان نے حضرت علیؑ کو مخاطب کر کے کہا: دیکھا نعمت ہم پر تمام ہوئی، حضرتؑ نے جواب دیا، خداوند عالم نے ہم پر نعمت تمام کی۔ ابوسفیان نے کہا: اے علیؑ تم کو لات وعزی کی قسم سچ بتاؤ کیا محمدؐ قتل ہو گئے؟ حضرت علیؑ نے کہا لعنت ہو تجھ پر اور تیرے لات وعزی پر واللہ محمدؐ زندہ ہیں اور تیری ان بیہودہ باتوں کو سن رہے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا: لعنت ہو ابن میہ پر کہ جو سمجھا محمدؐ قتل ہو گئے۔(۳)

پھر بولا اب سال آئندہ اسی مہینہ میں بدر کے مقام پر تم سے مڈبھیڑ ہوگی۔

پیغمبرؐ نے مولا علیؑ سے کہا کہدو! ہاں وہ دن ہماری اور تمہاری ملاقات کا دن ہوگا۔(۴) اس طرح یہ جنگ تمام ہوئی اور دشمن مکہ لوٹ گئے۔

---

(۱) کامل بن اثیر، ج۱، ص ۵۵۵؛ تاریخ طبری، ج۲، ص۲۰۵؛ سیرہ ابن ہشام، ج۳، ص ۹۹؛ بحار الانوار ج۲۰، ص۲۳۔

(۲) بحار الانوار، ج۲۰، ص۲۳؛ تفسیر بن ابراہیم قمی، ج۱، ص ۱۱۷۔

(۳) تفسیر علی بن ابراہیم، ج۱، ص ۱۱۷۔

(۴) سیرہ ابن ہشام، ج۳، ص ۱۱۰۔

جنگ احد میں حضرت علیؑ کے فضائل اور فدا کاری

اگر چہ جنگ احد میں آپ کا سن ۲۶ رسال سے زیادہ نہیں تھا لیکن اس سن میں فدا کاریاں اور فضائل اتنے ہی زیادہ اور باعظمت ہیں۔ بعض مؤرخین اہل سنت ان فضائل کو چھپاتے ہیں اور ان کو بیان کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ لاکھ چھپانے کے باوجود آپ کی عظمت و فضائل کے کچھ گوشے ان کی کتابوں میں آ گئے ہیں۔

ابن اثیر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: 'احد میں پیغمبرؐ پر چاروں طرف سے حملے ہو رہے تھے قریش کا ہر دستہ جب بھی آپ کے اوپر حملہ کرتا حضرت علیؑ، رسول خداؐ کے حکم سے اس حملہ کو بیکار بنا دیتے ان میں سے کسی نہ کسی کو قتل یا زخمی کرتے اور وہ سب منتشر ہو جاتے احد میں یہ صورت کئی بار پیش آئی اور ہر بار حضرت علیؑ نے نہایت درجہ فدا کاری کا مظاہرہ کیا جس سے متاثر ہو کر جبرئیل آسمان چھوڑ کر زمین پر اتر آئے اور آ کر رسولؐ خدا کے سامنے حضرت علیؑ کی اس فدا کاری کی ستائش کی اور کہا یا رسول اللہؐ یہ ہمدردی اور تعاون، امداد کی انتہا ہے۔

رسول خداؐ نے ان کی تصدیق کی اور کہا: "انه منی و انا منه" کیوں نہ ہو علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں۔ پھر میدان احد کے افق پر صدا گونجی:

لاسیف الا ذوالفقار لا فتی الا علی (۱)

اسلام کے مشہور مؤرخ طبری نے عبد اللہ ابن ابی رافع اور انھوں نے اپنے والد محترم سے نقل کیا ہے کہ: "جب لشکر کفار کے پرچمدار حضرت علیؑ کے ہاتھوں قتل ہو گئے تو پیغمبرؐ نے دیکھا کہ کفار قریش کا ایک گروہ آپ پر حملہ آور ہو رہا ہے اس وقت آپ نے حضرت علیؑ کو آواز دی "علیؑ آؤ! انھیں مجھ سے دور کرو۔" حضرت علیؑ نے اس گروہ پر حملہ کیا اور انھیں منتشر کر کے عمرو بن عبد اللہ جمحی کو قتل کر دیا ایک گروہ ہٹا نہیں جو دوسرا گروہ حملہ کی غرض سے آگے بڑھا رسول خداؐ نے پھر علیؑ کو پکارا، علیؑ

(۱) کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۵۱۔

نے ان پر بھی حملہ کیا اوران میں شیبہ بن مالک کو موت گھاٹ اتار دیا اور سب کو تتر بتر کر دیا یہ فداکاری دیکھ کر جبرئیل نے کہا: اور میں آپ دونوں کا ہوں پھر فضا میں صدا گونجی:

لاسیف الا ذوالفقار   لا فتی الا علی(۱)

احد میں حضرت علیؑ کی فداکاری کے سلسلے میں ابن ابی الحدید لکھتے ہیں: جنگ احد میں کفار قریش گروہ بنا کر رسول اللہؐ کو قتل کرنے کے لئے حملہ کر رہے تھے اور ان کا ہر دستہ پچاس افراد پر مشتمل ہوتا تھا اس کے علاوہ وہ سب گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے جبکہ حضرت علیؑ پا پیادہ ہونے کے باوجود ان دستوں سے مقابلہ کرتے اور ان کو منتشر کر دیتے تھے۔

پھر ابن ابی الحدید جبرئیل کا قصہ نقل کر کے کہتے ہیں: یہ بات تاریخ کی ایک مسلم حقیقت ہے۔ جنگ احد میں جناب جبرئیل زمین پر آئے اور حضرت علیؑ کی فداکاری کی ستائش کی اس بات کو میں نے محمد بن اسحاق کی کتاب غزوات کے کئی نسخوں میں بھی دیکھا ایک دن میں نے اپنے استاد جناب عبدالوہاب صاحب سے اس موضوع کی صحت کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ ہاں یہ خبر صحیح ہے پھر میں نے کہا اگر یہ صحیح ہے تو پھر مؤلفین صحاح ستہ نے اسے کیوں نقل نہیں کیا؟ انھوں نے کہا بہت ساری روایات صحیح ہیں جن سے مؤلفین صحاح نے غفلت کی ہے۔(۲)

جنگ احد میں جبرئیل کے نازل ہونے والے قصہ کو ابن ابی الحدید ایک اور جگہ نقل کرتے ہیں کہ جب اکثر اصحاب فرار ہو گئے تب رسولؐ پر دشمنوں کے حملوں کا دباؤ بڑھنے لگا اور چاروں طرف سے حملے ہونے لگے اسی اثنا میں ایک طرف قبیلۂ بنی کنانہ کا دستہ اور دوسری طرف بنی عبد مناف کے دستہ نے باہم آپ پر حملہ کر دیا اور ان دستوں میں چار نامی پہلوان بھی تھے۔ اب اس حالت میں جہاں دونوں طرف سے حملہ ہو رہا ہے علیؑ کیا کریں مگر کیا کہنا شیر خدا کا کہ ایسے خطرناک موقع پر بھی

---

(۱) تاریخ طبری، ج ۲، ص ۱۹۷۔

(۲) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۴، ص ۲۵۱۔

رسولؐ کی حفاظت کی اور پروانہ کی طرح ان کے اردگرد گھومتے رہے اور کسی جانب سے دشمن کو رسولؐ کے نزدیک نہ آنے دیا۔ ان کا ہر دستہ پچاس افراد پر مشتمل تھا اور چار مشہور و معروف پہلوان بھی تھے۔ حضرت علیؑ انھیں ایک طرف سے روکتے اور بھگا دیتے تو دوسری طرف سے حملہ ہو جاتا۔ آخرکار حضرت علیؑ نے ان کے حملوں کو ناکام کر کے ان چاروں پہلوانوں اور دس سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جبرئیل یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے آسمان سے زمین پر آئے اور حضرت علیؑ کی اس فداکاری کی داد دی جس پر رسولؐ اللہ نے کہا کیوں نہ ہو علی علیہ السلام مجھ سے ہیں اور میں علی علیہ السلام سے ہوں۔ اس کے بعد فضا میں آواز گونجی "**لافتی الا علی الا سیف الا ذوالفقار**" رسول سے پوچھا گیا یا رسولؐ اللہ یہ کس کی آواز تھی آپ نے کہا جبرئیل کی۔ (۱)

ابن عساکر شافعی حضرت علیؑ کے ایثار اور فداکاری کے سلسلے میں جابر بن عبد اللہ انصاری نقل کرتے ہیں: کہ احد کے دن علیؑ پروانہ وار رسولؐ کی خدمت میں جہاد کا فریضہ ادا کر رہے تھے رسول خداؐ نے کہا علیؑ کیوں اپنی جان خطرے میں ڈالتے ہو، جیسے سب چلے گئے تم بھی چلے جاتے، حضرت علیؑ نے کہا خدا کی قسم مر جاؤں گا، مگر میں آپ کو اس حالت میں نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ خداوند عالم آپ کی نصرت کے وعدے کو پورا نہ کر دے۔" یہی وہ موقع تھا کہ جبرئیل فلک سے زمین پر آئے اور کہا یا رسول اللہؐ فداکاری اسے کہتے ہیں۔ رسولؐ نے جواب دیا علی علیہ السلام مجھ سے ہیں اور میں علی علیہ السلام ہوں۔ تو جبرئیل فوراً کہا: اور میں آپ دونوں سے ہوں۔ (۲)

شیخ مفید مذکورہ حدیث کو تھوڑے سے فرق کے ساتھ بیان کرتے ہوئے آخر میں اس جملہ کا اضافہ کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے علیؑ آپ کو بشارت ہو کہ خدا کا وعدہ ضرور پورا ہوگا اور ہم ہی پیروز ہونگے اور اس کے بعد کبھی مشرکین کو فتح نصیب نہ ہوگی۔" (۳)

---

(۱) شرح نہج البلاغہ، ج ۱۴، ص ۲۵۰۔ (۲) تاریخ دمشق، ج ۱، ص ۲۱۴۔

(۳) ارشاد مفید، ج ۱، ص ۸۹۔

علامہ قندوزی حنفی نے جنگ احد میں حضرت علیؑ کی فدا کاری کی عظمت کے سلسلے میں ایک روایت رسول اللہؐ سے نقل کی ہے کہ آپ نے علی ابن ابی طالبؑ سے فرمایا: ''اے ابوالحسنؑ اگر ایمان اور اعمال خلایق کو ترازو کے ایک پلڑے میں اور صرف جنگ احد کے آپ کے عمل کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو یقیناً آپ کا پلڑا بھاری ہوگا اور خداوند عالم آپ کے اس روز کے عمل کے ذریعے سارے ملائکہ پر فخر و مباہات کرے گا خدا نے آپ کے لئے سات آسمان سے پردوں کو اٹھالیا اور جنت اور اس کی ساری چیزوں کو آپ کے لئے آشکار کردیا خداوند عالم آپ کے اس عمل سے خوشنود ہے اے علیؑ روز قیامت خدا جنگ احد کے تمہارے عمل کا ایسی چیز سے بدلہ دے گا کہ جس پر سارے نبی ورسول اور صدیق شہداء رشک کریں گے۔(۱)

شیخ مفید نے عبد اللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ ''علی ابن ابی طالب کی چار ایسی خاص فضیلتیں ہیں جو دوسروں میں نہیں ہیں۔

۱۔وہ پہلا شخص ہے جس نے عرب اور غیر عرب میں سب سے پہلے رسولؐ کی قیادت میں نماز ادا کی۔

۲۔وہ تنہا ذات ہے جو تمام اسلامی جنگوں میں علمبردار رسولؐ رہی۔

۳۔وہ تنہا شخصیت ہے، جسے پیغمبرؐ کی قبر مطہر میں اتر کر آپ کے جنازہ کو قبر میں اتارنے کا شرف ملا۔

۴۔وہ تنہا فرد ہے جو جنگ احد میں پروانہ کی طرح اس وقت بھی رسولؐ کے ساتھ ساتھ رہا جب سب بھاگ گئے تھے۔(۲)

علامہ مجلسی نقل کرتے ہیں کہ ''جنگ احد میں حضرت علی علیہ السلام نے حملہ آوروں سے رسولؐ کی اس

(۱) ینابیع المودہ، ج۱،ص ۶۳۔

(۲) ارشاد مفید، ج۱،ص ۷۹۔

قدر محافظت کی اور دشمنوں کو قتل کیا کہ آپ کی تلوار ہی ٹوٹ گئی اور رسولؐ کو اپنی شمشیر ذوالفقار آپؑ کو دینا پڑی اور اس جنگ میں آپ کے بدن پر ۹۰/ سے زیادہ زخم لگے جس کے بعد آسمان سے ندا آئی:

لاسیف الا ذوالفقار لا فتیٰ الا علی

قاصد وحی آسمان سے زمین پر آیا تا کہ علیؑ کی فداکاری کی ستائش کرے اور رسول کو ایسے فداکار اور وفادار صحابی ملنے پر مبارک باد پیش کرے۔(۱)

علامہ مجلسی نے عکرمہ سے نقل کیا ہے: ''کہ اس روز آسمان سے ندا آئی اور منادی نے یہ اشعار پڑھے:

نادعلیا مظہرالعجائب تجدہ عونالک فی النوائب

کل ہم وغم سینجلی بولایتک یاعلیؑ یاعلیؑ یا علیؑ (۲)

شیخ مفید نقل کرتے ہیں کہ جب رسول خداؐ جنگ احد سے لوٹے تو جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام پانی کا برتن لئے اپنے بابا کے استقبال کے لئے بڑھیں۔ رسول خداؐ نے اس پانی سے منھ ہاتھ دھویا پھر ان کے بعد اپنے خون آلود ہاتھوں کے ساتھ علیؑ آگے بڑھے جناب فاطمہؑ نے آپ کی ذوالفقار کی جانب ہاتھ بڑھایا علیؑ نے ذوالفقار دیتے ہوئے کہا: ''خذی ہذاالسیف فقد صدقنی الیوم'' لیجئے اس شمشیر کو لے لیجئے آج اس نے میرا بہت ساتھ دیا اور میری شجاعت کی تصدیق کی۔

حضرت علیؑ کی ایک اور ذمہ داری

جنگ احد کے خاتمہ کے بعد رسول خداؐ یہ اطمینان حاصل کرنے کے لئے کہ لشکر قریش مکہ کے

(۱) بحارالانوار، ج۲۰،ص۵۴۔

(۲) بحارالانوار، ج۲۰،ص۷۳۔

ارادہ سے احد کو چھوڑ چکا ہے یا دوبارہ مدینہ پر حملہ کی غرض سے خود کو آمادہ کر رہا ہے آپؐ نے حضرت علیؑ کو ایک اور ذمہ داری سونپی اور کہا: ''اے علیؑ جایئے اور ذرا دیکھئے کہ اگر لشکر قریش نے اپنے گھوڑوں کو استراحت کے لئے چھوڑ دیا ہے تو وہ مکہ جا رہے ہیں اور اگر گھوڑوں پر سوار کسی جانب جا رہے ہوں تو سمجھئے کہ انکا دوبارہ حملہ کرنے کا ارادہ ہے۔

حضرت علیؑ نے زخمی حالت اور خون میں تربتر ہونے کے باوجود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی اور لشکر قریش کے تعاقب میں نکل پڑے خود ہی کہتے ہیں: میں قریش کی تلاش میں نکلا اور جس طرح رسولؐ نے کہا تھا ویسے ہی چھان بین کی، دیکھا کہ لشکر قریش اپنی سواریوں سے اتر کر اپنی سواریوں کو سلانے کے بعد خود بھی آرام کر رہے ہیں تو میں سمجھ گیا کہ یہ مکہ لوٹنے کا ارادہ رکھتے ہیں میں نے فورا رسولؐ اللہ کو اس بات کی اطلاع دی''۔(۱)

حضرت علیؑ کا زخمی بدن

جنگ احد کے مسلمان سپاہیوں میں کوئی ایسا نہ تھا جو زخمی نہ ہوا ہو لیکن سب سے زیادہ زخم حضرت علیؑ کے بدن مبارک پر لگے مشہور و معروف مؤرخ حلبی حضرت عباس سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اس دن مجھ پر سولہ ایسے گہرے زخم لگے کہ جن کی وجہ سے چار بار زمین پر گر پڑا جتنی بار میں زمین پر گرتا اتنی بار ایک خوبصورت اور خوشبودار شخص قریب آتا اور میرا بازو تھام کر مجھے زمین سے اٹھاتا اور کہتا: ''اٹھو اور دشمن کی جانب بڑھو اور اللہ و رسولؐ کی اطاعت میں جم کر لڑو کہ اللہ و رسولؐ دونوں تم سے خوشنود ہیں'' جب میں نے رسولؐ خدا سے اس بات کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا کی تم نے انھیں پہچانا! حضرت علیؑ نے کہا پہنچانا تو نہیں لیکن وہ دحیہ کلبی سے شباہت رکھتا تھا۔ آں تد

(۱) سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۵۱۷؛ بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۹۳۔

فرمایا اے علیؑ مبارک ہو تم کو کہ وہ جبرئیل تھے۔ (۱)

بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت علیؑ کے بدن پر چالیس زخم لگے تھے۔ (۲) طبرسی نے مجمع البیان میں لکھا ہے اس دن جنگ احد میں حضرت کے بدن پر نیزہ و شمشیر سے زیادہ زخم وارد ہوئے انھیں جب زخمی حالت میں رسولؐ کے پاس لایا گیا تو آپ نے حضرت علی علیہ السلام کے زخموں پر ہاتھ پھیرا تو وہ زخم آپ کے ہاتھوں کی برکت سے فوراً مندمل ہو گئے۔ (۳)

علی بن ابراہیم اور دوسرے راوی نقل کرتے ہیں کہ اس جنگ میں حضرت علی علیہ السلام کے سر و صورت اور اعضاء و جوارح پر ۹۰/ زخم لگے تھے۔ (۴)

اگر چہ مذکورہ بالا روایات میں زخموں کی تعداد میں بڑا فرق ہے لیکن اگر ان روایتوں کو جمع کیا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سارے زخموں میں ۱۶/ زخم بہت ہی خطرناک اور ۶۰/ یا اس سے زیادہ جراحتیں جزئی اور سطحی تھیں۔

رسول خداؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام کی عیادت

مرحوم مجلسی نے شعبی سے نقل کیا ہے" وہ کہتے ہیں کہ سارے مسلمان سپاہی احد سے مدینہ لوٹے تو حضرت علیؑ بہت زیادہ زخمی ہونے کی وجہ سے بستر پر آرام فرما ہو گئے ان کے زخموں میں پھویا رکھا جا رہا تھا ایک دن رسول خداؐ حضرت علیؑ کی عیادت کے لئے آئے تو دیکھا کہ علیؑ چمڑے کے بستر پر استراحت کر رہے ہیں جیسے ہی علیؑ کی نظر رسولؐ خدا پر پڑی آپ بے ساختہ رو پڑے پیغمبرؐ نے

---

(۱) سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۵۳۱؛ سیرہ ابن ہشام، ج ۳، ص ۱۰۰۔

(۲) بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۸۷۔

(۳) تفسیر مجمع البیان، ج ۱، ۲، ص ۴۹۷۔

(۴) تفسیر علی بن ابراہیم قمی، ج ۱، ص ۱۱۶؛ بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۵۴۔

فرمایا: اے علیؑ جو شخص راہ خدا میں ایسے شدید زخموں سے دوچار ہوتا ہے تو اس کا حق ہے کہ خدا بھی اسے ایسی ایسی نعمتوں سے نوازے۔

حضرت علیؑ نے رسولؐ کی بات تمام ہوتے ہی دوبارہ گریہ کیا اور کہنے لگے یا رسول اللہؐ آپ تو گواہ ہیں کہ میں ان زخموں کی وجہ سے گریہ نہیں کر رہا ہوں اور میں خدا کا شکر گزار ہوں کہ نہ میں میدان سے بھاگا اور نہ آپ سے روگرداں ہوا بلکہ میں اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ شہادت سے محروم رہا۔ رسول خداؐ نے جواب دیا! انشاء اللہ تمہیں بھی ضرور شہادت نصیب ہوگی۔ (۱)

مولائے کائنات حضرت علیؑ کے فضائل بہت زیادہ ہیں ہم نے تو بہت ہی اختصار کے ساتھ بیان کئے ہیں تفصیلی معلومات اور زیادہ جانکاری کے لئے تاریخی کتابوں میں بالخصوص فصول المہمۃ فی حیاۃ ابی الائمہ جلد ۱، تیرہویں فصل کی طرف رجوع فرمائیں۔

فضائل و شہادتِ حضرت حمزہؑ

پیغمبر اسلامؐ کے چچا حضرت حمزہؑ بھی جنگ احد کے شہیدوں میں تھے جنھیں سید الشہداء کا لقب ملا چونکہ آپ کا رسولؐ کے نزدیک ایک خاص مقام و مرتبہ تھا اسی لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ کتاب کے اس حصہ کے اختتام میں آپ کی زندگی پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے۔

حضرت حمزہؑ کے فضائل میں ایک فضیلت جنگ بدر میں آپ کی دلیرانہ موجودگی ہے وہ اسلام کے بہادر سپاہی اور نبی اکرمؐ کے بہترین مدافع تھے۔ جنگ بدر میں آپ کے کارنامے سنہرے حرفوں سے لکھے جانے کے قابل ہیں آپ نے اس جنگ میں قریش کے مشہور پہلوان کو شکست دی اور آپ ہی تھے جنھوں نے عتبہ کو موت کے گھاٹ اتارا اس کے علاوہ آپ کے اہم مقابلوں میں شجاعان

(۱) بحار الانوار، ج ۳۶، ص ۲۶، ج ۴۰، ص ۱۱۴؛ اور دیگر معلومات کے لئے الفصول المہمۃ فی ابی الائمہ، ج ۱، فصل ۱۳۔

عرب کی بہادر شخصیت طعیمہ بن عدی کا مقابلہ ہے۔

جنگ احد میں آپ کی جنگ کبھی نہیں بھلائی جاسکتی آپ نے رکاب رسولؐ میں دشمنوں پر پے درپے اپنے اتنے حملے کئے کہ جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی دشمن پر آپ کی غراہٹ سے خوف طاری ہوجاتا اور آپ کے حملوں سے اس کے چھکے چھوٹ جاتے تھے پھر کسی میں آپ سے مقابلہ کی جرأت نہ ہوتی ایسے بہادر سپاہی کو جنگ احد میں بہت ہی بے دردی سے شہید کردیا گیا۔

ہند کی نفرت اور حضرت حمزہؓ کی شہادت

ابوسفیان کی بیوی اور معاویہ کی ماں ہند بھی جنگ احد میں شامل تھی جب سے ہند کا باپ عتبہ اور اس کا بیٹا حنظلہ یہ دونوں جنگ بدر میں مارے گئے تب سے اس کے دل میں اسلام اور مسلمانوں کی نفرت بیٹھ گئی اور خاص طور سے وہ رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام اور حضرت حمزہؓ کی جانی دشمن بن گئی۔ کسی نہ کسی قیمت پر ان سے اپنے مقتولین کا بدلہ لینا چاہتی تھی اسی لئے وہ جنگ احد میں خود بنفس نفیس حاضر ہوئی تاکہ مسلمانوں کو مرتا اور شکست کھاتا دیکھے اور یہی نہیں بلکہ وہ قریش کی دوسری عورتوں کے ساتھ لشکر کفار کی صفوں کے آگے ڈھول تالی بجاتی اور ناچ کر نازیبا اشعار پڑھتی اور گاتی تھی تاکہ جنگجوؤں میں جوش پیدا کرے اور جنگ بدر کے مقتولین پر مرثیہ پڑھ کر جلے پر تیل چھڑکتی تاکہ اس کی دیرینہ خواہش پوری ہوجائے اسی لئے جب لشکر کفار شکست کھا کر فرار ہونے لگا تو اس کی امیدیں حسرت میں تبدیل ہونے لگیں یہ غصے کے عالم میں ایک ایک فراری سپاہی کے آگے سرمہ دانی لے جاکر کہتی جنگ سے منھ موڑ کر فرار کررہے ہو تو لو اپنی آنکھوں میں سرمہ لگا کر عورتوں کی طرح گھروں میں بیٹھ جاؤ۔ اس طرح وہ فراریوں کو جنگ کے لئے روکنا چاہتی تھی اسی بھگدڑ میں اس کی نظر اپنے حبشی غلام جبیر بن مطعم پر پڑی اس نے غلام سے کہا کہ اگر تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی

حمزہؑ میں کسی ایک کو مارنے میں کامیاب ہوگیا تو میں عہد کرتی ہوں کہ اس کے عوض تو جو مانگے گا عطا کرونگی اور تجھے آزاد کردوں گی۔ اس نے کہا مجھ میں اتنی قدرت نہیں کہ میں محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرسکوں اور رہی بات حضرت علی علیہ السلام کی تو ان کا قتل کرنا دشوار ہے اس لئے کہ وہ جنگ میں اس قدر چوکنا رہکر لڑتے ہیں کہ ان پر حملہ کرنا گویا اپنی موت کو دعوت دینا ہے۔ ہاں مگر حمزہؑ کو قتل کرنا میرے لئے زیادہ مشکل نہ ہوگا۔ ہند نے جب یہ بات سنی تو کہا پھر تم حمزہؑ کو قتل کردو اگر تو ان کو قتل کر کے تم میری نفرت کی آگ کو کچھ ٹھنڈا کرسکے تو میں تمہیں ضرور آزاد کردوں گی۔

یہ حبشی غلام آزادی اور انعام کے لالچ میں جناب حمزہؑ کی تاک میں لگا رہا۔ جناب حمزہؑ کو کیا معلوم، وہ تو دشمن کے نامور بہادروں کو چن چن کر مارنے اور دشمنوں پر حملہ میں مشغول تھے جیسے ہی ان کی نظر اس حبشی غلام پر پڑی جو ایک درخت کے کنارے تاک لگائے بیٹھا تھا فوراً وہ اس کی جانب بڑھے اور اس پر وار کیا لیکن آپ کا وار خالی چلا گیا اور اس کے سر سے گزر گیا حبشی کو موقع مل گیا وہ خود کہتا ہے: جیسے ہی ان کا وار خالی گیا میں نے اپنا نیزہ اٹھایا، چونکہ میں نیزہ میں ماہر تھا میں نے نیزہ کو حمزہؑ کی جانب پھینکا وہ نیزہ حمزہؑ کے پیٹ میں لگا وہ تڑپ کر زمین پر گرے۔ میں ان کے مرنے اور بدن کے سرد ہونے کا انتظار کرتا رہا جب ان کی لاش سرد ہوگئی تو میں نے اپنا نیزہ نکال لیا۔

جس وقت جناب حمزہؑ شہید ہوئے ہیں تو اس وقت مسلمان خود اپنی اپنی جان بچانے کی خاطر پہاڑوں کے طرف فرار کرگئے۔ کسی کو نہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر تھی نہ حضرت حمزہؑ کی جانب توجہ۔ انھیں تنہا اور مردہ پاکر ہند نے دستور دیا کہ ان کا شکم پارہ کر کے ان کا جگر نکال لو اور لاش کو کچل دو۔ اور ان کے ہاتھ پاؤں ناک، کان اور دوسرے اعضاء کاٹ کر انھیں مثلہ کردو، دشمن کی فوج نے یہ سب کچھ کیا۔ اور اس طرح اس نے اپنے باپ اور بیٹے کا بدلہ اس مظلوم شہید سے لے لیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام برسرپیکار تھے انھیں اس ظلم کی خبر نہ تھی۔ (۱)

---

(۱) ارشاد مفید، ج ۱، ص ۸۳؛ تفسیر علی ابن ابراہیم قمی، ج ۱، ص ۱۱۶؛ بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۵۵۔

علی بن ابراہیم قمی کہتے ہیں: ہند نے حضرت حمزہؓ کے جگر کو چبانا چاہا، چونکہ خدا نے انسان کے جگر کو چاندی کی طرح سخت بنایا ہے اس لئے وہ اسے چبا نہ سکی اور منھ سے اگلنے پر مجبور ہوگئی اس کے بعد اسے "آکلۃ الاکباد" ہند جگر خوار کہا جانے لگا۔(۱)

پیغمبر اسلامؐ جناب حمزہؓ کی لاش پر

جب جنگ کی آگ بجھ گئی اور دشمن مکہ کی جانب لوٹ گئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک ایک صحابی کا حال دریافت کیا، پوچھتے پوچھتے جب جناب حمزہؓ کے بارے میں دریافت کیا کہ میرے چچا حمزہؓ کی خبر ہے؟ تو حرث بن سمیہ نے کہا: حضورؐ میں ان کی قتل گاہ سے واقف ہوں کہا جاؤ اور ان کی خبر لاؤ حرث حضرت حمزہؓ کی لاش پر آئے اور جونہی حضرت حمزہؓ کی مثلہ شدہ لاش کو دیکھا تو ان کی ہمت نہ ہوئی کہ رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جا کر اس کی اطلاع دیں۔ جب بہت دیر تک حرث کوئی خبر لے کر نہیں آئے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا اے علی علیہ السلام! آپ جایئے ذرا میرے چچا کی خبر لایئے۔ حضرت علی علیہ السلام بھی حضرت حمزہؓ کی لاش پر آئے اور جب ان کی پارہ پارہ لاش دیکھی تو ان کی بھی ہمت نہ ہو سکی کہ ایسی دردناک خبر رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیں۔ جب حضرت علی علیہ السلام کو بھی آنے میں دیر ہوگئی تو خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ڈھونڈتے ڈھونڈتے حضرت حمزہؓ کی لاش پر پہنچے آپ نے جیسے ہی اپنے چچا کا پارہ بدن اور کٹے ہوئے اعضاء دیکھے تو بے ساختہ رونے لگے اور کہا: مجھے یاد نہیں کہ اس سے زیادہ سخت مرحلہ میرے لئے پیش آیا ہو اور بھلا اس مصیبت سے بڑھ کر میرے لئے کونسی مصیبت ہوگی۔ پھر آپ نے حضرت حمزہؓ کی لاش کو خطاب کر کے کہا: خدا آپ پر رحمت نازل کرے کہ آپ ہمیشہ نیکیوں میں مصروف اور صلہ رحم انجام دیتے رہے۔

اس دن حضرت حمزہؓ کی لاش پر آپ نے اس قدر گریہ کیا کہ نڈھال ہوگئے پھر آپ نے

(۱) تفسیر علی ابن ابراہیم قمی، ج۱، ص۱۱۶؛ بحار الانوار، ج۲۰، ص۵۵۔

حضرت حمزہؑ کی لاش کو خطاب کر کے کہا: اے چچا اے شیر خدا، اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شیر اے حمزہؑ اے نیکیاں بجالانے والے، اے رسول کے غم کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے سے دور کرنے والے اگر میں قریش پر غالب آجاؤں تو آپ کی جان کے بدلے میں ان کے ستر افراد کی جان لوں گا۔ اور ان کے ناک اور کان کٹواؤں گا۔ یہ سن کر مسلمانوں نے بھی کہا: ہم بھی انھیں ایسے مثلہ کریں گے کہ آج تک کسی نے نہ کیا ہو۔

جیسے ہی رسول کی بات تمام ہوئی وحی نازل ہوئی ﴿ **وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبر تم لهو خير للصابرين** ﴾(۱)

اور اگر بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی کہ تم پر سختی کی گئی تھی، اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لئے یہ ہی اچھا ہے۔

اس آیت کے نازل ہوتے ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا خدایا میں انتقام نہ لوں گا اور اس مصیبت پر صبر کروں گا۔ پھر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لباس اتار اور حضرت حمزہؑ کے بدن پر ڈالدیا۔(۲)

جب جناب حمزہؑ کی شہادت ہوئی تو اس وقت ان کا سن ۵۹ رسال کا تھا اور ہجرت کو اس وقت ۳۲ رمہینے گزر چکے تھے۔

بھائی کی لاش پر بہن کی حاضری

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب حمزہؑ کی لاش کے پاس کھڑے تھے کہ انھیں کسی کے آنے کی آہٹ

(۱) نحل ۱۶:۱۲۶۔

(۲) سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۲۰۷؛ سیرہ ابن ہشام، ج ۳، ص ۱۰۱ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۵۷؛ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۵۸۳؛ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۰؛ تفسیر قمی، ج ۱، ص ۱۲۳؛ اعیان شیعہ، ج ۲، ص ۱۲۳۔

محسوس ہوئی پلٹ کر دیکھا کہ حضرت حمزہؓ کی بہن اور آپؐ کی پھوپھی جناب صفیہ تھیں جو بھائی کے دیدار کے لئے آ رہی تھیں۔ آپؐ نے جناب صفیہ کے بیٹے زبیر سے کہا جاؤ! اپنی ماں سے کہو کہ بھائی کی لاش کا ایسی حالت میں دیدار نہ کریں۔ زبیر گئے اور اپنی مادر گرامی تک رسولؐ کا پیغام پہنچایا۔ صفیہ نے تڑپ کر کہا بھلا مجھے کیوں بھائی کے دیدار سے روکا جا رہا ہے کیا آپ اس لئے مجھے روک رہے ہیں کہ ان کی لاش مثلہ کر دی گئی؟ یہ خبر میں نے سن لی ہے اور میری نظر میں یہ قربانی راہ خدا میں بہت چھوٹی ہے اور اس ظلم کا حساب خدا کے ہاتھ میں ہے۔ پیغمبرؐ نے جب صفیہ کے ایمان کی بلندی اور قوت صبر کو دیکھا تو فرمایا کہ آیئے اور اپنے بھائی کا دیدار کیجئے۔ جب وہ قریب آئیں تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفیہ کے دل پر ہاتھ رکھ کر دعا پڑھی جیسے ہی صفیہ نے بھائی کے جسم نازنین کو پارہ پارہ دیکھا بالآخر بہن ہی تھیں کتنا صبر کرتی زار و قطار رونے لگیں اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی صفیہ کو گریہ کناں دیکھتے تو خود بھی رو پڑتے تھے۔ (۱)

حضرت حمزہؓ کی نماز جنازہ اور تدفین

اختتام جنگ کے بعد فوراً شہداء کی نماز جنازہ اور دفن کا اہتمام کیا گیا اس روز آپؐ نے جناب حمزہؓ پر ستر مرتبہ نماز جنازہ پڑھی۔ (۲) ہر شہید کی لاش کے ساتھ ان کی لاش کو رکھتے پھر دونوں پر نماز پڑھتے۔ اس طرح آپ نے ستر لاشوں پر نماز پڑھی۔

حضرت علی علیہ السلام اپنے ایک خطبہ میں فرماتے ہیں: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حمزہؓ پر ستر تکبیریں کہیں"۔ (۳)

---

(۱) سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۵۳۵؛ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۵۷؛ سیرہ ابن ہشام، ج ۳، ص ۱۰۲۔

(۲) تفسیر علی بن ابراہیم قمی، ج ۱، ص ۱۲۳؛ بحار الانوار، ج ۲۲، ص ۲۸۱ و ۲۶، ص ۲۵۴۔

(۳) نہج البلاغہ، ج ۱، ص ۲۸۔

ثقۃ الاسلام مرحوم کلینی امام باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب حمزہؑ کے جنازہ پر ستر بار نماز جنازہ پڑھی۔(۱)

جب نماز جنازہ کے بعد دفن کرنے لگے تو آپؐ نے دستور دیا کہ تمام شہداء کو بغیر غسل وکفن کے دفن کیا جائے اور ہر قبر میں دو تین افراد کو ایک ساتھ دفن کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا کہ جو افراد دنیا میں ایک دوسرے کے بہت قریب تھے وہ قبر میں بھی باہم دفن کئے جائیں۔اسی لئے عمرو بن جموح اور عبداللہ کو باہمی الفت ومحبت کی وجہ سے ساتھ دفن کیا گیا اور یہی حال حمزہؑ اور عبداللہ بن جحش کا تھا اس لئے وہ بھی باہم دفن کئے گئے اس کے علاوہ جناب حمزہؑ رشتہ میں عبداللہ بن جحش کے ماموں لگتے تھے کیونکہ عبداللہ کی ماں امیمہ جناب عبدالمطلبؑ کی بیٹی تھیں۔

جابر بن عبداللہ بن انصاری کہتے ہیں: کہ جس وقت معاویہ نے احد میں کنواں بنانے کے لئے زمین کھدوانے کا کام شروع کیا تو اس کھدائی میں شہداء احد کی قبریں شگافتہ ہوگئیں اور ان کی لاشیں نظر آنے لگی تھیں۔لوگوں نے کہا: دیکھا گیا کہ چالیس سال کے بعد بھی ان کی لاشیں تروتازہ ہیں اور اس حد تک تازہ ہیں کہ ان کے اعضائے بدن کو کھولا اور موڑا جاسکتا ہے اسی کھدائی کے دوران کسی مزدور کی کدال جناب حمزہؑ کے پیر پر پڑی تو دیکھا کہ ان کے پیر سے خون فوارہ کی طرح بہنے لگا، شہدائے احد کی اس عظمت و مقام کو دیکھتے ہوئے اور جناب حمزہؑ کی یاد میں لوگ زار قطار رونے لگے۔چالیس سال کے بعد یہ دوسرا موقع تھا کہ شہداء احد پر گریہ کیا گیا۔(۲)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جناب حمزہؑ کی عزاداری

جب شہدائے احد کو دفن کر کے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ واپس آئے، تو کیا دیکھتے ہیں کہ انصار

(۱) کافی، ج ا،ص ۵۱۔

(۲) طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۱۔

کے جس گھر کے پاس سے گزرتے، وہاں سے گریہ وماتم کی صدا آتی۔ اہل مدینہ کا شہیدوں کے لئے یہ سوگ دیکھ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے آپؐ نے فرمایا سب اپنے مقتولین پر گریہ کناں ہیں کوئی نہیں ہے جو میرے چچا حضرت حمزہؑ پر روئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ دردناک جملے جب انصار کے کانوں میں پہنچے، خصوصا جب سعد بن معاذ اور امیہ بن حضیر نے یہ بات سنی تو انصار کی عورتوں سے کہا تم پہلے حضرت حمزہؑ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر جا کر انھیں جناب حمزہؑ کا پرسہ دو اور ان کی مظلومیت کو یاد کر کے گریہ کرو! جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز مغرب کے بعد گھر واپس آئے تو جناب حمزہؑ کے گھر سے گریہ کی آواز سنیں پوچھا یہ کون ہے اور یہاں کیوں گریہ کر رہا ہے؟ کہا حضورؐ یہ انصار کی عورتیں ہیں جو مظلوم حمزہؑ پر رو رہی ہیں۔ آپؐ نے یہ سنا تو ان کے حق میں دعا کرتے ہوئے فرمایا: خدایا! ان خواتین اور ان کی اولاد کو خوش و آباد رکھے۔ چونکہ حضرت بہت زیادہ تھکے ہوئے تھے یہ کہہ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استراحت کے لئے گھر گئے اور جب نماز عشا کے لئے گھر سے نکلے تو آپؐ نے دیکھا کہ ابھی تک جناب حمزہؑ کے گھر سے رونے کی آواز آرہی ہے آپؐ حمزہؑ کے گھر گئے اور ان عورتوں سے کہا کہ خدا تم پر رحمت نازل کرے کہ تم نے حمزہؑ کا سوگ منایا تم ان پر بہت رو چکی ہو اب اپنے اپنے گھر لوٹ جاؤ یقیناً تم نے ہم سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ خدا انصار کی عاقبت بخیر کرے کہ انھوں نے ہمیشہ مجھ سے ہمدردی روا رکھی۔ آج تک رسم ہے کہ عورتیں اپنے مردہ پر رونے سے پہلے حضرت حمزہ پر گریہ کرتی ہیں۔(۱)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہؑ حضرت جعفرؑ اور تمام اہل بیت علیہم السلام کے حق میں فرمایا: "نحن بنو عبد المطلب سادة اهل الجنة، رسول الله و حمزه سيد الشهداء و جعفر ذوالجناحين وعلی و فاطمة والحسن والحسين والمهدی علیہم السلام"۔ ہم فرزندان عبد المطلبؑ، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حمزہ سید الشہداء، جعفر طیارؑ، ذوالجناحین، علیؑ، فاطمہ، وحسن وحسین و

---

(۱) طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۱۔

مہدی علیہ السلام سرداران و بزرگان جنت ہیں۔(۱)

زیارت جناب حمزہؑ کا مستحب ہونا

کئی روایات اس سلسلے میں آئی ہیں کہ جناب حمزہؑ کی زیارت کرنا مستحب ہے۔ ان روایتوں میں تمام مسلمانوں کو دستور دیا گیا کہ جو کوئی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لئے مدینہ جائے تو وہ ضرور شہدائے احد بالخصوص حضرت حمزہؑ کی زیارت کرے۔ حدیث میں آیا کہ: حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہر ہفتہ کی صبح شہداء احد کی زیارت کو جاتیں تھیں اور جناب حمزہؑ کی قبر پر پہنچ کر ان کی مغفرت کی دعا مانگتی تھیں۔(۲)

فخر المحققین روایت کرتے ہیں: کہ حضرت حمزہؑ اور تمام شہدائے احد کی زیارت مستحب ہے اس لئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: جو میری زیارت کرے اور میرے چچا حمزہؑ کی زیارت کو نہ جائے اس نے مجھ پر جفا کی ہے۔

محمود بن لبید نقل کرتے ہیں کہ رحلت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا شہدائے احد کے مزار، بالخصوص حضرت حمزہؑ کی قبر پر آ کر گریہ کرتی تھیں ایک دن میں بھی زیارت ہی کی غرض سے شہدائے احد کے مزار پر گیا تو وہاں دیکھا کہ دختر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصروف گریہ ہیں، میں نے تھوڑی دیر کھڑا رہا تو آپ تھوڑا خاموش ہوئیں۔ میں نے کہا: بی بی آپؑ کے گریہ سے دل پھٹ گیا حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا: کیوں نہ روؤں کہ میں نے بہترین باپ کھو دیا۔ آہ! تمہیں کیسے بتاؤں کہ میں کس قدر دیدار پیغمبر کی مشتاق ہوں:

اذا مات یوما میت قل ذکرہ وذکر ابی مذ مات واللہ اکثر

(۱) بحار الانوار، ج ۲۲، ص ۲۷۵۔

(۲) بحار الانوار، ج ۱۰۲، ص ۳۰۰۔

جو بھی کوئی دنیا سے جاتا ہے رفتہ رفتہ اس کی یاد کم ہو جاتی ہے لیکن جب سے میرے بابا اس دنیا سے گئے ہیں خدا کی قسم وہ بہت زیادہ یاد آتے ہیں۔

جنگ احد کا اختتام

مورخین کا کہنا ہے کہ جنگ احد میں مسلمانوں نے ستر شہید دیئے ہیں اور ایک نقل کے مطابق ستر سے زیادہ شہید ہوئے ہیں۔ کتاب کے اس حصہ کے آخر میں مناسب ہے کہ شہدائے احد کے بوڑھے اور نوجوان، ان دو شہیدوں کا تذکرہ بھی ہو جائے کہ جنھوں نے کمال اخلاص کے ساتھ اسلام اور قرآن کی خاطر اپنی جانیں نچھاور کر دیں۔ اب جب تک تاریخ اسلام لکھی جائے گی ان کا ذکر بھی ضرور آئے گا۔ ان گرانقدر شہیدوں میں ایک عمرو بن جموح دوسرے حنظلہ، غسیل الملائکہ ہیں۔

ا۔ عمرو بن جموع:

کافی بوڑھے اور سن رسیدہ تھے ان کی کمر خمیدہ اور ایک پاؤں میں لنگ تھا، لیکن کبھی بھی جسمانی عیب کسب فضیلت میں حائل نہیں ہوتا، اس لئے جہاد کے فریضہ کی انجام دہی میں کسی کو جسمانی عیب کی وجہ سے منع نہیں کیا گیا۔ اگر چہ بعض کے جسمی ضعف کا لحاظ کرتے ہوئے جہاد کا وجوب اٹھالیا گیا لیکن اگر کوئی پھر بھی شرکت کرنا چاہتا ہے تو اسے منع نہیں کیا گیا قرآن مجید میں آیا ہے: ﴿لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ط﴾ اندھے پر کوئی گناہ نہیں ہے، لنگڑے پر کوئی گناہ نہیں ہے، مریض پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ (۱) اس نورانی سن رسیدہ شخص پر جہاد واجب نہ تھا لیکن وہ جہاد اور شہادت کے بہت مشتاق تھے جبکہ اسی جنگ میں ان کے چار

(۱) فتح ۴۸: ۱۷۔

فرزند اور بھی شریک تھے اسی لئے اولاد اور زوجہ انھیں جہاد سے روک رہی تھی کہ آپ کا سن اب لڑنے کا نہیں ہے اور اس کے علاوہ آپ کی یہ آرزو آپ کی اولاد پوری کر رہی ہے۔ لیکن وہ کسی کی نہ سنتے وہ اپنی زبان کے پکے تھے اور بار بار جنگ میں شرکت سے منع کئے جانے کے باوجود اسی بات کا اصرار کرتے رہے اور سپاہیان اسلام میں شامل ہونے پر بضد تھے۔ بالآخر ان سے رہا نہ گیا خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں شہادت کا متمنی ہوں اور اس کے ذریعہ بہشت کی جانب پرواز کرنا چاہتا ہوں مگر میرے گھر والے مجھے مسلسل جہاد میں شرکت کرنے سے روک رہے ہیں''۔ پیغمبر اسلامؐ نے کہا: ''ٹھیک تو ہے تم پر سے یہ تکلیف ساقط ہے لیکن وہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اصرار کرنے لگے تب آپؐ نے اہل خانہ سے ارشاد فرما کہ انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں جنگ کی اجازت دیدی وہ بڑے خوش ہوئے اور جب لشکر اسلام کے ساتھ احد میں پہنچے اور میدان کارزار گرم ہوا تو اسلام و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں کو نابود کرنے کے لئے انھوں نے بڑھ بڑھ کر حملے کئے اور سرانجام اس جنگ میں شہید ہو کر جام شہادت نوش کیا ان کے علاوہ ان کا ایک بیٹا بھی اسی جنگ میں شہید ہوا۔

۲۔ حنظلہ غسیل الملائکہ:

۲۰؍ سالہ یہ جوان حمایت اسلام اور رسولؐ میں لڑنے کا بیحد مشتاق تھا۔ جس دن جنگ احد کے لئے مدینہ سے نکلنا تھا اس سے پہلی رات اس کی شادی ہوئی تھی وہ رسول خداؐ کے پاس آیا اور آ کر کہا حضور آج میری شادی ہے اور کل جنگ! کیا مجھے شادی اور شب زفاف منانے کی اجازت ہے؟ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمائی، خوشی خوشی گھر جا کر شادی کا لباس زیب تن کیا اور شادی ہوئی رات آئی اس نے شب زفاف منائی اس رات حنظلہ کی زوجہ نے خواب دیکھا کہ آسمان شق ہوا

اور اس کا شوہر حنظلہ آسمان میں چلا گیا۔ پھر آسمان دوبارہ بند ہوگیا یہ بڑی بے چین ہوئی آج شادی کی رات ہے اور کل اس کا شوہر جنگ کے لئے جارہا ہے اور جنگ پر جانے سے پہلے اس خواب کا آنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میرا اور حنظلہ کا ساتھ اسی شب کا ہے اور ہماری جدائی یقینی ہے، یہ سوچتے ہی اس کا دل بیٹھ گیا۔ جب صبح ہوئی تو دیکھا حنظلہ بہت خوش ہیں اور جنگ میں شرکت کے لئے بے تابی کررہے ہیں، کہا میرے سرتاج اگر آپ کو جنگ پر جانے کا اتنا ہی اصرار ہے تو میں منع نہیں کرتی لیکن خدانخواستہ اگر اس جنگ سے واپس نہیں آئے اور میں آپ کی طرف سے صاحب اولاد ہوگئی تو کل یہی لوگ مجھ پر بدچلن ہونے کا الزام لگائیں گے، اس لئے بہتر ہے کہ جو چار افراد کسی عذر کی وجہ سے مدینہ میں رہ گئے ہیں انھیں گواہ بنا کر جایئے۔ حنظلہ نے بیوی کی بات مان کر ان چار افراد کو اپنی شادی پر گواہ بنایا وہ جہاد کے شوق میں جنگ کے لئے روانہ ہوگئے لشکر مخالف میں حنظلہ کا باپ ابو عامر بھی موجود تھا لیکن یہ جوان اس قدر باایمان تھا کہ اسلام کی خاطر اپنے باپ کے مقابل لڑنے کے لئے تیار ہوگیا۔ اس بیچ حنظلہ کی نظر ابوسفیان پر پڑی جو دوساتھیوں کے ساتھ گھوڑے سواری میں مشغول تھا انھوں نے جیسے ہی اسے دیکھا اس پر تلوار پھینک کر مردانہ وار حملہ کیا لیکن تلوار گھوڑے کی پشت پر لگی ابوسفیان خوف کے مارے چیخ اٹھا اور گھوڑے سے گر پڑا، اس کی فریاد سن کر دوسرے سپاہی بھی آگئے اور حنظلہ پر حملہ آور ہوئے لیکن ابوسفیان فرار ہوگیا تھا۔ حنظلہ نے سب سے مقابلہ کیا سرانجام ایک نیزہ دار نے حنظلہ کو نشانہ بنایا نیزہ حنظلہ کے بدن میں پیوست ہوگیا اس زخمی حالت کے باوجود حنظلہ نے صاحب نیزہ کا پیچھا کیا اور اسے ہلاک کردیا پھر خود بھی زمین پر گر پڑے اور جان دیدی۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا: میں نے خود مشاہدہ کیا کہ فرشتہ انھیں غسل دے رہے ہیں اسی بنیاد پر حنظلہ کو غسیل الملائکہ کہا جاتا ہے۔

جنگ خندق

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :

" قتل علی لعمر وبن عبد ود افضل من عبادۃ الثقلین "

عمرو بن عبدود کا حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہو جانا جن وانس کی عبادت سے افضل ہے۔(۱)

جنگ خندق کو جنگ احزاب بھی کہا جاتا ہے یہ جنگ غزوہ بنی نضیر کے بعد ماہ شوال ۵ھ میں واقع ہوئی۔ یہ جنگ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے ایسی جنگ تھی کہ جس میں سارے اسلام دشمن گروہ چاہے وہ عرب ہوں یا مشرک و یہود سب اکٹھا ہو کر اسلام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور اسلام کی نابودی کی خاطر بہت بڑے لشکر کو لیکر عازم مدینہ ہوئے، تقریبا ایک مہینے تک انھوں نے مدینہ کو اپنے محاصرہ میں لے رکھا تھا لیکن مسلمانوں نے بھی دشمن کے تجاوز اور آگے بڑھنے سے بچنے کے لئے خندق کھود رکھی تھی اس لئے اس جنگ کو جنگ خندق کہتے ہیں۔

دشمن کی آخری کوشش

جنگ احزاب اسلام کو ختم کرنے لئے دشمنوں کی آخری بھرپور کوشش تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب

(۱) سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۶۴۲۔

عرب کا مشہور جنگجو عمرو بن عبدود اسلام کے عظیم مجاہد حضرت علی علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے میدان میں آیا اور ادھر سے حضرت علی علیہ السلام اس کا مقابلہ کرنے لئے روانہ ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

" برز الایمان کله الی الشرک کله " (۱) کل ایمان کل کفر وشرک کے مقابلہ کے لئے جارہا ہے۔

یہ جنگ کفر و اسلام کی درمیان لڑی جانے والی سب سے حساس اور اہم جنگ تھی اس جنگ میں قریش کے مکمل ختم ہونے اور مکمل شکست تاریخ میں ثبت ہوتی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ جنگ کے خاتمہ پر رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

" الان نغزوهم ولا یغزوننا " اب ہم ان کے ساتھ جنگ کریں گے۔ ان لوگوں میں ہمارے ساتھ لڑنے کی طاقت باقی نہیں رہی۔ (۲)

اسلام کی نابودی کے لئے کفر وشرک کا گٹھ جوڑ

جنگ احزاب کے اسباب میں سب سے پہلے خود قریش اور مکہ کے کفار ہی جو ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں پر توڑنے اور ان پر لشکر کشی کرنے کے بہانے تلاش کرتے تھے تاکہ اسلام کا یہ پودا جوان ہونے سے پہلے ہی اکھاڑ دیا جائے اور دوسرا عامل قبیلہ بنی نضیر کے یہودی تھے کہ جنھوں نے فتنہ برپا کیا اور کفار مکہ کو مسلمانوں سے جنگ کے لئے بھڑکایا اور ان سے بھرپور مدد کا وعدہ کیا۔ بنی نضیر وہ یہودی تھے جو مدینہ ہی کے نزدیک ساکن تھے اور مسلمانوں سے دوستی اور عدم تجاوز کا عہد و پیمان کیا تھا لیکن بنی نضیر کے یہودی اپنے اس عہد و پیمان کو توڑ کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کی سازش کرنے لگے، لیکن

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۹، ص ۶۱؛ بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۲۱۵۔

(۲) کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۷۲۔

ان کا نقشہ عملی ہونے سے پہلے ہی جبرئیل امین نے باذن اللہ، رسول خدا ﷺ کو اس سازش سے آگاہ کر دیا تھا۔ اس طرح ان کا نقشہ فیل کر دیا۔

اس حادثہ کے بعد رسول خدا ﷺ نے بنی نضیر کی اس سازش کو نقض عہد و پیمان جان کر انھیں پیغام بھیجا کہ وہ دس دن کے اندر مدینہ چھوڑ دیں یا جنگ کے لئے آمادہ ہو جائیں۔ بنی نضیر ک مشہور منافق عبداللہ ابی کے وعدہ پر مذکورہ مہلت سے ۲۰/دن زیادہ مدینہ میں ڈٹے رہے، لیکن جب مقاومت میں خود کو کمزور پایا تو مدینہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور مدینہ سے چند فرسخ دور خیبر نامی مقام پر چلے گئے۔

اس حادثہ کے بعد بنی نضیر اسلام دشمنی اور بے سروسامانی کی ذلت کی آگ میں جل رہے تھے اور مسلمانوں سے اس کا انتقام لینا چاہتے تھے اسی لئے قبیلہ کے چند بزرگ جیسے سلام ابی الحقیق اور حیی بن اخطب اور دوسرے افراد مختصر سے گروہ کی شکل میں مکہ روانہ ہوئے اور سرداران قریش کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے اکسانے لگے اور ان سے وعدہ کیا کہ وہ ان کی حمایت کریں گے اور آخری دم تک ان کے رکاب میں لڑیں گے۔ وہ مشرکین مکہ کو جنگ کے لئے آمادہ کرنے کے بعد یہ لوگ قبیلہ غلطان کو (جو کہ یہودیوں کا قبیلہ تھا اور اسلام کا سخت دشمن تھا) جنگ کے لئے آمادہ کرنے کے لئے گئے وہ اس شرط پر کہ اگر کامیاب ہو گئے تو خیبر کی ایک سال کی آمدنی ہمیں دینا ہوگی فوراً تیار ہو گئے۔ ان کی شرط مان لی لیکن بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی بلکہ قریش نے اپنے ہم پیمان قبیلہ بنی سلیم کو اور غطفان نے قبیلہ بنی اسد کو نامہ لکھا اور انھیں اس جنگ میں شرکت کی دعوت دی چونکہ یہ بھی مشرک تھے اس لئے فوراً تعاون کے لئے راضی ہو گئے۔

کفار اور مشرکین و یہودی، اسلام کو اپنے لئے خطرہ محسوس کرتے تھے اور مسلمانوں سے بارہا شکست کھا چکے تھے اس لئے جدا جدا لڑنے کے بجائے انھوں نے اسلام کے خلاف آپس میں تال میل کیا اور دس ہزار افراد کا لشکر بنا کر ابوسفیان کی سرداری میں مدینہ کی جانب چل پڑے تا کہ اسلام کو

نابود اور آنحضرت صلى الله عليه وآله وسلم ومسلمانوں کا قتل عام کر کے ان کے گھروں کو لوٹ کر ان کی عورتوں کو اسیر بنا سکیں ۔(۱) لیکن خداوند کریم کو کچھ اور ہی منظور تھا اسی لئے یہ سارے گروہ شکست کھا گئے اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور اسی کے ساتھ کفر و بت پرستی کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا۔

دشمن کی سازش سے پیغمبر صلى الله عليه وآله وسلم کی آگاہی اور خندق کھودنا

رسول خدا صلى الله عليه وآله وسلم مدینہ کی ہجرت اور اسلامی حکومت کے قیام کے بعد کچھ چنیدہ افراد کو دشمن کی چال سے آگاہی کی خاطر بے خبر علاقوں میں بھیجا کرتے تھے دشمن، رسول صلى الله عليه وآله وسلم کی اس حکمت عملی سے بے خبر تھے اور دشمن یہ سمجھتے تھے کہ رسول صلى الله عليه وآله وسلم اور مسلمان ان کی سازشوں سے ناواقف ہیں یہی حال جنگ احزاب کے لشکر کا تھا جب وہ مدینہ کی جانب نکلے تو ان کا یہ گمان تھا کہ رسول خدا صلى الله عليه وآله وسلم اس عظیم لشکر کی آمد سے بے خبر ہیں اور وہ یہ سوچ سوچ کر پھولے نہیں سماتے تھے کہ مسلمان اچانک اتنے بڑے لشکر کو اپنے مقابل میں دیکھ کر گھبرا جائیں گے اور پہلے سے کوئی تیاری نہ ہونے کی وجہ سے ہار جائیں گے، لیکن انھیں کیا معلوم تھا کہ یہاں رسول صلى الله عليه وآله وسلم قبیلہ خزاعہ کے ایک گروہ کے ذریعہ چار دن بعد باخبر ہو گئے تھے۔(۲) خیر جیسے ہی خبر مسلمانوں نے سنی تو وحشت زدہ اور پریشان ہو گئے اور یہ افواہ اڑنے لگی کہ جب اسلامی فوج جنگ احد میں تین ہزار سپاہیوں سے نہ جیت سکی تو وہ دس ہزار کے لشکر سے کیا مقابلہ کرے گی۔ رسول خدا صلى الله عليه وآله وسلم نے ان افواہوں کی پروا کئے بغیر، نہایت درجہ حکمت عملی اور قدرت و شہامت کے ساتھ دشمن سے مقابلہ کی تدبیر میں مشغول ہو گئے اور فوراً ہی اسلام کے کمانڈروں اور دیگر بزرگوں کو مشورے کے لئے بلایا اور ایک دفاعی کمیٹی تشکیل دی۔ تاکہ

---

(۱) کامل ابن اثیر، ج۱، ص ۵۶۷؛ تاریخ طبری، ج۲، ص ۲۳۳؛ کشف الغمہ، ج۱، ص ۲۶۷؛ بحار الانوار، ج۲۰، ص ۱۸۷۔

(۲) سیرہ حلبی، ج۲، ص ۶۳۱۔

جنگ احد کے تلخ تجربات کی مدد سے دشمن سے مقابلہ کا صحیح طریقہ کار ڈھونڈا جائے۔ اس دفاعی کمیٹی اور شوریٰ کی گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا۔

آخر کار اس شوریٰ اور دفاعی کمیٹی میں سارے کمانڈروں نے متفقہ طور یہ رائے دی کہ شہر کے اندر سے دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تجویز اور مشورہ کو پسند فرمایا لیکن دشمن سے مقابلہ کے لئے یہ کافی نہ تھا چونکہ سپاہ عرب کے اس ابلتے سیلاب کے آگے، مدینہ کو تباہی سے بچانا بہت مشکل کام تھا۔

اس لئے ضروری تھا کہ حفاظتی تدابیر اور طریق کار پر غور کیا جائے اور کوئی مناسب راہ نکالی جائے اس بیچ جناب سلمان فارسی کا وجود مفید ثابت ہوا۔ وہ چونکہ ایرانی فنون جنگ سے پوری طرح آگاہ تھے انھوں نے مشورہ دیا کہ دشمن کے ہجومی حملوں کو روکنے کے لئے ہمیں شہر کے اطراف میں بڑے بڑے خندق کھودنا چاہیئے۔ یہ دفاعی طریقہ عربوں کیلئے نیا تھا۔ سب نے سلمان کے اس مشورہ کو سراہا اس لئے کہ یہ جنگی اصول کے عین مطابق تھا اور مسلمانوں میں اس مشورہ سے نئی جان آگئی اور جوش جہاد بڑھنے لگا اس کے بعد سے عربوں میں خندق کھودنے کی بنیاد پڑی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس پیشنہاد کو قبول کیا۔

چونکہ سلمان فارسی کا یہ جنگی داؤ بہت ہی عمدہ اور دلچسپ تھا اور وہ ایک طاقتور شخص تھے اس لئے جب خندق کھودنے کے لئے افراد کو مہاجرین و انصار کے درمیان تقسیم کیا جارہا تھا تو ہر گروہ سلمان کو اپنے ساتھ رکھنا چاہ رہا تھا مہاجرین کہہ رہے تھے کہ سلمان ہمارے ہیں اور انصار کہتے تھے کہ سلمان ہمارے ہیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جھگڑے کو یہ کہہ کر ختم کردیا کہ **"سلمان منا، سلمان من اهل البیت"** سلمان ہمارے اور ہمارے اہل بیت علیہم السلام میں سے ہیں۔ (۱)

---

(۱) کامل ابن اثیر، ج۱، ص ۵۶۹؛ تاریخ طبری، ج۲، ص ۲۳۵؛ بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۱۹۸۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگرانی میں خندق کی کھدائی

چونکہ خندق کی کھدائی کا مسئلہ بہت زیادہ اہمیت کا حامل تھا اس لئے آپؐ نے بنفس نفیس اس کام کو اپنی نگرانی میں انجام دیا اور چند افراد کو ساتھ لیکر احد سے لے کر (راتج) تک خندق کی کھدائی کی جگہیں معین کیں اور کام میں نظم و سرعت لانے کے لئے ہر دس دس آدمیوں پر چالیس چالیس گز زمین تقسیم کردی اور سب سے پہلے آپ ہی نے گدال (پھاوڑا) لے کر کام شروع کیا پھر سب نے آپ کی پیروی کی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین کھودتے اور حضرت علی علیہ السلام مٹی کو باہر پھینکتے تھے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی مبارک سے پسینہ بہہ رہا تھا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس کام سے مسلمانوں کو سمجھا دیا کہ سردار لشکر کو اپنے فوجیوں کے ہر غم میں شریک رہنا چاہیے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی مسلمان اپنا کام بڑی ہی خوشی اور پھرتی سے انجام دے رہے تھے یہی نہیں بلکہ قبیلہ بنی قریضہ کے یہودی جو مسلمانوں سے ہم پیمان تھے مسلمانوں کی مدد کرر ہے تھے یہاں تک کہ انھوں نے اپنے آلات واوزار مسلمانوں کو لا کر دے دیئے سرانجام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکمت عملی اور نظارت میں مسلمانوں نے مدینہ کے اطراف جہاں جہاں سے دشمن کے ہجومی حملہ کا احتمال تھا وہاں وہاں خندق کھودی گئی۔

خندق کی امتیازی خصوصیات

بظاہر خندق کی خصوصیات اور مشخصات کی بحث کا کوئی فائدہ نہیں ہے، لیکن اس کی آشنائی سے ہمیں اس زمانہ کے حالات وامکانات اور صدر اسلام کے مسلمانوں کے ایمان کی بلندی اور وفاداری کا پتہ چلتا ہے۔ صدر اسلام کے مسلمانوں کی جرأت و ہمت کی داد دینی چاہیئے کہ اس زمانے کے محدود وسائل وامکانات اور بھوک اور پیاس کے عالم میں اتنا مشکل کام انجام دیا۔

منقول ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ایک طرف تو خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کئی دن کے بھوکے

پیاسے خندق کھودنے میں مسلمانوں کی مدد کی خاطر پیٹ پر پتھر باندھ کر کام کرتے تھے اور دوسری طرف اس پتھریلی زمین میں بڑے بڑے پتھروں کی وجہ سے یہ کام دشوار ہو جاتا تھا ایسے وقت رسول خدا ﷺ کو مدد کے لئے بلاتے اور آپ محکم ضربوں سے ان پتھروکو توڑنے میں ان کی مدد کرتے تھے۔(۱)

جبکہ اسلامی لشکر کے دلوں میں دشمن کی فوج کا رعب وحشت بھی دامنگیر تھا یہ سب ان کے مضبوط ایمان اور اسلام سے والہانہ محبت اور اشتیاق شہادت سے کی دلیلیں ہیں۔

دشمن کے توسط سے مدینہ کا محاصرہ

قریش اور اس کے ہم پیمان گروہ کا خیال تھا کہ ہمارے لشکر کے آگے مدینہ کی شکست تو یقینی اور یہ کام بہت ہی کم مدت میں ہو جائے گا اس کے بعد مسلمانوں کا قتل عام کر کے ان کے غنائم کو لوٹ لیں گے۔ مسلمانوں کا وہ کمزور سا لشکر میدان احد میں جنگ کے لئے موجود ہو گا لیکن جب وہ وہاں پہنچے تو اسلامی فوج کا نام ونشان بھی نہ تھا وہ آگے بڑھتے رہے، جیسے ہی شہر کے نزدیک پہنچے تو خندقوں کو دیکھ کر حیرت کی انتہا نہ رہی اور تعجب سے (اور ان کے سارے منصوبوں پر پانی پھر گیا وہ سمجھتے تھے کہ مختصر سی مدت میں لشکر اسلام کو شکست دیں گے لیکن یہاں ماجرا کچھ اور ہی تھا) سب نے کہا خدا کی قسم یہ ایسی چال ہے جو اب تک عرب نے نہ چلی تھی۔(۲) خندق کے کھودے جانے سے ان کے منصوبوں پر پانی پھر گیا پھر بھی انھوں نے مدینہ کو اپنے محاصرہ میں لے لیا۔

---

(۱) بحار الانوار، ج۲۰،ص۲۱۹۔

(۲) ارشاد مفید، ج۱،ص۹۷؛ بحار الانوار، ج۲۰،ص۲۵۳۔

اسلامی فوج اور لشکر کفار کی تعداد

لشکر قریش نے یہودیوں کے مختلف قبیلوں اور اپنے ہم پیمان قبیلوں سے ملکر دس ہزار افراد پر مشتمل لشکر ترتیب دیا اور مدینہ کا محاصرہ کرنے کے لئے خندق کے اطراف میں لشکر کا پہرا بٹھا دیا۔(۱)

مقریزی نے اپنی کتاب الامتاع میں لکھا ہے کہ: قریش اپنے چار ہزار سپاہی اور تین سو گھوڑوں اور ایک ہزار پانچسو اونٹوں کے ساتھ خندق کے کنارے اترے اور قبیلہ سلیم جو قریش کے ہم پیمان تھے مکہ کے نزدیک (مرالظہر ان) نامی مقام پر ان سے جا ملنے ان کے سات سو جوان تھے اور قبیلہ بنی فرازہ سے ہزار اور بنی اشجع سے اور بنی مرہ ہر ایک چار سو سپاہیوں کے ساتھ خندق کے پاس جمع ہو گئے ان کے علاوہ یہودی اور دوسرے قبیلوں کی تعداد پندرہ سو تھی اس طرح احزاب کی تمام فوج دس ہزار کے اندر تھی جو خندق کے کنارے خیمہ لگائے ہوئے تھے۔(۲)

ادھر اسلامی فوج جو تین ہزار سے زائد نہ تھی انھوں نے کوہ سلع جو کہ کافی اونچائی پر تھا اس کے دامن میں جمع ہو کر خندق اور اس کے اطراف کو پورے طور سے اپنے احاطے میں لے لیا تھا اور وہاں سے دشمن کی نقل وحرکت پر نظر رکھ رہے تھے اور ان میں سے بعض افراد خندق کی حفاظت اور دشمن کو خندق عبور کرنے سے روکنے پر مامور تھے۔(۳)

دشمن کی نئی سازش

جب دشمن دس ہزار لشکر کے ساتھ مدینہ میں داخل ہونے سے عاجز رہا اور مسلمانوں کو شکست دینے کی آرزو، فقط آرزو بن کر رہ گئی تو انھوں نے مدینہ کو خندق کے اطراف سے محاصرہ میں لینے پر

---

(۱) کامل ابن اثیر، ج ۱،ص ۵۶۹۔

(۲) فروغ ابدیت، ج ۲،ص ۱۲۹۔

(۳) اعیان الشیعہ، ج ۱،ص ۳۹۴۔

اکتفا کرلیا اور ایک مہینہ تک مدینہ ان کے محاصرہ میں رہا اور جب بھی قریش کے بہادر سپاہیوں نے خندق پھاندنے کی کوشش کی تو مسلمانوں نے پتھروں کا نشانہ بنا کر انھیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کردیا دوسری طرف سردی، قحط اور خشک سالی اور ضرورت بھر اذوقہ نہ لانے کی وجہ سے ان کے لئے اس سے زیادہ تحمل کرنا مشکل تھا اس لئے انھوں نے چال چلی کہ مدینہ میں موجود بنی قریظہ کے یہودیوں سے سازش کر کے ان کی زمینوں اور قلعہ کے ذریعہ مدینہ میں گھس جائیں اس مقصد کے تحت انھوں نے جال بچھانا شروع کیا، لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوراندیشی اور حکیمانہ رہبری نے ان کی تمام چالوں کو نقش برآب کردیا۔

سپاہ قریش سے بنی قریظہ کا تعاون

بنی قریظہ ایسے واحد یہودی تھے جو مدینہ میں مسلمانوں کے ساتھ صلح وآشتی سے رہتے تھے انھوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امنیت اور عدم تجاوز کا پیمان باندھا تھا اور ہمیشہ اپنے اس پیمان کا پاس و لحاظ رکھتے تھے۔ حیی بن اخطب جو یہودی قبیلہ بنی نضیر کا سردار تھا اس کا خیال تھا کہ ہم بنی قریظہ کی مدد کے بغیر مدینہ کو شکست نہیں دے سکتے اس لئے انھیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیمان شکنی کے لئے آمادہ کر کے مسلمانوں کو جنگ داخلی میں سرگرم کرنا ہوگا تب ان پر حملہ کر کے انھیں ہرانا اور بھی آسان ہوجائے گا۔ اس مقصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے خود حیی بن اخطب بنی قریظہ کے سردار کعب کے یہاں گیا اور دروازہ کھٹکھٹانے لگا کعب نے دروازہ کھولنے سے منع کردیا حیی بن اخطب نے منّت و سماجت کی اور کہا ''اے کعب کیا تجھے اپنے رزق کے کم ہوجانے کا خوف ہے، اے کعب مہمان کے لئے دروازہ بند رکھنا عرب کی خصلت نہیں ہے'' اس جملہ نے کعب کے احساسات کو ٹھیس پہنچائی اس نے دروازہ کھولنے کا حکم دیا۔

حیی بن اخطب اندر گیا اور کعب کو پیمان شکنی کے لئے اکسانے لگا اگر چہ ابتدا میں کعب نے

صاف صاف انکار کردیا لیکن بعد میں اس کی چرب زبانی اور چکنی چپڑی باتوں اور جھوٹے وعدوں میں آ کر قریش کے تعاون کے لئے تیار ہوگیا تب حیی بن اخطب نے کعب سے عہد نامہ منگوا کر بنی قریظہ کے یہودیوں کے سامنے پارہ پارہ کیا اور کہا "اب عہد و پیمان ختم اور جنگ شروع۔(۱)

بنی قریظہ کی عہد شکنی سے مسلمانوں کی آ گاہی۔

بنی قریظہ کی عہد شکنی نے جتنا دشمن کو امیدوار کیا اتنا ہی مسلمان مضطرب اور پریشان ہوگئے اور اس موقعیت سے فائدہ اٹھا کر منافقوں نے طعنہ زنی اور افواہیں اڑانی شروع کردیں اس ماحول سے مسلمانوں میں اس قدر بے چینی بڑھی کہ بعض سپاہیوں نے سوچ لیا کہ اب کچھ ہی دیر میں یہ دس ہزار کا لشکر ہمیں اسیر بنا لے گا۔

مسلمانوں کے لئے یہ بڑے ہی مشکل اور امتحان و آزمائش کے لحات تھے قرآن مجید نے اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا: ﴿ اذجاء وکم من فوقکم ومن اسفل منکم واذزاغت الابصار وبلغت القلوب الحناجر وتظنون باللہ الظنونا﴾ (۲) اس وقت جب کفار تمہارے اوپر کی طرف سے اور نیچے کی طرف سے آ گئے اور دہشت سے تمہاری نگاہیں خیرہ کرنے لگیں اور کلیجہ منھ کو آنے لگے اور تم خدا کے بارے میں طرح طرح کے خیالات میں مبتلا ہوگئے۔

بنی قریظہ کی پیمان شکنی کی وجہ سے مسلمانوں کو اپنے سر پر موت منڈلاتے نظر آ رہی تھی اس لئے اب ان کا چپ رہنا سخت تھا ان میں جو ضعیف الایمان اور منافق صفت افراد تھے کھل کر آ گئے اور جو کچھ ان کے دل میں تھا سب اگل دیا۔ قرآن کریم نے بھی اس امتحان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا "اس وقت مومنین کا باقاعدہ امتحان لیا گیا اور انھیں شدید قسم کے جھٹکے دیئے گئے۔(۳)

---

(۱) بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۲۲۲؛ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۶۹؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۲۳۷۔

(۲) احزاب ۳۳:۱۰۔ (۳) سورہ احزاب، ۳۳:۱۱۔

ایسے ماحول میں سردار لشکر کا کردار بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو سردار لشکر تھے فوراً سعد معاذ اور سعد عبادہ نام کے دو افراد کو بلا کر بنی قریظہ کی پیمان شکنی کی تصدیق کے لئے انھیں قلعہ کی جانب روانہ کیا۔ جب یہ لوٹے تو انھوں نے پیمان شکنی کے صحیح ہونے کی اطلاع دی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جیسے ہی یہ بات سنی اضطراب و بے چینی کے بجائے بڑی جرأت اور ہمت کے ساتھ کہا اللہ اکبر اے مسلمانوں مبارک ہو اب ہماری فتح یقینی ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس جملہ نے سپاہیان اسلام میں نئی روح پھونک دی سب کے چہروں سے خوف و وحشت کے آثار مٹ گئے اور ان میں جنگ لڑنے کی ہمت پیدا ہوگئی۔ (۱)

کافروں کا خندق پار کرنا

دشمنان اسلام سارے قریش کو یکجا کر کے مدینہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اور مدینہ کے یہودیوں کو پیمان شکنی پر اکسا کر اپنا حامی بنا لیا تھا اس کے باوجود بھی وہ مسلمانوں کے خلاف کوئی حرکت نہ کر سکے بلکہ غذا اور کھانے کی کمی اور سردیوں کے سرد موسم سے ان میں روحی افسردگی اور خستگی پیدا ہوگئی وہ اس کثیر لشکر کو لیکر بڑے کروفر سے آئے تھے کہ فقط اپنی قدرت کا تماشہ دکھا کر مسلمانوں کی ہمتیں پست کر دیں گے لیکن اب خود ہی پست ہمتی پر مجبور ہو گئے یہ دیکھ کر سپہ سالاروں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ کیا کیا جائے کہ مسلمانوں سے جنگ کی صورت نکلے اور ہمارے سپاہیوں میں جوش جنگ پیدا ہو، انھوں نے مشورے کے بعد عرب کے پانچ نامور پہلوانوں کو مسلمانوں کے مقابل بھیجنے کا ارادہ کیا وہ پانچ افراد عمرو بن عبدود، عکرمہ بن ابو جہل، ہبیرہ بن وہب، نوفل بن عبد اللہ، ضرار بن خطاب، فہری تھے جو جنگی لباس پہنے ہوئے بن کنانہ کے سپاہیوں سے کھڑے ہوئے کہہ رہے تھے کہ اب جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ آج تمھیں اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ عرب کے

(۱) تاریخ طبری، ج ۳، ص ۲۳۹؛ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۷۰؛ تاریخ دمشق، ج ۱، ص ۱۵۲۔

بہادر رہبر وکون ہیں۔اور جس جگہ خندق کی چوڑائی کم تھی اس جگہ سے ہوتے ہوئے خودکو خندق کے اس طرف پہنچادیا۔فوراًاس راستے کو پانچ مسلمان سپاہیوں نے مسدود کردیا تاکہ کوئی دوبارہ اس راستے سے نہ آسکے۔(۱) یہ پانچ پہلوان میدان میں گھوڑوں کو گھماتے اور کبروغرور کے ساتھ مسلمانوں کو مبارزہ کے لئے للکار رہے تھے۔

کفروایمان کی جنگ

ان پانچ شجاعان عرب میں ایک عمرو بن عبدود تھا جو کہ خندق کے اس پار آ گیا تھا وہ بہت قوی اور بہادر تھا اور اس کی شجاعت کی شہرت عربوں میں عام تھی اسے جزیرۃ العرب کا نامور پہلوان مانا جاتا تھا اور اسے لوگ ہزار جنگی مردوں کے برابر سمجھتے تھے وہ فولادی زرہ پہنے مسلمانوں کی صفوں کے آگے للکار کر کہہ رہا تھا کہاں ہیں مشتاق بہشت؟ کیا تم میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں جو مجھے جہنم روانہ کردے یا میں اسے جنت کی ہوا کھلاؤں؟

اس کی بھیانک آواز مسلمانوں پر موت کے سایہ کی طرح چھا گئی اور سب کے سب گم سم بیٹھے ہوئے تھے سب کے چہروں کے رنگ اڑ گئے تھے اور زبانیں گنگ ہوگئی تھیں ایسے خاموش جیسے ان کے قلب کی دھڑکنیں بند ہوگئی ہوں یا بقول واقدی گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔(۲)

اس سکوت کو توڑنے والے تنہا حضرت علی علیہ السلام تھے، جو عمرو بن عبدود کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہوئے لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ سے منع کردیا اور وہ بیٹھ گئے کیونکہ حضرت علی علیہ السلام ابھی نوجوان تھے مسلمانوں میں جن کو اپنی شجاعت پر ناز تھا وہ اٹھنے کا نام نہیں لیتے۔عرب کے اس تجربہ کار پہلوان نے دوبارہ للکارا اور "ھل من مبارز،" کوئی ہے، مجھ سے لڑنے والا ہے کی فریاد کے ساتھ جنگ کے

(۱) بحار الانوار، ج۲۰،ص۲۲۲ کامل ابن اثیر، ج۱،ص۵۶۹؛ تاریخ طبری، ج۲،ص۲۳۷۔

(۲) المغازی، ج۲،ص۴۸۔

لئے پکارا اب بھی کسی نے جواب نہ دیا۔ سرانجام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہنا پڑا کوئی ہے جو مسلمانوں کو اس گستاخ مرد کے شر سے بچائے سوائے حضرت علی علیہ السلام کے کوئی جواب نہ دیتا سب بھیگی بلی کی طرح بیٹھ گئے۔ انھوں (حضرت علی علیہ السلام) نے دوبارہ آمادگی جنگ کا اظہار کیا، لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کر دیا۔ عمرو نے اب تیسری بار للکار مچائی اور یہ اشعار پڑھے:

ولقد بححت من النداء بجمعكم هل من مبارز

ووقفت اذ جبن المشجع موقف البطل المناجز

وكذاك انى لم ازل متسرعا نحو الهزاهز

ان الشجاعة فى الفتى واجود من خير الغرائز

چیختے چیختے میری آواز بیٹھ گئی ہے کہ تم میں کوئی ہے جو مجھ سے جنگ کرنے کی ہمت کرے میں تو ان مقامات پر بھی ایک بہادر جنگجو کی طرح لڑا کرتا ہوں جہاں اچھے اچھے شجاع کمزوری دکھا جاتے ہیں۔

جنگ کی طرف میرے قدم تیزی سے بڑھتے ہیں اور ایک جوانمرد کی سب سے بڑی خوبی سخاوت اور شجاعت ہی تو ہے۔

اس بار شجاعت کے پہاڑ کرار غیر فرار حضرت علی علیہ السلام سے صبر نہ ہوا اس گستاخ کے جواب کے لئے وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کافی اصرار کیا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا جانتے ہو شہسوار وہ عمرو ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے کہا عمرو ہے تو ہوا کرے میں بھی علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہوں آپ اجازت تو دیجئے۔

آخر کار رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مان گئے اور حضرت علی علیہ السلام کو جنگ کی اجازت دی اور اپنی شمشیر ان کے حوالے کرتے ہوئے اپنا عمامہ ان کے سر پر رکھا اور کہا جاؤ خدا تمہارا نگہبان ہے۔ (۱) جیسے ہی

---

(۱) سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۶۴۱؛ بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۲۲۶۔

حضرت علی علیہ السلام میدان کے لئے نکلے ادھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہ ایزدی میں ہاتھ اٹھا کر دعا کی:
"خدایا! علی علیہ السلام کی ہر جانب سے سامنے سے پیچھے سے دائیں سے بائیں سے نیچے سے اور اوپر سے محافظت فرما۔" (۱)

سیرہ حلبی میں آیا ہے کہ آپ نے دعا کی کہ "پروردگارا یہ میرا بھائی اور چچا کا بیٹا ہے خدارا مجھے تنہا نہ چھوڑنا کہ تو بہترین وارث ہے۔ (۲)

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں دوسرے مصادر و مآخذ سے نقل کیا کہ جب وہ عمرو سے مقابلہ کے لئے نکلے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی: "خداوندا تو نے عبیدہ کو بدر کے دن اور حمزہ کو احد کے دن اٹھالیا اب ایک علی علیہ السلام ہیں تو ان کی حفاظت فرما، پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑنا کہ تو بہترین وارث ہے۔ (۳)

حضرت علی علیہ السلام اور عمرو کا مقابلہ

جب حضرت علی علیہ السلام میدان جنگ میں آئے تو تیزی سے عمرو کے مد مقابل کھڑے ہو کر اسی وزن و قافیہ پر رجز پڑھا جس پر عمرو نے رجز پڑھا تھا:

لا تعجلن فقد اتاک مجیب صوتک غیر عاجز
ذونیة و بصیرة والصدق منجی کل فائز
انی لارجو ان اقیم علیک نائحة الجنائز
من ضربة نجلاء یبقیٰ ذکرھا بعد الھزاھز

---

(۱) بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۲۰۳۔
(۲) سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۶۴۱۔
(۳) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۹، ص ۶۱؛ بحار الانوار، ج ۲، ص ۲۱۵۔

اے عمرو جلدی نہ کرو ٹھہرو تمہاری للکار کا جواب دینے والا آ گیا جو کمزور نہیں بلکہ صاحب عزم و بصیرت ہے اور سچائی ہی کی وجہ سے ہر ثابت قدم کے لئے کامیابی ہے۔

مجھے امید ہے کہ تمہارے لئے بین کرنے والی عورتوں کا بندوبست کروں گا ایسی ضرب جو اپنا کام کر کے مٹ جائے گی اور اس کا تذکرہ ہمیشہ معرکوں میں ہوتا رہے گا۔(۱)

حضرت علی علیہ السلام چونکہ لوہے کی زرہ اور ٹوپی پہنے ہوئے تھے اس لئے عمرو آپ کو پہنچان نہ سکا اور پوچھنے لگا تم کون ہو؟ حضرت علی علیہ السلام نے کہا میں علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہوں۔عمرو نے جیسے ہی نام سنا آپ کے مقابلہ سے بچنے لگا اور کہا تم ابوطالبؑ کے بیٹے ہو، وہ تو میرے دوست تھے میں نہیں چاہتا کہ اپنے دوست کے بیٹے پر ہاتھ اٹھاؤں۔

ابن الحدید لکھتے ہیں کہ میں اپنے استاد ابوالخیر کے یہاں تاریخ پڑھنے جاتا تھا جب ہماری بحث اس مطلب پر پہنچی تو وہ کہنے لگے عمرو درحقیقت حضرت علی علیہ السلام سے جنگ کرنے سے ڈرتا تھا کیونکہ وہ جنگ بدر میں حضرت علی علیہ السلام کی شجاعت کا مشاہدہ کر چکا تھا اور مقتولین احد سے حضرت علی علیہ السلام کے قوت بازو کا اندازہ لگا چکا تھا اس لئے حضرت علی علیہ السلام کے مقابلہ سے بچنے کے لئے بہانے بازی کر رہا تھا۔(۲)

حضرت علی علیہ السلام نے جواب میں کہا لیکن میں تو تمہارا خون بہانا پسند کرتا ہوں۔عمرو نے کہا: اے بھتیجے میرا دل نہیں چاہتا کہ تم جیسے کریم اور باشرف انسان کو اپنے ہاتھوں سے قتل کروں جاؤ لوٹ جاؤ یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔

اس دوران حضرت علی علیہ السلام نے اسے ایسے عہد و پیمان کی یاد دلائی جو اس نے خانہ کعبہ کے پردے کو پکڑ کر خدا سے باندھا تھا کہ اگر میدان جنگ میں کوئی پہلوان مجھ سے تین درخواستیں کرے

---

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج ۳، ص ۲۳۶؛ سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۶۴۲۔

(۲) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۹، ص ۶۱۔

تو میں اس کی ایک درخواست کو پورا کروں گا۔ عمرو نے کہاہاں ایسا ہی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے کہا میری پہلی درخواست یہ ہے کہ تم اسلام قبول کرلو۔ عمرو نے کہا اسے چھوڑو مجھے تمہارے دین کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے کہااچھا کوئی بات نہیں اب میری دوسری درخواست یہ ہے کہ تم اس جنگ سے صرف نظر کر کے قریش کے ساتھ مکہ لوٹ جاؤ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے حال پر چھوڑدو۔ اگر وہ اس جنگ میں کامیاب ہوگئے تو یہ ان کے لئے ایک سعادت ہے اور اگر قتل ہوگئے تو تیری آرزو بغیر جنگ کے پوری ہوجائے گی۔

عمرو نے کہا: لیکن یہ میری ذلت کا سبب ہوگی کل کے دن شعرائے عرب اور قریش کی عورتیں کہیں گی کہ ایک نوجوان نے اسے فریب دے دیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے کہا تو اب کوئی چارہ نہیں ہے مگر یہ کہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ اور چونکہ تمہارا حریف پیادہ ہے تو تم سے درخواست ہے کہ تم بھی گھوڑے سے اتر آؤ تا کہ برابر کی جنگ ہو۔

عمرو، حضرت علی علیہ السلام کی اس بات سے آگ بگولہ ہوگیا اور کہنے لگا میں نہیں سمجھتا تھا کہ کسی عرب میں مجھ سے لڑنے کی قدرت ہوگی۔ یہ کہہ کر فوراً گھوڑے سے کودا، اس نے گھوڑے کی ٹانگیں کاٹ دیں اور آمادہ جنگ ہوگیا۔(۱)

حضرت علی علیہ السلام اور عمرو کی جنگ

حضرت علی علیہ السلام اور عمرو ابن عبدود کی جنگ پر اسلام اور کفر کی سرنوشت کا دارومدار تھا اگر اس جنگ میں حضرت علی علیہ السلام شکست کھاتے تو درحقیقت یہ اسلام کی شکست ہوتی اور عمرو بن عبدود کا قتل ایسا ہے کہ جیسے کفر کا خاتمہ ہوگیا ہے اور اس کے نتیجہ میں اسلام میں شہرت نورعزت نصیب ہوگی اس لئے جب حضرت علی علیہ السلام عمرو کے مقابل جنگ کے لئے نکلے تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک تاریخی جملہ کہا

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۹، ص ۶۴؛ بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۲۲۷۔

"برز الایمان کله الی الشرک کله'' کل ایمان کل کفروشرک کے مقابلہ کے لئے نکلا ہے۔(۱)

حضرت علی علیہ السلام اور عمرو بن عبدود نے جیسے ہی ایک دوسرے پر شمشیر چلائی اور بڑی شدت سے جنگ کا آغاز ہوگیا۔ خندق کے دونوں طرف مسلمانوں اور کفار پر خوف طاری تھا کہ آخر اس جنگ کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ حضرت علی علیہ السلام اور عمرو بن عبدود کے درمیان شمشیر چلتی رہی اور دونوں ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے رہے اچانک عمرو نے بڑی شدت سے حضرت علی علیہ السلام پر وار کیا اور حضرت نے اس وار کو سپر سے روکا لیکن اس کا وار سپر کو توڑتے ہوئے آپ کے سر مبارک پر لگا جس سے آپ کا سر شگافتہ اور اس سے خون جاری ہونے لگا۔

خدا کے شیر نے اس کا جواب ایسی کاری ضرب سے دیا کہ اس کے دونوں پاؤں کٹ کر زمین پر گر گئے گرد وغبار اتنا تھا کہ ان میں سے کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا صرف شمشیر کی آواز آرہی تھی کفار اور مسلمان جو اس جنگ کا مشاہدہ کر رہے تھے کسی کو بھی نہیں معلوم کہ ان میں کون جیتا اور کون ہارا، مسلمان پریشان تھے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارگاہ خدا میں دعائیں کر رہے تھے ادھر کفار کو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو وہ ایک دم ساکت اور مبہوت تھے اچانک حضرت علی علیہ السلام نے تکبیر کی آواز بلند کی جوان کی فتح مندی کی نشانی تھی جیسے ہی یہ آواز تکبیر گونجی لشکر اسلام میں بھی خوشی سے تکبیر کے نعرے لگنے لگے۔

اسلامی جنگوں کے شکست ناپذیر سردار کی فتح مندی اور لشکر کفار کے نامور سپاہی عمرو بن عبدود کی نابودی سے مسلمانوں میں خوشی کا ماحول اور امید کی کرن چمک اٹھی اب انھیں لشکر اسلام کی کامیابی پر یقین ہوگیا اور ادھر عمرو کے ملیا میٹ ہوجانے سے لشکر کفار کے نامور جنگجوؤں کے دل وحشت اور خوف سے لرزنے لگے نیز اسلام اور حضرت علی علیہ السلام کا رعب ان کے دلوں پر چھا گیا اور وہ میدان چھوڑ

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۹، ص ۶۱؛ بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۲۱۵۔

کر بھاگنے لگے نوفل بن عبداللہ بھی ان میں شامل تھا لیکن وہ گھوڑے کے ساتھ خندق میں گر پڑا جو سپاہی خندق پر مامور تھے انھوں نے اس پر سنگباری شروع کردی یہ دیکھ کر نوفل (مرتا کیا نہ کرتا) جنگ کے لئے للکارنے لگا کوئی ہے مجھ سے جنگ کرسکے یہ سن کر حضرت علی علیہ السلام خندق میں کود ے اور ایک ہی ضرب سے اسے واصل جہنم کردیا۔(۱)

اخلاص کی بلندی

دوست اور دشمن سب کی نظریں میدان پر ٹکی ہوئی تھیں اور سب لحظہ شماری کررہے تھے کہ دیکھیں لشکر اسلام کا یہ سردار اپنے سامنے پڑے زخمی دشمن کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے کیا اسے ہلاک کرے گا یا چھوڑ دے گا ناگہاں دیکھا حضرت علی علیہ السلام عمرو کے سینہ سے اتر آئے اور اسے زندہ چھوڑ دیا۔

حضرت علی علیہ السلام کے اس عمل نے سب کو تعجب میں ڈال دیا سب سوچنے لگے ایسا کیا ہوگیا کہ حضرت علی علیہ السلام خدا کے دشمن کو زندہ چھوڑ رہے ہیں؟ انھیں کیا معلوم کہ وہاں عمرو نے حضرت علی علیہ السلام کی توہین اور بے احترامی کی۔ اس نے آپ کو گالی دی اور آپ کے چہرہ انور پر تھوکنے لگا یہ وقت حضرت علی علیہ السلام کے امتحان کا وقت تھا حضرت علی علیہ السلام نے سوچا اگر میں اس وقت عمرو کو قتل کردوں تو شاید یہ میری توہین کا بدلہ اور دل کی بھڑاس نکالنا ہوگا۔ ایسی صورت میں یہ عمل میں رضائے پروردگار کے لئے نہ ہوگا یہ سوچ کر حضرت علی علیہ السلام عمرو کے سینے سے اتر آئے اور کچھ دیر کے لئے اس کے قتل سے گریز کیا۔ جب آپ کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا تب آپ نے صرف رضائے پروردگار کی خاطر اس کا سر تن سے جدا کردیا۔

اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دور سے اس عفو گذاشت کا مشاہدہ کررہے تھے وہ نہیں جانتے تھے کہ

---

(۱) تاریخ طبری، ج۲،ص۲۴۰؛ سیرہ حلبی، ج۲،ص۶۴۳؛ نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱۹،ص۶۴؛ ارشاد مفید، ج۱،ص۱۰۲۔

ابو طالبؑ کا لال کوئی کام اپنے دل کی تسکین کے لئے انجام نہیں دیتا ہے وہ جنگ کا حساس موڑ ہی کیوں نہ ہو ان کے ہر عمل میں اللہ کی رضا شامل ہوتی ہے جس طرح وہ شجاعت و جہاد اصغر کے مرد میدان میں ہیں اسی طرح وہ جہاد اکبر کے اخلاص میں سب سے آگے ہیں یہی وجہ تھی کہ وہ دشمن کو پسپا کرنے کے بعد اس کے سینے سے اتر کر آ گئے چند قدم دور تک گئے اور پھر دوبارہ لوٹے تا کہ کمال اخلاص کے ساتھ عمرو کو قتل کریں۔

حضرت علی علیہ السلام کی اس تاخیر سے خذیفہ نے اعتراض آمیز لہجہ میں کہا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی علیہ السلام دشمن کو قتل کیوں نہیں کر رہے ہیں؟ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: ''حذیفہ کچھ صبر کرو خود علی علیہ السلام تمہیں اس تاخیر کا سبب بتائیں گے۔

حضرت علی علیہ السلام نے جب عمرو کو موت کے گھاٹ اتار دیا اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت نے آپ سے عمرو کے قتل میں تاخیر کی وجہ دریافت کی۔

حضرت علی علیہ السلام نے کہا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نے میری ماں کی توہین کی اور مجھ پر تھوکا میں ڈر گیا کہ اگر اب اسے قتل کروں تو شاید یہ قتل میرے دل کی تسکین کے لئے ہو اس لئے میں نے اسے چھوڑ دیا تا کہ میرا غصہ ٹھنڈا ہو جائے جب غصہ ٹھنڈا ہو گیا تو میں نے اسے اللہ کی رضا کی خاطر اسے قتل کر دیا۔(۱)

حضرت علی علیہ السلام کی بزرگواری

روایت میں ہے کہ جب آپ عمرو کو قتل کرنا چاہتے تھے تو عمرو نے درخواست کی مجھے قتل کرنے کے بعد میرے بدن کو برہنہ نہ کرنا حضرت نے کہا یہ تو میرے لئے چھوٹی سی بات ہے'' اس لئے جب امام نے اسے قتل کر دیا تو اس کے لباس کو نہیں اتارا جب کہ وہ لباس بہت قیمتی تھا صرف اس کے سر کو

(۱) بحار الانوار، ج۴۱، ص۵۱۔

کاٹ کر پر وقار انداز میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور اس کا سر آپ کے سامنے لا کر رکھ دیا رسول ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کی اس بہادری اور شجاعت کو دیکھ کر بے ساختہ گلے سے لگا لیا اور آپ کی غبار آلود آنکھوں کو صاف کرنے لگے۔(۱)

حضرت علی علیہ السلام جب لوٹ رہے تھے تو آپ کی تلوار اور عمرو کے سر سے خون ٹپک رہا تھا آپ رسول خدا ﷺ کی جانب بڑھتے ہوئے یہ شعر پڑھ رہے تھے:

انا علی بن عبد المطلب الموت خیر للفتی من الھرب (۲)

میں عبد المطلب کا لال علی علیہ السلام ہوں اور جوانمرد کے لئے بھاگنے سے بہتر موت ہے۔

جب حضرت علی علیہ السلام نے عمرو کا سر پیغمبر ﷺ کے سامنے لا کر رکھا تو ابو بکر اور عمر نے بڑھ کر علی علیہ السلام کا ماتھا چوما۔(۳)

دوسری حدیث میں ہے کہ کسی نے یہ اشعار پڑھے جبکہ پڑھنے والا لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل تھا۔

قتل علی عمرا............ قصم علی ظھرا............ ابرم علی امرا

حضرت علی علیہ السلام نے عمرو بن عبدود کو قتل کر کے دشمن کی کمر توڑ دی اور اسلام کو استحکام بخشا۔(۴)

ابن عساکر شافعی لکھتے ہیں: ''جس وقت مسلمان جان بلب تھے اور آنکھیں حیرت سے پھٹ گئی تھیں اور خدا کے سلسلے میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہوئے تھے اس وقت حضرت علی علیہ السلام نے خدا اور رسول ﷺ کی مدد میں اپنی ساری قوت صرف کر دی اور مسلمانوں کو کامیابی سے ہمکنار کیا

(۱) بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۲۱۵۔

(۲) بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۲۲۸۔

(۳) بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۲۵۸۔

(۴) بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۲۱۶۔

عمرو کی بہن کا بین کرنا

عمرو بن عبدود کی ایک بہن کا نام عمرۃ اور کنیت ام کلثوم ہے۔ ابوالحسن مرامین نقل کرتے ہیں کہ جب عمروابن عبدود کے قتل کی خبر اس کی بہن تک پہنچی، اس نے پوچھا کس نے میرے بہادر بھائی کو قتل کرنے کی جرأت کی؟ کہا گیا علی بن ابی طالب علیہ السلام نے۔ کہا'' کیا کہنا اس قاتل کا کہ ایک مرد شریف اور عالی ظرف انسان ہے، میری آنکھیں خشک ہو جائیں اگر میں اپنے بھائی پر آنسو بہاؤں ارے میرا بھائی تو وہ ہے کہ جو عرب کے بہادروں میں سے ایک ہے اور دلاوروں سے روبرو ہوا۔ اس جنگ میں اسے ایسے ہی شریف انسان کی شمشیر سے مرنا چاہئے تھا اے بن عامر میں نے آج تک اس سے بڑی فخر کی بات نہ سنی'' پھر اس نے یہ اشعار پڑھے:

لو کان قاتل عمرو غیر قاتلہ بکیتہ ما قام الروح فی جسدی

لکن قاتلہ من لایعاب بہ وکان یدعی قدیما بیضۃ البلد

اگر عمرو کا قاتل اس قاتل کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو میں آخری سانس تک اس پر آنسو بہاتی مگر اس کا قاتل وہ ہے جس میں کوئی برائی نہیں ہے اور جس کا باپ سردار مکہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔(۱)

دشمن کی مکہ واپسی

عمرو کی موت سے مشرکوں کے دلوں پر وحشت وخوف طاری تھا اور جس نے اس جنگ کی آگ کو بھڑکایا تھا وہ خود فرار کرنے کی فکر میں تھا اور دوسری طرف کفار ومشرکین کی یہ دس ہزار کی فوج سردی اور آذوقہ کی کمی اور جانوروں کے چارہ کے نہ ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان تھی اس لئے انھیں

(۱) مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۳۶: ارشاد مفید، ج ۱ ص ۱۰۸۔

ناامیدی اور مایوسی کے ساتھ مکہ لوٹنے پر مجبور ہونا پڑا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے سروں پر منڈلانے والا خطرہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکیمانہ سرداری اور حضرت علی علیہ السلام کے زور بازو سے ٹل گیا۔(۱)

حضرت علی علیہ السلام کی فداکاری کی عظمت

جس کو جنگ احزاب کی مکمل آگاہی نہ ہو اور وہ یہ نہ جانتا ہو کہ جنگ خندق میں مسلمان کس قدر قریش کے جنگجوؤں سے مرعوب اور وحشت زدہ تھے جو صرف ان کے غرانے سے لرز اٹھتے تھے اس دن حضرت علی علیہ السلام کی فداکاری اور جذبہ ایثار کا کون اندازہ لگا سکتا تھا لیکن جس محقق نے اس جنگ کو باریک بینی سے دیکھا ہو اور صحیح اصول اور خوش اسلوبی سے اس جنگ کی تحلیل و تجزیہ کیا ہو اس کے لئے حضرت علی علیہ السلام کی فداکاری کی عظمت پوری طرح واضح ہو جائے گی۔

حضرت علی علیہ السلام کی فداکاری کی عظمت کے لئے صرف اتنا جاننا کافی ہے کہ اگر اس دن حضرت علی علیہ السلام میدان میں نہ جاتے تو سمجھ لیجئے کہ مشرکین بنا لڑے ہی جنگ جیت جاتے اس لئے کہ کسی مسلمان میں قریش کے پہلوانوں سے لڑنے کی ہمت ہی نہ تھی اور ایک فوج کی اس سے بڑی ذلت کیا ہوگی کہ دشمن انھیں مبارزہ کے لئے پکارے اور وحشت و خوف کی وجہ سے مسلمانوں سے کوئی مقابلے کے لئے نہ جائے یا ان کی آواز تک نہ نکلے اب اگر دشمن کی فوج جنگ سے دست بردار بھی ہو جاتی اور محاصرہ توڑ کر اپنے گھر لوٹ جاتی تب بھی اسلام کی تاریخ کے دامن میں یہ بدنما داغ ہمیشہ کے لئے باقی رہتا۔

یقین جانیے اگر حضرت علی علیہ السلام اس جنگ میں شرکت نہ کرتے یا قتل ہو جاتے تو یہ مسلمان جو کوہ سلع کے دامن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھیرے میں لئے ہوئے تھے وہ صرف دشمن کی غراہٹ سے بید کی طرح کانپتے اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ جاتے اور فرار کر جاتے جیسا کا ان کا نمونہ آپ نے

(۱) بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۲۱۶۔

جنگ احد میں دیکھا یا جس کا نمونہ ہمیں جنگ حنین میں، جس میں حضرت علی علیہ السلام اور چند انگشت شمار بہادروں کے علاوہ سب میدان جنگ سے فرار ہو گئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نرغۂ اعدا میں اکیلا چھوڑ دیا۔

اگر حضرت علی علیہ السلام نہ ہوتے یا قتل کر دیے جاتے تو یقین جانئے کہ جنگ احد کی طرح خندق کے دفاعی مورچے خالی ہو جاتے اور دشمن مسلمانوں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی پوری قوت وطاقت کے ساتھ حملہ آور ہو جاتے جس کا نتیجہ توحید پر شرک کی فتح کے علاوہ کچھ نہ ہوتا اور اسلام کا وجود ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتا۔

اسی اہم موقعیت کو دیکھتے ہوئے رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا اظہار کیا" **قتل علی لعمر و بن عبدود افضل من عبادة الثقلین** " حضرت علی علیہ السلام کا عمرو بن عبدود کو قتل کرنا عبادت ثقلین سے بھی افضل ہے۔(۱)

دوسری روایتوں میں یہ تعبیر بھی آتی ہے کہ "**لمبارزة علی بن ابی طالب لعمر بن عبد ود افضل من اعمال امتی الی یوم القیامة** " حضرت علی علیہ السلام کی عمرو بن عبدود سے جنگ میری امت کے روز قیامت تک کے اعمال سے افضل ہے۔(۲)

حضرت علی علیہ السلام کے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ تعبیریں بہت روشن اور واضح ہیں اس لئے کہ اگر حضرت علی علیہ السلام کی تلوار نہ چلتی تو آج نہ اسلام ہوتا نہ توحید بچتی نہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہوتی اور نہ خدا کی عبادت، اسی لئے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "اے علی علیہ السلام آپ کو مبارک! اگر آپ کے جنگ خندق کے عمل کو میری امت کے تمام اعمال سے تولا جائے تو آپ کا عمل ان کے اعمال پر بھاری ہوگا اس لئے کہ مسلمان کا کوئی گھر ایسا نہیں ہے کہ جس

(۱) سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۲۴۲۔

(۲) مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۳۴؛ تاریخ بغدادی، ج ۱۳، ص ۱۹؛ بحار الانوار، ج ۳۱، ص ۲۔

میں عمرو بن عبدود کے قتل سے عزت وشوکت نے گھر نہ کیا ہو۔(۱)

یقیناً پیروان توحید پر حضرت علی علیہ السلام کی لاثانی اور بے نظیر فداکاری کا بہت بڑا احسان ہے کہ چودہ سو سال سے لیکر آج تک جو اسلام و ایمان کا بول بولا ہے وہ صرف حضرت علی علیہ السلام کی اس فداکاری کا مرہون منت اور ان ہی کے طفیل سے ہے۔

ابن تیمیہ کا اعتراض

ابن تیمیہ ناصبی ہے جو ہمیشہ فضائل حضرت علی علیہ السلام کے انکار کرنے میں لگا رہتا ہے اور وہ یہاں بھی اپنے شیطانی افکار سے حضرت علی علیہ السلام کے عمل کو کم رنگ کرنا اور بے ارزش دکھانا چاہتا ہے وہ کہتا ہے کہ:

"سب سے پہلے تو یہ حدیث ضربۃ علی جعلی روایات میں سے ہے اور آج تک کسی اسلامی کتاب میں اسے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل نہیں کیا گیا۔ دوسرے یہ کہ کیسے ممکن ہے کہ ایک کافر کو قتل کرنا جن وانس کی عبادت سے زیادہ اہم اور باعظمت ہو۔ تیسرے یہ کہ عمرو بن عبدود ایک گمنام آدمی ہے اس لئے کہ سوائے اس جنگ کے کسی جنگ میں اس کا نام تک نہیں آیا۔ لہذا معلوم ہوتا ہے عمرو بن عبد ود کا کوئی وجود خارجی نہیں جس سے علی علیہ السلام کی جنگ اور اتنے سارے فضائل کو بیان کیا جائے۔(۲)

ابن تیمیہ کا جواب

حضرت علی علیہ السلام کی فداکاری کی عظمت میں جو کچھ بیان کیا جا چکا ہے ابن تیمیہ کے دوسرے

(۱) شواہد التنزیل، ج ۲، ص ۲۳۴۔

(۲) اعیان الشیعہ، ج ۱، ص ۳۹۵۔

اشکال کا جواب خود بخود مل جاتا ہے اور اسی طرح گزشتہ مباحث کی مذکورہ روایات بھی اہل سنت کی کتابوں سے درج ہیں۔ اب اس کے پہلے سوال کا جواب بھی مل ہی گیا۔ اب رہ گیا تیسرا سوال جس کا جواب دیتے ہیں:

علامہ حلبی شافعی نے اپنی کتاب میں لکھا: سب سے پہلے ابن تیمیہ نے جو یہ کہا ہے کہ عمرو بن عبد ود کا اس جنگ کے علاوہ کسی جنگ میں نام تک نہیں آیا، صحیح نہیں ہے اس لئے کہ وہ جنگ بدر میں بھی شریک تھا اور اس نے یہ علامت بھی چھوڑی تھی کہ جب تک میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل نہ کر دوں تب تک سر میں تیل نہ لگاؤں گا اور چونکہ وہ جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں مجروح ہو گیا تھا اس لئے جنگ احد میں شرکت نہ کر سکا اور جنگ احد کے بعد جب صحیح ہو گیا تو جنگ خندق میں شریک ہوا تو ابن تیمیہ کیسے دعویٰ کر سکتا ہے کہ عمرو کا نام کسی اور جنگ میں نہیں آیا۔

پھر علامہ حلبی دوسرے اور تیسرے سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں "بھلا حضرت علی علیہ السلام کی شمشیر جن وانس کی عبادت سے کیونکر افضل نہ ہو، جبکہ حضرت علی علیہ السلام قتل کے کرنے سے اسلام کو فتح اور کفر کو شکست ملی" پھر آگے وہ فخر رازی سے ایک روایت نقل کرتے ہیں: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو کے قتل کے بعد حضرت علی علیہ السلام سے کہا: "اے علی علیہ السلام آپ نے عمرو پر کیسے قابو پایا؟ آپ نے جواب دیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایسے حالات میں تھا کہ اگر سارے مدینہ والے ایک طرف اور میں ایک طرف ہوتا تب بھی ان پر غالب آتا۔"

پھر آخر میں علامہ حلبی لکھتے ہیں: "ابن تیمیہ نے کیسے کہہ دیا کہ یہ روایت نقل نہیں ہوئی جبکہ یہ روایت اہل سنت کی بہت ساری کتابوں میں درج ہے"۔ پھر انھوں نے ان کتابوں کی جانب اشارہ کیا۔(۱)

---

(۱) سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۶۴۳۔

ابن تیمیہ کے اعتراض کی رد میں ایک اور وضاحت

مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام پر کیے گئے اعتراضات سے زیادہ آشنائی اور ابن تیمیہ کے بہتر جواب کے لئے دو باتوں کی طرف اشارہ ضروری ہے:

۱۔ عمرو کی بہن نے مولائے متقیان کی شجاعت اور دلاوری کے سلسلے میں اور اپنے بھائی کے غم میں جو اظہارات کئے ہیں وہ خود ابن تیمیہ کی کج فکری کی رد میں ایک دلیل ہے۔ اتنے واضح اور روشن دلائل و روایات کے بعد کونسی عقل سلیم ابن تیمیہ کی یہ بات قبول کر سکتی ہے کہ عمرو ابن عبدود ایک الھویت اور گمنام شخص تھا۔

۲۔ امیر المومنین ؑ نے اپنے بیٹے امام حسن علیہ السلام کو وصیت کی کہ "بیٹا کسی کو مبارزہ کے لئے طلب کر کے جنگ میں پہل نہ کرنا اور اگر کوئی تمہیں للکارے تو اس کو جواب دینے سے پیچھے نہ ہٹنا اس لئے کہ جنگ کے لئے للکارنے والا ستمگار ہے اور ستمگار ہمیشہ مغلوب ہوتا ہے۔(۱)

ابن ابی الحدید اس وصیت کی شرح کرتے ہوئے کہتے ہیں: "حضرت علی علیہ السلام کا عمرو ابن عبدود پر کیا گیا حملہ اس سے کہیں زیادہ بڑا ہے جبکہ اسے بڑا کہا ہے اور اس سے کہیں زیادہ باعظمت ہے کہ با عظمت کہا جائے، بہتر یہ ہے کہ اس حملہ کے بارے میں کچھ نہ کہا جائے سوائے اس کے کہ جو میرے استاد ابو لہذیل نے کہا ہے۔

ایک دن ان سے ان کے بھتیجے نے پوچھا کہ بتایئے! خدا کے نزدیک علی علیہ السلام کی منزلت زیادہ ہے یا ابو بکر کی؟ انھوں نے جواب دیا اے میرے بھتیجے جب جنگ خندق میں حضرت علی علیہ السلام کی جنگ تمام مہاجرین وانصار کے عبادتوں پر افضل ہے تو تنہا ابو بکر کے عمل کی کیا حقیقت ہے۔

یہی نہیں بلکہ اس سے بڑی بات حذیفہ سے نقل ہوئی ہے اس لئے کہ ربیعہ ابن مالک معدی لکھتا ہے: میں حذیفہ یمانی کے یہاں گیا اور اس سے کہا! اے ابو عبد اللہ لوگ علی علیہ السلام کے فضائل و

(۱) نہج البلاغہ کلمات قصار ۳۲۳۔

مناقب میں کیا کچھ نہیں کہہ رہے ہیں جسے سن کر اہل بصیرت انھیں ٹوک رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ تم نے علی علیہ السلام کے حق میں افراط سے کام لیا اے حذیفہ تم ہی علی علیہ السلام کے بارے میں کوئی حدیث بیان کروتا کہ میں لوگوں کو سناؤں۔

حذیفہ نے کہا: اے ربیعہ تم علی علیہ السلام کے بارے میں کیا پوچھنا چاہتے ہو اور میں ان کے بارے میں تم سے ان کی کونسی بات بتاؤں، پھر کہا: اس کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سارے اعمال کو (جب سے خدا نے آپ کو مبعوث کیا ہے تب سے لیکر آج تک) ایک پلڑے میں اور حضرت علی علیہ السلام کے اعمال سے صرف ایک عمل کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو یقیناً حضرت علی علیہ السلام عمل لوگوں کے سارے اعمال پر بھاری ہوگا۔

ربیعہ نے کہا ''اے حذیفہ تمہاری یہ بات ہضم نہیں ہوتی میرا خیال ہے کہ تم نے حضرت علی علیہ السلام کے سلسلے میں افراط سے کام لیا ہے، حذیفہ نے کہا اے احمق یہ بات کیوں ہضم نہیں ہوسکتی بتاؤں کہاں تھے یہ مسلمان جب جنگ خندق میں عمرو اور اس کے ساتھیوں نے خندق کو پار کرلیا تھا تب مسلمانوں پر خوف ووحشت طاری تھی عمرو جنگ کے لئے للکار رہا تھا اور یہ خوف و ہراس سے گھبرائے ہوئے بیٹھے تھے ان میں صرف علی علیہ السلام اٹھے اور اسے موت کا مزہ چکھایا۔ قسم اس خدا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یقیناً اس روز، علی علیہ السلام کا عمل امت محمد یہ کے آج تک نہیں بلکہ روز قیامت تک کے سارے اعمال سے افضل اور عظیم ہے۔

ابن حدید آگے بطور دلیل وہی روایات نقل کرتے ہیں کہ جسے ہم پچھلے صفحات میں نقل کر چکے ہیں۔ کیا ابن تیمیہ ان عظیم صحابیوں اور بزرگ علماء کی باتوں کو نظر انداز کر کے اب بھی جنگ خندق میں حضرت علی علیہ السلام کی شمشیر کی اہمیت کا انکار کرے گا۔

خاتمہ

کتاب کے اس حصہ پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جنگ خندق کی ان دو شخصیتوں کا تذکرہ کرتا چلوں کہ جنھوں نے اس جنگ کی کامیابی اور مسلمانوں کے روحی اطمینان میں خاص کردار ادا کیا۔

ا۔ نعیم بن مسعود کی جنگی چال

اگر چہ نعیم بن مسعود کا قصہ طولانی ہے لیکن ہم اس داستان کا فقط وہ حصہ پیش کریں گے جو ہماری بحث سے مربوط ہے۔ نعیم کا تعلق قبیلہ غطفان سے تھا اور وہ نو مسلم تھے، اہل قبیلہ ان کے اسلام لانے سے بے خبر تھے یہ ان دنوں کی بات ہے جب سپاہ قریش اور دوسرے افراد نے مدینہ کو محاصرہ میں لے لیا تھا، اس وقت نعیم رسول خدا ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نو مسلم ہوں اور چاہتا ہوں کہ اسلام کی کامیابی کے لئے جو مجھ سے ہو سکے انجام دوں، فرمائیے کہ آپ کا کیا حکم ہے" حضور ﷺ نے کہا تمہاری جیسی موقعیت ہے ایسا کوئی ہمارے پاس نہیں اس لئے تم اس سے فائدہ اٹھا کے لشکر میں اختلاف ڈال دو؛ اس لئے کہ جنگ مخفی سازشوں کا مجموعہ ہے"۔

نعیم نے دشمن میں اختلاف ڈالنے کے لئے بڑی دلچسپ چال چلی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس نے سب سے پہلے بنی قریظہ کے یہودیوں سے کہا" اے بنی قریظہ تم تو چاہتے ہو کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں، انھوں نے کہا ہاں ہم تمہیں اچھی طرح جانتے ہیں، کہا ہمارے قبیلہ غطفان اور طائفہ قریش کی موقعیت تم سے جدا ہے اس لئے کہ یہ شہر تمہاری اقامت گاہ ہے تمہارا مال و منال اور آل و اولاد یہاں پر ہے اور تم یہ جگہ چھوڑ کر کہیں جا نہیں سکتے جبکہ طائفہ قریش، قبیلہ غطفان اور مکہ کے دوسرے قبیلوں نے اپنے علاقوں سے ہی محمد ﷺ سے جنگ کے ارادے سے تمہاری جانب دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے۔ لیکن اگر وہ کوئی مشکل میں گھر گئے تو وہ تو اپنے اپنے شہروں کو لوٹ جائیں گے اور تم یہاں

تنہا پڑ جاؤ گے۔

پھر محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں سے مقابلہ کرنا تمہارے بس کی بات نہیں اس لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ تم قریش اور غطفان سے اس وقت تک مدد کا وعدہ نہ کرنا جب تک وہ اپنے کچھ بزرگوں کو جہاد کے لئے یہاں ضمانت کے طور پر نہ رکھیں۔

بنی قریظہ کو نعیم کا یہ مشورہ بہت پسند آیا پھر نعیم یہاں سے اٹھ کر چھپتے چھپاتے قریشیوں کے پاس گئے اور ابوسفیان اور دوسرے سرداروں سے کہا ''تم تو جانتے ہو کہ میں ہمیشہ تمہاری بھلائی چاہتا ہوں میرے پاس ایک ایسی خبر ہے اگر یہ خبر تم کو نہ سناؤں تو گویا تمہارے حق میں کوتاہی کی ہے مگر اس شرط پر سناؤں گا کہ اس کا ذکر کسی سے نہ کروگے اور یہ بات صرف ہمارے بیچ رہے گی۔''

قریشیوں نے کہا ہم وعدہ کرتے ہیں کہ کسی سے نہ کہیں گے مگر وہ بات کیا ہے نعیم نے کہا'' جانتے ہو بنی قریظہ کے یہودی تمہارا ساتھ دینے کے وعدہ سے پشیمان ہیں اور محمد ﷺ کے پاس اپنا نمائندہ بھیج کر ان سے ساز باز کرلی ہے۔ اور بھروسہ دلانے کے لئے قریش اور غطفان کے بزرگوں کو اسیر کر کے محمد ﷺ کے حوالے کرنا چاہتے تا کہ محمد ﷺ ان کی گردنیں اڑا دیں اور انھوں نے محمد ﷺ کے رکاب میں تمہارے مخالف جنگ کرنے کی ٹھان لی ہے، ادھر محمد ﷺ نے بھی ان کی تجویز کو قبول کرلیا۔ خبردار بنی قریظہ تم سے کچھ بزرگوں کا مطالبہ کریں تم تو ایک آدمی بھی ان کے حوالے نہ کرنا کہ اس میں بہت بڑا خطرہ ہے۔

پھر نعیم وہاں سے اٹھے اور سیدھے اپنے قبیلہ غطفان والوں کے یہاں پہنچے اور وہی باتیں کہی جو قریش سے کہہ چکے تھے۔

ماہ شوال ۵ھ میں جب شیبہ، ابوسفیان اور سرداران غطفان نے ایک گروہ تشکیل دیکر اسے بنی قریظہ کے پاس بھیجا اور اب تو ہمارے حیوانات بھی یہاں تلف ہوتے جارہے ہیں اس لئے کل صبح ہم مسلمانوں پر حملہ کر کے کام تمام کرنا چاہتے ہیں اس لئے تم بھی پوری طرح آمادہ ہوجاؤ! بنی قریظہ

نے جواب میں کہا: کل سنیچر ہے اور ہم سنیچر کے دن کوئی کام نہیں کرتے اور پھر ہمیں خوف ہے کہ کہیں کل جنگ سخت اور گھسان ہو جائے تو تم اپنے شہر لوٹ جاؤ گے اور ہم یہاں تنہا رہ جائیں گے اس لئے بہتر ہے تم اپنا ایک گروہ ہمارے پاس گروی رکھو تاکہ ہم تمہارا تعاون کر سکیں۔ جب یہ خبر قریش اور غطفان تک پہنچی تو انھیں نے نعیم کی بات سچ لگی اور اپنا ایک نمائندہ بھیج کر کہا کہ ہم اپنا کوئی آدمی تمہیں نہیں دیں گے اگر جنگ کرنا ہو تو آؤ! ہم تیار بیٹھے ہیں۔

ادھر جب بنی قریظہ نے قریش و غطفان کی بات سنی تو کہنے لگے "نعیم بن مسعود نے ہمیں صحیح خبر دی تھی کہ ان کا مقصد جنگ نہیں بلکہ کچھ اور ہی ہے وہ مسلمانوں کے گھروں کو لوٹ کر ہمیں مسلمانوں سے لڑتا چھوڑنا چاہتے ہیں اس لئے انھوں نے قریش کے نمائندوں سے کہا ہماری شرط وہی ہے جو ہم نے کہا تھا۔

اس طرح ان کے بیچ اختلاف ہوا اور ان دنوں سردی کے موسم میں ایسی تیز سرد ہوائیں چلیں کہ ان کے خیمہ اکھڑ گئے اور ان کی دیگ اور پتیلیاں چولہوں سے الٹی ہو گئیں۔ یہ سارے حالات سبب بنے کہ کفار شرمندگی اور ذلت اٹھا کر فرار ہونے پر مجبور ہو گئے۔(۱)

۲۔ داستان حذیفہ

محمد بن کعب نے حذیفہ یمانی سے نقل کیا کہ خدا ہی جانتا ہے کہ جنگ خندق کے دن بھوک، پیاس خستگی اور دشمن کے خوف کا کیا عالم تھا انہی ایام میں جس رات سپاہ احزاب میں اختلاف ہوا رسول ﷺ نے بہت نمازیں پڑھی پھر کہا "کیا تم میں کوئی ہے جو مخفیانہ طور پر دشمن کی چھاؤنی میں جا کر ان کی خبر لائے جو ایسا کرے گا وہ جنت میں میرے ساتھ ہو گا۔

حذیفہ نے کہا بھوک و پیاس اور خوف کی وجہ سے کوئی حاضر نہ ہوا اور اس رات حضرت علی علیہ السلام

---

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج ۳، ص ۲۴۰۔

بھی سر پر زخم لگنے سے بستر پر لیٹے ہوئے تھے اس لئے اس مجمع میں حاضر نہ ہو سکے جو محمد ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے، تب رسول خدا ﷺ نے مجھے آواز دی میں آپؐ کی خدمت میں گیا آپ نے فرمایا "حذیفہ تم خندق کے اس پار جاؤ اور دشمن کی وضعیت کی مکمل خبر لاؤ اور سنو! کچھ مت کرنا چونکہ تمہیں جلدی لوٹنا ہے۔

اسی رات طوفانی ہوائیں چل رہی تھیں پھر بھی میں حضور ﷺ کے حکم کی تعمیل میں نکلا، پہنچا اور دیکھا کہ ہواؤں سے خیمہ گرے پڑے تھے برتن اوندھے پڑے تھے اور آگ کی چنگاریاں اس بیابان میں جا بجا اڑ رہی تھیں میں نے ابوسفیان کو دیکھا جو اپنے اونٹ پر سوار اس اندھیرے میں آواز دے رہا تھا ہر کوئی اپنے بغل والے کو اچھی طرح دیکھ لے، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی اجنبی ہماری مخبری کرنے کے لئے آیا ہو، حذیفہ نے کہا اب میں بڑا پریشان ہوا لیکن بڑی ہوشیار سے میں نے خود اپنے بغل والے سے پہلے پوچھنا شروع کر دیا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا میں فلاں ہوں، ابوسفیان کو جب یقین ہو گیا کہ ہمارے درمیان کوئی اجنبی نہیں تو وہ مجمع کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا اے گروہ قریش! خدا کی قسم! ہمارے ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہمارے اونٹ اور گھوڑے ہلاک ہو گئے اور بنی قریظہ کے یہودیوں نے بھی عہد و پیمان توڑ دیا ہے اور اس طوفان نے بھی کچھ باقی نہیں چھوڑا! یہ کہہ کر وہ اتنی تیزی سے اونٹ پر سوار ہوا جلدی میں بھول گیا کہ اونٹ کے پاؤں بندھے ہوئے ہیں چلنے کے لئے وہ مسلسل تازیانے مارے جا رہا تھا۔ اس وقت میرے دل میں آیا کہ اسے تیر مار کر ہلاک کر دوں لیکن فوراً رسول خدا ﷺ کی بات یاد آ گئی اور بغیر کچھ کئے رسول خدا ﷺ کی خدمت میں پہنچ گیا، جیسے ہی رسول خدا ﷺ کی نظر مجھ پر پڑی آپ خوشحالی سے سجدہ شکر بجا لائے۔ پھر پوچھا کیا خبر لائے ہو؟ میں نے آنکھوں دیکھا حال سنا دیا۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ جب حضرت نے قریش کے لوٹ جانے کی خبر سنی تو ہاتھوں کو اٹھا کر دعا کی:

"اللھم انت منزل الکتاب ،سریع الحساب ، اھزم الاحزاب ،اللھم اھزمھم وزلزلھم "؛ (۱)

خدایا تو کتاب کا نازل کرنے والا اور سریع الحساب ہے،تو خود احزاب کو نابود کر، خدایا انھیں نابود اور متزلزل کردے۔

ابھی سفیدی صبح نمودار نہ ہوئی تھی کہ احزاب اور سپاہ قریش وہ علاقہ چھوڑ کر بھاگ گئے، اس طرح احزاب کا فتنہ ۲۴/ذیقعدہ ۵ھ کو ختم ہوگیا۔

(۱) بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۲۰۸و۲۰۹، مرحوم ثقۃ الاسلام روضۃ الکافی، ص۲۳۲، ح ۳۲۰ میں اسی داستان کو بڑی تفصیل کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

صلح حدیبیہ

جابرابن عبداللہ الانصاری کہتے ہیں:

"سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول: یوم الحدیبیہ وھو اخذ بید علی علیہ السلام: ھذاامام البررۃ وقاتل اللکفرۃ، منصور من نصرہ، مخذول من خذلہ"،

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ کے دن حضرت علی علیہ السلام کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے فرمایا "علی علیہ السلام نیک لوگوں کے امام اور کفار کو قتل کرنے والے ہیں جو بھی اس کی مدد کرے گا، اس کی مدد کی جائے گی اور جو کوئی اسے خوار کرے گا وہ خوار ہوگا۔(۱)

کلمہ حدیبیہ، حدبا، کا مصغر ہے یہ ایک دیہات کا نام ہے جو مکہ سے ۲۰ رکلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے اور وہاں موجود درخت یا کنویں کی مناسبت سے اس جگہ کا نام حدیبیہ پڑا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ اس علاقہ زمین کا زیادہ حصہ حرم (۲) میں داخل ہے۔(۲)

---

(۱) ینابیع المودۃ، ص ۲۵۰۔

(۱) مکہ کے اطراف میقات کے دائرہ سے کچھ کم ایک اور دائرہ ہے جس کی وسعت کو حرم کہا جاتا ہے حرم وہ جگہ ہے کہ جہاں بغیر احرام باندھے نہیں جایا جا سکتا خداوند عالم نے حرم کی زمین کو حیوانات نباتات اور انسانوں (باقی اگلے صفحہ پر)

مکہ کا تاریخی سفر

سیرت نگاروں اور مفسروں نے اس دلگیر و دلچسپ سفر کی علت یہ بیان کی ہے کہ حدیبیہ سے پہلے ۶ھ کے آخری ایام میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خواب دیکھا جس میں خدا نے آپ کو دکھلایا کہ آپؐ اور آپؐ کے اصحاب نہایت امن وامان کے ساتھ مکہ میں وارد ہوئے اور شہر کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ آپؐ نے دیکھا کہ سب کے سر منڈے ہوئے ہیں اور وہ عمرہ کا فریضہ انجام دے چکے ہیں پھر آپؐ نے دیکھا کہ آپ کعبہ میں داخل ہوئے اور کعبہ کی چابی آپؐ کے دست مبارک میں ہے۔

حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس خواب کو اصحاب سے بیان کیا یہ سن کر صحابہ خاص طور سے مہاجرین جو بے وطنی کے عالم میں تھے اور وطن کی یاد انھیں ستا رہی تھی ان کی بے چینی اور بھی بڑھنے لگی اور سب نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہاں چلنے کے لئے اصرار کیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس خواب کو فال نیک جان کر مسلمانوں کو بشارت دی کہ عنقریب تمہارے ہاتھوں مکہ فتح ہو جائے گا اور تم سب کی آرزو پوری ہو جائے گی۔ (۱) اس خواب کو گزرے چند دن نہ ہوئے تھے کہ آپؐ نے سب کو حکم دیا کہ سب عمرہ کے لئے تیار ہو جائیں اور مدینہ کے اطراف قبائل اور بادیہ نشین جو اب بھی شرک میں گرفتار تھے۔ ان کو بھی دعوت دی کہ اس سفر میں وہ مسلمانوں کے ہمسفر ہوں اور اسی کے ساتھ

کے لئے اس امن وامان کی جگہ قرار دیا ہے اور اس کے لئے خاص احکام وضع کئے ہیں حرم کے حدود تمام جگہوں میں ایک جیسے نہیں ہیں بلکہ کعبہ سے دوری اور نزدیکی کے اعتبار سے اس میں کافی تفاوت پایا جاتا ہے شمال کی جانب سے اس کی حد مسجد تنعیم تک ہے جو مدینہ کے راستہ پر واقع ہے اور جنوب سے اس کی حد بندی اضاءۃ اللبن تک ہے جو کہ یمن کے راستے میں ہے دور مغرب کی جانب اس کی حد بندی حدیبیہ تک ہے جو جدہ کے راستہ میں واقع ہے اسی مقام پر بیعت رضوان عمل میں آئی۔ (۲) سیرہ حلبی، ج۲، ص ۶۸۸۔

(۱) مجمع البیان، ج۹، ص ۱۲۶؛ سیرہ حلبی، ج۲، ص ۸۸۸۔

عربستان کے گوشے گوشے میں یہ خبر پھیل گئی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہ ذیعقدہ میں عمرہ کے لئے نکلنے والے ہیں اور مشرکین مکہ کو یہ سمجھانے کی خاطر کہ مسلمانوں کا یہ سفر صرف خانہ خدا کی زیارت کے لئے ہے نہ کہ جنگ کے لئے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مسلمانوں سے کہا کہ اس سفر میں کسی کو شمشیر کے علاوہ دوسرے ہتھیار رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔

عمر بن خطاب نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ کو ابوسفیان اور کفار قریش سے کوئی خوف ہے جو اسلحہ لے جانے سے منع کر رہے ہیں۔ حضرتؐ نے جواب میں کہا عمرہ کے سفر پر ہتھیار لے جانا مجھے پسند نہیں ہے''۔(۱)

مدینہ سے نکلنے سے پہلے ہی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''ابا رُہم'' کو مدینہ کا نگراں اور ''ابن کلثوم'' کو اپنی جگہ امام جماعت مقرر کیا اور جب سارا انتظام ہو گیا تو ماہ ذیقعدہ ۶ھ مہاجرین وانصار میں اور بادیہ نشینوں کے ۱۴۰۰ر یا ۱۸۰۰ر (۲) افراد کو لیکر اپنے سیاسی اجتماعی اور معنوی سفر کا آغاز کیا۔ ذوالحلیفہ پر پہنچے تو وہاں عمرہ کے لئے احرام باندھا اور قربانی کے ستر اونٹوں پر علامت گزاری کی پھر نہایت خضوع اور خشوع کی حالت میں ''**لبیک اللھم لبیک**'' کے ورد کے ساتھ مکہ کی جانب روانہ ہوئے جن لوگوں نے ابھی تک احرام نہ باندھا تھا، انھوں نے بھی جحفہ پر احرام باندھ لیا۔(۳)

احتیاطی تدبیریں

جب مکہ کے نزدیک پہنچنے لگے تو آپ نے اپنی دور اندیشی کے تحت چند مسلمانوں کو

---

(۱) سیرہ حلبی، ج۲،ص ۶۸۹۔

(۲) سیرہ حلبی، ج۲، ۶۸۹؛ کامل ابن اثیر، ج ا،ص ۵۸۲۔

(۳) سیرہ حلبی، ج۲،ص ۶۸۹؛ تاریخ طبری، ج۲، ۲۷۰؛ کامل ابن اثیر، ج۲،ص ۵۸۲۔ سیرہ ابن ہشام، ج۳، ص ۳۲۱۔

قافلہ(۱) سے آگے بھیجا کہ دیکھو کہیں دشمن ہماری تاک میں نہ بیٹھا ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ کاروائی نہایت مفید ثابت ہوئی کیونکہ یہ کاروان منزل ''عسقلان'' تک پہنچا ہی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھیجے ہوئے مامور لوٹ آئے اور خبر دی کہ قریش کو ہماری آمد کی اطلاع مل گئی ہے(۲) اور وہ اپنے فوج کے ساتھ آئے ہوئے ہیں۔ انھوں نے لات وعزیٰ کی قسم کھا رکھی ہے کہ وہ کسی قیمت پر مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے نہ دیں گے۔ اسی لئے انھوں نے خالد بن ولید کو دوسو گھوڑے سوار وں کے ساتھ (کراع الغمیم)(۳) پر تعینات کر دیا اور تاکید کی کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں، چاہے اس راہ میں انھیں موت کا سامنا ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔(۴)

راستے کی تبدیلی

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب سارا حال سن لیا تو اپنے اصحاب سے کہا:

''افسوس ہے کہ قریش جنگ کے لئے اندھے ہو گئے ہیں اے کاش یہ لوگ میرے معاملے کو دوسرے قبائل کے حوالے کر دیتے تو بہتر ہوتا یا تو مجھ پر غالب آجاتے اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے یا میں ان پر غالب آتا تو ضرور وہ یا مسلمان ہو جاتے یا اپنی طاقت سے آخری دم تک مرا مقابلہ کرتے، خدا کی قسم میں اسلام اور قرآنی آیتوں اور خدا پرستی کی تبلیغ کے لئے آخری دم تک کوشش

---

(۱) بہ نقل بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۳۳۰؛ جو شخص پیغام لایا وہ قبیلہ خزاعہ کا تھا۔

(۲) سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۶۹۰؛ میں آیا ہے ''بشر بن سفیان عتکی'' جو اس وقت مکہ میں تھا اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغام دیا۔

(۳) کراع الغمیم عسفان سے آٹھ میل کے فاصلہ پر پھیلا ہوا ایک بیابان ہے۔

(۴) سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۶۹۲؛ سیرہ ابن ہشام، ج ۳، ص ۳۲۳؛ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۸۳؛ بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۳۳۰۔

کرتا رہوں گا تاکہ خدا مجھے کامیاب کرے یا میں اس راہ میں اپنی جان دیدوں۔"

پھر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راستوں سے واقف شخص کو بلایا تاکہ وہ مسلمانوں کو ایسے راستے سے لیجائے کہ انھیں خالد بن ولید کا سامنا نہ پڑے بنی اسلم کا ایک شخص ان راہوں سے واقف تھا اس نے اس کاروان کی راہنمائی اپنی ذمہ لی اور انھیں ایسی وادیوں سے لے گیا جن سے گزرنا بہت دشوار تھا۔ مکہ کے مغربی راستہ "طرؤف" سے ہوتے ہوئے حدیبیہ تک پہنچے جب وہاں سے آگے بڑھنا چاہا تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اونٹ بیٹھ گیا اور آگے بڑھنے پر تیار نہ ہوا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا یہ حیوان خدا کے حکم سے یہاں رک گیا ہے تاکہ کسی طرح ہمارا مسئلہ حل ہو جائے۔" پھر آپؑ نے سب کو اپنے گھوڑوں سے اترنے کا حکم دیا اور کہا کہ یہیں خیمہ لگالو! چونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فطری طور پر صلح پسند تھے اور آپ کا سفر بھی زیارتی تھا اس لئے آپ نے اصحاب سے کہا:

"قسم اس خدا کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان جس کے قبضہ میں ہے اگر آج محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریش کچھ بھی ایسی چیز مانگ لیں کہ جس سے ہمارے روابط استوار اور محکم ہوتے ہوں تو میں ضرور وہ چیز انھیں دے دوں گا اور مسالمت کی راہ ہموار کروں گا۔" (۱)

قریش کے نمائندوں سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات

جب قریش کو اطلاع ملی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ میں ٹھہرے ہوئے ہیں تو انھوں نے اپنے ایک نمائندہ کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس سفر کا مقصد جان سکیں۔ 'بدیل بن ورقاء خزاعی' بنی خزاعہ کے افراد کے ساتھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور حضرتؐ سے سفر کی وجہ پوچھنے لگا، آپؐ نے فرمایا: "ہم کسی جنگ کے لئے نہیں آئے بلکہ خانہ خدا کی زیارت اور آداب عمرہ

---

(۱) سیرہ حلبی، ج۲، ۶۹۳؛ تاریخ طبری، ج۲، ص۲۷۳؛ سیرہ ابن ہشام، ج۳، ص۳۲۱؛ کامل ابن اثیر، ج۱، ص۵۸۳؛ بحار الانوار، ج۲۰، ص۳۳۰۔

کی بجا آوری کے لئے آئے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ عمرہ کے بعد ستر اونٹوں کی قربانی کر کے ان کے گوشت کو اہل مکہ کے درمیاں تقسیم کر دیں۔

بدیل اور اس کے ساتھی قریش کے پاس لوٹے اور پیغمبر اسلام ﷺ کے سفر کا مقصد بیان کیا لیکن انھوں نے کہا" خدا کی قسم ہم محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو ہر گز مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے چاہے وہ خانہ خدا کی زیارت کے لئے ہی کیوں نہ آئے ہوں۔"

بدیل کے بعد انھوں نے عروہ بن مسعود ثقفی کہ جو پڑھا لکھا اور سمجھدار آدمی تھا رسول خدا ﷺ سے گفتگو کے لئے بھیجا رسول اکرم ﷺ نے عروہ کو بھی وہی جواب دیا جو بدیل کو دے چکے تھے اور پھر عروہ کو سمجھانے اور قریش کو جواب دینے کے لئے آپ اٹھے تاکہ وضو بجالائے۔ عروہ نے دیکھا جیسے ہی حضور اکرم ﷺ نے وضو کرنا شروع کیا آپ کے اصحاب آپ کے گرد ہو گئے اور وضو کے پانی کا ایک قطرہ بھی زمین پر گرنے نہ دیا۔ وضو کا سارا پانی تبرک کے طور پر اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ عروہ اصحاب کا یہ حال دیکھ کر فوراً اٹھا اور "ذی طوع" میں بیٹھی قریش کی کمیٹی میں جا کر سارا ماجرا من وعن بیان کیا اور کہا" میں نے کسریٰ کا دربار بھی دیکھا اور قیصر روم کے محلوں میں بھی گیا ہوں لیکن جو شان و شوکت اور عقیدت و احترام کا جذبہ یہاں دیکھنے میں آیا وہ کہیں نظر نہ آیا اگر تم سمجھتے ہو کہ ان سے جنگ کر کے محمد ﷺ کو یا مسلمانوں کو قتل کر دو یا واپس ہونے پر مجبور کر دیں تو یہ جان لو کہ جنگ کی صورت میں وہ سب محمد ﷺ کے ایک حکم پر اپنی جان پر کھیل جائیں گے لیکن ایسا نہ ہونے دیں گے میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ محمد ﷺ کے وضو کے پانی کو تبرک کے طور پر آپس میں تقسیم کر رہے تھے اور جب محمد ﷺ بات کر رہے تھے تو وہ سب احترام سے سر جھکائے ہوئے تھے۔ اور اتنی دیر کسی نے آنکھ اٹھانے کی جرأت نہ کی اگر ان فداکاروں کے ہوتے ہوئے تم محمد ﷺ سے جنگ کرو گے تو تمہیں بہت بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا پھر تمہیں مشکل ہی کیا ہے محمد ﷺ تو صرف کہ خانہ خدا کی زیارت کر کے اور عمرہ بجالانے کے بعد ستر اونٹوں کو ذبح کر کے ہمارے

درمیان تقسیم کر کے لوٹ جانا چاہتے ہیں میری نظر میں بہتر ہے کہ آپ لوگ ان کی بات مان لیں۔(۱)

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نمائندہ پر قریش کا ظلم وستم

جب قریش کے دونمائندوں کی گفتگو کے بعد بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جانب سے ایک شخص کو مکہ بھیجا تا کہ وہ انھیں مسلمانوں کے آنے کا مقصد بتائے۔اس اہم کام کے لئے آپ نے سمجھدار فرد خراش بن امیہ کا انتخاب کیا جو قبیلہ خزاع سے تھا وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیئے ہوئے اونٹ پر سوار ہو کر مکہ میں بزرگان قریش کے پاس پہنچے اور انھیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام دیا ہر دور کا مسلّم قانون یہ ہے کہ سفیر ہمیشہ محفوظ اور امنیت میں رہتا ہے یہ قانون اس دور میں ہی رائج ہوا تھا اور اب بھی یہ اصول ہے کہ کوئی سفیر کو نقصان نہیں پہنچاتا لیکن افسوس کہ انھوں نے اپنے دور کے اس رائج قانون کا لحاظ نہ کیا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اونٹ کو مار کر خراش کو قتل کرنے کے لئے بڑھے لیکن قبیلہ احابیش کے ذریعہ وہ بچ گئے اور فوراً رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر ان کے جارحانہ عمل کو بیان کیا۔

قریش کی اس نازیبا اور حیوانی حرکت نے بتلا دیا کہ وہ صلح نہیں کرنا چاہتے یہی نہیں بلکہ انھوں نے ۵۰؍جوانوں کو مسلمانوں پر نظر رکھنے اور موقع پا کر انھیں اسیر اور ان کے مال ومنال کو لوٹنے کے لئے بھیجا لیکن اس کا نتیجہ الٹا نکلا اس لئے کہ مسلمانوں نے ان ۵۰؍گھوڑے سواروں کو اسیر کر کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کر دیا۔پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح وآشتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سب کو آزاد کر دیا اور بتلا دیا کہ ہمارا مقصد جنگ نہیں صرف عبادت خدا اور زیارت خانہ خدا ہے۔(۲)

---

(۱) تاریخ طبری، ج۲،ص۲۷۴؛ کامل ابن اثیر، ج۱،ص۵۸۴؛ سیرہ ابن ہشام، ج۳،ص۳۲۶؛ بحار الانوار، ج۲۰،ص۳۳۰۔

(۲) تاریخ طبری، ج۲،ص۲۷۸؛ سیرہ ابن ہشام، ج۳،ص۳۲۸۔

عثمان کی ماموریت

پیغمبر اسلام ﷺ اب بھی مسالمت کی امید میں تھے اب کی بار آپ نے ایسے نمائندہ کا انتخاب کرنا چاہتے تھے جو قریش کے پاس مقبول ہو اور جس کی شمشیر سے دشمن کے خون کا ایک قطرہ بھی نہ ٹپکا ہو اس لئے حضرت علی علیہ السلام زبیر اور دوسرے شجاع مسلمانوں کا بھیجنا کہ جنھوں نے عرب کے پہلوانوں کو میدان جنگ میں پچھاڑ کر رکھ دیا تھا مناسب نہ تھا اب بھلا رسول خدا ﷺ کس کا انتخاب کرتے آخر کار آپ نے ایک ایسے شخص کو ڈھونڈ لیا کہ جن کی شمشیر نے دشمن کے بدن کو چھوا بھی نہیں وہ عمر بن خطاب کی شخصیت تھی آپ نے عمر سے کہا کہ ذرا جاؤ اور انھیں ہمارے آنے کا مقصد بتاتے ہوئے ہمارے مکہ میں داخل ہونے کی رضایت حاصل کرو" وہ دشمن کے پاس کیوں جانے لگے اس لیا انھوں نے فورا بہانہ بنانا شروع کر دیا اور کہا" مکہ میں میرے قبیلہ بنی عدی کی کوئی ایسی فرد نہیں ہے جو میری حفاظت کی ذمہ داری لے اور دوسرے قریش سے میری عداوت اور ان کے خلاف میری سختی اور تشدد پسندی ڈھکی چھپی نہیں ہے مجھے تو اپنی جان خطرے میں نظر آ رہی ہے بہتر ہے کہ عثمان کو بھیج دیجئے وہ مجھ سے زیادہ با اثر ہیں۔"

عمر کی یہ بہانے بازی دیکھ آپ نے مجبوراً عثمان کو اس کام کے لئے انتخاب کیا کیونکہ ان کی خصوصیت بھی یہی رہی کہ ان کی شمشیر سے بھی کسی کا خون نہیں ٹپکا اس لئے آپ نے عثمان کو دس دوسرے صحابیوں کے ساتھ سرداران قریش سے گفتگو کے لئے بھیجا۔(۱)

عثمان مکہ کے راستہ پر جا رہے تھے کہ ان کی ملاقات 'ابان بن سعید بن عاص'' (۲) سے ہوگئی۔ عثمان کی اور ابان کی پہلے سے آشنائی تھی عثمان نے ابان کو سارا ماجرا سنایا اور ابان سے پناہ طلب کی ابان نے قبول کر لیا اور اپنی پناہ میں لیتے ہوئے ابوسفیان کے پاس لے گیا وہاں قریش کے دوسرے

---

(۱) سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۱۰۷۔

(۲) ابان فتح خیبر سے پہلے مسلمان ہو گئے تھے (سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۱۰۷)۔

سرداران بھی جمع تھے عثمان نے بھی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کا مقصد بتایا مگر انھوں نے یہی جواب دیا کہ ہم کسی صورت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں داخل ہونے نہیں دیں گے۔ مگر عثمان کو اجازت دی کہ وہ خانہ کعبہ کا طواف کرنا چاہیں تو کرلیں لیکن عثمان نے احترام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں طواف سے انکار کردیا۔ قریش نے عثمان سے کہا تم نہیں جاسکتے اس طرح انھیں اپنے پاس روک لیا۔(۱) شاید ان کو روکنے کا مقصد مسئلہ کوئی حل تلاش کرنا ہو۔

بیعت رضوان میں حضرت علی علیہ السلام کا کردار

جب عثمان تین دن تک نہیں لوٹے تو مسلمانوں میں بے چینی پھیل گئی اور ان کے بیچ افواہ اڑ گئی کہ عثمان اور ان کے دس ساتھی مار دیے گئے اب مسلمانوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا جوش میں آکر انتقام کے لئے تیار ہوگئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی کہا: جب تک یہ مسئلہ حل نہ ہو ہم یہاں سے نہیں جائیں گے چاہے ہمیں جنگ کا سامنا ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے لئے ایک خطرناک موڑ تھا اس لئے کہ ایک طرف مسلمان بھی تیار ہو کر نہیں آئے تھے اس لئے آپؐ نے مسلمانوں سے دوبارہ عہد و پیمان کرنا مناسب سمجھا اور ایک درخت کے نیچے سب جمع ہوئے تمام اصحاب نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد جمع ہو کر عہد و پیمان باندھا کہ ہم اپنی آخری سانس تک اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دفاع کریں گے یہ بیعت تاریخ میں بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ قرآن مجید نے اس بیعت کی اہمیت میں فرمایا: ﴿ **لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذیبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحا قریبا** ﴾ (۲) بے شک اللہ مومنوں سے راضی ہوگیا جبکہ وہ

(۱) تاریخ طبری، ج۲،ص۲۸۷؛ کامل ابن اثیر،ج۱،ص۵۸۵؛ سیرہ ابن ہشام، ج۳،ص۳۲۹؛ سیرہ حلبی، ج۲،ص۷۰۔

(۲) فتح ۴۸:۱۸۔

درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے اور جو کچھ ان کے دلوں میں ہے وہ اس سے آگاہ تھا تو ان پر سکون نازل کر دیا اور انھیں اس کے عوض قریبی فتح عنایت کر دی۔

اس عہد و پیمان کے سلسلے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو ماموریت دی کہ وہ عورتوں سے بیعت لیں حضرت علی علیہ السلام نے ایک کپڑا لیا جس کا ایک سرا آپ کے اور دوسرا سرا عورتوں کے ہاتھ میں تھا حضرت علی علیہ السلام کپڑے کے ایک طرف ہاتھ مارتے تو عورتیں بعنوان علامت بیعت کپڑے کی دوسری طرف ہاتھ مارتیں پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام کے لباس پر ہاتھ مارتے اس طرح تمام عورتوں سے بیعت لی گئی۔(۱)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ کی آمادگی کے ساتھ اس جنگ کا پرچم بھی حضرت علی علیہ السلام ہی کے پُر توان ہاتھ میں دیا اور انھیں دوسری تمام جنگوں کی طرح اگلی صفوں میں رکھا۔(۲) اس پیمان کے بعد مسلمانوں کی ذمہ داری واضح تھی کہ وہ یا تو قریش سے لڑیں یا زور زبردستی سے مکہ میں وارد ہوں یا خود کفار کے سردار تسلیم ہو جائیں اور مسلمانوں کی جائز درخواست کو قبول کریں اسی بیچ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی کے عثمان کے قتل کی خبر جھوٹی تھی وہ صحیح و سالم ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو صرف صلح چاہتے تھے اس لئے یہ سن کر جنگ سے دستبردار ہو گئے کیونکہ آپ جنگ و جدال کرتے ہوئے مکہ میں وارد ہونا نہیں چاہتے تھے۔(۳)

سہیل بن عمرو اور پیمان صلح

قریش کے بزرگ بیعت رضوان اور مسلمانوں کی جنگ کے لئے آمادگی کی خبر سن کر ڈر گئے اور

---

(۱) ارشاد مفید، ج۱، ص۱۱۱۹؛ بحار الانوار، ج۲۰، ص۳۵۸۔

(۲) ارشاد مفید، ج۱، ص۱۱۱۹؛ بحار الانوار، ج۲۰، ص۳۵۸۔

(۳) تاریخ طبری، ج۲، ص۲۷۹؛ کامل ابن اثیر، ج۱، ۵۸۵؛ سیرہ حلبی، ج۲، ص۱۰۷؛ سیرہ ابن ہشام، ج۳، ص۳۳۰؛ بحار الانوار، ج۲۰، ص۳۶۱۔

صلح کرنے پر آمادہ ہوگئے اس لئے انھوں نے سہیل بن عمر کو خاص دستورات کے ساتھ مسلمانوں کے قافلہ کی جانب بھیجا تا کہ اس مسئلہ کو کسی طرح حل کیا جائے۔(۱)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سہیل کو آتے دیکھا تو اس کے آنے کو فال نیک قرار دیا اور فرمایا ''خدا نے تم مسلمانوں کا کام آسان کر دیا'' (۲) اور یہ ہی ہوا اس لئے کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سہیل کے درمیان گفتگو ہوئی اور ان میں یہ تفاہم ہوگیا کہ اس سال مسلمان واپس چلے جائیں اور آئندہ سال عمرہ بجالائیں گے اگر چہ ابتدا میں سہیل کٹ حجتی کر رہا تھا آخر کار وہ بھی مان گیا اور مسلمانوں اور قریش کے درمیان قرار داد لکھی گئی کہ آج کے بعد سے قریش اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیچ جنگ نہ ہوگی۔

حضرت علی علیہ السلام صلح نامہ لکھنے والے

اکثر مورخین نے لکھا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو دستور دیا کہ وہ پیمان صلح کو لکھیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے اس اہم اور تاریخی سفر کا اتنا بڑا افتخار بھی فوج اسلامی کے بہادر

---

(۱) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر ہر چیز کو فال نیک قرار دیتے اس لئے حدیث میں آیا ہے کہ ''ہمیشہ نیک شگون اختیار کرو تا کہ نیکی ہی پیش آئے اور بھی مقامات ہیں کہ جہاں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فال نیک کے نمونے ہیں جیسے کے لیلۃ المبیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار ثور میں گئے تھے تو بریدہ بن اسلمی نے چاہا کہ ۸۰/ افراد کو لیکر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گرفتار کرلے جب وہ لوگ وہاں پہنچے تو رسول نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے کہا بریدہ حضرتؐ نے اس نام کو نیک شگون سمجھتے ہوئے ابوبکر سے کہا: ''ہمارا کام اب بہتر ہونے جارہا ہے پھر فرمایا تم کس قبیلہ کے ہو! کہا طائفہ اسلم سے ہوں حضرت نے فرمایا پھر تو ہم نے سلامتی پالی، بریدہ نے پوچھا آپ کون ہیں؟ فرمایا میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں۔ بریدہ نے جیسے ہی سنا اسلام لے آیا اور اس کے ہمراہی سپاہی بھی مسلمان ہوگئے اور نماز عشا آپ کی اقتدا میں ادا کی۔(بحار الانوار، ج ۱۹، ۴۰)

(۲) سیرہ حلبی، ج ۳، ص ۷۰۵؛ سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۷۰۵؛ سیرہ ابن ہشام، ج ۳، ص ۳۳۱؛ تاریخ طبری، ج ۲، ۲۸۰۔

سپہ سالار حضرت علیؑ ہی کو ملا پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ سے کہا لکھے "بسم اللہ الرّحمٰن الرحیم" حضرت علیؑ نے اسے لکھا۔ سہیل چونکہ مشرک تھا اور مشرکین کا نمائندہ تھا کہنے لگا میں کسی رحمٰن ورحیم کے نام کو نہیں جانتا اس لئے آپ "باسمک اللھم" لکھئے، یعنی تیرے ہی نام سے اے اللہ۔

پیغمبر اسلامؐ نے موافقت کرتے ہوئے کہا وہی لکھو جو سہیل کہہ رہا ہے، حضرت علیؑ نے پھر وہی لکھا پھر حضرت علیؑ نے کہا اگر آپ کا حکم نہ ہوتا تو میں اس "بسم اللہ" کی تحریر کو کبھی نہ بدلتا پھر پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ سے کہا لکھئے "یہ وہ نوشتہ ہے کہ جس پر رسول خداؐ اور سہیل بن عمر نے موافقت کی ہے۔

سہیل نے کہا اگر ہم آپ کو رسول مانتے تو پھر آپ سے جنگ ہی نہ کرتے اور نہ آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے روکتے اس لئے بہتر ہے کہ آپ محمدؐ بن عبد اللہ لکھئے۔

حضرت علیؑ ہمیشہ مطیع رسول خداؐ رہے ہیں لیکن یہاں عذر پیش کرتے ہوئے نہایت انکساری سے کہا "یا رسول اللہؐ میرا ہاتھ ساتھ نہیں دے رہا ہے کہ آپ کا نام نبوت سے مٹاؤں"۔

پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ لفظ رسول اللہ کو مٹا دو اور محمد ابن عبد اللہ لکھ دو۔ حضرت علیؑ نے قلم ہاتھ سے رکھ دیا۔ اور فرمایا کہ خدا کی قسم میں لفظ رسول اللہؐ نہیں کاٹوں گا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا لاؤ! میں اسے خود مٹائے دیتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے لفظ رسول اللہؐ پر خط کھینچ دیا اور حضرت علیؑ سے مخاطب ہو کر فرمایا: "لتبلین بمثلھا" (۱)

ایک دن تمہیں بھی اس قسم کی آزمائش سے دوچار ہونا پڑے گا۔

پھر آپ نے فرمایا: "اے علیؑ ایک تم پر بھی یہی مصیبت آنے والی ہے اسی گروہ کے افراد کل

(۱) تاریخ طبری، ج۲، ص۳۸۔

تم کو ایسے ہی کام پر مجبور کریں گے اور پھر تم کو نہایت مظلومیت کے ساتھ اسے قبول کرنا پڑے گا۔ پھر آپ نے دستور دیا کہ اس قرارداد کو میرے نام لکھو!!۔

سرانجام یہ صلح نامہ درج ذیل شرائط پر مرتب ہوا:

۱۔ اس عہد و پیمان کی رو سے محمد بن عبداللہ ﷺ اور قریش کے نمائندہ (سہیل بن عمرہ) نے اس بات پر صلح کر لی کہ دس سال تک بغیر کسی جنگ کے گزر بسر کریں گے تاکہ لوگ سکون وچین سے رہ سکیں۔

۲۔ مسلمانوں اور قریش کے افراد ایک دوسرے کے شہروں میں آزادی سے سفر کر سکتے ہیں اور ان کی جان و مال کو کسی جانب سے خطرہ نہ ہوگا۔

۳۔ ہر مسلمان کو یہ حق ہے کہ اگر چاہے تو اپنے پہلے مذہب کی جانب لوٹ جائے اسی طرح بت پرستوں کو بھی حق ہے کہ اگر وہ اسلام کے گرویدہ ہو گئے تو اسلام قبول کر سکتے ہیں۔

۴۔ قریش کا ہر جوان اپنے ولی کی اجازت کے بغیر مسلمان ہو سکتا ہے اور مدینہ ہجرت کر سکتا ہے اسی طرح اگر مسلمان اسلام سے منحرف ہو کر بت پرست بن جائے تو اس کو اسلام کی طرف لوٹنے کی زبردستی نہ کی جائے۔

۵۔ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو اس سال مکہ میں داخل ہوئے بغیر لوٹنا ہوگا ہاں آئندہ سال سے انھیں مکہ میں داخل ہونے اور عمرہ بجالانے کی کھلی چھوٹ ہوگی مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ تین دن سے زیادہ مکہ میں قیام نہیں کریں گے اور نیام میں رکھی ہوئی شمشیروں کے علاوہ ان کے پاس کوئی ہتھیار نہ ہوگا۔

۶۔ اسلام مکہ میں آشکار رہے گا کسی کو انتخاب مذہب میں نہ مجبور کیا جائے گا اور نہ ہی کسی مسلمان کو نقصان پہنچایا جائے گا۔

اس صلح نامہ کی قرارداد پر مسلمان اور قریش کے چند افراد نے گواہی دی اور اس قرارداد کے لکھنے

والے حضرت علی علیہ السلام تھے اس عہد و پیمان اور صلحنامہ کو "دو نسخوں میں لکھا گیا" پھر قریش اور مسلمانوں کی بعض شخصیتوں نے دستخط کئے اور ایک نسخہ سہیل کے اور دوسرا نسخہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کیا گیا۔(۱)

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصحاب کا احرام سے باہر آنا

جب قریش اور مسلمانوں میں صلح ہوگئی اور صلحنامہ لکھا گیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو حکم دیا کہ اپنے قربانی کے اونٹوں کو یہیں نحر کردو پھر اپنے سروں کو منڈا کر سب احرام سے خارج ہو جاؤ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حکم بعض افراد پر گراں گزرا اس لئے کہ عمرہ کے احکام بجالائے بغیر اور خانہ کعبہ کا طواف وصفا ومروہ میں سعی کئے بغیر احرام سے نکل آنا ان کی نظر میں ممکن نہ تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے آگے بڑھے اور اپنے اونٹوں کی قربانی دی اور احرام سے نکل آئے اس طرح آپ نے سمجھا دیا کہ یہ مورد قربانی کے استثنائی موارد میں سے ہے اور یہ کام بھی خدا کے حکم ہی سے انجام دیا جارہا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہل کرتے دیکھ کر سارے مسلمانوں نے آپ کی پیروی کی اور اپنی قربانیوں کو ادا کرنے کے بعد سر منڈا کر احرام سے نکل آئے اور حدیبیہ کے اس ۱۹ / یا ۲۰ / دن کے قیام کے بعد مدینہ لوٹ آئے۔(۲)

---

(۱) کامل ابن اثیر، ج۱، ص۵۸۵؛ ارشاد مفید، ج۱، ص۱۱۹؛ سیرہ ابن ہشام، ج۲، ص۳۳۱؛ تاریخ طبری، ج۲، ص۲۸۱؛ سیرہ حلبی، ج۲، ص۷۰۷؛ بحار الانوار، ج۲۰، ص۳۳۳۔

(۲) سیرہ ابن ہشام، ج۳، ص۳۳۳؛ سیرہ حلبی، ج۲، ص۱۲۷؛ کامل ابن اثیر، ج۱، ص۵۸۶؛ تاریخ طبری، ج۲، ص۲۸۳۔

باطل افکار

بعض مسلمان یہ تصور کرنے لگے کہ یہ صلح نامہ صد در صد مشرکوں کے نفع میں رہا اور اس میں مسلمانوں کے منافع کی جانب بالکل توجہ نہیں کی گئی اور پیغمبر ﷺ نے جو مکہ میں وارد ہونے اور احکام عمرہ بجالانے کا وعدہ کیا تھا وہ وعدہ پورا نہیں ہوا اس لئے جب وہ مدینہ لوٹ رہے تھے تو نہایت غم واندوہ کے عالم میں اپنی بازگشت کو ایک طریقہ کی شکست تصور کر رہے تھے۔ یہاں ان میں ایک شخص سے رہا نہ گیا اس نے رسول ﷺ پر اعتراض کرتے ہوئے واضح طور پر اس بازگشت کو شکست کا نام دیا وہ شخص کوئی اور نہیں تھا عمر ابن خطاب تھے۔ وہ رسول خدا ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ نے نہیں کہا تھا کہ ہم سب مسجد الحرام میں داخل ہونگے اور خانہ کعبہ کا طواف کریں گے''۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے کہا ہاں میں نے کہا تھا لیکن یہ تو نہیں کہا کہ یہ اسی سال ہوگا'' عمر اور سب نے مل کر کہا''نہیں آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ اسی سال یہ کام انجام پائے گا۔'' پیغمبر ﷺ نے کہا کہ جبرئیل نے مجھے اطلاع دی تھی کہ تم سب مسلمان نہایت سکون واطمینان کے ساتھ مکہ جاؤ گے اور خانہ کعبہ کا طواف کروگے۔(۱)

علامہ مجلسی، زہری، عروہ بن زبیر اور مسور بن مخرمہ سے نقل کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب نے کہا ''خدا کی قسم میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے اس دن کے سوا کبھی شک نہیں کیا'' پھر میں نے رسول ﷺ سے کہا'' کیا آپ نبی نہیں ہیں؟ پیغمبر اسلام ﷺ نے جواب دیا ہاں میں اللہ کا رسول ﷺ ہوں پھر میں نے کہا کیا ہم حق پر اور قریش باطل پر نہیں ہیں؟ پیغمبر ﷺ نے کہا ہاں! کیوں نہیں وہ باطل پر ہیں اور ہم حق پر، میں نے کہا پھر آپ نے کیوں اس دین کو ذلت وخواری کے دہانے پر پہنچا دیا؟۔ پیغمبر ﷺ نے جواب میں کہا'' یہ جو کچھ ہوا اللہ کے حکم سے ہوا میں اس کی نافرمانی

(۱) سیرہ حلبی، ج۲،ص۱۵۷۔

نہیں کر سکتا اور خدا مجھے کبھی ضائع و برباد ہونے نہیں دے گا وہ ضرور میری مدد فرمائیگا۔ میں نے کہا کیا آپ نے نہیں کہا کہ ہم عنقریب مکہ میں داخل ہوں گے اور خدا کے کعبہ کا طواف کریں گے؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا ہاں میں نے کہا تھا لیکن یہ بتاؤ کہ کیا میں نے کہا تھا یہ کام اسی سال انجام پائے گا۔ میں نے کہا نہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا انشاء اللہ تم ضرور مکہ جاؤ گے اور طواف بجالاؤ گے۔(۱)

حدیبیہ میں حضرت علی علیہ السلام کے فضائل وافتخارات

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس سفر سے جو اہم نتائج برآمد ہوئے ہیں اس کا تذکرہ کرنے سے پہلے بہتر ہے کہ اس مختصر سے سفر میں امیر المومنین علیہ السلام نے جو امتیازات اور افتخارات کسب کئے ہیں اس کی جانب اشارہ کیا جائے۔

حضرت علی علیہ السلام نے اس سفر میں اپنے کردار کو بڑی ہی وفاداری سے نبھایا اور اپنی حساس اور نازک ذمہ داریوں کو بھر پور طریقہ سے ادا کیا۔

شیخ مفید رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں ''حدیبیہ میں انتظامات حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ میں تھے اس لئے اس غزوہ حدیبیہ میں جتنے کام انجام پائے ان سب میں حضرت علی علیہ السلام پیش پیش تھے چاہے وہ لوگوں سے بیعت لینے کا کام ہو یا جنگ کی صفیں منظم کرنا ہو یا پھر صلح اور قرارداد کا مسئلہ ہو یہ سارے کام حضرت علی علیہ السلام کے ہنرمند اور باکفایت ہاتھوں سے انجام پائے۔(۲)

یا یوں کہا جائے کہ یوں تو حضرت علی علیہ السلام اس سفر میں دوسرے مسلمان جیسے ہی تھے یعنی سبھی کے ساتھ آپ بھی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب تھے دوسروں کی طرح آپ نے بھی احرام باندھا اور لوگوں کی طرح آپؑ بھی اپنے ساتھ قربانی لائے اور انھیں کس طرح آپ بھی رسولؐ کے فرمانبردار رہے

---

(۱) بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۳۳۵؛ انشاء اللہ اگلے صفحات میں اس صلح سے حاصل شدہ کامیابیوں کا ذکر آئے گا۔

(۲) ارشاد شیخ مفید، ج ۱، ص ۱۲۱۔

لیکن جہاں کہیں حالات نے نازک موڑ لیا وہاں آپ ہی نظر آئے جنھوں نے نہایت نظم وضبط اور تدبیر سے کام لیتے ہوئے اپنا اہم کردار ادا کیا۔

یہاں پر ہم حالات انہیں نازک اور حساس موقعوں کی جانب اشارہ کریں گے:

ا۔ جس وقت کاروان اسلام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمراہی میں جحفہ پہنچا تو قافلہ والوں کے پاس پانی کا ایک قطرہ نہ تھا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''سعد بن مالک'' کو بلا کر کہا کہ تم آب کش اونٹوں کو لیکر صحرا میں گردش کرو اور پانی کا سراغ لگاؤ۔ سعد کچھ دیر گھوم پھر کر آئے اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمن کے خوف سے قدم آگے نہیں بڑھتے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا ٹھیک ہے تم بیٹھ جاؤ پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی اور کو بھیجا وہ بھی یہی عذر لیکر لوٹ آیا تب آپ نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ اے علی علیہ السلام آپ ہی اس ماموریت کو انجام دیجئے بعض لوگوں نے سوچا کہ علی علیہ السلام بھی دوسروں کی طرح ناکام رہیں گے یا بالکل جانے کی ہمت ہی نہ کریں گے۔ لیکن ابو طالبؑ کا لال خدا پر توکل کرتے ہوئے نکلا اور اس تپتے ہوئے صحرا میں پانی کی تلاش میں دور دور تک گئے۔ آخر کار انھوں نے پانی کا سراغ ملتے ہی مشکوں کو بھرا اور نہایت افتخار اور سر بلندی کے ساتھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لوٹے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت علی علیہ السلام کو کامیاب لوٹتے دیکھا تو تکبیر بلند کی اور آپ کے حق میں دعا فرمائی۔(۱)

۲۔ بیعت رضوان میں مشرکوں سے جنگ کے لئے مسلمانوں سے بیعت لی گئی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مردوں کی بیعت لی ادھر حضرت علی علیہ السلام کو عورتوں کی بیعت لینے پر مامور کیا۔ اس کام کے لئے حضرت علی علیہ السلام نے یہ تدبیر نکالی کہ کپڑے کے ایک سرے کو خود پکڑا اور دوسرے سرے کو عورتوں نے پکڑ لیا بیعت لئے جانے کی علامت کے طور پر آپ نے کپڑے کے سرے کو ہلایا تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کے کپڑے کو ہاتھ لگایا اسی طرح تمام عورتوں سے بیعت لی گئی۔(۲)

---

(۱) ارشاد شیخ مفید، ج ۱، ص ۱۲۱؛ بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۳۵۹۔

(۲) ارشاد شیخ مفید ج ۱ ص ۱۲۱؛ بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۳۵۹۔

۳۔ بیعت رضوان کے بعد جب اصحاب جنگ کے لئے آمادہ ہوگئے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا سپہ سالار اور علمبردار حضرت علی علیہ السلام کو بنایا(۱) اس طرح لشکر کی علمبرداری کی فضیلت صرف حضرت علی علیہ السلام کو ہی ملی۔

۴۔ جب سہیل بن عمرو صلح و دوستی کا پیغام لیکر آیا اور قرارداد طے ہوئی تو اس وقت ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی صحابی اس صلحنامہ کو لکھے اس فریضہ کو بھی حضرت علی علیہ السلام ہی نے انجام دیا۔ اس طرح صلحنامہ لکھنے کا افتخار بھی آپ ہی کو ملا۔(۲)

۵۔ جب صلحنامہ لکھا جا چکا تب سہیل بن عمرو چند افراد کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لوٹا اور کہا کچھ نوجوانوں نے ہماری اجازت کے بغیر اسلام قبول کر لیا اور آپ لوگوں میں شامل ہو گئے ہیں اس لئے وہ ہماری نظر میں فراری ہیں آپ سے گزارش ہیں کہ انھیں ہمارے حوالے کر دیجئے جیسے ہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سنا تو آپ غصہ کو آیا اور کہا ''اگر دوبارہ اس بات کی تکرار کی اور یہ تقاضا کیا تو تمہاری طرف ایسے شخص کو روانہ کروں گا کہ جس کا دل اسلام اور ایمان کے نور سے چمک رہا ہے اور جس کے دل کو خدا آزما چکا ہے وہ تمہاری گردنوں کو ہواؤں میں اچھال دے گا۔'' اس طرح آپ نے انھیں حضرت علی علیہ السلام کا خوف دلایا جسے سنتے ہی وہ خوف سے لرزنے لگے اور بغیر کسی تقاضے کے لوٹ گئے۔

اصحاب نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کا آپ نے انھیں خوف دلایا وہ کون ہے، کیا وہ ابوبکر ہیں؟ کہا نہیں! پھر کہا شاید وہ عمر ہیں؟ کہا نہیں انھوں نے کہا پھر آخر وہ کون ہے کہا وہ ہے جو میرے حجرہ میری جوتیاں سی رہا ہے!'' جب سب حجرے کی جانب گئے تو دیکھا کہ وہ اسد اللہ غالب حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔(۳)

(۱) ارشاد شیخ مفید، ج ا، ۱۲۱؛ بحار الانوار، ج ۲۰ ص ۳۵۹۔

(۲) ارشاد شیخ مفید، ج ا ص ۱۲۱؛ بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۳۵۹۔ (۳) صحیح ترمذی، (باقی اگلے صفحہ پر

شیخ مفید اور علامہ قندوزی امیر المومنین علیہ السلام سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''میں نے حدیبیہ کے دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ: آپ نے فرمایا وہ کون ہے جس نے جان بوجھ کر علی علیہ السلام کی جانب جھوٹی نسبت دی اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ (۲)

۶۔ علامہ قندوزی جابر سے نقل کرتے ہیں کہ: حدیبیہ کے دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر کہا:

علی علیہ السلام نیکو کاروں کے امام اور قاتل کفار ہیں جو ان کی مدد کرے گا خدا بھی اس کی مدد کرے گا اور جو ان کو ذلیل کرے گا وہ خود ذلیل ہو جائے گا۔'' (۳)

صلح حدیبیہ کے اجتماعی اور سیاسی نتائج

کتاب کے اس حصہ کے اختتام پر مناسب ہے کہ صلح حدیبیہ کے سیاسی اجتماعی اور دینی نتائج کا ذکر کیا جائے تا کہ ان افراد کو دندان شکن جواب مل جائے کہ جنھوں نے صلح حدیبیہ کو بے ثمر اور بے نتیجہ قرار دیکر اس سفر مبارک کو بیکار سمجھ لیا اگر صلح حدیبیہ کا دقت سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ صلح صد در صد مسلمانوں کے مفاد میں رہی اور اس سے کئی مفید نتائج بر آمد ہوئے۔

۱۔ قریش کے سرداروں نے لوگوں کو فریب دیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے قتل کے ارادے سے

ج ۱۳،ص ۱۶۶؛ خصائص نسائی،ص ۱۰؛ محاسن و مساوی بغدادی ،ص ۴۱؛ مستدرک حاکم نیشاپوری، ج ۱،ص ۱۳۷؛ تاریخ بغدادی ، ج ۸،ص ۴۳۳؛ مناقب خوارزمی ،ص ۸۴؛ نہایہ ابن اثیر ،ج ۱،ص ۳۳۲؛ تذکرۃ الخواص ،ص ۴۵؛ ذخائر العقبی ،ص ۷۶؛ اور اہل سنت کے دوسرے اور منابع بھی ہیں کہ جیسے احقاق الحق کے مصنف نے ص ۶۰۶ سے ۶۱۳ تک لکھا ہے۔

(۲) ارشاد مفید، ج ۱،ص ۱۲۳؛ ینابیع المودہ، ج ۱،ص ۵۸۔

(۳) ینابیع المودہ، ج ۲،ص ۵۹۔

آئے ہیں، پیغمبر ﷺ نے اس صلح سے ان کی افواہوں اور سازشوں پر پانی پھیر دیا اور سب کو سمجھا دیا کہ ہمارے اس سفر کا مقصد صرف خانہ کعبہ کی زیارت اور فریضہ عمرہ کی ادائیگی ہے یہ عمل اس لئے ہے کہ ہم مکہ اور خانہ کعبہ جیسے مقدس مقامات کا احترام کرتے ہیں۔ یہی مسئلہ کفار کے دل جیتنے کا سبب بنا اور اسی صلح کی برکت سے کئی کفار مسلمان ہو گئے۔

۲۔اسی صلح کے برکت ہے کہ قریش نے مسلمانوں اور ان کے دین اسلام کو رسمیت دیکر ان سے دس سال تک نہ لڑنے کا عہد کیا۔

۳۔اسی صلح کی برکت سے مسلمانوں کو آزادی اور راحت وسکون ملا وہ اب آرام سے مکہ کا سفر کر سکتے تھے اب نہ انھیں اپنی جان کا خطرہ تھا نہ مال کا وہ سفر کے دوران کفار سے ملتے تھے اور اسی میل جول سے کفار، اسلام سے آشنا ہوئے اور مسلمانوں کی تعداد بڑھنے لگی۔

۴۔اسی صلح کی وجہ سے اسلام سارے جزیرۃ العرب میں پھیل گیا اور ہر جگہ رسول ﷺ کی صلح طلبی و آشتی خواہی کا شہرہ ہو گیا لہٰذا اس صلح ہی کی وجہ سے کفار قریش جو اسلام اور اس کے رہبر کو جنگجو اور خونریز سمجھ رہے تھے انھیں اپنی سوچ تبدیل کرنی پڑی۔

۵۔صلح حدیبیہ کے بعد ہی خیبر کو فتح کرنے اور یہودی جیسے انسانیت کے کینسر کی بیخ کنی کے راستے کھلے جو ہر طرح مسلمانوں اور اسلام کے لئے بہت بڑا خطرہ تھے۔

۶۔حدیبیہ سے پہلے لوگ اسلام کے گرویدہ ہونے کے باوجود اپنے قبیلہ والوں کے اور خوف وہراس کی وجہ سے اسلام قبول کرنے سے گھبراتے تھے لیکن جب اہل مکہ نے اس مذہب کو رسمی طور پر قبول کرلیا تو لوگ جوق در جوق اسلام کی طرف بڑھنے لگے حدیبیہ کے سفر میں مسلمانوں کی تعداد ۱۴۰۰ اریا ۱۸۰۰ ارتھی لیکن دو سال کے بعد دوسری جنگوں میں رسول ﷺ کے ہمرکاب لڑنے والے سپاہیوں کی تعداد دس ہزار سے زیادہ ہو گئی تھی۔

۷۔اس صلح کے بعد جب رسول خدا ﷺ عرب اور قریش کے خطرہ سے محفوظ ہو گئے تو آپ کو

کچھ فارغ البالی ہوئی آپ آسودہ خاطر ہوگئے تب آپ نے مختلف ممالک کے حاکموں کو خطوط بھیجے جس میں ایران، روم اور حبشہ جیسے اور بھی دنیا کے بڑے ممالک شامل تھے تو پتہ چلتا ہے کہ اس صلح نے مسلمانوں کو اتنی جرأت دی کہ وہ جزیرۃ العرب کے باہر بھی پاؤں پھیلانے لگے اور اسلام کے حیات بخش پیغام کو اس دور کے مختلف گوشوں میں پھیلایا۔

مذکورہ نکات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ اسلام کی بہت بڑی کامیابی کا نام ہے اس لئے قرآن مجید نے اس فتح کو فتح مبین سے یاد کیا ہے ﴿انا فتحنا لک فتحا مبینا﴾ (۱)۔یہی وجہ ہے کہ روایات میں صلح حدیبیہ کو فتح المبین سے پہچنوایا گیا۔

صاحب تفسیر جوامع الجامع اس سلسلہ میں نقل کرتے ہیں کہ جس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ سے مدینہ لوٹ رہے تھے تو اس وقت سورہ فتح نازل ہوا ایک صحابی نے پوچھا ''یہ کیسی فتح ہے کہ جس میں ہمیں خانہ کعبہ کی زیارت اور ہدایت سے روک دیا گیا'' پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم نے بہت غلط بات کہی بلکہ یہ تو ہماری سب سے بڑی فتح ہے کہ آج مشرکین نے بغیر کسی جھگڑے کے تم کو مکہ سے دور رکھا اور ہم سے راضی ہوگئے اور ہم سے صلح کی پیشکش کی، ہماری جانب سے جو سختیاں اور بے چینی انھیں ملی ہیں اس کو دیکھتے ہوئے انھوں نے جھگڑے کو خود ہی ختم کردیا۔(۲)

علامہ سیوطی نے اس حدیث کے آگے نقل کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو جنگ بدر اور احزاب کی مشکلوں اور پریشانیوں کو یاد دلایا مسلمانوں نے بھی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق اور مان لیا کہ صلح حدیبیہ مسلمانوں کی بہت بڑی کامیابی ہے، ابھی تک وہ نادانی میں الٹی سیدھی باتیں اور انکل پچو قضاوت کررہے تھے۔(۳)

---

(۱) فتح ۴۸:۱۔

(۲) تفسیر نور الثقلین، ج۵، ص۴۸، ح۹۔

(۳) تفسیر الدر المنثور، ج۶، ص۴۸۔

جنگ خیبر

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :

"لا دفعن الراية غدا ان شاء اللّٰه الى رجل كرار غير فرار ،يحب اللّٰه ورسوله و يحبه اللّٰه ورسوله ، لا ينصرف حتّٰى يفتح اللّٰه على يده"؛

انشاء اللہ کل میں علم اسلام اس شخص کو دونگا جو دشمن پر بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا ہوگا، وہ ہرگز میدان جنگ سے فرار نہ کرے گا، وہ خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہوگا اور خدا اور رسولؐ اسے دوست رکھتے ہوں گے، وہ محاذ سے فتح وکامرانی حاصل بغیر واپس نہ آئے گا ۔(۱)

خیبر عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنیٰ قلعہ اور مضبوط چہار دیواری ہے۔(۲) یہ ایک وسیع اور زرخیز علاقہ ہے جو مدینہ کے شمال مغرب میں دوسو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

اس سرزمین پر قبل از ظہور اسلام کچھ یہودیوں نے اپنے رہائش اور حفاظت کی خاطر سات مضبوط قلعے اور چہار دیواری بنائی تھی وہ جنگ کی صورت میں اسے مورچے کی طور پر بھی استعمال

---

(۱) تاریخ یعقوبی، ج۲،ص ۵۶۔

(۲) سیرہ حلبی، ج۲،ص ۷۲۶۔

کرتے تھے۔ جب مسلمانوں نے اس علاقہ کو فتح کیا تو اس وقت وہاں ۲۰/ہزار یہودی آباد تھے جن میں بڑے بڑے جنگجو مرحب جیسے خیبری بھی شامل تھے۔(۱)

جنگ خیبر کے اسباب

مدینہ میں اسلام کے ظہور اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس شہر میں آمد کے بعد یہاں پر اسلامی حکومت کی باقاعدہ بنیاد پڑ گئی۔ اس علاقہ کے یہودی خاص طور پر خیبر کے باشندے اسلام کے ساتھ دشمنی اور مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی دشمنی اور سازشوں کا دائرہ کار بڑھتا گیا یہاں تک کہ مخفی طور پر مکہ کے بت پرستوں کے ساتھ ان کی دوستی قائم ہو گئی اور اسلام و مسلمانوں کی نابودی کے لئے انھوں نے قریش کی مالی مدد بھی کی۔ رسول خدا یہودیوں کی ان کارستانیوں کا نہ فقط یہ کہ اسی طرح جواب دیتے تھے بلکہ ان کے ساتھ مہربانی اور نرمی رفتار کے ساتھ پیش آتے تھے۔ ان کے دینی مراسم کا احترام کرتے تھے۔ ایک دوسرے کے ساتھ صلح کے معاہدہ پر مکمل عمل کرتے تھے۔

یہودیوں کی سازشوں اور خیانت کا دائرہ کار مدینہ سے باہر تک بڑھ گیا اور انھوں نے جنگ احزاب میں کفار مکہ کی دس ہزار نفری فوج جو کہ مدینہ کے دروازہ تک پہنچ گئی تھی۔ ان کی مالی و جانی مدد کی، اس جنگ میں لشکر کفار خندق کے پیچھے ایک ماہ ٹھہرنے کے بعد ذلیل خوار ہو کر واپس مکہ چلا گیا۔

بیرونی اور اندرونی دشمنوں کی سازش ناکام ہو گئی اور مدینہ پھر سے امن و سلامتی کا گہوارہ بن گیا۔

اس ذلت و خواری والی ہار کی بنا پر یہودیوں کی دشمنی و عناد ختم نہ ہوئی تھی لہٰذا انھوں نے دوسرے ہزاروں یہودیوں اور قبائل کو ساتھ ملا کر مدینہ پر ایک بھرپور حملہ کرنے کا پروگرام بنایا۔ اسی پروگرام اور منصوبہ کے تحت 'فدک' وادی القریٰ اور 'تیما' کے یہودیوں نے ایک دوسرے کے ساتھ مکمل یکجہتی

(۱) سیرہ حلبی، ج۲، ص۷۲۶؛ تاریخ یعقوبی، ج۲، ص۵۶۔

اور ہم آہنگی کے لئے ایک دوسرے کی طرف جاسوس بھیجے۔ خداوند عالم کے لطف و کرم سے ایک یہودی جاسوسی کرتے ہوئے حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں پکڑا گیا۔ اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس یہودی نے اعتراف کیا کہ مجھے خیبر اور فدک کے یہودیوں کے ساتھ اطلاعات کا تبادلہ کرنے اور سازش کو ہم آہنگ کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ خبر ملتے ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبل اس کے کہ یہودی کوئی اقدام کرتے، تمام مسلمانوں کو تیار ہونے کا حکم دے دیا۔

حضرت علی علیہ السلام لشکر اسلام کے علمبردار

خیبر کے یہویوں کی بھیانک سازش سے آگاہی حاصل کرنے کے بعد آپ سمجھ گئے کہ ان کی دشمنی اور کینہ ختم ہونے والا نہیں ہے وہ کسی بھی وقت کفار قریش کی مدد سے مدینہ کے امن کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ آپ نے راکھ میں دبی اس آگ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بجھانے کی خاطر اس فرصت کو بہت مناسب جانا۔ کیونکہ صلح حدیبیہ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنوب کی طرف سے (یعنی قریش سے) آسودہ خاطر ہو گئے تھے۔ صلح حدیبیہ کی قرارداد منعقد کرنے اور مکہ سے واپسی کے بعد محرم (۱) یا جمادی الاول (۲) ۷ھ میں آپ نے یہودیوں کے مرکز یعنی قلعہ خیبر کی طرف حرکت کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ رسول خداؐ نے نمیلہ لیثی (۳) اور ایک قول کے مطابق سباع بن عرفطہ غفاری (۴) کو اپنی جگہ پر مدینہ میں منصوب کیا اور سفید علم اسلام کے شکست ناپذیر علمبردار حضرت علی علیہ السلام کے سپرد کیا اسی ۱۶۰۰/آدمیوں کے لشکر میں دو سو گھوڑے سوار بھی شامل تھے۔ (۵)

---

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج ۳، ص ۳۔ سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۷۲۶؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۲۹۸؛ بحار الانوار، ج ۲۱، ص ۲۵۔ .... (۲) طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۱۰۶۔ .... (۳) سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۷۲۷؛ سیرہ ابن ہشام، ج ۳، ص ۳۴۲۔ .... (۴) کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۹۴؛ طبقات ان سعد، ج ۲، ص ۱۰۶۔

(۵) سیرہ ابن ہشام، ج ۳، ص ۳۴۲؛ طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۱۰۶۔

سپاہ اسلام کو جلدی سے منزل تک پہنچانے اور دشمن کو غافلگیر کرنے کے لئے پیغمبر اسلام ﷺ نے عامر بن اکوع قافلے کے نگہبان سے کہا کہ اونٹوں کو ہانکتے وقت "حدی" پڑھنا۔ عامر نے بہت خوبصورت اور یادگار اشعار پڑھے جو درج ذیل ہیں:

واللہ لولا اللّٰہ ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا

انا اذا قوم بغوا علینا وان ارادوا فتنۃ ابینا

فانزلن سکینۃ علینا وثبت الاقدام ان لاقینا

خدا کی قسم اگر اس لطف اور مہربانی شامل حال نہ ہوتی تو ہم بالکل ہدایت یافتہ نہ ہوتے، نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے۔

ہم ایسی ملت ہیں کہ اگر کوئی قوم ہم پر ظلم کرے یا ہمارے خلاف کوئی سازش کرے تو ہم اسے ہرگز برداشت نہیں کریں گے۔

خداوندا! مشکلات اور حوادث کے مقابلہ میں ہمیں آرام وسکون نصیب فرما اور ہمیں اس راستے پر ثابت قدم رکھ!۔

عامر نے ان اشعار میں یہودیوں کے ساتھ جنگ کرنے کی وجہ بیان کی ہے کہ انھوں نے ہم پر ظلم کیا ہے اور فتنہ کی آگ لگائی ہے اور ہم اسے بجھانے کی خاطر مشکلات سفر برداشت کررہے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ ان اشعار کو سن کر بہت خوش ہوئے، حضرتؐ نے ان کے حق میں دعا فرمائی۔ عامر اس جنگ میں شہادت پر فائز ہوئے۔(۱)

خیبر کے علاقہ میں داخل ہوتے وقت حضور اکرمؐ کی دعا

مجاہدین اسلام جیسے ہی خیبر کے علاقہ میں داخل ہوئے تو رسول خدا ﷺ نے انھیں وہاں ٹھہر

(۱) کامل ابن اثیر، ج۱، ص۵۲۵؛ سیرہ ابن ہشام، ج۳، ص۳۴۲؛ صحیح بخاری، ج۵، ص۲۴۱۔

نے کا حکم دیا اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی کہ جس میں آپ نے اپنی پاک نیت اور خدائی مقصد کو بیان کیا ہے۔

''خداوندا! تو ساتوں آسمانوں کا اور جو کچھ اس کے نیچے ہے اس کا رب ہے۔ تو زمین کا اور جو کچھ اس کے اوپر ہے اس کا رب ہے۔ تو شیاطین کا بھی رب ہے اور ان کا بھی جو گمراہی کی طرف جاتے ہیں تو ہواؤں کا اور جسے وہ بکھیر دیتی ہے اس کا بھی رب ہے۔ ہم تجھ سے اس علاقہ کی اس میں رہنے والوں کی اور جو کچھ اس میں ہے اس کی خیر وخوبی چاہتے ہیں۔ اور اس علاقہ کی بدی اور اس کے رہنے والوں کی بدی اور جو کچھ اس میں ہے ان سب کے شر سے تیری پناہ چاہتے ہیں''۔

اس کے بعد مجاہدین اسلام سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''خدا کا نام لے کر اس سرزمین میں داخل ہو جاؤ!'' (۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حالت تضرع میں لشکر اسلام کے سامنے اس دعا کو اس لئے پڑھا تاکہ یہ واضح کریں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کشور گشائی یا انتقام جوئی کے لئے نہیں آئے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر کے یہودیوں کا قلع قمع کرنے اور ان کے مال واسباب پر قبضہ کرنے کی خاطر نہیں آئے بلکہ ان کا مقصد اسلام کے خلاف سازشیں کرنے والے مرکز کا خاتمہ تھا تاکہ اسلام کی سعادت بخش تعلیمات لوگوں تک پہنچ سکے۔

خیبر پہنچنے والے راستوں کا بند کرنا

خیبر کے سات قلعے یعنی ناعم، قموص، کتیبہ، نطاۃ، شق، وطیح، سلالم، (۲) اس علاقہ کے یہودیوں کی حفاظت کے لئے بنائے گئے تھے۔ دفاعی قدرت کو بڑھانے کے لئے انھوں نے ہر قلعہ کے ساتھ

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج ۳، ص ۳۴۳؛ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۹۵؛ سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۷۲۹؛ ارشاد مفید، ج ۱، ص ۱۲۴؛ بحار الانوار، ج ۲۱، ص ۴۔

(۲) طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۱۰۶۔

بلندی پر ایک چیک پوسٹ بنائی تھی۔ قلعوں کی بناوٹ کچھ اس طرح کی تھی کہ اس کے رہائشی قلعہ کے باہر والے حصہ پر بھی مکمل تسلط رکھتے تھے کہ وہ منجنیق (گوپھن) کے ذریعہ دشمن پر سنگساری کر سکتے تھے۔(۱)

قلعوں کی ایک خصوصیت ان کا استحکام تھا، نہ ہی وہ خراب ہو سکتے تھے اور نہ ہی ان میں سراخ وغیرہ کیا جا سکتا تھا۔ حتیٰ کہ بعض قلعہ زمین کے اندر اندر ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے یعنی ایک قلعہ سے دوسرے قلعہ میں جانے کے لئے زمین کے نیچے راستے بنے ہوئے تھے تاکہ خطرے کے وقت وہ ایک دوسرے کی مدد کر سکیں۔

خیبر کی بیس ہزار کی آبادی میں دو ہزار جنگجو دلاور موجود تھے۔ غذا کے بہت سے ذخیرے ہونے کے سبب جنگ کے زمانے میں انھیں غذا کی کوئی مشکل نہ ہوتی تھی۔ جب دشمن ان کے قلعے کے نزدیک ہونا چاہتا تھا تو وہ اس پر سنگباری کر کے اسے عقب نشینی پر مجبور کر دیتے تھے۔

اس قدرت مند اور طاقتور دشمن کے مقابلے کے لئے ضروری ہے کہ لشکر اسلام مناسب فوجی مہارتوں کو بروئے کار لائے تاکہ دشمن کو اس کے گھر میں ہی دفن کر دیا جائے۔ لہٰذا رسول اکرم ﷺ رات کے اندھیرے میں خیبر میں داخل ہوئے سب سے پہلے خیبر پہنچنے والے حساس راستوں کو بند کیا گیا یہ کام انتہائی خفیہ طریقہ سے انجام پایا، صبح یہودی روزمرہ کے کاموں کے لئے قلعوں سے باہر نکلے جب ان کی نظریں مجاہدین اسلام پر پڑیں تو ان پر رعب و وحشت طاری ہو گیا۔ وہ فوراً واپس پلٹے انھوں نے قلعے کے دروازوں کو اندر سے مضبوطی سے بند کر لیا۔ وہ پکار پکار کر کہہ رہے تھے "واللہ محمد والخمیس" خدا کی قسم محمدؐ اپنے لشکر کے ہمراہ پہنچ گئے ہیں۔(۲)

---

(۱) طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۱۰۶۔

(۲) کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۹۵؛ طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۱۰۶؛ سیرہ ابن ہشام، ج ۳، ص ۳۴۳؛ سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۳۰۷؛ صحیح بخاری، ج ۵، ص ۲۴۲۔

محاصرے میں آ جانے کے بعد یہودیوں کے جنگجو سرداروں نے ایک فوجی کمیٹی تشکیل دی اور لشکر اسلام کا مقابلہ کرنے کے لئے صلاح مشورہ میں مشغول ہو گئے۔ بالآخر یہ طے پایا کہ عورتوں اور بچوں کو ایک قلعہ میں منتقل کر دیا جائے اور اناج وغیرہ کا ذخیرہ ایک دوسرے قلعہ میں محفوظ کر لیا جائے۔ قلعہ پر تعینات جنگجو پتھروں اور نیزوں کے ساتھ اوپر سے سپاہ اسلام کو اپنے حملوں کا نشانہ بنائیں تاکہ اسلام کے سپاہی قلعہ کے نزدیک نہ آسکیں۔ ہر قلعہ میں موجود دلاور سپاہی مناسب وقت پر قلعہ سے باہر آ کر مسلمانوں سے جنگ کریں۔

خیبر کے یہودیوں کا یہ منصوبہ کارگر ثابت ہوا۔ وہ تقریباً بیس دن تک مقابلہ کرتے رہے ان ہی دنوں لشکر اسلام کے علمبردار حضرت علی علیہ السلام، آنکھوں کے شدید درد میں مبتلا ہو گئے لہٰذا وہ جنگی محاذوں پر حاضر نہ ہو سکے۔ (۱)

قلعوں کی فتح

اسلام کے سپاہی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سربراہی میں، سات قلعوں کے مقابلے میں جمے کھڑے ہوئے تھے وہ ہر چند دن بعد ایک قلعہ کو فتح کر کے اس کا رابطہ دوسرے قلعہ سے ختم کرنے کی کوشش کرتے ایک قلعہ فتح کرنے کے بعد وہ دوسرا قلعہ فتح کرنے کی جدو جہد میں مصروف ہو جاتے۔

بعض مؤرخین کے بقول جو قلعہ سب سے پہلے فتح کیا گیا اس کا نام ناعم تھا۔ اس قلعہ کو فتح کرتے ہوئے اسلام کے عظیم مجاہد محمد بن مسلمہ انصاری فیض شہادت سے سرفراز ہوئے۔

قلعہ ناعم کے بعد مسلمانوں نے قلعہ قموص کو فتح کر لیا۔ (۲) اس قلعہ میں موجود حیی ابن اخطب

(۱) ارشاد مفید، ج ۲، ص ۱۲۵؛ بحار الانوار، ج ۲۱، ص ۱۴۔

(۲) بعض کے بقول قلعہ قموص بعد میں حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں فتح ہوا (اور یہی درست ہے)

کی بیٹی صفیہ اسیر ہوگئی۔ وہ بعد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں آئیں۔(۱)

اس کے بعد دوسرے قلعے بھی فتح ہوگئے۔ دو اہم قلعے بنام وطیح وسلالم باقی رہ گئے تھے جو اسلام کے علمبردار حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں فتح ہوئے۔

حضرت علی علیہ السلام کی کامیابی

باقی ماندہ دو قلعوں یعنی طیح وسلالم کی یہودیوں نے پوری قوت کے ساتھ حفاظت کی، یہودیوں کا نامور پہلوان مرحب خیبری بھی اس قلعہ میں موجود تھا۔ مسلمانوں نے ان دو قلعوں کو فتح کرنے کے لئے دس دن بھرپور حملے کئے مگر اسلام کے سپاہیوں قلعے کے نزدیک پہنچتے ہی شدید سنگ باری کا سامنا کرنا پڑتا لہٰذا وہ بغیر کسی نتیجے کے واپس آجاتے۔ حتیٰ کہ نامی گرامی مسلمان دلاور بھی ان حملوں کی تاب نہ لا کر عقب نشینی اختیار کر لیتے۔

اس صورت حال نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت آزردہ کیا آپ نے تمام مسلمان سپاہیوں اور سپہ سالاروں کو ایک جگہ جمع کیا اور فرمایا ''انشاء اللہ کل علم اسلام اس شخص کو دوں گا جو دشمن پر بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا ہوگا، وہ ہرگز میدان جنگ سے فرار نہ کرے گا، وہ خدا اور رسولؐ کی دوست رکھتا ہوگا اور خدا اور رسولؐ اسے دوست رکھتے ہوں گے وہ محاذ جنگ سے واپس نہ آئے گا جب تک کہ فتح و کامرانی حاصل نہ کر لے۔(۲)

تمام مؤرخین نے مختلف عبارات کے ساتھ اس حدیث کو نقل کیا ہے۔(۳) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ نوید سنائی تو سب مسلمان یہی آرزو کر رہے تھے کہ کاش یہ افتخار اسے حاصل

---

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج ۳، ص ۳۴۴۔

(۲) تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۵۶؛ بحار الانوار، ج ۲۱، ص ۳۰ و ۲۴۔

(۳) کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۹۶؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۳۰۰۔

ہو جائے۔ ایک قول کے مطابق جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ نوید حضرت علی علیہ السلام کے گوش گزار ہوئی تو آپؑ نے آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا: ”خدایا! تو جس چیز کو نہ دے اسے کوئی بھی نہیں دے سکتا اور تو جس چیز کو عطا کرے اسے کوئی بھی نہیں روک سکتا“۔(۱)

دوسرے دن صبح مہاجرین وانصار کے سپہ سالار نماز فجر کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد جمع ہو گئے تھے وہ اس بات کے منتظر تھے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج فتح وکامرانی کا علم کس خوش نصیب کے سپرد کرتے ہیں۔ کسی کو بھی اس بات کا یقین نہ تھا کہ یہ افتخار حضرت علی علیہ السلام کو نصیب ہوگا، چونکہ آپ آنکھوں کے شدید درد میں مبتلا تھے۔ اچانک پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک جملہ نے محفل پر چھائی ہوئی خاموشی کو توڑ دیا۔ آپ نے فرمایا: ”این علی ؟“ علیؑ کہاں ہیں؟

کچھ لوگوں نے کہا کہ ”وہ آنکھوں کے درد میں مبتلا ہیں اور پاس ہی آرام کر رہے ہیں“۔

مؤرخین کے بقول (۲) حضرتؑ کا درد اس قدر شدید تھا کہ آنکھیں کھولنا ان کے لئے محال تھا۔ رسول اسلامؐ نے سلمان وابوذر کو حکم دیا کہ وہ علی علیہ السلام کو لے کر آئیں۔ جب حضرت علی علیہ السلام آئے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا مبارک ہاتھ ان کی آنکھوں پر پھیرا اور دعا فرمائی خداوندا، علی علیہ السلام کی آنکھوں کا درد اور گرمی وسردی کو اس سے دور فرما۔ اسے دشمن پر فتح عطا فرما! بے شک وہ تیرا بندہ ہے، وہ تجھے اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوست رکھتا ہے اور محاذ جنگ سے بالکل فرار کرنے والا نہیں ہے۔(۳)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست شفا سے حضرت علی علیہ السلام کی آنکھوں کا درد ختم ہو گیا اور اس عنایت کی برکت سے تا آخر عمر کبھی آنکھوں کے درد میں مبتلا نہ ہوئے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم اسلام

---

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج۳، ص۳۴۹؛ سیرہ حلبی، ج۲، ص۷۳۶۔

(۲) احقاق الحق، ج۵، ص۴۲۰۔

(۳) ارشاد مفید، ج۱، ص۱۲۹۔

حضرت علی علیہ السلام کے سپرد کیا اور فرمایا: ''جاؤ! جبرئیل آپ کے ہمراہ ہوں! اور نصرت الٰہی نصیب ہو! خدا تیرے دشمنوں کے دلوں پر رعب و وحشت طاری کرے۔''(۱)

حسان بن ثابت انصاری نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت لے کر حضرت علی علیہ السلام کی مدح میں اشعار بیان کئے جن میں سے دو شعر یہ ہے:

وکان علیٌّ اَرمدُ العین یبتغی دواءً فلما لم یُحسَّ مُداویا

شفاہ رسول اللّٰہ منہ بتفلۃ فبورک مرقیًا و بورک راقیًا

اس دن حضرت علی علیہ السلام کی آنکھوں میں درد تھا اور وہ دوا کی تلاش میں تھے لیکن علاج کے لئے کوئی چیز نہ تھی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی آنکھوں کو لعاب دہن سے شفا دے دی۔ مبارک اور سعادت مند ہے وہ جو صحت یاب ہو گیا اور وہ کہ جس نے شفا دی۔

حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں مرحب کا قتل

علمبردار اسلام کے حضرت علی علیہ السلام نے قلعہ وطیح اور سلالم کو فتح کرنے کے لئے مضبوط زرہ پہنی مخصوص تلوار ''ذوالفقار'' کو حمایل کیا اور فتح و کامرانی کے سفید پرچم کو ہاتھوں میں لیکر چند مجاہدین اسلام کے ہمراہ دشمن کے قلعہ کی طرف بڑھے۔ جونہی وہ قلعہ کی پشت پر پہنچے تو علم اسلام کو زمین پر نصب کر دیا۔

جب خیبر کے یہودیوں نے حضرت علی علیہ السلام اور دیگر مجاہدین اسلام کو خیبر کے نزدیک پایا تو اچانک انھوں نے خیبر کے دروازہ کھول دیئے اور یہودی جنگجوؤں کا ایک گروہ باہر آیا۔ لڑائی شروع ہوگئی سب سے پہلے مرحب کا بھائی حارث آگے بڑھا اس نے زور سے نعرہ لگایا حضرت علی علیہ السلام نے

---

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج ۳، ص ۳۴۹؛ سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۷۳۱؛ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۵۹۶؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۳۰۰؛ ارشاد مفید، ج ۱، ص ۱۲۶۔

تیزی کے ساتھ اس پر وار کیا، جونہی ذوالفقار حیدری حارث کے سر پر لگی ویسے ہی وہ زمین پر ڈھیر ہوگیا۔(۱)

حارث کی موت نے مرحب کو بہت متاثر اور غمزدہ کیا اور وہ بھائی کے خون کا انتقام لینے کے لئے میدان جنگ میں کود پڑا۔ وہ اسلحہ سے لیس، فولاد کی زرہ زیب تن کئے، پتھر کی مخصوص ٹوپی سر پر پہنے ہوئے میدان میں آیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں تین نوک والا نیزہ تھا۔ وہ خیبر کے بڑے مضبوط قلعہ 'قموص' سے باہر آیا۔(۲) اور حضرت علی علیہ السلام کے مدمقابل آکر عرب کے دستور کے مطابق رجز پڑھنے لگا:

قد علمتْ خیبرٌ انی مرحب　　شاکی السّلاح بَطَلٌ مُجَرَّبٌ

میں مرحب ہوں سارا خیبر مجھے جانتا ہے، میں تجربہ کار جنگجو ہوں اور تمام جنگی اسلحوں سے لیس ہوں۔

حضرت علیؑ نے بھی اس کے رجز کا جواب رجز سے دیا۔

اَنَا الَّذِیْ سَمَّتنی اُمّی حیدره　　ضرغامُ اجامٍ ولیثٍ قسوره

کلیث غاباب کریه المنظره

میرا نام میری ماں نے حیدر (اژدہے کا چیرنے والا) رکھا، میدان جنگ کا مرد دلاور اور شیر ہوں، شیر کی طرح ہیبت ناک ہوں۔(۳)

دونوں طرف سے رجز خوانی ختم ہوئی تو تن بہ تن لڑائی کا آغاز ہوگیا۔ اسلام و یہود کے دو دلاوروں کی تلواروں اور نیزوں نے دونوں طرف کے لشکروں کے دلوں پر رعب و وحشت طاری

(۱) سیرہ حلبی، ج۲، ص۷۳۷۔

(۲) کامل ابن اثیر، ج۱، ص۵۹۷؛ سیرہ ابن ہشام، ج۳، ص۳۴۷؛ ارشاد مفید، ج۱، ص۱۲۷؛ (اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ قلعہ ابھی فتح نہیں ہوا تھا)

(۳) سیرہ حلبی، ج۲، ص۷۳۷؛ تاریخ طبری، ج۲، ص۳۰۱؛ تاریخ یعقوبی، ج۲، ۵۶۔

کردی۔ اتنے میں حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام حیدر کرار کی ذوالفقار مرحب کے خود (پتھر والی ٹوپی) اور سر کو چیرتی ہوئی اس کے جبڑے تک آ پہنچی، مرحب زمین پر گرا اور گرتے ہی واصل جہنم ہوا۔ حضرت علی علیہ السلام کی ہیبت ناک ضربت کو دیکھتے ہی جو جنگجو مرحب کے پیچھے کھڑے تھے وہ بھاگ گئے اور انھوں نے قلعوں کے اندر جا کر پناہ لی۔ کچھ یہودی جو میدان میں ڈٹے رہے اور حضرت علیؑ سے مقابلہ کی فکر میں تھے وہ بھی حضرت علی علیہ السلام کے حملوں سے داروغۂ جہنم کے حوالے ہو گئے۔

حضرت علیؑ بھاگنے والوں کا پیچھا کرتے کرتے خیبر کے در تک پہنچے، اس دوران ایک یہودی جنگجو نے حضرت علیؑ کی ڈھال پر تلوار ماری اور وہ آپؑ کے ہاتھوں سے گر پڑی حضرت علی علیہ السلام فوراً قلعہ کے دروازے کی طرف بڑھے اور اسے اکھاڑ لیا۔ آپ نے لڑائی کے آخر تک اس دروازے کو ڈھال بنائے رکھا۔

ابو رافع کہتے ہیں: "قلعہ فتح کرنے کے بعد جب حضرت علی علیہ السلام نے دروازے کو زمین پر رکھا تو میں نے اور مجاہدین اسلام میں کے سات طاقتور افراد نے اس دروازے کو ہلانے کی بہت کوشش کی مگر ہم ہلا نہ سکے۔ (۱)

حلبی نے لکھا: "چالیس افراد مل کر بھی اس دروازہ کو اٹھانے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔" بعض نے کہا کہ "ستر افراد مل کر بھی اسے نہ اٹھا سکتے تھے۔" (۲)

جس قلعہ کو مجاہدین اسلام دس دن تک کوشش کرنے کے باوجود فتح نہ کر سکے وہ حضرت علی علیہ السلام کے توانا بازوؤں اور دست ید الٰہی سے فتح ہو گیا۔ اسلام کے سپاہی خیبر میں داخل ہو گئے اور انھوں نے اس سازشی مرکز کو نابود کر دیا۔

---

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج۳، ص۳۴۸؛ کامل ابن اثیر، ج۱، ص۵۹۷؛ تاریخ طبری، ج۲، ص۳۰۲؛ ارشاد مفید ج۱، ص۱۲۷؛ بحار الانوار، ج۲۱، ص۱۲۸۔

(۲) سیرہ حلبی، ج۲، ص۳۷۷۔

شیخ مفید عبداللہ جدلی سے امیر المومنینؑ کی زبانی دروازہ اٹھانے کی حکایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''درخیبر کو اکھاڑا اسے ڈھال بنایا، جنگ کے بعد اسے قلعہ کے ارد گرد بنی ہوئی خندق پر ڈالا پھر اسے خندق میں گرا دیا، ایک شخص نے پوچھا: کیا آپ نے اس کی سنگینی کا احساس کیا؟ میں نے کہا: میں نے تو اس کا وزن اپنی ڈھال کے برابر ہی محسوس کیا۔''(۱)

مؤرخین نے خیبر کے دروازہ کو اکھاڑنے اور حضرت علی علیہ السلام کی بہادری کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ تعجب خیز ہے۔ ایسا کام عام انسانی قوت کے ذریعہ ممکن نہیں ہے۔ قاضی عضد الدین اور دیگر مؤرخین نے حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں ایک بات لکھی ہے جو کہ حقیقت پر مبنی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے فرمایا:

"واللّٰہ ما قلعتُ باب خیبر بقوۃ جسمانیۃ ،بل بقوۃ رحمانیۃ؛"

خدا کی قسم میں نے درخیبر کو جسمانی قوت سے نہیں اکھاڑا بلکہ قوت رحمانیہ سے یہ کام انجام دیا۔(۲)

حضرت علی علیہ السلام کی فضیلت پر دوسروں کا حسرت کرنا

دوست اور دشمن دونوں نے حضرت علی علیہ السلام کے کو فتح خیبر کے موقع پر ملنے والی فضیلت پر، حسرت کا اظہار کرتے ہوئے اس فضیلت کا اقرار و اعتراف کیا ہے۔ یہاں چند نمونے پیش کرتے ہیں:۔

۱۔ ابوہریرہ کہتے ہیں: ''جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں خیبر میں فرمایا: ''کل علم اسلام اس کو دوں گا جو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوست رکھتا ہوگا اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

(۱) ارشاد مفید، ج ۱، ص ۱۲۸۔

(۲) احقاق الحق، ج ۱، ص ۳۸۴؛ بحار الانوار، ج ۲۱، ص ۲۶۔

اسے دوست رکھتے ہوں گے اور وہ فتح و کامرانی حاصل کئے بغیر واپس نہ آئے گا، تو حضرت عمر بن خطاب نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ باتیں سن کر حسرت کا اظہار کیا اور کہا آج سے پہلے سپہ سالاری اور علمبرداری کو دوست نہ رکھتا تھا، لیکن اس دن کے اس منزلت کو بڑی بے تابی سے چاہتا تھا اور حضرت علی علیہ السلام کے مقام و منزلت کو حسرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔(۱)

۲۔ سعد وقاص امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے بعد ایک دفعہ دار الندوہ مکہ میں بیٹھا ہوا تھا بہت سارے اصحاب بھی موجود تھے۔ اس نے حاضرین کو مخاطب کر کے کہا: ''خدا کی قسم میں جب بھی حضرت علی علیہ السلام کی تین فضیلتوں کو یاد کرتا ہوں تو حسرت کرتا ہوں کہ کاش ان میں سے کوئی ایک مجھے بھی حاصل ہو جاتی۔

[الف]:۔ جس دن رسول خداؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا اور خود تبوک کی طرف روانہ ہوئے تو حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: اے علی علیہ السلام تجھے میرے ساتھ وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔ مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔

[ب]:۔ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں سے مباہلہ کیا تو آپ نے حضرت علیؑ، حضرت فاطمہ زہراؑ، حضرت حسنؑ اور حضرت حسین علیہم السلام کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ''خداوندا! یہ میرے اہل بیت علیہم السلام ہیں!۔ ان سے رجس کو دور فرما اور انھیں پاک و پاکیزہ قرار دے جیسا کہ پاک رکھنے کا حق ہے۔

[ج]:۔ جس دن مسلمان خیبر کے یہودیوں کے چند مضبوط قلعوں کو فتح کرنے سے عاجز آ گئے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مجاہدین کو اکٹھا کر کے فرمایا: ''کل علم اسلام اس شخص کو دوں گا جو خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے اور اس کو خدا و رسولؐ دوست رکھتے ہیں اور وہ میدان سے فرار نہیں کرے گا اور قلع کو فتح کئے بغیر واپس نہیں پلٹے گا فتح اس کے دونوں ہاتھوں پر ہوگی۔

(۱) صحیح مسلم، ج ۱۵، ص ۱۷۶؛ بحار الانوار، ج ۲۱، ص ۲۷۔

اسلام کے سپہ سالاروں نے اس مقام کو حاصل کرنے کی آرزو میں پوری رات بسر کی، اگلے دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو بلایا اور علم اسلام ان کے سپرد کیا اور خدا نے حضرت علی علیہ السلام کے جہاد کی برکت سے عظیم کامیابی ہمیں عنایت کی۔" (۱)

فضیلت جاوید

ابن جوزی حضرت علی علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

"فما رمدت عینی بعد ذلک الیوم وما وجدت الم البرد ولا شدة الحر منذ دعا رسول اللّٰہ".

جب سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر میں میرے حق میں دعا کی اس کے بعد نہ آنکھوں کے درد میں مبتلا ہوا اور نہ سردی و گرمی نے اذیت دی۔"

راوی کہتا ہے حضرت علی علیہ السلام گرمیوں میں جب موٹا لباس پہنتے تھے تو گرمی آپ کو تکلیف نہ دیتی تھی اور سردیوں میں جب نازک لباس پہنتے تھے تو سردی کا احساس نہ کرتے تھے۔ (۲)

جنگ خیبر میں حضرت علیؑ کے امتیازات کی فہرست

لشکر اسلام کے علمبردار حضرت علی علیہ السلام نے جنگ خیبر میں جو افتخارات و امتیازات حاصل کئے اس کا خلاصہ حسب ذیل بیان کیا جاتا ہے:

۱۔ اس جنگ میں بھی لشکر اسلام کی علمبرداری حضرت علی علیہ السلام کے پاس تھی۔

---

(۱) صحیح مسلم، ج۵، ص۱۷۵؛ مروج الذہب، ج۳، ص۲۳۔

(۲) تذکرہ الخواص، ص۳۲؛ فرائد السمطین، ج۱، ح۲۰۳۔

۲۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں علم اس کو عطا کروں گا جو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے دوست رکھتے ہیں۔

۳۔ حضرت علی علیہ السلام کرار ہیں غیر فرار ہیں۔

۴۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الہام خداوندی کے ذریعہ حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: ''خداوند عالم اس مضبوط قلعہ کو تمہارے ہاتھوں فتح کرے گا اور تمہارے وسیلہ سے مسلمانوں کو فتح ونصرت حاصل ہوگی۔''

۵۔ جب حضرت علی علیہ السلام کو خبر ملی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کی فتح وکامرانی کے لئے انھیں انتخاب کیا ہے تو آپ بالکل مغرور نہ ہوئے بلکہ اسے عنایت خداوندی جانا۔

۶۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک کی برکت سے علی علیہ السلام کی آنکھوں کا درد اس طرح ختم ہوگیا کہ پھر کبھی بھی آپ اس میں مبتلا نہ ہوئے۔

۷۔ سردی اور گرمی سے محفوظ رکھنے والی دعائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تا آخر دم موثر رہی۔

۸۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: ''اگر ایک آدمی تمہارے ذریعہ ہدایت پا جائے تو وہ ہر اس چیز سے بہتر ہے کہ جس پر سورج چمکتا ہے۔

۹۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ملتے ہی حضرت علی علیہ السلام قلعہ کی طرف بڑھے اور پرچم اسلام کو دشمن کے مضبوط قلعہ کے پاس نصب کر دیا۔

۱۰۔ حضرت علی علیہ السلام حارث (برادر مرحب) کی ہولناک آواز پر نہ گھبرائے اور تن تنہا اس جنگجو کو ہلاک کر دیا۔

۱۱۔ حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ کسی میں مرحب کا مقابلہ کرنے اور اسے ہلاک کرنے کی جرأت و ہمت نہ تھی۔

۱۲۔ حضرت علی علیہ السلام نے تن تنہا مرحب کے ساتھ جنگ کی اور اسے واصل جہنم کیا۔

۱۳۔ حضرت علی علیہ السلام نے خیبر کے اس دروازے کو جسے آٹھ بہادر پہلوان بھی نہ ہلا سکتے تھے قدرت الٰہی سے اکھاڑ کر خندق پر ڈال دیا تاکہ لشکر اسلام اس کے اوپر سے گزر جائے۔

۱۴۔ سب سے اہم یہ کہ حضرت علی علیہ السلام کا جہاد راہ خدا میں تھا مسلمانوں کو اس جہاد سے فتح حاصل ہوئی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسرور و خوشحال ہوئے۔

فتح خیبر کے بعد عفو اور درگزر

اللہ کے برگزیدہ بندے فتح و کامیابی اور قدرت و طاقت حاصل کرنے بعد، خوف و وحشت اور ضعف و ناتوانی کے شکار دشمن کے ساتھ محبت و مہربانی سے پیش آتے ہیں اور انتقام جوئی نہیں کرتے۔ فتح خیبر میں یہ بات روز روشن کی طرح نظر آتی ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح خیبر کے بعد تمام مردوں عورتوں اور بچوں کو، باوجود اس کے کہ وہ قیدی بنالئے گئے تھے اور انھوں نے گزشتہ سالوں میں بہت مظالم اور اسلام کے خلاف سازشیں بھی کی تھیں، بخش دیا۔ اسی طرح ان کی زمینوں، اور کھلیانوں اور باغوں کو اس شرط پر کہ زمینوں اور باغوں کی نصف درآمد حکومت اسلامی کو جزیہ کے طور ادا کریں گے، انھیں واپس کر دیا۔ (۱)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر کی فتح کے بعد دشمن کے سبھی مردوں کو قتل کر سکتے تھے، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا سکتے تھے، یا سب کو خیبر سے دور نکال کر کسی ویران جگہ پر بھیج سکتے تھے، یا کم سے کم انھیں مجبور کر سکتے تھے کہ دین اسلام کو جبرا قبول کریں۔ مگر مغربی اور مشرقی غرض مند دانشوروں کے نظریات کے برعکس پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کوئی کام انجام نہ دیا، یہاں تک کہ انھیں مذہبی مراسم کی بھی آزادی دی۔

دنیا میں ایسا کوئی رہبر نظر نہ آئے گا کہ جو اپنے دیرینہ دشمن پر فتح و کامیابی حاصل کر لینے کے بعد

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج ۳، ص ۳۵۲۔

نہ فقط یہ کہ اسے قتل وغارت کا نشانہ نہ بنائے بلکہ عفو و درگزر کر کے ان کی زمینوں اور باغوں کو ان کے حوالے کر دے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حسن سلوک ثابت کرتا ہے کہ آپ کی تمام جنگوں کا مقصد حکومت یا قدرت نمائی نہ تھا بلکہ ان جنگوں کا مقصد دین مقدس و رحمت یعنی اسلام کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنا تھا تاکہ تمام انسان باعزت و باشرافت زندگی گزاریں۔

جعفر ابن ابی طالبؑ کی حبشہ سے واپسی

فتح خیبر کی مناسبت سے اسلام کے ایک اور مجاہد یعنی جعفر بن ابی طالبؑ برادر حضرت علی علیہ السلام کا ذکر کرتے ہیں۔

خیبر روانگی سے قبل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو بن امیہ کو حبشہ بھیجا تاکہ وہ وہاں کے بادشاہ سے مہاجر مسلمانوں کی واپسی کے سارے زمینہ فراہم کروائیں۔

جب کشتی مدینہ کے نزدیک ساحل پر پہنچی تو مہاجرین کشتی سے نیچے اترے انھیں اطلاع ملی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر اسلام کے ہمراہ خیبر کی طرف جاچکے ہیں اور وہاں کے یہودیوں کے ساتھ مشغول جہاد ہیں۔ یہ مہاجرین فوراً خیبر کے علاقے کی طرف روانہ ہوگئے۔ جب وہاں پہنچے تو مسلمان خیبر کے تمام قلعے فتح کر چکے تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب مہاجرین حبشہ اور ان کے سالار جعفر ابن ابی طالبؑ کی آمد کی خبر ملی تو آپ ان کے استقبال کے لئے آگے بڑھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جعفر کی پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا:

"ماادری بایھما انا اسر :بفتح خیبر ام بقدوم جعفر"

سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کس بات پر زیادہ خوشحال ہوں! جعفرؑ کی کئی سالوں کے بعد حبشہ سے واپسی پر یا علی علیہ السلام کے ہاتھوں خیبر کی فتح پر۔"(۱)

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج۴، ص۴۔

اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''آج میں تمہیں ایک تحفہ دینا چاہتا ہوں:
لوگوں نے سمجھا کہ یہ تحفہ شاید دنیا کی کوئی قیمتی چیز ہوگی مثلاً سونا، چاندی وغیرہ۔ مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے گمان کے برعکس ایک مخصوص نماز، انھیں تعلیم فرمائی۔ جو بعد میں نماز جعفر طیار کے نام سے مشہور ہوئی۔(۱)

(۱) بحار الانوار، ج ۹۲، ص ۱۹۳ و ۲۱۱۔

مسئلۂ فدک

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے ابوبکر سے کہا: تو نے مجھ سے میری میراث
کیوں چھینی اور میرے فدک کے رکھوالے کو فدک سے کیوں بھگا دیا جبکہ
رسول خدا نے خدا کے حکم سے فدک مجھے دیا تھا۔(۱)

فدک خیبر کے نزدیک ایک آباد زرخیز علاقہ ہے۔ یہ مدینہ سے ۱۴۰ ر کیلو میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے، خیبر کے بعد حجاز کے یہودیوں کا یہ دوسرا پر امن مرکز تھا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۷ھ میں خیبر کے قلعوں کی فتح کے بعد یہودیوں کے دیگر مراکز کو جو اسلام و مسلمانوں کے لئے خطرہ محسوب ہوتے تھے۔ نابود کرنے کے سلسلے میں اپنا ایک سفیر بنام محیط، فدک کے سرداروں کے پاس بھیجا اور انھیں جنگ اور صلح میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے میں آزاد قرار دیا۔

فدک کے علاقے کا سردار یوشع بن نون چونکہ لشکر اسلام کی طاقت سے آگاہ تھا لہٰذا اس نے صلح اختیار کرتے ہوئے امن معاہدہ قبول کرلیا اس معاہدے کے تحت انھوں نے مسلمانوں سے جنگ نہ کرنے اور فدک کی آدھی آمدنی اسلامی حکومت کے اختیار میں دینے کا وعدہ کیا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ان کے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے سر لی۔(۲)

---

(۱) احتجاج طبرسی، ج۱، ص۹۱۔ (۲) کامل ابن اثیر، ج۱، ص۶۰۰۔

فدک اور حکم اسلام

اسلامی نقطۂ نظر سے جو علاقہ اور زمین جنگ کے ذریعے مسلمانوں کے قبضہ میں آ جائے وہ اسلامی معاشرے کے تمام افراد سے متعلق ہیں اور اس کا انتظام و انصرام پیغمبر اسلام ﷺ کے پاس ہوتا ہے۔ البتہ جو علاقہ اور زمین بغیر جنگ کے مسلمانوں کے اختیار میں آ جائے یا غیر مسلمان خود بخود اسے پیغمبر اسلام ﷺ کے اختیار میں دیدیں تو اسے 'فیئ' کہتے ہیں اور پیغمبر اسلام ﷺ کو اختیار ہے کہ وہ فیئ کو بخش دے یا کرائے پر دیدے یا اپنے عزیز و اقارب کو بخش دے۔ ارشاد رب العزت ہے ﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ (۱)

دیہات والوں کا جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بدون جہاد عنایت کیا وہ اللہ کا ہے اور رسول ﷺ کا (اور رسول ﷺ کے) قرابت داروں کا اور (ان ہی کے) یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا۔

بنابریں فدک پیغمبر اسلام ﷺ سے مخصوص تھا اور آپ اسے اپنی مرضی کے مطابق استعمال میں لا سکتے تھے۔

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں: "وکانت فدک لرسول اللّٰه من خالصة له، لانة لم یوجف علیها بخیل ولا رکاب؛" (۲) فدک پیغمبر اسلام ﷺ کے لئے مخصوص تھا چونکہ وہ جنگ کے بغیر آنحضرتؐ کے اختیار میں دیدیا گیا تھا۔

فدک حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو عطا ہوا

آیت قرآنی ﴿وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ﴾ (۱) اور اے رسول

---

(۱) حشر ۵۹: ۷۔

(۲) شرح نہج البلاغہ ابن الحدید، ج ۱۶، ص ۲۱۰۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم قرابت داروں کو ان کا حق دیدو اور مسکین و مسافر کو اس کا حق دیدو۔" رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو بلا کر فدک اسے عطا کر دیا۔

شیعہ اور اکثر سنی محدثین و مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت کریمہ ﴿وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّہٗ﴾ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقرباء و رشتہ داروں کے لئے نازل ہوئی ہے اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اس آیت کی مصداق اتم ہیں۔

اب ہم یہاں چند روایات کا ذکر کرتے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آیت کریمہ ﴿وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّہٗ﴾ کے نزول کے بعد فدک حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے حوالے کر دیا:

۞۔جلال الدین سیوطی (وفات ۹۰۹ھ) معروف سنی مفسر ابن عباس سے نقل کرتے ہیں: "جس وقت آیت ﴿وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّہٗ﴾ نازل ہوئی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو بخش دیا۔(۲)

۞۔صحابی رسول ابو سعید خدری نقل کرتے ہیں جب آیت ﴿وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّہٗ﴾ نازل ہوئی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو بلایا اور فدک ان کے حوالے کر دیا"(۳)

۞۔اسی طرح "اس حدیث کو بزاز' ابو یعلیٰ' ابو ابی حاتم اور ابن مردویہ نے بھی ابو سعید خدری نے نقل کیا ہے۔(۴)

۞۔ابن حدید نے داستان فدک کو تفصیل سے ذکر کیا ہے اور اصحاب کے اقوال سے ثابت کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو بخش دیا تھا۔(۵)

۞۔شیعوں کے بہت بڑے محقق سید ہاشم بحرینی نے حضرت علیؑ، امام سجادؑ، امام صادقؑ، امام

---

(۱) اسراء ۱۷:۲۶۔ (۲) تفسیر الدر المنثور، ج ۴، ص ۱۷۷۔

(۳) تفسیر الدر المنثور، ج ۴، ص ۱۷۷۔ (۴) تفسیر الدر والمنثور، ج ۴، ص ۲۷۷۔

(۵) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۶، ص ۲۰۹۔

کاظمؑ اور امام رضاؑ سے گیارہ احادیث نقل کی ہیں کہ جن میں ذکر ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے آیت کریمہ ﴿وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّہٗ﴾ کے نزول کے بعد حضرت فاطمہؑ کو بلایا اور فدک انھیں بخش دیا۔(۱)

۔ابن ابی الحدید لکھتے ہیں: ''جس وقت عمر بن عبدالعزیز ۹۹ھ میں حاکم وقت بنے تو انھوں نے حسن بن الحسن بن علیؑ اور ایک قول کے مطابق علی بن الحسینؑ (۲) کو دعوت دی اور فدک ان کے حوالے کیا۔

عمر بن عبدالعزیز کے بعد یزید بن عاتکہ کے دور حکومت میں فدک فرزندان حضرت فاطمہ زہراؑ سے دوبارہ اپنے قبضہ میں لے لیا۔ یہ قبضہ بنی مروان کی حکومت کے خاتمہ تک جاری رہا۔ عباسیوں کے دور حکومت میں جب ابوالعباس سفاح کے ہاتھ میں اقتدار آیا تو اس نے فدک عبداللہ بن حسن بن حسنؑ کو دیدیا۔ اس کے بعد فدک کبھی فرزندان حضرت زہراؑ کے پاس رہا اور کبھی حکومت کے قبضہ میں رہا۔ مامون کے زمانے میں اس نے فدک فاطمیوں کے حوالے کردیا۔ دعبل خزاعی نے اسی حوالے سے کچھ اشعار کہے ہیں۔ ان میں سے ایک شعر یہ ہے:

اصبح وجہ الزمان قد ضحکا　　　بردما مون ہاشم فدکا (۳)

زمانہ ہنسنے لگا چونکہ انھوں نے فدک بنی ہاشم کو واپس کردیا۔

اس کے علاوہ حضرت زہراؑ کا وہ خطبہ جو آپ نے مسجد مدینہ میں مہاجرین و انصار کی موجودگی میں پڑھا وہ بھی اس حقیقت کو ثابت کرتا ہے کہ فدک کی سرزمین رسول خداؐ نے حضرت زہراؑ کو بخش دی تھی۔ اس طرح حضرت علیؑ نے اپنے زمانہ خلافت میں عثمان بن

---

(۱) تفسیر برہان، ج۲، ص۴۱۹۔

(۲) ظاہراً محمد بن علی الحسینؑ صحیح ہے کیونکہ امام سجادؑ ۹۴ھ میں شہید ہو گئے تھے۔

(۳) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱۶، ص۲۱۶۔

حنیف کو جو خط لکھا اس میں بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

حضرتؑ لکھتے ہیں" سرزمین فدک صرف ہمارے اختیار میں تھی، مگر بعض نے بخل سے کام لیا اور بعض نے سخاوتمندی روا رکھتے ہوئے اس سے چشم پوشی اختیار کی۔ خدا بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔(۱)

ان تمام اسناد و دلائل کیکے ہوتے ہوئے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے حق کا انکار کرنا خلاف عقل و شرع ہے۔

اعتراض اور اس کا جواب

بعض اعتراض کرتے ہیں کہ فدک جیسے وسیع اور زرخیز علاقہ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے حوالے کیوں کر دیا؟ بعض کے بقول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک کو ۲۴/ ہزار دینار یا ۷۰/ دینار کے عوض کرائے پر دیا تھا۔ بنابریں اس بات کے پیش نظر کہ اسلام دین عدالت و مساوات ہے اور مسلمانوں کی اقتصادی حالت بھی اس زمانے میں زیادہ بہتر نہ تھی علاوہ ازیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں اور حضرت علی علیہ السلام و حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا بھی تنگ دستی کی زندگی گزار رہے تھے۔ تو ایسی صورت حال میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سارا فدک حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے حوالے کیوں کر دیا؟

اس اعتراض کے بہت سارے جواب موجود ہیں مگر ہم اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے فقط ایک ہی جواب پر اکتفا کرتے ہیں۔

روایات و تاریخی حقائق سے یہ بات ثابت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو فقط خونی رشتہ کی بنا پر نہیں دیا، بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اور حضرت علی علیہ السلام کا گھر ایک ہی تھا اور ان دونوں کا گھر مسلمانوں کی آئندہ رہبری و امامت کا مرکز قرار پانا تھا۔

---

(۱) نہج البلاغہ خطبہ نمبر، ۴۵۔

مسلمانوں کی تمام مادی اور معنوی مشکلات اس در سے حل ہوتی تھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے حوالے کر کے انھیں مالی لحاظ سے مضبوط کیا تا کہ وہ ان کی رحلت کے بعد خالی ہاتھ نہ ہوں اور مسلمانوں کی مالی مشکلات حل کر کے انھیں دینی وظائف کی بجا آوری میں مدد کریں۔ اور یہ خاص طور پر حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے نام اس لئے مخصوص کیا تا کہ آئندہ کوئی رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی ہونے کے ناطے سے لالچ کی نظر سے نہ دیکھے اور اگر چھین لے تو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی مظلومیت اور غاصبوں کے ظلم پر دلیل وحجت قرار پائے۔ لہٰذا یہ فدک کا مسئلہ امامت سے منسلک ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب ہارون الرشید، امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو فدک واپس دینے کے لئے کہتا ہے تو امامؑ انکار کرتے ہیں۔ ہارون کے اصرار پر فرماتے ہیں کہ ''جو کچھ فدک میں شامل ہے وہ تو مجھے نہیں دے گا۔'' ہارون نے قسم کھائی جو کچھ فدک میں شامل ہے وہ سب کچھ دیدوں گا۔

حضرتؑ نے فرمایا: ''فدک کے حدود ایک طرف سے عدن تک دوسری طرف سے سمرقند تک تیسری طرف سے افریقہ تک اور چوتھی طرف سے ارمنستان کے دریاؤں اور جزیروں تک ہے۔''

ہارون نے جب یہ حدود سنی تو وہ سمجھ گیا کہ امام نہ فقط فدک بلکہ تمام اسلامی ممالک پر اپنے حق حکومت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ اس نے غصہ میں آ کر کہا ''اس طرح تو ہمارے لئے کچھ بھی نہ بچے گا۔(۱) اس کے بعد ہارون نے امام علیہ السلام کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا۔(۲)

فدک بعد از رحلت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کو ابھی کچھ عرصہ ہی گزرا تھا کہ حکومت وقت نے حضرت فاطمہ

(۱) بحار الانوار، ج ۴۸، ص ۱۴۴۔

(۲) بحار الانوار، ج ۴۸، ص ۱۴۴۔

زہراؑ کا یہ مسلم حق ان سے چھین لیا۔

البتہ اس کی اصل وجہ اقتصادی نہیں بلکہ سیاسی تھی تا کہ حضرت علی علیہ السلام کو سیاسی اور اجتماعی طور پر کنارے لگایا جائے۔

حق حضرت زہرا سلام اللہ علیہا غصب کرنیوالوں نے دلیل کے طور پر ایک جعلی حدیث بیان کی ''ہم انبیاء کوئی چیز وراثت میں نہیں چھوڑتے نہ سونا نہ چاندی نہ ملکیت نہ گھر بلکہ ہم ایمان و حکمت اور علم وسنت کو وراثت میں چھوڑتے ہیں۔(۱) حضرت زہراؑ نے اپنے اس مسلم حق کو حاصل کرنے کے لئے آواز بلند کی اور فرمایا ''تم مجھے اپنے باپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث سے کیوں محروم کرتے ہو، میرے کارکنوں کو فدک سے کیوں نکال دیا ہے۔ حالانکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک بحکم خدا مجھے بخش دیا تھا۔''(۲)

حکومت وقت نے فدک کی ملکیت کے اثبات کے لئے گواہ مانگے تو حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا گواہ وہ لائے جو مدعی ہے ہمارے پاس تو فدک کی ملکیت آغاز سے لیکر اب تک رہی ہے۔

ابن ابی الحدید ایک واقع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک عرب نے اونٹ کے معاملہ پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جھگڑا کیا اس نے کہا کہ یہ اونٹ میرا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اونٹ میرا ہے چونکہ میں نے اس کی قیمت ادا کی ہے، مگر اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بات قبول نہ کی اور گواہ طلب کیا۔ خزیمہ بن ثابت نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچ بولتے ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ تم معاملہ کے وقت موجود نہ تھے۔ اس نے عرض کیا کہ آپ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی بھی جھوٹ نہیں بولتا۔ لہٰذا میں نے علم و آگہی کی بنا پر گواہی دی ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی گواہی قبول کی اور فرمایا ''تم دو شاہد کے طور پر قابل

---

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۶، ص ۲۱۴۔

(۲) احتجاج طبرسی، ج ۱، ص ۹۱۔

قبول ہوا اس لئے خزیمہ کو' ذوالشہادتین' کا لقب دیا گیا۔(۱)

ابن ابی الحدید یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں پس فرمان خدا ﴿انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا ﴾(۲) اے اہل بیت رسولؐ سوائے اس کے نہیں ہے کہ خدا یہ چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کے رجس کو دور رکھے اور ایسا پاک کردے جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے۔" اور حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: "فاطمہ بضعۃ منی من اذاھا بقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ " حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا میرا حصہ ہے جس نے اسے اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے خدا کو اذیت دی"۔(۳) کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک مسلمان کے لئے ضروری تھا کہ وہ حضرت زہراؑ کی بات کو قبول کرلے اور گواہ طلب نہ کرے۔(۴) اس کے باوجود حضرت فاطمہؑ نے اپنے حق کو ثابت کرنے کے لئے گواہ پیش کئے۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گواہ

گواہوں کی تعداد کے بارے میں متعدد روایات موجود ہیں۔بعض نے حضرت علیؑ اور ام ایمن کو گواہ لکھا ہے۔بعض نے امام حسنؑ اور امام حسین علیہ السلام کا بھی اضافہ کیا ہے۔(۵) فخر رازی کہتے ہیں" حضرت فاطمہؑ نے حضرت علیؑ، ام ایمن، حسنؑ اور حسین علیہ السلام کے علاوہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام رباح کو بھی بعنوان گواہ پیش کیا۔(۶)

شیعہ روایات کی بناپر اسماء بنت عمیس (رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی) بھی گواہی دینے والوں میں شامل تھیں۔

---

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱۶، ص۲۷۳۔
(۲) احزاب ۳۳:۳۳۔
(۳) شرح نہج البلاغہ ابن الحدید، ج۱۶، ص۲۷۳۔
(۴) شرح نہج البلاغہ ابن الحدید، ج۱۶، ص۲۷۳۔
(۵) مروج الذہب، ج۳، ص۲۵۲۔
(۶) تفسیر فخر رازی۔

خلیفہ کے جوابات

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور آپ کے گواہوں کے لئے خلیفہ کی طرف سے جو جوابات دیئے گئے وہ مختلف انداز میں نقل ہوئے ہیں۔ ممکن ہے فدک کا مسئلہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی طرف سے ایک سے زیادہ مرتبہ اٹھایا گیا ہو اور خلیفہ نے ہر مرتبہ مختلف جواب دیئے ہوں۔

یہاں پر چند جوابات تحریر کئے جاتے ہیں:

ا۔ جس وقت حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے گواہوں نے ان کے حق میں فیصلہ دیا تو حضرت عمر اور عبد الرحمٰن بن عوف نے خلیفہ کے حق میں فیصلہ دیا انھوں نے کہا ''پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زندگی کے ضروری مخارج پورے کرنے کے بعد فدک کی باقی ماندہ درآمد عمومی مصالح میں خرچ کرتے تھے۔ اگر فدک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کی ملکیت ہوتا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا نہ کرتے'' یہ سننے کے بعد خلیفہ نے اعلان کیا'' دونوں طرف کی گواہی درست ہے میں سب کی گواہی قبول کرتا ہوں۔ حضرت علی علیہ السلام اور ام ایمن کی گواہی بھی قبول کرتا ہوں، اور عبد الرحمٰن کی گواہی بھی قبول کرتا ہوں۔ کیونکہ فدک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت تھی اور زہرا سلام اللہ علیہا کے اختیار میں تھا، وہ اپنے گھر کی ضروریات اس سے پوری کرتے تھے اضافی آمدنی ضرورت مند مسلمانوں میں تقسیم کردیتے تھے۔ میں بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے پر عمل کروں گا۔''

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا ''میں اضافی آمدنی کو اسلامی مصالح میں خرچ کرنے پر تیار ہوں اس پر ابوبکر نے کہا ''یہ کام میں انجام دوں گا''۔(۱) یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی حق رکھتا ہے کہ وہ کسی کی ملکیت کو جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بخشش اور عطیہ ہو اس سے لے لے اور کہے کہ اسے میں جہاں مناسب سمجھوں خرچ کروں گا؟۔

۲۔ ابوبکر نے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے گواہوں کو اپنے دعویٰ کے اثبات کے لئے کافی نہ سمجھا اور

---

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۶، ص ۲۱۶۔

بہانہ بنایا۔(۱)

شیعہ روایات کے مطابق ابو بکر نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کے گواہوں پر جو اعتراضات کیے ہیں وہ بہت دردناک ہیں، اس نے حضرت علی علیہ السلام کی گواہی اس لئے قبول نہ کی کیونکہ آپ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے شوہر ہیں اور حسن اور حسین علیہما السلام کی گواہی اس لئے قبول نہ کی کیونکہ وہ ان کے بیٹے ہیں علاوہ ازیں نابالغ ہیں۔ام ایمن کی گواہی نا قابل قرار دی گئی کیونکہ وہ زہرا سلام اللہ علیہا کی کنیز ہیں۔اس طرح اسماء بنت عمیس چونکہ جعفر ابن ابی طالب کی بیوی رہ چکی ہے اور ایک طرف سے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی رشتہ دار ہیں اس لئے ان کی گواہی بھی رد کردی گئی۔لہٰذا اس نے فدک حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے حوالے کرنے سے انکار کردیا۔(۲)

۳۔ابو بکر نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے گواہوں کی گواہی قبول کرنے کے بعد ان کے حق میں ایک تحریر لکھ دی لیکن عمر نے وہ تحریر حضرت زہرا سلام اللہ علیہا سے لیکر پھاڑ دی۔حضرت زہرا سلام اللہ علیہا جب ہر طرف سے اپنا حق پانے سے مایوس ہوگئیں تو آپ نے مسجد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جا کر مہاجرین وانصار کے مجمع میں ایک خطبہ دیا جس میں قرآن واحادیث کے دلائل سے ثابت کیا کہ فدک ان کا حق ہے یہ خطبہ سن کر حاضرین نے بہت زیادہ گریہ وزاری کیا۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کو احساس ہوگیا تھا کہ کوئی ان کی حمایت کے لئے نہیں اٹھ رہا اور ان کے شوہر حضرت علی علیہ السلام کی مدد کے لئے قیام نہیں کر رہا ہے اس لئے انھوں نے حکمرانوں سے منھ موڑ لیا اور تادم آخر ان پر غضبناک رہیں۔

(۱) فروغ ابدیت، ص ۲۲۰؛ معجم البلدان، ج ۴، ص مادہ فدک فتوح البلدان، ج ۴۳۔

(۲) بحار الانوار، ج ۸، ص ۱۰۵۔

فتح مکہ

فتح مکہ کے دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

"یا علی ،اصعد منکبی ،قال علی: فصعد ت منکبیه ثم نهض بی فقال لی : اذهب الی صنمهم الا کبر صنم قریش......".

یا علیؑ میرے کاندھے پر چڑھ جاؤ: حضرت علیؑ کہتے ہیں میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاندھے پر چڑھ گیا اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلند ہوئے اور فرمایا: بڑے بت کی طرف ،جوکہ قریش کا ہے، ہاتھ بڑھاؤ اور اسے زمین پر گرادو میں نے یہ کام انجام دیا۔(۱)

فتح مکہ تاریخ اسلام کا ایک انتہائی اہم واقعہ ہے۔ یہ فتح ۲۰ر رمضان المبارک ۸ھ کو حاصل ہوئی اور کفر وشرک جزیرہ عرب سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹ گیا اور دین اسلام کامیاب ہوکر عالم انسانیت کی فلاح وسعادت کے لئے پوری دنیا میں پھیل گیا۔

اگر اس واقعہ کا دقت کے ساتھ مطالعہ کریں تو انسان پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام کی اس

---

(۱) فرائد السمطین ، ج۱،ص ۲۴۹۔

فراست وتدبیر کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو ان دو ہستیوں نے لشکر اسلام کے انتظام و انصرام میں استعمال کی تاریخ اسلام کے اس یادگار مرحلہ سے متعلق تحقیق کرنے پر انسان پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت و کردار اور مشرکین مکہ سے کیے گئے معاہدوں کی پاسداری اور حفاظت اسی طرح حضرت علی علیہ السلام اور دیگر اصحاب وانصار کی بے مثال اطاعت وفرمانبرداری اور اس کے مقابلہ میں کفار مکہ کی خیانت وعہد شکنی کی گواہی دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس ناقابل فراموش واقعہ کے ساتھ اسلام دشمنوں کا سب سے بڑا مرگز بھی فتح ہو گیا اور مسجد الحرام میں رکھے ہوئے ۳۶۰ / بت گرا دیئے گئے۔

فتح مکہ بغیر کسی خونریزی اور رکاوٹ کے انجام پذیر ہوئی۔ بیس سالہ خونخوار اور غدار دشمن پر فتح وغلبہ پالینے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کریمانہ اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے انھیں بخش دیا، ان کی جان ومال کو امان دے دی اور آیت قرآنی ﴿ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ . يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴾ (۱) تم پر کوئی الزام نہیں خدا تم کو بخشدے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ تلاوت فرمائی ایک تاریخی اعلان کیا کہ "اذھبوا وانتم الطلقا"؛ جاؤ تمہارے جان ومال امان میں ہیں اور تم سب آزاد ہو۔

فتح مکہ میں رکاوٹیں

فتح المبین اور صلح حدیبیہ کے موقع پر جو کہ ۶ ھ میں واقع ہوئی، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کفار قریش کے درمیان قرارداد صلح منعقد ہوئی۔ اس قرارداد کے تحت دونوں طرف کے افراد اس بات کے پابند تھے کہ وہ دس سال تک ایک دوسرے کے خلاف مسلح قیام نہیں کریں گے اور اپنے کسی ہم پیمان کو دوسرے کے خلاف نہیں ورغلائیں گے۔ اس قرارداد کی شق ۳۶ / کے تحت مسلمان اور قریش

(۱) یوسف ۱۲:۹۲۔

بھی قبیلہ کے ساتھ صلح و دوستی کا معاہدہ کرنے میں آزاد تھے۔ لہٰذا قبیلہ خزاعہ نے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ دوستی برقرار کیا اور بنی کنانہ نے، جو کہ بنی خزاعہ کا پرانا دشمن تھا، قریش کے ساتھ معاہدہ کیا۔

صلح حدیبیہ کے دو سال گزر جانے کے بعد ۷ھ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہزار مسلمانوں کے ہمراہ خانہ خدا کی زیارت کے لئے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مسلمانوں نے بغیر کسی رکاوٹ کے تین دن تک اپنے دینی فرائض اور عمرہ انجام دیا جسے 'عمرۃ القضاء' کہتے ہیں۔(۱) جبکہ انقلابی اور مجاہدین مسلمان چاہتے تھے کہ جتنی جلدی ہو سکے خانہ خدا کو بتوں اور بت پرستوں سے پاک کر دیا جائے اور ارشاد خداوندی ﴿ وَلَتَدۡخُلُنَّ ٱلۡمَسۡجِدَ ٱلۡحَرَامَ إِن شَآءَ ٱللَّهُ ءَامِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمۡ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ ﴾ (۲) اگر اللہ نے چاہا تو تم امن و امان کے ساتھ اپنے سروں کو منڈاتے ہوئے اور بال کترواتے ہوئے مسجد الحرام میں داخل ہو گے اور پھر کبھی تم کو خوف پیش نہ آئے گا۔'' کی تعبیر جلد دیکھ لی جائے۔ مگر کفار قریش نے چونکہ ابھی تک معاہدہ کی کوئی خلاف ورزی نہ کی تھی، لہٰذا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی معاہدہ پر عمل کرنے کے پابند تھے۔(۳)

رکاوٹوں کی برطرفی

خداوند عالم جب کسی شخص یا قوم کو فتح سے ہمکنار کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے ہر طرح زمینہ ہموار کر دیتا ہے، یہاں تک کہ خود دشمن کے ہاتھوں ہی سے فتح کی راہ میں موجود رکاوٹیں دور کروا دیتا ہے۔ کفار قریش نے صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی کر کے فتح مکہ کے لئے راستہ خود بخود صاف

---

(۱) یہ ۶ھ کے عمرہ کی قضا تھی کہ جب مکہ سے باہر ہی صلح حدیبیہ کی قرارداد کے تحت مسلمان وہیں سے بغیر زیارت کے واپس چلے گئے تھے۔

(۲) فتح ۴۸: ۲۷۔

(۳) تاریخ طبری، ج ۲، ص ۳۱۰؛ سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۷۷۹۔

کر دیا۔

۸ھ کے آغاز میں رسول خدا ﷺ نے رومیوں کے ہاتھوں اسلام کے چند مبلغین کے قتل کے بعد تین ہزار مسلمانوں پر مشتمل لشکر اسلام کو شام کی سرحد کی طرف روانہ کیا۔ اس جنگ میں تین سپہ سالار اور چند دیگر مسلمان مجاہد شہید ہو گئے اور لشکر اسلام خالی ہاتھ واپس آ گیا۔ کفار قریش کو جب اس حادثہ کی خبر ملی تو وہ جری ہو گئے اور انھوں نے بنو بکر (قبیلہ کنانہ کی شاخ) کی بنی خزاعہ کے خلاف حملہ میں ان کی مدد کی اس غافلگیر حملہ میں بنی خزاعہ کے بہت سارے افراد جو گھروں میں سو رہے تھے یا عبادت کر رہے تھے، قتل کر دیئے گئے کچھ اسیر بنائے گئے۔ اور باقی افراد نے فرار ہو کر جان بچائی (۱) انھوں نے اپنے قبیلہ کے سردار عمرو بن سالم خزاعی کو مدینہ بھیجا تا کہ وہ قریش اور بنی کنانہ کے مظالم کے بارے میں پیغمبر اسلام ﷺ کو آگاہ کرے۔ عمرو مدینہ پہنچتے ہی مسجد میں آیا اور لوگوں کے سامنے اس نے یہ دل سوز شعر پڑھا:

هم بَيَّتونا بالوتير هُجَّدا وَقتلونا رُكَّعاً وَسُجَّدا

اے رسول خدا ﷺ! کفار نے آدھی رات، جبکہ ہم 'وتیر' کے پانی کے پاس سو رہے تھے اور کچھ رکوع و سجود و عبادت میں مصروف تھے، ہم پر حملہ اور قتل عام کیا۔ پیغمبر اسلام ﷺ یہ خبر سن کر بہت مغموم ہوئے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا 'اے عمرو ہم تمہاری مدد کریں گے۔'' (۲)

صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی سے ابوسفیان کی پریشانی

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج ۴، ص ۳۲؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۳۲۴؛ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۷۰۹؛ سیرہ حلبی، ج ۳، ص ۴۔

(۲) سیرہ ابن ہشام، ج ۴، ص ۳۲؟ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۳۲۴۔

بنی خزاعہ پر حملہ کرنے کے بعد قریش بہت زیادہ پشیمان ہوئے انھیں معلوم ہوگیا کہ ان کے اس عمل سے صلح حدیبیہ کا معاہدہ پائمال ہوگیا ہے اور ممکن ہے سپاہ اسلام اس خلاف ورزی کا بدلہ لینے کے لئے حملہ کرے۔ انھوں نے اپنی اس غلطی کو چھپانے کے لئے ابوسفیان کو مدینہ بھیجا تا کہ صلح حدیبیہ کے معاہدہ کے کی تجدید کرے۔

ابوسفیان مدینہ پہنچا اور سیدھے اپنی بیٹی ام حبیبہ، پیغمبر اسلام ﷺ کی بیوی کے گھر گیا۔ گھر پہنچ کر اس نے بستر پر بیٹھنا چاہا تو ام حبیبہ نے بستر کو کھینچ لیا۔ ابوسفیان نے اپنی بیٹی سے کہا ''کیا تو نے مجھے اس بستر کے قابل نہیں سمجھا یا بستر کو میرے لئے مناسب نہیں سمجھا؟ ام حبیبہ نے جواب دیا'' ایسا نہیں ہے بلکہ یہ بستر رسول خدا ﷺ کے لئے مخصوص ہے میں نہیں چاہتی کہ ایک کافر اس پر بیٹھے''۔(۱)

ابوسفیان اپنی بیٹی کے اس قاطع اور مایوس کنندہ جواب سے بہت رنجیدہ ہوا اور گھر سے نکل آیا وہ حضور اکرم ﷺ کے پاس گیا اور کہنے لگا ''میں صلح حدیبیہ کے موقع پر موجود نہیں تھا لہٰذا اب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں تا کہ معاہدہ کی تجدید کروں اور اس کی مدت میں اضافہ کروں'' آنخضرت ﷺ نے فرمایا ''کیا تم مدینہ اسی کام کے لئے آئے ہو؟ اس نے کہا ''ہاں!'' رسول خدا ﷺ نے فرمایا: کیا تم میں سے کسی نے پہلے والا معاہدہ کو توڑا ہے؟ معاذ اللہ ہم اپنے عہد و پیمان پر باقی ہیں اور کوئی تبدیلی نہیں آئے گی'' رسول خدا ﷺ نے فرمایا ''ہم بھی اپنے معاہدہ پر باقی ہیں'' ابوسفیان نے دوبارہ وہی بات کہی مگر پیغمبر خدا ﷺ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ مایوس ہو کر بعض نامور اصحاب کے پاس آیا تا کہ وہ اس کی رسول خدا ﷺ کے پاس سفارش کریں مگر ان سے بھی اسے مایوسی ہوئی۔

---

(۱) ام حبیبہ کا نام رملہ ہے وہ پہلے عبداللہ بن جحش کی بیوی تھی اس کا شوہر حبشہ جا کر مسیحی ہوگیا رملہ اس کے مرنے کے بعد مسلمان ہوگئی اور نبی اکرمؐ سے نکاح کرلیا، بحار الانوار، ج ۲۲، ص ۹۱۔

بالآخر حضرت علی علیہ السلام کے گھر آیا اور کہنے لگا اے علی علیہ السلام اس شہر میں آپ میرے نزدیک ترین افراد میں سے ہیں ۔ میری درخواست ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے میری شفاعت کریں تا کہ وہ معاہدہ کی تجدید اور اس کی مدت میں اضافہ کریں۔"

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: "اے ابوسفیان تم پر افسوس ہے، کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کام کے بارے میں ارادہ کرلیں ہم اس میں بالکل دخالت نہیں کرتے ۔ ابوسفیان نے نا امید ہو کر حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے یہی اصرار کیا انھوں نے بھی اس درخواست کو رد کر دیا۔(۱)

حضرت علی علیہ السلام کی تدبیر

ابوسفیان کی سمجھ میں کچھ نہ آرہا تھا وہ بہت حیران و پریشان تھا اس نے دوبارہ حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ "مجھے کوئی راہ نظر نہیں آرہی ہے میری راہنمائی کریں"؟!!

حضرت علی علیہ السلام نے دیکھا کہ اگر اس کے ساتھ سختی سے پیش آتے ہیں تو دو صورتوں میں ایک صورت ضرور پیش آسکتی ہے اور دونوں صورتوں میں اسلام کو نقصان پہنچے گا۔ یا تو وہ کسی کی سفارش حاصل کرنے کی کوشش میں مدینہ ہی میں رہے گا، اسی طرح وہ فتح مکہ میں مانع ہوگا یا یہ کہ وہ سخت غصہ کی حالت میں واپس مکہ لوٹ جائے گا اور وہاں جا کر قبائل کو جنگ پر آمادہ کرے گا اس طرح سے بھی وہ نشر توحید اور فتح مکہ میں مانع ہوگا۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: "تمہارے لئے بہتر یہ ہے کہ تم بنی کنانہ کے سردار ہو مسجد میں جاؤ مسلمانوں کو اپنی پناہ میں لیکر انھیں امان دو اور مکہ واپس چلے جاؤ!۔

ابوسفیان نے پوچھا "کیا اس کا مجھے کوئی فائدہ ہوگا؟ حضرت نے فرمایا "اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے" ابوسفیان نے ایسا ہی کیا اور مکہ واپس چلا گیا۔

(۱) ارشاد مفید، ج ۱، ص ۱۳۲؛ سیرہ ابن ہشام، ج ۴، ص ۳۸؛ سیرہ حلبی، ج ۳، ص ۷۔

شیخ مفید اس داستان سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی دانشمندانہ تدبیر اور حکمت عملی سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہدف اور مقصد آسانی سے پورا ہو گیا۔ ابوسفیان جب مکہ واپس گیا تو قریش کے سرداروں نے اس سے پوچھا ''کیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تیری بات کی تائید کی'' اس نے جواب دیا نہیں'' انھوں نے کہا علی علیہ السلام نے تیرے ساتھ مذاق کیا ہے تیرے اس کام کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ابو سفیان نے جواب دیا ''اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہ تھا۔'' (۱)

ابوسفیان، حضرت علی علیہ السلام کی رائے پر عمل کرتے ہوئے مسجد میں گیا اور مسلمانوں کو امان دینے کا وعدہ کیا وہ مکہ کی واپسی پر مطمئن تھا اس لئے اس نے کوئی منفی ردعمل ظاہر نہ کیا اس طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے لئے مکہ کی طرف پر روانگی آسان ہوگئی۔ (۲)

لشکر اسلام کی تیاری

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمنان اسلام کی کامل نابودی کے لئے تمام مجاہدین کو مکمل تیاری کا حکم دیا اور مدینہ کے اطراف میں بھی نمائندے بھیجے تاکہ جہاد پر جانے کے قابل افراد کو مکہ کی طرف جانے پر آمادہ کریں۔ اول رمضان المبارک ۸ھ میں دس ہزار مجاہدین پر مشتمل لشکر اسلام مکہ کی فتح کے لئے تیار کھڑا تھا۔

اس میں مہاجرین کی تعداد سات سو افراد تین سو گھوڑے، انصار چار ہزار افراد پانچ سو گھوڑے، قبیلہ مدینہ ایک ہزار افراد، سو گھوڑے، باقی تیں لشکر قبائل غفار، اشجع، بنی سلیم اور بنی کعب کے افراد پر مشتمل تھا۔ (۳)

---

(۱) ارشاد مفید، ج ۱، ص ۱۳۲۔ سیرہ ابن ہشام، ج ۴، ص ۳۸؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۳۲۶۔

(۲) ارشاد مفید، ج ۱۲۰۔

(۳) سیرہ حلبی، ج ۳، ص ۱۳۔

دشمن کو غافلگیر کرنا

تمام جنگوں میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اصول رہا ہے کہ دشمن کی قوت کو بکھیر دیا جائے، اس کی افرادی قوت کو تتر بتر کر دیا جائے۔ آپ کا مقصد انتقام جوئی اور خونریزی نہ ہوتا تھا اور کبھی بھی آپ جنگ کی ابتدا نہ کرتے تھے۔

فتح مکہ کے موقع پر یہ طریقہ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ نظر آتا ہے۔ کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخوبی جانتے تھے کہ اگر مکہ فتح ہو جائے اور یہ سرزمین کفر و شرک کے سرداروں کے وجود سے پاک و آزاد ہو جائے تو لوگ اسلام کی حقانیت کو جان لیں گے۔ لہٰذا اس مقدس مقصد کو حاصل کرنے کی خاطر دشمن کو غافلگیر کرنا اور لشکر اسلام کی روانگی سے متعلق انھیں بے خبر رکھنا بہت ضروری تھا۔ اس طرح دشمن اپنی افرادی قوت کو جمع نہ کر پائے گا اور انھیں غیر مسلح کرنا آسان ہوگا یوں خونریزی اور قتل عام نہ ہوگا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ضروری اقدامات کرنے کے بعد سپاہ اسلام کو مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا سے دعا کی "**اللهم خذ علی ابصار هم فلا یرنی الا بغتة ولا یسمعون بی الا فجاة**" خداوندا! ان کی آنکھوں اور کانوں پر پردہ ڈال دے تا کہ وہ بس اچانک ہی مجھے دیکھیں اور وہ ایک دم بے خیال میری آواز سنیں۔"(۱)

سپاہ اسلام کے خلاف جاسوسی

جس وقت لشکر اسلام مکہ کی طرف روانہ ہو ہی رہا تھا کہ ایک شخص خاطب بن ابی بلتعہ، جو مسلمانوں کی فوج میں شامل تھا اور اس نے جنگ بدر میں بھی شرکت کی تھی، اس نے قریش کے نام ایک خط لکھا جس میں مسلمانوں کے قریب الوقوع حملہ کی خبر لکھی تھی۔ اس نے یہ خط سارہ نامی عورت

---

(۱) کامل ابن اثیر، ج۱ ص۶۱۱۔ تاریخ طبری، ج۲، ص۳۲۷۔

کے ہاتھ میں دیا تا کہ وہ مکہ کے سرداروں کے حوالے کردے۔ ابھی سارہ مدینہ سے چلی ہی تھی کہ جبرئیل امین نازل ہوئے انھوں نے اس جاسوسی کی خبر حضور ﷺ کو دی۔

رسول خدا ﷺ کو جب اس بات کی خبر ملی تو حضرت علی علیہ السلام اور زبیر بن عوام کی اس کی گرفتاری کے لئے بھیجا حضور ﷺ نے فرمایا وہ خط اس عورت سے چھین لاؤ اور اگر وہ نہ دے تو اسے ہلاک کردو۔(۱)

جاسوس کا پیچھا کرنا

حضرت علی علیہ السلام اور زبیر بن عوام رسول خدا ﷺ کے حکم پر تیزی سے اس کی تلاش میں نکلے اور اسے ذوالحلیفہ نامی مقام پر پکڑ لیا انھوں نے حاطب کا خط سارہ سے مانگا مگر اس نے خط کے بارے میں صاف انکار کردیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے اس کے سامان کی تلاشی لی مگر خط نہ ملا۔

''حضرت علی علیہ السلام نے اسے دھمکی دی اور کہا'' خدا قسم رسول خدا ﷺ نے جھوٹ نہیں کہا ہے یا تو تم خود بخود خط کو ہمارے حوالے کردو ورنہ تمھیں برہنہ کردیا جائے گا''بعض کے بقول فرمایا'' اگر خط نہ دیا تو تمھیں قتل کردیں گے۔''

سارہ کو جب یقین ہوگیا کہ علی علیہ السلام کسی صورت میں بھی مجھے نہیں چھوڑیں گے تو اس نے دور جا کر اپنے بال کھولے اور خط نکال کر علی علیہ السلام کو دیدیا۔ آپ نے وہ خط مدینہ میں حضور ﷺ کے سپرد کردیا۔(۲)

---

(۱) سیرہ حلبی، ج۳،ص۱۰؛ سیرہ ابن ہشام، ج۴،ص۴۰؛ تاریخ طبری، ج۲،ص۳۲۸؛ کامل ابن اثیر، ج۱،ص۶۱۱۔

(۲) سیرہ حلبی، ج۳،ص۱۰؛ سیرہ ابن ہشام، ج۴،ص۴۱؛ تاریخ طبری، ج۲،ص۳۲۹۔

جاسوس کی بخشش

شیخ مفید نقل کرتے ہیں ''جب حضرت علی علیہ السلام نے وہ خط رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا تو حضرت نے حکم دیا کہ سب لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا'' اے لوگوں میں نے خدا سے دعا کی تھی کہ وہ ہمارے مقصد سے قریش کو بے خبر رکھے لیکن تم میں سے ایک شخص نے خط لکھ کر دشمن کو مطلع کرنے کی کوشش کی، جس نے یہ حرکت کی ہے وہ خود بخود کھڑا ہو جائے ورنہ وحی الٰہی اس کا پتہ بتادے گی اور وہ ذلیل وخوار ہوگا''۔ کوئی بھی نہ اٹھا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری مرتبہ کہا تو حاطب لرزتا کانپتا ہوا اٹھا اس نے کہا'' خدا کی قسم میں نے یہ خط آپ کی نبوت پر شک اور نفاق کی بنا پر نہیں لکھا بلکہ مکہ میں موجود اپنے بیوی بچوں کی سلامتی کی خاطر لکھا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے مسجد سے باہر نکل جانے کا حکم دیا وہ بہت پشیمان ہوا اور اس نے رحمت للعالمین سے عفو درگزر کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دوبارہ مسجد میں آنے کی اجازت دی۔ اس سے کہا'' میں نے تجھے معاف کیا۔ خدا سے توبہ کرو اور آئندہ ایسا کام نہ کرنا۔''(۱)

لشکر اسلام کی مکہ روانگی

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابا رُہم غفاری اور ایک قول کے مطابق ابن ام مکتوم کو مدینہ منصوب کیا اور ۱۰ ررمضان المبارک ۸ھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سبھی مجاہدین اسلام نے روزہ رکھا تھا جب آپ مدینہ سے باہر کدید کے مقام پر پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے بعد روزہ افطار کرلیا۔(۲) آپ نے سب کو حکم دیا کہ روزہ افطار کرلیں۔ بعض افراد نے اس خیال سے کہ روزہ کی حالت میں جہاد کا زیادہ ثواب ہوگا ایسا کرنے سے گریز کیا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا وہ

(۱) ارشاد مفید، ج ا،ص ۵۸۔

(۲) تاریخ طبری، ج ۲،ص ۳۲۸؛ سیرہ حلبی، ج ۳ص ۱۵؛ سیرہ ابن ہشام، ج ۲،ص ۴۲۔

گناہگار ہیں۔(۱)

کدید کے مقام پر پہنچنے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر اسلام کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا اور ہر گروہ کا علم ایک بہادر کے سپرد کیا۔(۲) سپاہ اسلام جب جحفہ کے مقام پر پہنچا تو راستے میں عباس بن عبد المطلب سے ملاقات ہوئی وہ مدینہ کی طرف آرہے تھے۔ عباس بحکم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخفی طور پر کفار قریش کی جاسوسی کے لئے مکہ ہی میں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آپ آخری مہاجر ہیں اور میں آخری نبی ہوں"۔

لشکر اسلام نے چار سو کلو میٹر کا راستہ بڑی تیزی سے طے کیا اور شب ۲۰ ر رمضان کو شہر مکہ کے نزدیک مر الظہران کے مقام پر پہنچے۔(۳)

دشمن پر رعب طاری ہونا

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی مہارت سے لشکر کو مر الظہران کے پاس اتارا ابھی قریش والے اس لشکر سے بالکل بے خبر تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمن کو ڈرانے کی خاطر سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ تمام بلندیوں پر جا کر آگ جلائیں اور بکھر جائیں اس طرح دشمن کثرت سپاہ سے خائف ہو کر تسلیم ہو جائے گا۔ اور مکہ بغیر خونریزی اور قتل وغارت کے فتح ہو جائے گا۔

جب پہاڑوں پر جلتی ہوئی آگ کے شعلوں کی چمک مکہ والوں کو نظر آئی تو ان کے دلوں پر رعب و دہشت چھا گئی۔ انھیں معلوم ہو گیا کہ ایک عظیم لشکر نے مکہ کو گھیرے میں لے لیا ہے۔

---

(۱) سیرہ حلبی، ج ۳، ص ۱۵۔

(۲) سیرہ حلبی، ج ۳، ص ۱۵۔

(۳) کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۶۱۳؛ سیرہ حلبی، ج ۳، ص ۱۵۔

کفار مکہ کے سردار ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاع تحقیق وجستجو کے لئے مکہ سے باہر آئے۔

ادھر عباس بن عبدالمطلب نے سوچا کہ اگر سپاہ محمد ﷺ مکہ میں داخل ہو جائے اور قریش والے بھی مقابلے کے لئے آ جائیں تو قتل وغارت گری زیادہ ہوگی۔ اس لئے انھوں نے حضور ﷺ سے مشورہ کیا اور مکہ جانے کی اجازت مانگی۔ حضور ﷺ سے اجازت حاصل کر کے عباس مکہ کی طرف روانہ ہوئے تاکہ موثر شخصیات کو صورت حال سے آگاہ کر کے انھیں تسلیم ہو جانے پر آمادہ کرے۔ عباس جونہی شہر مکہ کے نزدیک پہنچے تو ابوسفیان اور بدیل بن ورقا کو اس موضوع پر باتیں کرتے ہوئے دیکھا عباس کی آواز سنکر ابوسفیان نے کہا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ کونسا لشکر ہے؟ عباس نے جواب دیا آتش کے یہ شعلے محمد ﷺ کے سپاہیوں کے ہیں وہ دس ہزار جنگجو کا لشکر لے کر آئے ہیں اور قریش والے ان کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتے'' ابوسفیان نے لرزتے ہوئے پوچھا ''اب کیا کریں؟ عباس نے کہا'' خدا کی قسم اگر محمد تم پر غلبہ پالیں تو تمہاری گردن اڑا دیں گے بہتر یہ ہے کہ میرے ساتھ محمد ﷺ سے ملاقات کرنے کے لئے آؤ اور ان سے امان مانگو!''۔

ابوسفیان نے یہ مشورہ قبول کیا اور عباس کے ہمراہ لشکر اسلام کی طرف چل پڑا۔(۱)

ابوسفیان رسول خدا ﷺ کی خدمت میں

عباس نے ابوسفیان کو اسلام کے سپاہیوں کی بھیڑ کے بیچ سے پار کرایا تاکہ کوئی اسے نہ روکے۔ عباس، ابوسفیان کو لیکر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی: ''اے خدا کے رسول ﷺ میں نے اسے پناہ دی ہے اب یہ آپؐ سے امان چاہتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''اسے صبح تک اپنے خیمے میں رکھو اور کل میرے پاس لاؤ'' عباس کہتے ہیں ''میں اسے اپنے خیمہ

(۱) کامل ابن اثیر، ج ۱،ص ۶۱۳؛ سیرہ حلبی، ج ۳،ص ۱۵۔

میں لے گیا۔(۱) اگلے دن صبح بلال نے اذان دی اور مجاہدین اسلام اپنے خیموں سے نکلے اور نماز جماعت کے لئے بھاگے۔ ابوسفیان یہ دیکھ کر وحشت زدہ ہوگیا اس نے پوچھا کیا بات ہے کیا میرے خلاف کوئی حکم جاری کیا گیا ہے؟ عباس نے کہا نہیں مسلمان نماز کی ادائگی کے لئے جمع ہورہے ہیں۔

اس کے بعد اس نے دیکھا کہ تمام مسلمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو کر ان کے ہمراہ رکوع و سجود بجالا رہے ہیں اس نے پوچھا کیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھیں جو حکم دیتے ہیں یہ اسی طرح کرتے ہیں عباس نے کہا حتیٰ اگر وہ کھانے پینے سے منع کریں تو بھی وہ لوگ ان کی اطاعت کریں گے۔ ابوسفیان نے کہا ''کسی بادشاہ اور سلطان کو میں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مانند نہیں دیکھا۔

دوسرے دن صبح عباس، ابوسفیان کو لیکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر ابوسفیان پر پڑی تو فرمایا ''کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تو خدائے واحد کا اقرار کرے۔''

ابوسفیان نے جواب دیا ''میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کس قدر کریم اور بردبار ہیں اب مجھے یقین آ گیا کہ اگر اس کے علاوہ کوئی خدا تھا تو مجھے یہ برے دن دیکھنے نصیب نہ ہوتے وہ میری مدد کرتا'' اس طرح ابوسفیان نے خدائے واحد کا اقرار کیا اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کیا اب تو میری رسالت کا اقرار کرے گا؟ میں آپ کی رسالت کے بارے میں غور و فکر کر رہا ہوں'' عباس ابوسفیان کے شک و تردد پر بہت ناراض ہوئے اور اس سے کہا اگر اسلام نہیں لاؤ گے تو تمہاری جان خطرے میں ہے جلدی سے ایمان لے آؤ!'' ابوسفیان نے توحید و رسالت کا اقرار کیا اور مسلمانوں کی صفوں میں داخل ہوگیا۔(۲)

ابوسفیان کا ایمان اگرچہ خوشی سے نہ تھا بلکہ خوف و ڈر کی بنا پر تھا۔ مگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا

---

(۱) سیرہ حلبی، ج ۳، ص ۱۸۔

(۲) سیرہ حلبی، ج ۳، ص ۱۶؛ سیرہ ابن ہشام، ج ۴، ص ۴۲؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۳۲۸۔

ایمان مصلحت کے تحت قبول کرلیا تا کہ اس طرح اسلام کی راہ میں موجود رکاوٹوں کو دور کرلیا جائے۔

مسجد الحرام کو جائے امن قرار دینا

ایمان لانے کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان کو آزاد کر دیا اور عباس سے کہا کہ ابوسفیان کو اس جگہ سے لیکر آؤ جہاں سے لشکر اسلام کو گزرنا ہے تا کہ وہ سپاہ اسلام کی شان وشوکت کو دیکھے اور آئندہ کبھی اسلام کے خلاف کوئی فکر ذہن میں نہ لائے۔

عباس نے عرض کیا ابوسفیان ایک جاہ طلب انسان ہے لہٰذا اس کے لئے کسی مقام اور مرتبہ وغیرہ کا اعلان کریں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جو کوئی ابوسفیان کے گھر پناہ لے گا وہ امان میں ہے اسی طرح جو شخص مسجد الحرام میں پناہ لے لے یا اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے وہ بھی امان میں ہے۔(۱)

اس طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بیس سالہ دشمن کو کہ جس نے اسلام کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا اس کی دل جوئی کی تا کہ اسلام کو اپنے کریمانہ اخلاق سے لوگوں تک پہنچائیں۔

سپاہ اسلام کی مکہ کی طرف روانگی

ابوسفیان کو اس جگہ پر لے جایا گیا کہ جہاں پر لشکر اسلام گروہ گروہ بن کر گزر رہا تھا۔ اس نے جب اسلام کے سپاہیوں کی ہیبت دیکھی تو حیران رہ گیا ہر گروہ جب ابوسفیان کے سامنے سے گزرتا تھا تو تین بار اللہ اکبر کا نعرہ لگاتا تھا۔ مجاہدین کی گرجدار آواز جب پہاڑوں کی چٹانوں سے ٹکراتی تھی تو ابوسفیان پر لرزہ طاری ہوجاتا تھا۔ اس نے جب اس پرشکوہ گروہ کو دیکھا کہ جس میں رسول خدا

---

(۱) سیرہ حلبی، ج ۳، ص ۱۶؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۳۲۸؛ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۶۱۲۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف رکھتے تھے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان و شوکت اور قدر و منزلت کا قائل ہوگیا۔(۱)

ابوسفیان کا مکہ چلے جانا

ابوسفیان کے مرعوب ہوجانے کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصلحت کے طور پر ابوسفیان کو آزاد کردیا تاکہ وہ لشکر اسلام کے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی قریش والوں کو اسلام و مسلمانوں کی طاقت سے آگاہ کردے اور مکہ بغیر خونریزی کے فتح ہوجائے۔

ابوسفیان سخت پریشانی اور اضطراب کی حالت میں مکہ پہنچا لوگ بھی رات سے اضطراب و حیرانی کی حالت میں تھے۔

اس نے لوگوں سے کہا ''اے گروہ قریش یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لشکر ہے اس عظیم لشکر کا تم مقابلہ نہیں کرسکتے انھوں نے شہر کا محاصرہ کرلیا ہے اور تھوڑی دیر میں شہر میں داخل ہوجائیں گے۔''

لوگوں نے پوچھا ''اب کیا کریں'' ابوسفیان نے کہا ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وعدہ کیا ہے کہ جو شخص مسجد الحرام میں پناہ لے لے یا اپنے گھر میں بیٹھا رہے یا میرے گھر میں پناہ لے لے تو اس کی جان و مال محفوظ ہے''۔(۲) ابوسفیان نے یہ پیغام دیا تو سارے کفار قریش پر رعب و وحشت طاری ہوگئی اگر کسی کے ذہن میں مقابلہ کرنے کی فکر بھی تھی تو وہ سرے سے ہی ختم ہوگئی۔

ابوسفیان کی بیوی ہندہ لوگوں سے مقابلہ کرنے کے لئے کہہ رہی تھی اس نے بہت داد فریاد کی مگر کسی نے اس کی بات نہ مانی کیونکہ پانی سر سے گزر گیا تھا۔(۳)

---

(۱) سیرہ حلبی، ج ۳،ص ۲۱؛ کامل ابن اثیر، ج ۱،ص ۶۱۴؛ تاریخ طبری، ج ۲،ص ۳۳۲، بحار الانوار، ج ۲۱،ص ۱۰۴؛ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۷،ص ۲۷۰۔

(۲) سیرہ حلبی، ج ۳،ص ۲۱؛ کامل ابن اثیر، ج ۱،ص ۶۱۴؛ تاریخ طبری، ج ۲،ص ۳۳۲۔

(۳) سیرہ حلبی، ج ۳،ص ۲۱؛ کامل ابن اثیر، ج ۱،ص ۶۱۴۔

چند افراد کے قتل کا حکم

لشکر اسلام کے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے رسول خداﷺ نے تمام سپہ سالاروں کو بلایا اور فرمایا ''میری ساری کوشش یہ ہے کہ مکہ بغیر کسی خون خرابے کے فتح ہو تمام اہل مکہ کو بخش دیا جائے گا کسی کو اذیت نہ دی جائے اور کسی کو قتل نہیں کرنا سوائے چھ مردوں (۱) اور چار عورتوں کے چونکہ یہ بہت زیادہ قتل و غارت گری کی مرتکب ہوئی ہیں انھوں نے گزشتہ جنگوں کے شعلے بھڑکانے میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے یہ اگر کعبہ کے پردے سے بھی چپک جائیں تب بھی انھیں مار دیا جائے ان افراد کے نام یہ ہیں ''عکرمہ ابن ابی جہل، ہبار بن الاسود، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، مقیس بن حبابۃ اللیثی، الحوریث بن نقیذ، عبداللہ بن ہلال بن خطل الادرمی۔ اور چار عورتوں کے نام یہ ہیں: ہند بنت عتبہ، سارہ مولاۃ لبنی ہاشم، قیبتا عبداللہ بن خطل وقریبہ۔ (۲)

سپاہ اسلام کا مکہ میں داخلہ

جب اسلام کا لشکر مکہ میں داخل ہوا تو اس وقت اس لشکر کے علمبردار سعد بن عبادہ تھے، وہ جونہی ابوسفیان کے نزدیک پہنچے تو انھوں نے یہ اشعار پڑھے:

الیوم یوم الملحمۃ الیوم تستحل الحرمۃ

الیوم اذل اللّٰہ قریشاً

آج، روز جنگ ہے، آج تمہاری جان اور مال ہم پر حلال ہیں، آج قریش کی ذلت کا دن ہے۔

---

(۱) بعض نے دوسروں کا اضافہ کیا وحشی بن حرب (قاتل حضرت حمزہؑ) عبداللہ بن الزبعری (کامل ابن اثیر ج ۱، ص ۶۱۶۔

(۲) شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید، ج ۱۷، ص ۲۷۵ سیرہ ابن ہشام، ج ۴، ص ۵۱۔

ابوسفیان نے پیغمبر اسلام ﷺ کے پاس آکر کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیا آپ نے اپنی قوم کے قتل عام کا حکم دیا ہے کہ سعد اس طرح کے اشعار پڑھ رہے ہیں؟

پیغمبر خدا ﷺ یہ بات سنکر بہت رنجیدہ ہوئے آپ نے فوراً فرمایا:

الیوم یوم المرحمة الیوم اعز اللّٰہ قریشا

الیوم یعظم اللّٰہ فیہ الکعبة

آج رحمت کا دن ہے، آج قریش کی عزت کا دن ہے، آج وہ دن ہے کہ اللہ نے کعبہ کو عزت بخشی ہے۔

اس کے بعد سعد کے بجائے حضرت علی علیہ السلام کو اسلامی فوج کا علمبردار بنایا گیا۔ اس طرح دس ہزار اسلام کے سپاہیوں پر مشتمل یہ لشکر رحمت بن کر مکہ معظمہ میں داخل ہوا۔ (۱)

ناقابل فراموش واقعات

رسول اکرم ﷺ ۲۰ رمضان المبارک ۸ ھ بروز جمعہ، جبکہ آپ عسکری لباس پہنے ہوئے تھے ایک عظیم فوج لیکر شہر مکہ میں داخل ہوئے۔ آپ نے ذی طویٰ کے مقام پر جہاں سے شہر مکہ کے گھر نظر آتے تھے، کھڑے ہوگئے، جب آپ کی نظر گھروں پر پڑی تو حمد خدا بجالائے، گزشتہ یادیں اور واقعات نظروں کے سامنے آگئے۔ تلخ و شیریں باتیں یاد آگئیں۔ اصحاب و انصار پر ہونے والے مظالم شعب ابی طالب کا محاصرہ وغیرہ۔ آپ نے فرمایا: ''خدایا عیش و عشرت زندگی تو فقط آخرت کی زندگی ہے۔'' (۲)

اس کے بعد رسول خدا ﷺ کا مرکب مجاہدین اسلام کے جھرمٹ میں مکہ کی بلندی (اذاخر)

(۱) سیرہ حلبی، ج ۳، ص ۲۲؛ سیرہ ابن ہشام، ج ۴، ص ۴۹؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۳۳۴۔

(۲) سیرہ حلبی، ج ۳، ص ۲۷؛ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۶۱۴؛ سیرہ ابن ہشام، ج ۴، ص ۴۸۔

سے شہر میں داخل ہوا۔ حضور اکرم ﷺ اپنے بزرگوار چچا حضرت ابوطالبؑ کی قبر کے پاس آئے، آپ نے فاتحہ پڑھی غسل کیا اور حمد وثنائے رب العالمین بجالائے حضور اکرم ﷺ خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے مسجد الحرام کی طرف روانہ ہوئے۔ ایک کثیر جمعیت موجود تھی کچھ خوشحال ومسرور اور کچھ حیرت وغم میں مبتلا تھے۔ آپ حجر اسود کے پاس آئے اور اس کی طرف اشارہ کرکے آپ نے تکبیر بلند کی۔ حضور اکرم ﷺ نے طواف فرمایا، طواف کے دوران آپ کی نظر چھوٹے بڑے ۳۶۰ بتوں پر پڑی آپ نے پہلے طواف میں ہی ہبل اساف اور نائلہ جیسے بڑے بتوں کو (کہ جن کے لئے مشرکین قربانی کیا کرتے تھے اور جو کعبہ کے دروازہ پر نصب تھے) اپنے نیزے سے نیچے گرادیا پھر آپؐ نے یہ آیت کی تلاوت فرمائی: ﴿جاء الحق زهق الباطل ان الباطل كان زهوقا﴾ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل تو مٹ جانے والی چیز ہے۔ ہبل بت جو کہ مشرکوں کے نزدیک سب سے بڑا خدا تھا وہ ان کی آنکھوں کے سامنے نیچے گرا پڑا تھا اور نبی اکرم ﷺ اس پر کھڑے تھے۔

حضرت نبی اکرم ﷺ نے طواف مکمل کیا اور مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے بلال کو عثمان بن طلحہ (جو کعبہ کا چابی بردار تھا) کے گھر بھیجا تاکہ اس سے کعبہ کی چابی لے کر آئے۔ عثمان مسجد الحرام میں آیا اور پیغمبر اسلام ﷺ کے حکم سے تالا کھولا، نبی اکرم ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے آپ نے کعبہ کی دیواروں پر موجود تمام تصویروں کو اتارنے کا حکم دیا اس کے بعد کعبہ کی دیواروں کو آب زمزم سے دھو دیا گیا۔ (۱) حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنے کاندھوں پر سوار کیا اور بلندی پر موجود لوہے اور پتھر وغیرہ کے بنے ہوئے بتوں کو گرانے کے لئے کہا حضرت علی علیہ السلام نے بتوں کو اکھاڑ کر نیچے پھینک دیا۔ (۲) اس کے بعد رسول خدا ﷺ نے کعبہ کے دروازہ پر

---

(۱) شرح نہج البلاغہ، ج ۱۷، ص ۲۷۸؛ سیرہ حلبی، ج ۳، ص ۲۷؛ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۶۱۸۔

(۲) سیرہ حلبی، ج ۳، ص ۳۰۔

کھڑے ہو کر فرمایا:

''خدائے واحدہ لاشریک کے علاوہ کوئی خدا نہیں ۔ اس نے اپنے وعدہ پر عمل کیا اور اپنے بندے کی مدد کی اور دشمنوں کو نابود کیا، اے لوگوں دور جاہلیت کے تمام امتیازات اور یہ خون و مال ج کہ زمانہ جاہلیت میں جس کے قائل تھے ان کو آج میں اپنے پاؤں کے نیچے روندھ ڈالتا ہوں مگر دو چیزیں برقرار رکھتا ہوں ایک کعبہ کی پردہ داری اور دوسرے حاجیوں کو پانی پلانا''۔ (۱)

کعبہ میں حضرت علی علیہ السلام کی بت شکنی کا واقعہ

حضرت علی علیہ السلام کی بت شکنی ناقابل انکار فضائل میں سے ہے، حضرت علی علیہ السلام نے جنگی میدانوں میں انسانی بتوں کو بھی خاک میں ملا دیا اسی طرح انسان کے ہاتھوں سے بنے ہوئے بتوں کو بھی سرنگوں کر دیا اور شیعہ وسنی علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی بت شکنی کے دو مرحلے ہیں قبل از ہجرت اور فتح مکہ کے موقع پر۔

ہجرت سے پہلے:

اکثر مؤرخین حضرت علی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا ہجرت سے پہلے ایک رات میں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ کے پاس آئے حضرت نے مجھ سے کہا بیٹھو! وہ میرے کندھے پر سوار ہوئے، لیکن میں ان کا بوجھ نہ اٹھا سکا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنے کندھوں پر اٹھایا اور بلند کیا یہاں تک کہ میں کعبہ کی چھت پر چلا گیا اور وہاں تانبے اور چاندی وغیرہ کے بنے ہوئے بتوں کو اکھاڑ پھینکا۔ (۲)

---

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج ۴، ص ۵۴؛ بحار الانوار، ج ۲۱، ص ۱۳۵؛

(۲) احقاق الحق، ج ۸، ص ۶۸۰؛ سیرہ حلبی، ج ۳، ص ۲۹؛ مستدرک حاکم نیشاپوری، ج ۲، ص ۳۶۷۔

فتح مکہ کے موقع پر:

شیعہ وسنی محدثین اور تاریخ دانوں نے لکھا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر حضرت علی علیہ السلام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاندھوں پر سوار ہوئے اور بتوں کو سرنگوں کیا۔

ابو ہریرہ نقل کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ میں تمہیں اٹھاتا ہوں اور تم ان بتوں کو توڑ دینا، جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو اٹھایا تو آپ نے فرمایا "اے علی علیہ السلام تم کیا دیکھ رہے ہو انھوں نے جواب دیا خداوند عالم نے آپ کے سبب اس قدر عظمت دی ہے کہ اگر میں چاہوں تو آسمانوں کو ہاتھ لگا سکتا ہوں"

عام معافی کا اعلان

جب کعبہ بتوں سے پاک ہوگیا تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکمل فتح اور کامرانی کے ساتھ دس ہزار مجاہدین کے ہمراہ کھڑے تھے، وہ شہر کہ جس میں تیرہ سال آپ کو تکلیفیں پہنچائی گئیں اور جہاں کے لوگوں نے بیس سال آپ کو اپنی تہمتوں اور حملوں کا نشانہ بنایا آج اس کی قسمت کا فیصلہ آپ کے ہاتھ میں تھا کفار مکہ کے سردار اور اس شہر کی بڑی بڑی شخصیتیں مسجد الحرام میں صف باندھے اپنی نامعلوم قسمت کے انتظار میں کھڑی تھیں۔ ان کے دلوں میں طرح طرح کے وسوسے آرہے تھے کہ آج محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ مردوں کو قتل کردیں گے اور عورتوں اور بچوں کو اسیر بنالیں گے اس طرح کے شیطانی افکار اور خیالات ان کے ذہنوں میں گھوم رہے تھے، انھیں اس بات کی خبر نہ تھی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام بادشاہوں کی طرح نہ تھے کہ طاقت ملنے کے بعد انتقام جوئی پر اتر آئیں بلکہ آپ تو رحمت عالم تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کو مخاطب کر کے فرمایا اے قریش اے اہل مکہ تم کیا خیال کرتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا! حیرت زدہ اور خوف زدہ لوگوں

نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا ہمیں آپ سے نیکی کے علاوہ اور کسی چیز کی امید نہیں ہے، ہمیں بخش دیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے ساتھ وہی کرونگا جو میرے بھائی یوسف نے کہا﴿لاتثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھوارحم الراحمین﴾.(۱)

خداوند عالم تمہارے گناہوں کو معاف کرے وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے اس کے بعد فرمایا:"اذھبوا فانتم الطلقاء" جاؤتم سب آزاد ہو"۔(۲)

مکہ والوں کارسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کرنا

نماز ظہر کا وقت ہو چکا ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخصوص موذن بلال نے کعبہ کی چھت پر اذان دی، اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جماعت قائم کی، قریش کے کچھ سردار اپنی خوشی سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور اسلام لانے کا اعلان کیا۔ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی، اس کے بعد پانی کا بھرا ہوا ایک طشت لایا گیا اس میں ایک طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ رکھا اور دوسری طرف مکہ کی عورتوں نے پانی میں ہاتھ ڈال کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کی۔(۳)

خالد بن ولید کا ظلم وستم

فتح مکہ کے بعد اس کے اطراف کے علاقوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نمائندے بھیجے تا کہ وہ ان علاقوں میں موجود بت خانوں کو ویران کر کے وہاں کے لوگوں کو دین اسلام کی دعوت

(۱) یوسف ۱۲: ۹۲۔

(۲) سیرہ حلبی، ج ۳، ص ۴۹؛ سیرہ ابن ہشام، ج ۴، ص ۵۴۔

(۳) کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۶۱۹؛ سیرہ حلبی، ج ۳، ص ۴۹؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۳۳۷؛ سیرہ ابن ہشام، ج ۴، ص ۵۵۔

دیں۔ ان نمائندوں میں ایک خالد بن ولید تھا اسے بنی المصطلق کے علاقہ میں ''جذیما'' نامی قبیلہ کی طرف بھیجا۔ آپ نے نصیحت کی وہاں جاکر قتل وغارت نہ کرنا۔

بنی جذیمہ کو جب خبر ملی کہ مسلح افراد ان کی طرف آرہے ہیں تو انھوں نے اپنے دفاع کے لئے خود کو تیار کرلیا۔ خالد نے ان سے کہا کہ ''مسلمان ہو جاؤ!'' انھوں نے کہا ''ہم مسلمان ہیں ہم نے مسجد بنائی ہے اور نماز پڑھتے ہیں'' خالد نے پوچھا ''اسلحہ کیوں اٹھایا ہے'' انھوں نے کہا ''ہم نے سمجھا کہ شاید ہمارا دشمن آرہا ہے'' انھوں نے اپنا اسلحہ زمین پر رکھ دیا''۔ چونکہ خالد کا چچا دور جاہلیت میں بنی جذیمہ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ خالد کے دل میں وہ کینہ موجود تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طریقے سے اس کی تلافی کرے۔ لہٰذا خالد نے ان کے اسلحہ اٹھانے کا بہانا بنا کر اس قبیلہ کے پانچ سو افراد کو قیدی بنالیا۔ خالد کے سپاہیوں نے تیس افراد کو قتل کر دیا اس دوران انھوں نے کافی غارت گری بھی کی اس کے بعد لشکر واپس آ گیا۔ حضور اکرم ﷺ کو جب اس ہولناک واقعہ کی خبر ملی تو آپ نے خالد پر اپنے شدید غم وغصہ کا اظہار کیا اور آسمان کی طرف ہاتھ بلند کر کے فرمایا: ''خدایا گواہ رہنا میں خالد کی اس جنایت وظلم سے بیزار ہوں۔''

پیغمبر اسلام ﷺ نے کچھ رقم حضرت علی علیہ السلام کو دیکر فرمایا ''قبیلہ جذیمہ کی طرف جاؤ اور ان کے مرنے والوں کی دیت ادا کرو اور ان کے نقصان اور غارت گیری کا بدلہ دو''۔ حضرت علی علیہ السلام نے بنی جذیمہ کے جانی ومالی نقصان کے بدلے میں دیت وغرامت ادا کی اور ان کے چھوٹے سے چھوٹے نقصان کو بھی پورا کر دیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے مکہ واپس آ کر رسول خدا ﷺ کو ساری کارروائی سے آگاہ کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''مرحبا درست عمل کیا اور بہت اچھا کیا۔''

اسی موقع پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''اے علی علیہ السلام تیری میرے ساتھ وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی۔ مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔'' (۱)

(۱) امالی شیخ صدوق، مجلس ۳۲، حدیث ۷۔

جنگ حنین

برہان الدین حلبی شافعی کہتے ہیں:

"لما فر الناس یوم حنین عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لم یبق معہ الا اربعة ، ثلاثة من بنی ھاشم و رجل من غیرھم : علی بن ابی طالب علیہ السلام والعباس وھما بین یدیہ ،وابو سفیان بن الحارث اخذ بالعنان و ابن المسعود من جانبہ الایسر ؛"

جنگ حنین میں جب سب لوگ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اکیلا چھوڑ کر چلے گئے تو اس وقت فقط چار افراد موجود تھے، ان میں تین بنی ہاشم کے افراد تھے ،ان کے نام یہ ہیں: حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام ،عباس بن عبد المطلب ، جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے جنگ کر رہے تھے۔ ابوسفیان بن حارث کہ جس نے گھوڑے کی لگام پکڑ رکھی تھی اور ابن مسعود جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بائیں جانب تھے۔(۱)

غزوہ حنین کا سبب

حنین طائف کے نزدیک ایک علاقہ کا نام ہے اس علاقہ میں مسلمانوں اور قبیلہ ہوازن اور

---

(۱) سیرہ حلبی، ج۳،ص۶۷۔

ثقیف کے درمیان جنگ ہوئی۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں نے جب مکہ فتح کرلیا تو اس کی خبر مکہ کے اطرف موجود قبائل میں بھی پھیل گئی جس سے مسلمانوں کا رعب و دبدبہ ان پر طاری ہوگیا۔ طائف کے دو اہم قبیلوں ہوازن اور ثقیف جو خود کو قریش سے بھی زیادہ قوی سمجھتے تھے انھوں نے حفظ ماتقدم کے تحت مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے مالک بن عوف کی سرکردگی میں لشکر کی تیاری شروع کردی۔ انھوں نے اس خیال سے کہ کوئی سپاہی فرار کی کوشش نہ کرے اس لئے لشکر کے ہمراہ اپنا مال واسباب اور بیوی بچے بھی لے آئے۔ وہ ماہ رمضان کے آخر یا شوال کے آغاز میں ۸ ھ کو اوطاس کی سرزمین میں وارد ہوئے۔ یہ علاقہ حنین کے نزدیک ہی تھا۔ (۱)

درید بن صمعہ نامی بوڑھا بھی لشکر کے ہمراہ تھا اس نے سپہ سالار کو مشورہ دیا کہ پڑاؤ کے لئے یہ علاقہ مناسب نہیں ہے اس کے علاوہ کہ عورتوں، بچوں اور مال واسباب کو ساتھ لانا جنگی حکمت عملی کے خلاف ہے۔ مالک نے درید کے اس مشورہ پر کوئی توجہ نہ دی۔

حضرت علی علیہ السلام علمبردار لشکر

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں قیام کئے ابھی پندرہ دن ہی گزرے تھے کہ دشمن کے لشکر کی تیاری اور روانگی کی خبر ملی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ ابن اسلمی کو دشمن کے لشکر سے متعلق اطلاعات حاصل کرنے کے لئے بھیجا۔

عبداللہ دشمن کے بارے میں اطلاعات حاصل کرکے دو دن کے بعد واپس آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلا فاصلہ مجاہدین کو تیار ہونے کا حکم دیا اور حضرت علی علیہ السلام کو سپاہ اسلام کی علمبرداری عطا کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عتاب بن اسید کو مکہ میں اپنا نمائندہ مقرر اور خود بارہ ہزار افراد پر مشتمل لشکر کے

(۱) سیرہ حلبی، ج ۳، ص ۶۲؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۳۴۴؛ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۶۲۴۔

ہمراہ حنین کی طرف روانہ ہوئے ۔حضرت نے روانگی سے قبل صفوان بن امیہ سے سو درہم قرض لئے۔(۱)

بعض اصحاب کا غرور میں مبتلا ہونا

اس جنگ میں مجاہدین کی کثرت کے سبب بعض لوگوں نے اظہار غرور کیا کہ جس کی طرف قرآن مجید نے اشارہ کیا:﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ﴾ (۲) اور(خاص کر) حنین کے دن جبکہ تمہاری کثرت نے تم کو نازاں کر دیا تھا پھر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی“

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کرنے والوں کو سختی سے منع فرمایا، بعض لوگوں کا یہی غرور باعث بنا کہ آغاز جنگ میں کافی نقصان اٹھانا پڑا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثابت قدمی اور حضرت علی علیہ السلام کی فداکاری

مالک بن عوف ایک خاص جنگی ہنر سے مسلمان مجاہدین کو غافلگیر کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے ایک گھاٹی کے نزدیک اپنے سپاہیوں کو پتھروں اور چٹانوں کے پیچھے چھپ کر اچانک مجاہدین اسلام پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔

چنانچہ لشکر اسلام جونہی حنین کی سرزمین میں داخل ہو کر گھاٹی کے نزدیک پہنچا تو دشمن کی فوج ان پر ٹوٹ پڑی۔ انھوں نے مسلمانوں پر سنگباری کی اور انھیں تہ تیغ کیا۔ لشکر اسلام کا دستہ بغیر مقابلہ کئے

---

(۱) کامل ابن اثیر، ج۱،ص۶۲۵؛ تاریخ طبری، ج۲،ص۳۴۶؛ سیرہ ابن ہشام، ج۴،ص۸۳؛ سیرہ حلبی، ج۳،ص۶۳۔

(۲) توبہ۹:۲۵۔

فرار ہو گیا۔ اس اچانک حملہ نے مسلمانوں کو اضطراب میں مبتلا کر دیا۔ اس خطرناک صورت حال میں لشکر اسلام کے تین افراد اور بعض کے بقول دس افراد جنگ میں ڈٹے رہے ان میں حضرت علی علیہ السلام اور عباس بن عبد المطلب شامل تھے۔(۱) البتہ بعض نے سو افراد بھی لکھا ہے۔(۲)

ان مجاہدین اسلام میں سب سے زیادہ جس نے بہادری کے جوہر دکھائے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان حفاظت کی خاطر اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر چاروں طرف سے ہونے والے حملوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، وہ حضرت علی علیہ السلام ہی تھے ان کی اس جانثاری اور فداکاری کا دوست اور دشمن سب نے اقرار کیا ہے۔ پیغمبر اسلام نے جب دیکھا کہ دشمن کامیابی کے نزدیک ہے تو آپ نے پکار کر کہا اے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مددگارو! میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں، یہ کہنے کے بعد آپ حضرت علی علیہ السلام اور عباس کے ہمراہ دشمن کی طرف حملہ آور ہوئے۔

اس دوران حضور کے چچا عباس نے بلندی پر کھڑے ہو کر آواز دی "اے مہاجرین و انصار اے اصحاب سورہ بقرہ اے بیعت شجرہ کے اصحاب کہاں بھاگے جا رہے ہو، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدان جنگ میں موجود ہیں" اس کے بعد اکثر مسلمانوں نے خاص طور پر انصار کی دینی غیرت و ہمیت حرکت میں آئی اور وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کے لئے لبیک لبیک کہتے ہوئے واپس لوٹ آئے۔

اب جبکہ سورج طلوع ہو چکا تھا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سپاہ کی قیادت کرتے ہوئے فرمایا" الان حمی الوطیس " اب جنگ کا تنور گرم ہو چکا ہے یعنی جنگ اور حملہ کرنے کا وقت آن پہنچا ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہ رجز پڑھا:

انا النبی ولا کذب　　　انا بن عبد المطلب

بلاشک میں خدا کا نبی ہوں، میں فرزند عبد المطلب ہوں۔

---

(۱) ارشاد مفید، ج ۱، ص ۱۴۰۔

(۲) سیرہ حلبی، ج ۳، ص ۶۷۔

مسلمان پیغمبر خداﷺ کے ہمرکاب فقط خدا پر توکل کرتے ہوئے دشمن کی فوج پر ٹوٹ پڑے انھوں نے غرور تکبر کو اپنے ذہنوں سے نکال کر فقط جہاد و شہادت کے عشق میں ہوازن و ثقیف کے جنگجوؤں کو فرار پر مجبور کر دیا۔ وہ اپنے مقتولین، زخمیوں اور اسیروں کو اسی طرح مال و اسباب اور گھوڑے چھوڑ کر طائف کی طرف بھاگ گئے اور لشکر اسلام کامیاب ہوگیا۔(۱) اس جنگ میں حضرت علی علیہ السلام نے تن وتنہا چالیس دشمنان اسلام منجملہ ابوجرول کمانڈر کو ہلاک کر دیا۔

حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں ابوجرول کی ہلاکت

شیخ مفید اور دیگر مورخین نے لکھا ہے ابوجرول رجز پڑھتا ہوا اپنے چند جنگجوؤں کے ہمراہ میدان میں وارد ہوا۔ ادھر حضرت علی علیہ السلام نے پہلے اس کے اونٹ پر پیچھے سے وار کیا اور پھر اس پر حملہ کر کے اسے زمین پر گرا دیا وہ زمین پر گرنے کے تھوڑی دیر بعد واصل جہنم ہوگیا۔ ابوجرول کے ہلاک ہونے کے بعد ان کے سپاہیوں کے حوصلے پست ہوگئے اور مسلمانوں نے جرأت و ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مل کر لشکر کفر پر یلغار کر دی۔ اسی دوران رسول خداﷺ نے دعا فرمائی:

" اللھم انک اذقت اول قریش نکالا ،فاذق اخرھا نو الا "؛

خداوندا! تو نے آغاز میں قریش کو سختی و دشواری سے دوچار کیا اب اسے آخر میں خوشی سے ہمکنار کر دے۔

دشمن کا طائف تک پیچھا کرنا

دشمن کی کوشش تھی کہ طائف کی طرف عقب نشینی کر کے اپنے آپ کو منظم کرے مگر لشکر اسلام کی

(۱) تفسیر مجمع البیان، ج ۵،ص ۱۸؛ تفسیر المنار، ج ۱۰،ص ۲۵۰؛ کامل ابن اثیر، ج ۱،ص ۶۲۶؛ ارشاد مفید، ج ۱، ص ۱۴۳؛ سیرہ حلبی، ج ۳،ص ۶۶۔

چالاکی اور تیزی نے انھیں اس بات کی فرصت نہ دی۔ مالک بن عوف لشکر کا سپہ سالار اپنے سپاہیوں کے ہمراہ طائف کی طرف فرار کر گیا۔ پیغمبر اسلام ﷺ کو اس بات کا علم تھا کہ دشمن نے ابھی تک ہتھیار نہیں ڈالے ہیں اور وہ نئے سرے سے حملہ کرنے کی تیاری میں ہیں لہٰذا آپ نے مال غنیمت اور اسیروں کو (جعرانہ) کے مقام پر رکھا اور خود مجاہدین اسلام کے ساتھ طائف کی طرف روانہ ہوئے۔

لشکر اسلام جونہی قلعوں کے نزدیک پہنچا تو مالک بن عوف کے سپاہیوں نے تیروں کی برسات کردی اس دوران ۱۸ مسلمان شہید ہو گئے

لشکر اسلام کے پاس خوراک کا ذخیرہ بہت کم تھا۔ دوسری طرف ماہ ذی قعدہ جو کہ ان مہینوں میں شامل ہے کہ جس میں جنگ کرنا حرام ہے وہ بھی نزدیک تھا اس کے بعد دیگر مشکلات کے پیش نظر جنگ کو جاری رکھنا خلاف مصلحت تھا لہٰذا بیس دن کے محاصرے کے بعد لشکر اسلام مکہ کی طرف واپس لوٹ آیا۔ (۱)

اسیروں کے ساتھ حسن سلوک

جعرانہ میں چھ ہزار اسیر، چالیس ہزار بھیڑ، ۲۴ ہزار اونٹ اور ۸۵۲ کلو گرام چاندی مال غنیمت پڑا ہوا تھا۔ جب پیغمبر اسلام ﷺ وہاں پہنچے تو ہوازن قبیلہ کے چند افراد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے اسلام قبول کر لیا انھوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے اسیروں پر نظر کرم فرمائیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا میں اپنا اور فرزندان عبد المطلب کا حصہ بخشتا ہوں البتہ باقی مسلمانوں سے اجازت لی۔ اس کے بعد انصار و مہاجرین اور دیگر مسلمانوں نے بھی اپنے اپنے

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج ۴، ص ۱۳۱؛ سیرہ حلبی، ج ۳، ص ۹۴؛ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۶۲۸؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۳۵۳۔

حصے کے اسیروں کو آزاد کر دیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مالک بن عوف کو پیغام بھجوایا کہ اگر وہ تسلیم ہو جائے تو اسے معاف کر دیا جائے گا اور اس کے خاندان کے افراد کو بھی آزاد کر دیا جائے گا۔ مالک یہ پیغام پاتے ہی مخفی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر اسلام لے آیا۔ یوں طائف کا یہ خطرہ بھی ٹل گیا۔ (۱)

مال غنیمت کی تقسیم پر اعتراض

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال غنیمت کو خاص طریقے سے تقسیم کیا سب سے پہلے آپ نے قریش کے سرداروں کو جو تازہ مسلمان ہوئے تھے زیادہ حصہ دینے کا حکم دیا تا کہ ان کی دل جوئی کی جائے اور انھیں رام کیا جائے۔ انصار کو مال غنیمت سے ان کی نسبت بہت کم حصہ ملا۔ (۲) بعض انصار نے اس تقسیم پر اعتراض کیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دیکھ کر بہت رنجیدہ ہوئے اور آپ نے فرمایا کیا تم لوگ گمراہ نہیں تھے، خدا نے میرے وسیلے سے تمھیں ہدایت دی، کیا تم جنگ خونریزی میں مبتلا نہ تھے اور خدا نے میرے وسیلہ سے تمھیں نجات دی، انھوں نے عرض کیا جی ہاں ایسا ہی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا مجھے کہو گے کہ تو در بدر تھا ہم نے گھر دیا اور تو بے پناہ تھا ہم نے تمھیں پناہ دی مکہ میں تمھیں جھٹلایا گیا ہم نے تمہاری تصدیق کی۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ باتیں سن کر انصار کی آنکھوں میں آنسو آ گئے انھوں نے عرض کی ہم خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے راضی ہیں۔ ہمارا اعتراض غلط فہمی کی بنا پر تھا ہمیں معاف فرما دیں'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں معاف کر دیا اور فرمایا انصار کا گروہ میرا گروہ ہے وہ میرے راز دار ہیں

---

(۱) کامل ابن اثیر، ج ۲، ص ۶۲۹؛ سیرہ ابن ہشام، ج ۴، ص ۱۳۱؛ سیرہ حلبی، ج ۳، ص ۷۶۔

(۲) ارشاد مفید، ج ۱، ص ۱۴۵؛ سیرہ ابن ہشام، ج ۴، ص ۱۳۵؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۳۶۱؛ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۶۳۱۔

خدایا ان کو بخش دے۔(۱)

شاعر کا اعتراض اور حضرت علی علیہ السلام کا عمل

مشہور عرب شاعر عباس بن مرد بھی اس جنگ میں موجود تھا اسے مال غنیمت سے چار اونٹ دیئے گئے۔ اس نے اپنے اشعار میں اس تقسیم پر اعتراض کیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا اٹھو! اور اس کی زبان کاٹ دو! حضرت علی علیہ السلام اس کی طرف بڑھے اس نے سمجھا واقعا میری زبان کاٹ دیں گے۔ حضرت علی علیہ السلام اسے وہاں لے گئے جہاں اونٹ بندھے ہوئے تھے حضرت علیؑ نے اس سے کہا یہاں سے چار اونٹ مزید لے لو. عباس نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کا خاندان کس قدر بردبار اور کریم ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لئے تمہیں پہلے چار اونٹ دیئے تا کہ تمہارا شمار مہاجرین میں ہو۔ اگر تم میری مانو تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی تقسیم پر خوش ہو جاؤ، عباس نے کہا میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقسیم پر راضی ہوں۔(۲)

غیب کی خبر

ایک شخص جس کا نام حرقوس تھا اس نے اس تقسیم پر اعتراض کرتے ہوئے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے مال غنیمت تقسیم کرتے ہوئے عدالت وانصاف سے کام نہیں لیا حضرتؑ نے فرمایا افسوس ہے تم پر، اگر میں عادل نہیں تو کون عادل ہے؟ بعض اصحاب نے چاہا اس کی بے ادبی کی سزا دیں۔

(۱) ارشاد مفید، ج۱، ص۱۴۵؛ کامل ابن اثیر، ج۱، ص۶۳۱؛ سیرہ حلبی، ج۳، ص۸۴؛ تاریخ طبری، ج۲، ص۳۶۱؛ سیرہ ابن ہشام، ج۴، ص۱۴۱۔

(۲) ارشاد مفید، ج۱، ص۱۴۷؛ سیرہ ابن ہشام، ج۲، ص۱۳۶؛ کامل ابن اثیر، ج۱، ص۶۳۱؛ تاریخ طبری، ج۲، ص۳۵۹۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے چھوڑ دو آنے والے زمانوں میں اس کے پیروکار ہونگے اور یہ دین خدا سے خارج ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا میری امت میں سے ایک جماعت دین سے اس طرح خارج ہو جائے گی جیسے تیر کمان سے اور حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام انھیں قتل کر دیں گے۔ جیسا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی تھی کہ حرقوس جسے ''ذوالخویصرہ'' کہتے تھے اس نے خوارج کو اکٹھا کیا اور نہروان میں حضرت علی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کرنے کے لئے لے آیا۔ وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق حضرت علی علیہ السلام کی تلوار سے واصل جہنم ہوا۔

طائف میں بتوں کا توڑنا

علامہ طبرسی روایت کرتے ہیں ''جس وقت لشکر اسلام نے طائف کا محاصرہ کیا تھا اس دوران رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو اس علاقہ کے اطرف میں موجود بتوں کو توڑنے کے لئے بھیجا۔ حضرت علی علیہ السلام جب اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے سفر پر نکلے تو راستے میں شہاب نامی شخص ملا اس نے آپ کو مقابلہ کے لئے پکارا، حضرت علی علیہ السلام نے رجز پڑھ کر اور اس پر حملہ کیا اور اسے واصل جہنم کیا۔ حضرت علی علیہ السلام جب یہ فریضہ ادا کر کے واپس آئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبیر کہہ کر آپؑ کا استقبال کیا۔

جنگ تبوک

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

''ارجع یا اخی الی مکانک ، فان المدینة لا تصلح الا بی او بک، فانت خلیفتی فی اهلی و دار هجرتی وقومی، اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعد''؛

میرے بھائی علی علیہ السلام مدینہ واپس چلے جاؤ کیونکہ وہاں کے انتظام کے لئے میرے اور تمہارے علاوہ کوئی بھی مناسب نہیں ہے، تم میرے اہل بیت علیہم السلام ، میرے گھر اور میری قوم میں میرے نمائندہ اور جانشین ہو، اے علی علیہ السلام ! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تیری میرے ساتھ وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی ،سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔(۱)

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام غزوہ تبوک کے موقع پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر مدینہ میں بعنوان جانشین پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹھہرے رہے اور غزوہ تبوک میں شرکت نہ کی۔

---

(۱) اشاد مفید، ج ۱، ص ۱۵۶۔

اس باب میں ہم حدیث منزلت پر روشنی ڈالیں گے اور اس جنگ کے اہم واقعات کی طرف اشارہ بھی کریں گے۔

سرزمین تبوک

تبوک دراصل ایک قلعہ کا نام ہے جو شام کی سرحد کے نزدیک واقع ہے اسی مناسبت سے اس علاقہ کو سرزمین تبوک کہا جاتا تھا۔

شام کی حکومت اس زمانے میں روم کی سلطنت کے زیر اثر تھی، غزوہ تبوک آخری جنگ ہے کہ جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرکت کی۔

اسلام کی پیشرفت اور قدرت سے خائف ہو کر روم کی حکومت نے اسلامی حکومت کی بنیادیں ڈھانے کی خاطر مدینہ کی طرف لشکر کشی کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ ایک عظیم لشکر تبوک کی سرزمین پر آ کر مستقر ہو گیا۔(۱)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس لشکر کشی کی خبر ملی تو آپ نے فوراً تمام مسلمانوں کو اپنی پوری قوت اکٹھی کرنے کا حکم دے دیا، آخر کار تیس سے لیکر ستر ہزار افراد پر مشتمل لشکر اسلام تیار ہو گیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے بڑا علم زبیر بن عوام کے سپرد کیا اور روانہ ہونے کا حکم دیا۔(۲)

سخت آزمائش کی گھڑی

اسلامی تاریخ میں اس طرح پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بھی ایسے مسلمان موجود رہے ہیں

(۱) سیرہ حلبی، ج ۳، ص ۹۹۔

(۲) سیرہ حلبی، ج ۳، ص ۱۰۲۔

جو اعتقاد اور عمل کے لحاظ سے متفاوت تھے، بظاہر توحید رسالت و معاد اور جنگ و جہاد و شہادت کا دم بھرتے تھے۔ مگر دل سے اس پر ایمان نہ رکھتے تھے اور فرصت ملتے ہی جہاد و جنگ سے بھاگ لیا کرتے تھے۔

جنگ تبوک مومن اور منافق کی پہنچان کا بہترین موقع و میدان تھا۔ جب تمام مسلمانوں کو تبوک کی طرف جانے اور لشکر کفر و شرک سے لڑنے کا حکم ملا تو اس وقت موسم بہت گرم تھا فصل پک کر تیار کھڑی تھی دوسری طرف دشمن بھی بہت طاقتور اور راستہ بھی لمبا اور کٹھن تھا۔

خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے عاشق ہر طرح سے تیار کھڑے تھے اور جن کے دلوں میں دنیا کی محبت گھر کیے ہوئے تھی وہ بہانہ تراشی کی تلاش میں تھے۔

بعض منافق، لوگوں کو لشکر روم سے ڈرا کر جہاد پر جانے سے روک رہے تھے۔ یہ مرحلہ بہت حساس تھا اسلامی حکومت اور مسلمانوں کی بقا کا مسئلہ در پیش تھا۔ چنانچہ خداوند عالم نے مجاہدین کی مدد کا وعدہ کیا اور منافقین کے لئے سخت عذاب کی خبر سنائی۔

حضرت علی علیہ السلام جانشین پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت علی علیہ السلام کے امتیازات میں سے ایک امتیاز یہ ہے کہ آپ نے تمام غزوات اور جنگوں میں نہ فقط شرکت کی بلکہ اسلامی فوج کی علمبرداری کی ہے، سوائے غزوہ تبوک کے۔ حضرت علی علیہ السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق مدینہ ہی میں ٹھہرے رہے تا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں اسلامی حکومت کے اس مرکز کی حفاظت کریں اور منافقین و کفار کی سازش پر کڑی نظر رکھیں۔ (۱)

حضرت علی علیہ السلام حکم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق مدینہ میں تھے منافقین کو احساس ہو گیا کہ اگر انھوں نے کوئی ایسی حرکت کی جو اسلام و مسلمین کے لئے نقصان دہ ہوئی تو انھیں علی علیہ السلام کی طرف سے

(۱) ارشاد مفید، ج ۱، ص ۱۵۴؛ بحار الانوار، ج ۲۱، ص ۲۰۷۔

سخت ردعمل کا سامنا کرنا پڑے گا اور ان کی تمام کوششیں رائیگاں ہو جائیں گی۔ لہٰذا حضرت علی علیہ السلام مدینہ میں رہیں بھی تو ان کی قدر و منزلت کم ہو جائے اور لوگوں میں ان کی عزت باقی نہ رہے، انھوں نے حضرت علی علیہ السلام کے خلاف غلط باتیں پھیلانی شروع کر دیں اور یہ مشہور کر دیا کہ علی علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلقات خراب ہو گئے ہیں، علی علیہ السلام راستے کی دوری اور سختی کی وجہ سے تبوک نہیں جا رہے ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام سے بے اعتنائی اختیار کر لی ہے، اسی لئے اسے مدینہ چھوڑ کر چلے گئے ہیں جس طرح کہ دوسرے منافقین بہانے بنا کر جہاد پر نہیں گئے۔ اسی طرح وہ بھی جہاد پر نہیں جانا چاہتے۔(۱)

منافقین نے اس قدر پروپیگنڈہ کیا کہ عام لوگ حضرت علی علیہ السلام کے خلاف ہو گئے اور نزدیک تھا کہ وہ آپ کی بے ادبی کرنے پر اتر آئیں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی مدینہ سے زیادہ دور نہیں گئے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام فوراً جراف کے مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور منافقین کی سازش سے آگاہ کیا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جملہ کہہ کر منافقین کی سازشوں پر پانی پھیر دیا آپ نے فرمایا: ”اے میرے بھائی علی علیہ السلام مدینہ واپس جایئے کیونکہ وہاں کے انتظام و اہتمام کے لئے میرے اور تیرے علاوہ کوئی بھی مناسب نہیں ہے۔(۲)

حدیث منزلت اور امامت حضرت علی علیہ السلام

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے جیسے اپنی آخری عمر سے نزدیک ہوتے جا رہے تھے لوگوں سے مسئلہ

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج۴، ص۱۶۳؛ تاریخ طبری، ج۲، ص۳۶۸؛ ارشاد مفید، ج۱، ص۱۵۶۔

(۲) ارشاد مفید، ج۱، ص۱۵۶؛ بحار الانوار، ج۲۱، ص۲۰۸؛ سیرہ ابن ہشام، ج۴، ص۱۶۳؛ سیرہ حلبی، ج۳، ص۱۰۲؛ بدایہ و نہایہ ابن کثیر، ج۵، ص۷۔

خلافت اور اپنی جانشینی کھول کھول کر بیان کرتے چلے جارہے تھے۔ آپؐ نے اکثر مواقع پر حضرت علی علیہ السلام کا اپنے جانشین کے طور پر تعارف کرایا تاکہ آپ کی رحلت کے بعد لوگ اختلاف کا شکار ہو کر گمراہ نہ ہو جائیں۔

داستان تبوک کے حوالے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث جو حدیث منزلت کے نام سے مشہور ہے، حضرت علی علیہ السلام کی امام و ولایت اور خلافت پر بین ثبوت ہے۔ حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی" نے ایک طرف تو منافقین کی سازشوں کو بے اثر کر دیا اور دوسری طرف امت اسلامی کے لئے یہ واضح کر دیا کہ حضرت علی علیہ السلام ہی حقیقی جانشین رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

شیعہ و سنی علماء محدثین اور مورخین نے مختلف انداز سے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

شیخ مفید نے حضرت علی علیہ السلام کی بلا فصل خلافت و امامت کے اثبات کے لئے حدیث منزلت کو کامل و جامع استدلال کے طور پر پیش کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کے لئے وہ تمام مراتب و فضائل جو ہارون کو موسیٰ کے ذریعہ سے ملے تھے یہاں پر بیان کر دیئے ہیں، فقط مقام نبوت کو مستثنیٰ قرار دیا ہے کیونکہ نبوت ختمی مرتبت پر تمام و کامل ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کی نظر میں سب سے زیادہ محبوب اور صاحب فضل تھے۔ حضرت موسیٰؑ نے اللہ سے دعا کی کہ اے خدا ہارون کو میرا وزیر بنا دے اسے میرا مددگار اور شریک کار بنا دے۔ (۱) خداوند عالم نے حضرت موسیٰؑ کی دعا قبول فرمائی ﴿قال قد اوتیت سؤلک یا موسیٰ﴾ (۲) اے موسیٰ تو اپنی آرزو کو پہنچ گیا۔ قرآن کریم موسیٰؑ کی زبان ارشاد فرماتا ہے: ﴿وقال موسیٰ لاخیه هارون اخلفنی فی قومی واصلح ولا تتبع سبیل المفسدین﴾ (۳) موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا تو میری قوم کے درمیان میرا جانشین

---

(۱) طٰہٰ ۲۰: ۲۷-۳۶۔ (۲) طٰہٰ ۲۰: ۳۸۔ (۳) اعراف ۷: ۱۴۲۔

ہے انھیں اصلاح کی طرف بلاؤ اور فساد کرنے والوں کی پیروی نہ کرو۔

لہٰذا جس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنا جانشین قرار دیا تو درحقیقت تمام فضائل ومراتب میں شریک قرار دیا سوائے مقام نبوت کے۔

لشکر اسلام کی تبوک سے واپسی

حضرت علی علیہ السلام کے مدینہ میں ٹھہرے رہنے سے اسلامی حکومت کا مرکز ظلم وستم کے ہر خطرے اور سازش سے محفوظ رہا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اطمینان سے تبوک کی طرف سفر کیا۔(۱) لشکر اسلام رومیوں سے لڑنے کے لئے ماہ شعبان ۹ھ میں سرزمین تبوک پہنچا۔ روم والوں کو لشکر اسلام کی قدرت وطاقت اور جہاد کے لئے ان کی روانگی کی خبر مل چکی تھی۔ لہٰذا انھوں نے بہتر یہ سمجھا کہ اپنی فوج کو واپس بلا لیا جائے چنانچہ انھوں نے سپاہیوں کو واپس بلا کر یہ ظاہر کیا کہ ان کا جنگ کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ تو سپاہ اسلام جب تبوک پہنچی تو رومی فوج کا وہاں کوئی نام ونشان موجود نہ تھا۔

لشکر اسلام تقریباً ۲۰ روز تبوک میں رہا مسلمانوں نے یہاں اپنی نمازیں قصر پڑھیں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمن کی طرف بڑھنے یا واپس مدینہ جانے کے لئے اصحاب اور قبائل کے سرداروں سے مشورہ کیا۔ سب نے مدینہ واپسی کا مشورہ دیا البتہ اسی ضمن میں انھوں نے کہا کہ اگر اللہ کا حکم بڑھنے کے بارے میں ہے تو اطاعت کرنے پر آمادہ ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''خدا کی طرف سے کوئی حکم نہیں ملا اگر ایسا ہوتا تو تمہارے ساتھ مشورہ نہ کرتا۔ بنابریں میں تمہاری تائید کرتا ہوں اب ہم واپس مدینہ چلتے ہیں۔(۲)

(۱) تاریخ طبری، ج۲، ص ۳۶۸۔

(۲) سیرہ حلبی، ج۳، ص ۱۱۹۔

دومۃ الجندل کی طرف بھیجنے کے لئے خالد کا انتخاب

تبوک میں قیام کے دوران رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرصت سے استفادہ کرتے ہوئے خالد بن ولید کو دومۃ الجندل کی طرف بھیجا تا کہ وہاں کے حاکم اکیدر بن عبدالملک مسیحی کو صلح پر آمادہ کرے۔ اس کے بارے میں احتمال تھا کہ وہ کسی بھی وقت رومیوں کی مدد کر سکتا ہے۔ خالد بن ولید اور اکیدر کے درمیان مختصر سی جنگ ہوئی اور پھر اکیدر اسیر ہو گیا۔ خالد اکیدر کو لیکر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اکیدر نے اسلام قبول نہ کیا، لیکن اس نے جزیہ دینا قبول کر لیا۔ (۱)

غزوہ تبوک کی مناسبت سے چند اہم واقعات کا خلاصہ یہاں بیان کرتے ہیں:

۱۔ غیب کی خبر:

تبوک کے راستے میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اونٹ گم ہو گیا، بعض اصحاب اس کی تلاش میں نکلے، ایک منافق بنام 'زید بن لُصیت' جو عمارہ بن حزم صحابی کے قافلے میں موجود تھا اس نے کہا" کیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ نہیں کہتے کہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں اور غیب کا عالم ہوں تو وہ اپنے اونٹ کے بارے میں کیوں نہیں جانتے کہ اونٹ کہاں گم ہو گیا ہے؟!!"

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم جو مجھے خدا بتاتا ہے صرف اسی کا علم ہوتا ہے اور ابھی خدا نے مجھے اونٹ کے بارے میں بتا دیا ہے میرا اونٹ اس بیابان میں فلاں گھاٹی کے پاس ہے اور اس کی لگام درخت میں پھنسی ہوئی ہے جاؤ اسے لے آؤ!۔

عمارہ فوراً اس جگہ پر گیا تو دیکھا کہ واقعاً جس طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا اسی طرح کی

---

(۱) کامل ابن اثیر، ج ۲، ص ۲۳۸۔

صورت حال ہے۔اس نے واپس آ کر صورت حال سے آگاہ کیا۔عمارہ نے زید سے کہا کہ فورا میرے قافلہ سے نکل جاؤ۔(۱)

۲۔پیغمبر ﷺ کو قتل کرنے کی سازش

منافقین کہ جن کے دلوں میں اسلام کے خلاف کینہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا کسی فرصت کی تلاش میں تھے کہ پیغمبر ﷺ کو قتل کر دیا جائے۔چنانچہ تبوک سے واپسی پر چند منافقین نے پروگرام، جنکی تعداد بارہ یا چودہ تھی، راستے میں ایک گھاٹی میں چھپ کر رات کے اندھیرے میں پیغمبر خدا ﷺ کے اونٹ کو بدحواس کر کے پہاڑ سے نیچے گرادیں۔خداوند عالم نے اپنے حبیبؐ کو اس سازش سے باخبر کر دیا۔آپ نے اونٹ کی مہار عمار کو دی اور حذیفہ سے فرمایا کہ وہ اونٹ کے پیچھے سے نگرانی کرے۔اسی طرح کچھ دیگر افراد کو دوسری اہم جگہوں پر متعین کر دیا تا کہ منافق وہاں پر چھپ نہ سکیں۔جب حضور اکرم ﷺ روانہ ہوئے اور اسی راستے سے گزرے تو آپ نے چند افراد کے آنے کی آواز سنی انھوں نے اپنے چہرے چھپا رکھے تھے۔حضور ﷺ نے سب کا نام لیکر انھیں آواز دی اسی طرح راز سے پردہ اٹھ گیا اور وہ بھاگ کر چھپ گئے۔حذیفہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ انھیں قتل کرنے کا حکم کیوں نہیں دیتے۔حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اہل عرب یہ کہیں کہ محمد ﷺ نے اب جبکہ اصحاب پر فتح وغلبہ پالیا ہے، ان کے قتل کے درپے ہو گیا ہے۔(۲)

---

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج۴، ص۱۶۶؛ سیرہ حلبی، ج۳، ص۱۰۷؛ کامل ابن اثیر، ج۲، ۶۳۷؛ تاریخ طبری، ج۲، ص۳۷۰۔

(۲) سیرہ حلبی، ج۳، ص۱۰۵؛ سیرہ ابن ہشام، ج۴، ص۱۶۳؛ بدایہ ونہایہ ابن کثیر، ص۸؛ کامل ابن اثیر، ج۱، ص۶۳۶؛ تاریخ طبری، ج۲، ص۳۶۹؛ تفسیر مجمع البیان، ج۵، ص۷۹۔

۳۔ تبوک سے واپسی پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیات قرآنی کے ذریعہ ان منافقین کو جو مختلف حیلے بہانے کر کے تبوک نہیں گئے تھے ذلیل و رسوا کیا۔ آپ نے کلام الٰہی سنا کر انھیں ان کی بد عاقبت سے آگاہ کیا۔

مشرکین سے برائت کا اعلان

انس بن مالک نقل کرتے ہیں:

"اِنَّ رسول اللّٰہ ﷺ بعث ببرائة مع ابی بکر الی اهل مکه ، فلما بلغ ذاالحُلیفة بعث الیه فردّه وقال :" لایذهب بها اِلّا رجلٌ من اهل بیتی " فبعث علیًا".

رسول خدا ﷺ نے ابوبکر کو اہل مکہ کی طرف بھیجا تا کہ وہ آیات برائت کو مشرکین کے سامنے پڑھیں، مگر جب وہ مسجد شجرہ کے نزدیک پہنچے، آنحضرت ﷺ نے کسی کو بھیجا کہ وہ ان سے آیات لیکر حضرت ابوبکر کو واپس بھیج دے، حضرت نے فرمایا: "برائت کا اعلان یا میں خود یا میرے اہل بیت علیہم السلام میں سے کوئی کرے، اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام کو بھیجا۔(۱)

نواں سورہ جو مدینہ میں پیغمبر خدا ﷺ پر نازل ہوا وہ سورہ برائت ہے اسے سورہ توبہ بھی کہتے ہیں۔ اس سورہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے عہد شکن مشرکین سے اعلان برائت

---

(۱) تفسیر مجمع البیان، ج۵، ص۳؛ بحار الانوار، ج۲۱، ص۲۶۶۔

کیا گیا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"لم ينزل بسم الله الرحمٰن الرحيم على راس سوره برائة ، لان بسم الله للامان والرحمة ، ونزلت برائة لرفع الامان بالسيف".

اس سورہ کے آغاز میں "**بسم الله الرحمن الرحيم**" نازل نہیں ہوئی ہے، کیونکہ "**بسم الله**" امان اور رحمت ہے جبکہ سورہ برائت تلوار کے ذریعہ امان اٹھا لینے کے لئے نازل ہوئی ہے۔(۱)

مشرکین سے برائت

آخر ماہ ذی الحجہ ۹ھ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سورہ برائت نازل ہوا اس میں حکم دیا گیا ہے کہ برائت کا پیغام پہنچا کر ہر قسم کے شرک و بت پرستی کا بزور طاقت خاتمہ کر دیا جائے۔

کفر و شرک کے سرداروں کو چار ماہ کی مہلت دی گئی کہ اگر وہ دین اسلام قبول کرلیں انھیں دوسرے مسلمانوں کی طرح ہر قسم کا امن و امان نیز سہولیات نصیب ہونگی اگر انھوں نے اپنی دشمنی اور عناد کو جاری رکھا اور وہ کفر و شرک پر قائم رہے تو عذاب الٰہی کا شکار ہو جائیں گے۔

قرارداد کا متن

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار نکاتی قرارداد تیار کی اور فرمایا کہ آیات برائت کے بعد یہ قرارداد پڑھ کر سنائی جائے۔

یہ چار نکات درج ذیل ہیں:

۱۔ "**لا يدخل الكعبة الا نفس مومنة**"؛ آج کے بعد سوائے مومنین کے کسی کو حق حاصل

---

(۱) تفسیر مجمع البیان، ج ۵، ص ۲۔

نہیں ہے کہ وہ کعبہ کے اندر داخل ہو۔

۲۔ "ولا یطوف بالبیت عریان"؛ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ خانہ خدا کا برہنہ طواف کرے۔

۳۔"ولا یجتمع مومن و کافر فی المسجدالحرام بعد عامه هذا" ؛سال آئندہ کافراور مومن مراسم حج میں بالکل اکٹھے نہ ہوں گے یعنی آئندہ سال اور ہمیشہ کے لئے کفاراور بت پرست مراسم حج میں نہیں آئیں گے۔

۴۔ "ومن کان بینه وبین رسول اللهﷺ فعهده الی مدته ومن لم یکن له عهد فاجعله اربعة اشهر"؛ جن لوگوں نے رسول خداﷺ کے ساتھ عہدو پیمان کیا ہے اگر وہ اس پر قائم رہیں تا زندگی ان کی قرارداد محترم ہے۔البتہ وہ مشرک وکافر جنھوں نے عہدو پیمان نہیں کیا یاانھوں نے عہدو پیمان شکنی کی تو انھیں صرف چار مہینے کی مہلت دی جاتی ہے کہ وہ ان چار ماہ کے اندر اندر یا تو مسلمان ہو جائیں یا پھر جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔(۱)

بعض افراد نے ان چار نکات کو آزادی کے خلاف تصور کیا ہے حالانکہ یہ چار نکات آزادی کے عین مطابق ہیں۔

اول یہ کہ بت پرست اور کفار و مشرکین عام لوگوں کو گمراہ کرر ہے تھے۔لہٰذا لوگوں کو ان کی فکری وذہنی اور عملی غلامی سے نجات دلانے کے لئے ضروری تھا کہ انھیں بت پرستی جیسے اعمال سے منع کیا جائے تا کہ فردی اوراجتماعی مفاسد کا خاتمہ ہو۔

دوم یہ کہ عربوں کے اندر دور جاہلیت میں رواج تھا کہ جس لباس میں طواف کرتے تھے وہ فقیر کو دیتے تھے لہٰذا اگر جس کے پاس دوسرا لباس نہ ہوتا تھا وہ ادھار لیکر طواف کرتے تھے۔بعض کے لئے

---

(۱) تفسیر مجمع البیان، ج۵،ص۴؛ سیرہ ابن ہشام، ج۴،ص۱۹۰؛ مروج الذہب، ج۲،ص۲۹۷؛ بدایہ ونہایہ ابن کثیر، ج۵،ص۲۳؛ کامل ابن اثیر، ج۱،ص۶۴۴۔

اگر ادھار ممکن نہ ہوتا تو وہ برہنہ طواف کرتے تھے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قسم کی فاسد اور غلط رسموں کو مٹانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ لہٰذا آپ نے اسے حرام قرار دیا۔

سوم یہ کہ حج ایک بہت بڑا عبادی اور سیاسی رکن ہے، سورہ توبہ کے نزول سے پہلے تک کفار مسلمانوں کو یہ فریضہ صحیح اور کامل طریقہ سے ادا کرنے نہیں دیتے تھے۔ اور بت پرستی کے تمام مراسم بھی ساتھ ہی ادا کرتے تھے۔ چنانچہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں مراسم حج کے دوران ایسا کرنے سے منع کر دیا۔

ان عوامل کی بنا پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورہ برائت کی آیات اور چار نکاتی قرارداد کو سب کی اطلاع کے لئے پڑھنے کا حکم دیا۔

حضرت علی علیہ السلام کی ذمہ داری

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورہ برائت کی قرأت کے لئے سب سے پہلے حضرت ابوبکر کا انتخاب کیا مگر ابھی وہ مدینہ سے زیادہ دور نہ گئے تھے کہ وحی الٰہی نازل ہوئی فرشتہ وحی نے عرض کیا:

"ان اللّٰہ یقرئک السلام ویقول لک : لایودی عنک الا انت اورجل منک؛"

خداوند عالم بعد از سلام کہتا ہے کہ برائت کے پیغام کو سوائے تیرے یا اس شخص کے جو تجھ سے ہے کوئی اور پہنچانے کے اہلیت اور صلاحیت نہیں رکھتا۔ (۱)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو بلایا اپنا مخصوص مرکب انھیں دیا اور فرمایا جلدی سے جاؤ

---

(۱) ارشاد مفید، ج ۱، ص ۶۵؛ بحار الانوار، ج ۲۱، ص ۲۷۵؛ سیرہ ابن ہشام، ج ۴، ص ۱۹۰؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۳۸۲۔

اور برائت کا پیغام ابوبکر سے لیکر عید قربان کے دن منیٰ کی سرزمین میں سب کے لئے پڑھ کر سنادو۔

حضرت علی علیہ السلام چند اصحاب کے ہمراہ کہ جس میں جابر بن عبداللہ انصاری بھی شامل تھے، ذوالحلیفہ کے مقام پر حضرت ابوبکر سے جاملے انھوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام ان تک پہنچایا اور سورہ برائت لیکر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مراسم حج کے بعد حضرت علی علیہ السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق جمرہ عقبہ کی بلندی پر کھڑے ہوگئے اور بلند آواز سے فصیح و بلیغ انداز میں سورہ برائت کی تلاوت کی اور چار نکاتی پیغام پہنچایا۔

اس سورہ اور قرارداد کا اتنا زیادہ اثر ہوا کہ کفار و مشرکین چار ماہ کی مہلت ختم ہونے سے پہلے ہی جوق در جوق اسلام کا اظہار کرتے رہے یوں ۱۰ھ کے درمیان تک شرک و بت پرستی کے آثار حجاز کی سرزمین سے مٹ گئے۔

حجۃ الوداع

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منیٰ میں ارشاد فرمایا:

"الا وانی قد ترکت فیکم امرین ان اخذتم بهما لن تضلوا ، کتاب الله و عترتی اهل بیتی ......"؛

میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر ان سے تمسک رکھو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہونگے ایک کتاب خدا، دوسرے میرے اہل بیت علیہم السلام ......"۔(۱)

حج ایک اہم سیاسی اور عبادی اجتماع ہے کہ جس میں ہر سال لاکھوں مسلمان شرکت کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی اور آپ ہی نے ان مراسم کی بنیاد رکھی۔ تب سے آج تک کعبہ اہل ایمان کا قبلہ چلا آ رہا ہے۔

زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے مراسم و مناسک میں بھی انحراف آتا گیا چنانچہ عرب جاہلیت کے دور میں بہت ساری غلط رسمیں حج کے مراسم میں شامل ہو گئے تھیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مراسم حج میں ذاتی طور پر شرکت کرنے اور اس کے مراسم کو صحیح طریقہ

---

(۱) تفسیر علی بن ابراہیم قمی، ج ۱، ص ۱۷۱۔

سے ادا کر کے لوگوں کو تعلیم دینے کے لئے ۱۰ھ میں مکہ کا سفر اختیار کیا۔

آپ نے حکم دیا کہ تمام مسلمانوں میں یہ اعلان کر دیا جائے کہ اس سال رسول خدا ﷺ حج کے لئے جا رہے ہیں جو جانا چاہتا ہے وہ تیار ہو جائے۔

رسول خدا ﷺ جب سفر حج کے لئے روانہ ہوئے تو قربانی کے ۶۶/جانور۔(۱) آپ کی بیویاں اور بیٹی حضرت زہرا سلام اللہ علیہا، کئی ہزار مسلمان، مہاجرین، انصار اور قبائل کے افراد آپ کے ہمراہ تھے۔(۲) مورخین نے کل تعداد چالیس ہزار سے لیکر ایک لاکھ چوبیس ہزار تک بیان کی ہے۔(۳)

چونکہ یہ حضور اکرم ﷺ کی مبارک زندگی کا آخری حج قرار پایا اس لئے اسے حجۃ الوداع کہتے ہیں.

اس کے علاوہ اسی حج کے مراسم میں حکم خدا کے مطابق ﴿یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک ......﴾(۴) حضرت علی علیہ السلام کی ولایت وامامت کا اعلان کیا گیا اور یہ اہم اعلان دین اسلام کے کامل ہونے کے لئے تھا اسی مناسبت سے اس حج کو حجۃ البلاغ اور حجۃ الکمال بھی کہا جاتا ہے.

تمام مسلمانوں نے مراسم حج رسول خدا ﷺ کے زیر قیادت ادا کیے۔

رسول خدا ﷺ کا تاریخی خطبہ

رسول خدا ﷺ اللہ کی طرف سے اپنا جانشین وخلیفہ معین کرنے پر مامور تھے۔ چونکہ حضرت علی علیہ السلام کا اپنے جانشین اور خلیفہ ہونے کے لحاظ سے تعارف کرانا ایک آسان کام نہ تھا۔ لہٰذا نبی اکرم

---

(۱) سیرہ حلبی، ج ۳، ص ۳۱۹۔

(۲) سیرہ حلبی، ج ۳، ص ۳۰۷؛ سیرہ ابن ہشام، ج ۴، ص ۲۴۸۔

(۳) سیرہ حلبی، ج ۳، ص ۳۰۷؛ سیرہ ابن ہشام، ج ۴، ص ۲۴۸۔

(۴) مائدہ ۵: ۶۷۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آہستہ آہستہ ذہنوں کو آمادہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ آپ نے اپنی رحلت کے بعد پیش آنے والے تمام حالات کے لئے غدیر خم پر حضرت علی علیہ السلام کی امامت و ولایت کا اعلان کرنے کے لئے تمام ضروری اقدام کر لئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکثر مواقع پر قرآن اور اہل بیت علیہم السلام کا تعارف کرا کر یہ باور کرا دیا تھا کہ میرے بعد یہ دونوں تمہاری رہنمائی کریں گے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہونگے۔ ”انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللّٰہ و عترتی اھل بیتی“۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدان عرفات میں اور ایک قول کے مطابق منیٰ میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا اس میں آپ نے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی فرائض اور ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کیا۔

حضرت علی علیہ السلام کا یمن جانا

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یمن والوں میں اسلام کی تبلیغ اور نجران والوں سے مالیات لینے اور قضاوت کی ذمہ داری بھی حضرت علی علیہ السلام کے سپرد کی۔

حضرت علی علیہ السلام نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے آج تک قضاوت جیسے کام کو انجام نہیں دیا“، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک حضرت علی علیہ السلام کے سینہ پر رکھا اور دعا کی ”اللھم اھد قلبہ ،وثبت لسانہ“ خداوندا! علی علیہ السلام کے قلب کو ہدایت فرما اور اس کی زبان کو لغزشوں سے محفوظ رکھ!“۔(۱)

اس کے بعد آپ نے چند نصیحتیں کیں کہ لوگوں کے ساتھ کس طرح سے پیش آنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا:

(۱) بحار الانوار، ج ۲۱، ص ۳۶۰۔

''لان یھدی اللّٰہ بک رجلا واحدا خیر لک مما طلعت علیه الشمس او غربت؛"

خدا کی قسم اگر خدا کسی کو تیرے وسیلہ سے راہ ہدایت پر لے آئے تو یہ ہر اس چیز سے بہتر ہے جس پر سورج چمکتا اور غروب ہوتا ہے۔(۱)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید فرمایا:

" یاعلی علیہ السلام اوصیک بالدعا فان معه الاجابة ، وبالشکر فان معه المزید، وایاک ان تخفر عهدا وتعین علیه، وانهاک عن المکر فانه لا یحیق المکر السیء الا باهله وانهاک عن البغی فانه بغی علیه لینصرنه اللّٰه" .

اے علی علیہ السلام دعا اور مناجات کو ہمیشہ ورد زبان رکھنا، کیونکہ دعا اور اجابت ساتھ ساتھ ہیں ہر حال میں خدا کا شکر بجالاؤ، کیونکہ شکر نعمت کی زیادتی کا باعث بنتی ہے، اگر کسی کے ساتھ وعدہ کرو تو اسے پورا کرو مکر وفریب سے اجتناب کرو، کیونکہ بدکاروں کا مکر وفریب خود انہی کی طرف پلٹ جاتا ہے، ظلم وستم سے پرہیز کرو، کیونکہ ظلم ظالم کی گردن پر پلٹتا ہے۔ بے شک خدا مظلوموں کا مددگار ہے۔(۲)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یمن والوں کے لئے ایک خط بھی تحریر کیا کہ جس میں انھیں اسلام کی دعوت دی گئی تھی، حضرت علی علیہ السلام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ احکامات لیکر یمن کی طرف روانہ ہوئے۔

براء بن عازب جو کہ اس سفر میں حضرت علی علیہ السلام کے ہمراہ تھے وہ نقل کرتے ہیں کہ جس وقت حضرت علی علیہ السلام یمن میں داخل ہوئے تو آپ نے وہاں کے قبائل کو اسلام کی دعوت دی اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط پڑھ کر سنایا۔ حضرت علی علیہ السلام کی شیریں زبانی اور فصیح وبلیغ انداز اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت وجلالت کے صدقہ سارا قبیلہ ہمدان جو کہ تمام قبائل یمن میں اہم تھا مسلمان

---

(۱) سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۲۴۵؛ بحار الانوار، ج ۱۲، ص ۳۶۱۔

(۲) بحار الانوار، ج ۱۲، ص ۳۶۱۔

ہو گیا۔(۱)

امیر المومنین علیہ السلام نے یہ واقعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تحریر فرمایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبیلہ ہمدان کے مسلمان ہونے پر بہت خوش ہوئے اور سجدہ شکر بجالائے۔ اس کے بعد آپ نے تین مرتبہ فرمایا: "السلام علی همدان ،السلام علی همدان، السلام علی همدان "قبیلہ ہمدان کے مسلمان ہو جانے کے بعد یمن کے باقی لوگ بھی بتدریج مسلمان ہو گئے۔(۲)

حضرت علی علیہ السلام کی یمن سے واپسی

ہجرت کا دسواں سال ہے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال حقیقی نزدیک تھا، لہٰذا لازم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین اور وصی معین کیا جائے، خدا کی طرف سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم مل چکا تھا کہ حجۃ الوداع کے اختتام پر امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی حکومت و جانشینی کا اعلان فرمائیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ سے روانہ ہونے سے پہلے حضرت علی علیہ السلام کو خط لکھا کہ یمن سے مکہ پہنچ جائیں اور حج کے مراسم میں شرکت کریں۔(۳)

شیخ مفید لکھتے ہیں کہ "حضرت علی علیہ السلام نے فوراً خود کو مکہ پہنچایا، آپ نے میقات سے احرام باندھا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یمن کی تبلیغ اسلام کی کارکردگی سے آگاہ کیا۔

مکہ واپسی پر نجران والوں سے مالیات کے طور پر لیا گیا کپڑا آپ کے ساتھ آنے والے سپاہیوں نے بطور احرام کے آپس میں تقسیم کر لیا۔ حضرت علی علیہ السلام کو جب اس کی خبر ملی تو آپ نے

---

(۱) سیرہ حلبی، ج ۳، ص ۳۱۹۔

(۲) یمن میں حضرت علی علیہ السلام کی تبلیغ اور قضاوت کے بارے میں تفصیلات جاننے کے لئے مصنف کی دوسری کتاب تجلی امامت کا مطالعہ کریں۔

(۳) ارشاد مفید، ج ۱، ص ۱۷۱۔

فرمایا:

"ویلک ما دعاک الی ان تعطیھم الحلل من قبل ان ندفعھا الی النبی ﷺ ولم اکن اذنت لک فی ذلک"

تم پر بہت افسوس ہے کہ قبل اس کے کہ یہ کپڑا حضور اکرم ﷺ کے سپرد کیا جائے تم نے آپس میں تقسیم کرلیا جبکہ میں نے تمہیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔

آپ نے ان سے وہ کپڑے لیکر حضور اکرم ﷺ کے حوالے کردیئے۔ کچھ لوگوں نے حضور اکرم ﷺ سے حضرت علی علیہ السلام کے اس بات کی شکایت کی تو رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

" ارفعوا السنتکم عن علی بن ابی طالب ،فانه خشن فی ذات اللّٰہ،غیر مداھن فی دینه".

اپنی زبان کو بند کرو اور علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی بدگوئی نہ کرو، کیونکہ وہ خدا کا حکم جاری کرنے میں کسی کی پروانہیں کرتے۔(۱)

(۱) ارشاد مفید، ج۱، ص۱۷۔

یوم غدیر

ابن مسعود اور ابو سعید خدری روایت کرتے ہیں:

آیت: ﴿ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک ...... ﴾(۱)

غدیر خم میں حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی۔(۲)

غدیر یعنی وہ جگہ جہاں پر پانی جمع ہوتا ہے بیابانوں میں اونٹ چرانے والے ایسی جگہوں کی اہمیت کو اچھی طرح جانتے تھے۔

حج کا اختتام اور واقعہ غدیر خم

حج کے مراسم ختم ہوئے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک بہت بڑے مجمع کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حج کی اٹھارہ تاریخ ہے، سورج پوری آب وتاب کے ساتھ چمک رہا تھا، صحرا کی گرمی سے انسان جھلس رہے تھے۔ بیابان کی گرمی بڑھتی جارہی تھی۔

---

(۱) مائدہ ۵:۶۷۔

(۲) تفسیر الدر المنثور، ج ۲، ص ۱۳۰۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسی جگہ پہنچے کہ جسے چوراہہ کہتے تھے یہاں سے مختلف علاقوں کے راستے جاتے تھے۔ مدینہ والے مدینہ کی طرف عراق والے عراق کی طرف اور یمن والے اپنے ملک کی طرف جاتے تھے ایسے میدان میں فرشتہ وحی غدیر خم پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا: ﴿یا اَیُّھا الرَّسول بَلِّغ ما اُنزل اِلیک من ربک وان لَم تفعل فما بَلَّغتَ رسالَتہ واللّٰہ یَعصِمُک مِن النَّاس اِنَّ اللّٰہ لا یَھدی القومَ الکافرین﴾ (۱) اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے (حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں) نازل کیا گیا ہے اسے پہنچادو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو گویا تم نے اپنی رسالت ہی نہ پہنچائی اور اللہ لوگوں کے شر سے تم کو محفوظ رکھے گا۔ بے شک اللہ کافروں کو ہدایت نہیں کرتا ہے۔

آیت کا لہجہ اس بات کی غماز کر رہا تھا کہ حکم الٰہی بہت اہم اور فوری ہے لہٰذا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دستور دیا کہ تمام قافلوں کو جانے سے روک لیا جائے۔ تمام حجاج کو واپس بلالیا گیا جو لوگ جحفہ تک چلے گئے تھے انھیں بھی واپس آنے کے لئے کہہ دیا گیا۔ اب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کے جمع ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔

سورج نصف النہار پر ہے نماز کا وقت ہو گیا موذن نے اذان کہی۔ سب لوگ نماز کے لئے تیار ہو گئے سورج کی تپش سے زمین اس قدر گرم ہو چکی تھی کہ حاجیوں نے اپنے عبا کا ایک حصہ نیچے بچھایا اور دوسرا سر پر رکھا۔

سب نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امامت میں نماز ظہر ادا کی، اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹوں کے پالانوں کے منبر پر کھڑے ہو کر بلند آواز میں خطبہ ارشاد فرمایا:

حمد فقط خدا کیساتھ مخصوص ہے اس سے مدد کا طالب ہوں اور اسی پر ایمان رکھتا ہوں۔ ہم اسی پر توکل کرتے ہیں، اپنے نفسوں کی بدی اور شر سے پناہ مانگتے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے علاوہ

---

(۱) مائدہ ۵:۶۷۔

کوئی خدا نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بندہ خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، اے لوگوں میں جلد ہی دعوت حق پر لبیک کہتا ہوا تمہارے درمیان سے چلا جاؤں گا، ہم سب خدا کی بارگاہ میں جواب دہ ہیں۔''

سب نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے خدا کا دین ہم تک پہنچا دیا آپ نے اس راہ میں بہت رنج ومشقت اٹھائی

تھوڑی دیر کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ ارشاد فرمایا: ''بہشت و دوزخ برحق ہے اور قیامت کا دن ضرور آئے گا خداوند عالم تمام مردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ سب نے باآواز بلند کہا ''ہم سب آپ کی گواہی دیتے ہیں۔''

اس کے بعد آپ نے خطبہ کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا 'فانظروا ، کیف تخلفونی فی الثقلین '' میری رحلت کے بعد دیکھنا کہ تم دوگرانقدر گوہروں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہو۔ ایک شخص نے اٹھ کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دوگراں قدر چیزیں کونسی ہیں؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ایک بزرگ ثقل اور گوہر کتاب خدا قرآن ہے کہ جس کا ایک سرا خدا کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ اس کی کتاب کو مضبوطی سے تھام لو تا کہ گمراہ نہ ہونا اور دوسرا ثقل اور گوہر میرے اہل بیت علیہم السلام اور عترت ہیں۔ مجھے خدا نے خبر دی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگی یہاں تک کہ روز قیامت میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں۔ اے لوگوں کتاب خدا اور میری عترت سے آگے نہ بڑھنا ان کی نافرمانی نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔''

اس کے بعد آپ نے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر اتنا اٹھایا کہ آپ کی بغل کی سفیدی دور سے نمایاں تھی۔ (۱) (اس وقت سب لوگوں نے جان لیا کہ یہ وہی علی علیہ السلام ہیں جو تمام جنگوں میں اسلام کی فوج کا علمبردار تھے یہ وہی ہستی ہیں جنھوں نے سب سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی گواہی اور ذوالعشیرہ میں آپ کی بیعت کی۔ یہ وہی مرد خدا ہے جب لیلۃ المبیت میں

(۱) ارشاد مفید، ج ا، ص ۱۷۶۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر دشمنوں کے نرغے میں بلا خوف وخطر سو گیا تھا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان امان میں رہی یہ وہی علی علیہ السلام ہے جس نے امانتیں واپس کر کے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور یہ وہی علی علیہ السلام ہے کہ جس نے ہر معرکہ میں اسلام کے دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا......) اب سب کو معلوم ہو گیا کہ یہاں جمع کرنے کا مقصد جانشین کا اعلان کرنا اور حضرت علی علیہ السلام کی امامت وخلافت کا پیغام پہنچانا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"ایھا الناس من اولی الناس بالمؤمنین من انفسھم ؟ ان اللّٰہ مولای ،وانا مولی المؤمنین ،وانا اولی بھم من انفسھم فمن کنت مولاہ ،فعلی مولاہ؛ یقولھا ثلاث مرات ؛"

اے لوگو مؤمنین پر ولایت کا حق سب سے زیادہ کس کو ہے؟ سب نے کہا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''خداوند عالم میرا مولا اور رہبر ہے اور میں مؤمنین کا مولا ورہبر ہوں، میں مؤمنین کی جانوں اور مالوں پر ان سے زیادہ حق تصرف رکھتا ہوں، تو اے لوگوں جس جس کا میں مولا اور رہبر ہوں، علی علیہ السلام بھی اس کا مولا اور رہبر ہے۔''

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات تین مرتبہ دہرائی، احمد بن حنبل کے بقول چار بار تکرار کی اس کے بعد سر آسمان کی طرف اٹھایا اور فرمایا:

"اللھم وال من والاہ ، وعاد من عاداہ، واحب من احبہ ، وابغض من ابغضہ، وانصر من نصرہ،واخذل من خذلہ وادر الحق معہ حیث دار ؛"

خداوندا جو علی علیہ السلام کو دوست رکھتا ہے تو بھی اسے دوست رکھ اور جو علی علیہ السلام کو دشمن رکھتا ہے تو بھی اسے دشمن رکھ، خداوندا علی علیہ السلام کے دوستوں کی مدد فرما اور اس کے دشمنوں کو ذلیل وخوار کر، خدایا! علیؑ کو حق کا محور قرار دے اور حق کو ہمیشہ علی علیہ السلام کے ہمراہ قرار دے۔

اس کے بعد فرمایا:"الا فلیبلغ الشاهد الغائب " حاضرین پر واجب ہے کہ وہ یہ پیغام غائبین تک پہنچائیں۔

ابھی یہ عالی شان اجتماع جاری تھا کہ وحی الٰہی دوبارہ نازل ہوئی۔اور جبرئیل امین نے پیغام خدا پہنچایا:

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ (۱)

آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دی اور دین اسلام کو تمہارے لئے پسند کر لیا۔

رسول خدا نے تکبیر کی آواز بلند کی اور فرمایا:" اللّٰه اکبر علی اکمال الدین واتمام النعمة ورضی الرب برسالتی والولایة لعلی من بعدی"۔

سب خوشحال اور مسرور تھے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین اور خلیفہ قرار پائے ہیں۔مسلمان ایک دوسرے کو مبارک باد کہہ رہے تھے۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و حضرت علی علیہ السلام کو تبریک عرض کرنے کے لئے ایک دوسرے پر پہل کرنے کی کوشش میں تھے۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ مسلمان علی علیہ السلام کی بیعت کریں اور اسے اپنا امام و امیر تسلیم کریں اور اس بات کا اقرار کریں۔

مسلمان گروہ در گروہ حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کر رہے تھے۔انھیں اپنا مولا و رہبر تسلیم کر کے مبارک باد دے رہے تھے۔

جن لوگوں نے سب سے پہلے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کی اور مبارک باد دی ان میں حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، اور طلحہ و زبیر بھی شامل تھے۔حضرت ابو بکر و عمر کا یہ جملہ بہت مشہور

---

(۱) مائدہ ۵:۳۔

ہے۔

"بخ بخ لک یابن ابی طالب اصبحت وامسیت مولای و مولا کل مؤمن ومؤمنة؛"

مبارک ہو مبارک ہو اے ابوطالب کے بیٹے! آپ میرے اور تمام مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کے مولا و رہبر بن گئے۔(۱)

اس کے بعد نبی کی بیویوں اور تمام خواتین نے بھی حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کی، ایک طشت میں پانی ڈال کر ایک طرف خواتین اور دوسری طرف حضرت علی علیہ السلام نے پانی میں ہاتھ رکھا یوں بیعت ہوئی۔

ولایت وامامت حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں حسان بن ثابت کے اشعار بہت مشہور ہیں:

ینادیهم یوم الغدیر نبیهم	بخم واسمع بالرسول منادیا
وقال: فمن مولاکم وولیکم	فقالوا ولم یبدوا هناک التعادیا
الهک مولانا وانت ولینا	ولم تجدن منا لک الیوم عاصیا
فقال له: قم یاعلی فاننی	رضیتک منن بعدی اء ماما وهادیا
فمن کنت مولاه فهذاولیه	فکونوا له انصار صدق موالیا
هناک دعا: اللهم وال ولیه	وکن للذی عادی علیا معادیا

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم کے روز آواز دی اس قدر بلند آواز کی کہ سب نے سن لی۔

فرمایا تمہارا مولا اور ولی کون ہے؟ سب نے صراحت کے ساتھ کہا:

(۱) الغدیر، ج۱، ص۱۰؛ تفسیر مجمع البیان، ج۳، ص۲۲۳؛ تفسیر المنار، ج۶، ص۴۶۳؛ تفسیر الدر المنثور، ج۲، ص۲۹۸؛ تفسیر فخر رازی، ج۱۲، ص۴۲؛ مستدرک حاکم، ج۳، ص۱۱۸؛ الفصول المہمہ، ص۴۰-۴۳؛ سیرہ حلبی، ج۳، ص۳۳۶؛ مناقب ابن مغازلی، ص۱۶، ص۱۷؛ بدایہ ونہایہ ابن کثیر، ج۵، ص۱۸۴؛ ارشاد مفید، ج۱، ص۱۷۵؛ بحار الانوار، ج۳۷، ص۱۸۴؛ الفصول المائۃ، ج۲، فصل ۲۷۔

تمہارا خدا ہمارا مولا ہے اور تو ہمارا ولی ہے، اس بارے میں آپ نے ہم سے کوئی نافرمانی نہیں دیکھی۔

اس دوران علی علیہ السلام سے فرمایا "اٹھو کہ میں نے تمہیں اپنے بعد امامت و رہبری کے لئے منتخب کیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: جس کا میں مولا ہوں علی علیہ السلام بھی اس کے مولا ہیں۔ اس کی صدق دل سے مدد کرنی ہے۔

آپ نے دعا کی اور فرمایا: " خداوندا! اس کے دوست کو دوست رکھ اور اس کے دشمن کو دشمن قرار دے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسان کے حق میں دعا فرمائی کہ " جب تک تم اپنی زبان سے ہماری مدد کرتے رہو روح القدس تمہاری مدد کرتے رہیں گے۔ (۱)

حدیث غدیر کے مخالفین

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آغاز رسالت سے ہی سفر و حضر میں مختلف مواقع پر حضرت علی علیہ السلام کی ولایت و جانشینی کے بارے میں لوگوں کو آگاہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ حدیث غدیر اس سلسلے کی سب سے اہم اور صریح حدیث ہے۔

مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض مؤرخین و محدثین جیسے ابن تیمیہ وغیرہ نے اس تاریخی حقیقت کا انکار کیا ہے۔ وہ اپنی کتاب منہاج السنہ یں لکھتا ہے "کسی بھی مسلمان دانشور نے اپنی کتاب میں آیت ﴿یاایھا الرسول بلغ ما انزل من الیک......﴾ کے شان و نزول کے بارے میں یہ نہیں لکھا کہ یہ علی علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے"۔

(۱) ارشاد مفید، ج ۱، ص ۱۷۷؛ فرائد السمطین، ج ۱، ص ۷۳، ح ۳۹۹؛ امالی صدوق مجلس ۸۴، ح ۳۔

بعض نے غدیر خم کے واقعہ کا اعتراف کیا ہے اور بہت ساری روایات بھی اس بارے میں نقل کی ہیں مگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد علی علیہ السلام کی خلافت بلافصل کے بارے میں اعتراضات کیے ہیں۔''

ہم یہاں پر اس آیت کے شان نزول اور واقعہ غدیر سے متعلق دیگر آیات و روایات کی طرف اشارہ کریں گے نیز اس دن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس پر بھی روشنی ڈالیں گے۔

حدیث غدیر اور اس کی اسناد

غدیر خم کا واقعہ اور حضرت علی علیہ السلام کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین کے عنوان سے تعارف اور اعلان ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ایک سو دس صحابہ کرام نے اسے نقل کیا ہے اور یہ وہ تعداد ہے جو اہل سنت کی کتابوں میں درج ہیں۔

اگر چہ اس حدیث کے راوی تو بہت زیادہ ہیں لیکن تاریخ نگار سب کو نقل نہ کر سکے اور اگر نقل کیا بھی ہے تو تاریخ میں حضرت علی علیہ السلام سے مخالفت کی بنا پر ان کا وجود ختم کر دیا گیا ہے۔

صدر اسلام میں اصولاً تاریخی واقعات و حوادث کا نقل و درج کرنا مہم شمار نہیں کیا جاتا تھا۔ جو کچھ بھی تاریخ میں باقی رہ گیا ہے وہ اس زمانے میں اور بعد والے زمانوں میں ترقی یافتہ ملکوں میں ضبط تحریر میں لایا گیا ہے۔

علاوہ ازیں بعض افراد نے رحلت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد، حضرت علی علیہ السلام سے دشمنی اور دین سے انحراف کی وجہ سے اس واقعہ کو جان بوجھ کر فراموش کیا اور اس کا بالکل تذکرہ نہ کیا۔

لہٰذا ان ایک سو دس افراد کا نام بعنوان راوی حدیث غدیر تاریخی کتابوں میں باقی رہ جانا پھر بھی غنیمت ہے۔

ان ایک سودس افراد میں درج ذیل افراد بہت نمایاں ہیں: (۱)

ابو بکر بن قحافہ، عمر بن خطاب، عثمان بن عفان، طلحہ وزبیر، امام حسن علیہ السلام، امام حسین علیہ السلام، عبد اللہ بن جعفر، عباس بن عبد المطلب، عبد اللہ ابن عباس، ابو سعید ثابت، ابو ایوب انصاری، ابو ذر غفاری، سلمان فارسی، ابو قتادہ، ابو ہریرہ، زید بن ارقم، عدی بن حاتم، سہل بن حنیف، سمرہ بن جندب، ابن قدامہ انصاری، حسان بن ثابت، عثمان بن حنیف، وغیرہ عورتوں میں سے فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا، ام سلمہ، عائشہ، ام ہانی، فاطمہ بن حمزہ وغیرہ......۔ (۲)

صحابہ کے بعد تابعین ہیں کہ جنکی تعداد ۸۴ر ہے ان میں ابو راشد، ابو سلمہ، ابو سلیمان، مؤذن ابو صالح شامل ہیں۔ (۳)

غدیر خم ایک زندہ وجاوید حقیقت

ایک سودس صحابہ کرام کا حدیث غدیر بیان کرنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ خداوند عالم نے اس حقیقت کو زندہ و جاوید رکھنے کے لئے وسائل فراہم کردیئے تھے۔ یہ اسلامی تاریخ کا ایک ایسا واقعہ ہے کہ جسے تمام شیعہ وسنی علماء محدثین ومؤرخین اور شعراء وادباء نے اپنی اپنی کتابوں میں تحریر کیا ہے۔

الف: حدیث غدیر کو صرف صحابہ اور تابعین ہی نے نہیں بلکہ بعد میں آنے والے علماء و مؤرخین نے بھی مورد توجہ قرار دیا ہے۔ اور اسے خاص اہمیت دی ہے۔

قرن دوم ہجری کے ۵۶ر افراد نے اس حدیث کو نقل کیا ہے، جیسے عمرو بن دینار، محمد بن مسلم بن

---

(۱) ابن شہر آشوب در مناقب، ج ۳، ص ۲۵؛ الغدیر، ج ۱، ص ۱۴۔

(۲) الغدیر، ج ۱، ص ۱۴۔۷۲۔

(۳) الغدیر، ج ۱، ص ۱۲۹۔۱۵۱۔

عبید اللہ، عبدالرحمان بن قاسم وغیرہ۔قرن سوم میں ۹۲/اہل سنت علماء نے موثق ومعتبر ذرائع سے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔قرن چہارم ہجری میں ۴۳/افراد نے۔قرن پنجم ہجری میں ۲۴/علماء نے۔قرین ششم ہجری میں ۲۰/افراد نے۔ قرن ہفتم ہجری میں ۲۱/افراد نے۔قرن ہشتم ہجری میں ۱۸/افراد نے ۔قرن نہم ہجری میں ۱۶/افراد نے۔قرن دہم ہجری میں ۱۴/افراد نے ۔قرن یازدہم ہجری میں،۱۲/افراد نے۔ قرن دوازدہم ہجری میں ۱۳۰/افراد نے۔قرن سیزدہم ہجری میں ۱۲/افراد نے اورقرن چہاردہم ہجری میں ۲۱/اہل سنت کے علماء نے حدیث غدیر نقل کیا ہے۔ان افراد کی کل تعداد ۳۶۰/بنتی ہے۔

علامہ امینی صاحب الغدیر نے ان تمام افراد کے نام اوران کے حالات کتاب الغدیر میں تحریر کئے ہیں۔(۱) البتہ زیادہ تحقیق کرنے سے ان کی تعداد اس سے بہت زیادہ ہوگی۔

ب:۔اہل سنت کے بعض علماء نے اس حدیث کے مصادر و ماخذ کے بارے میں باقاعدہ کتابیں تحریر کی ہیں۔

۱۔ابوجعفر طبری: بہت بڑے اسلامی مؤرخ (سال وفات ۳۱۰ھ) نے اپنی کتاب الولایہ فی طریق حدیث الغدیر میں ستر سے زیادہ طریقوں سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث نقل کی ہے۔

۲۔ابوالعباس احمد بن محمد ہمدانی المعروف ابن عقدہ (وفات ۳۳۳ھ) نے اپنی کتاب الولایۃ فی طرق حدیث الغدیر میں اس حدیث کو ۱۰۵/افراد کے ذریعہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے۔

۳۔ابوبکر محمد عمر بغدادی معروف بہ جعانی (وفات ۳۵۵ھ) نے اپنے کتاب من روی حدیث غدیر خم، میں ۱۲۵/افراد کے ذریعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث نقل کی ہے۔

۴۔ابوغالب احمد بن محمد الرازی واسطی (وفات ۳۵۶ھ) نے کتاب طریق حدیث الغدیر

---

(۱) الغدیر، ج۱،ص۷۳۔۱۵۱۔

میں اس حدیث پر روشنی ڈالی ہے۔

۵۔ ابوغالب احمد بن محمد الرازی (وفات ۳۶۸ھ) محسن بن حسین نیشاپوری خزاعی اور علی بن عبدالرحمان بن عیسیٰ جراح قناتی اس طرح دیگر ۲۶ / اہل سنت کے مشہور علماء نے بھی اس موضوع کے بارے میں مخصوص کتابوں میں حدیث غدیر پر مفصل بحث کی ہے۔(۱)

شیعہ بزرگ علماء نے اس عظیم واقعہ سے متعلق بہت ضخیم دائرۃ المعارف لکھے ہیں جیسے اعیان الشیعہ، الغدیر، المراجعات، وغیرہ۔

آیت بلّغ کا شان نزول

مذہبی تعصب کے باوجود بعض صاحبان کتب تفسیر، حدیث و تاریخ نے اس آیت کے شان نزول کے بارے میں روایات نقل کی ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اور واقعہ غدیر سے متعلق ہے۔

جن صحابہ کرام سے یہ روایات نقل کی گئی ہیں ان میں زید بن ارقم، ابوسعید خدری، ابن عباس، جابر بن عبداللہ انصاری، ابوہریرہ، اور براء بن عازب شامل ہیں۔

یہ بزرگان اعتقاد رکھتے ہیں کہ آیت بلغ غدیر خم ۱۸/ ذی الحجہ کو حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا: جس میں آپ نے کہا "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" جس کا میں مولا ہوں علی علیہ السلام بھی اس کا مولا ہیں۔

نمونے کے طور پر چند کتب کی طرف اشارہ کرتے ہیں:۔

ا۔ فخر رازی اپنی تفسیر میں ابن عباس، براء بن عازب اور امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں: جس وقت آیت بلاغ ﴿یا ایھا الرسول بلغ......﴾ نازل ہوئی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

(۱) الغدیر، ج ۱، ص ۱۵۲۔۱۵۷۔

حضرت علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑا اور کہا "من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ" جس کا میں مولا ہوں علی علیہ السلام بھی اس کے مولا ہیں خدایا جو علی علیہ السلام کو دوست رکھتا ہے تو بھی اسے دوست رکھ اور جو علی علیہ السلام کو دشمن رکھتا ہے تو بھی اسے دشمن رکھ۔

اس دوران عمر بن خطاب نے علی علیہ السلام سے ملاقات کی اور کہا" ھنیئالک یابن ابی طالب، اصبحت مولای ومولی کل مومن ومومنه؛" اے پسر ابو طالب علیہ السلام تمہیں مبارک ہو کہ تم میرے اور ہر مومن مرد اور عورت کے مولا قرار پائے۔(۱)

۲۔ ابن کثیر دمشقی لکھتے ہیں "جس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع سے فارغ ہوئے ۱۸/ ذی الحجہ (اتوار کا دن) غدیر خم میں درخت کے نیچے علی علیہ السلام کے فضائل و مناقب بیان کئے اور ان کی امامت و ولایت کا تذکرہ کیا اور انھوں نے اپنے ساتھ قربت و نزدیکی کو بیان کیا۔

ابن کثیر اس کے بعد ان روایات کا ذکر کرتے ہیں کہ جو غدیر خم سے متعلق ہیں اور جن میں حضرت علی علیہ السلام کے بعد از پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر مومن و مومنہ کے مولا ہونے ذکر کیا ہے۔

اس طرح وہ زید بن ارقم سے نقل کرتے ہیں "حجۃ الوداع کے دن غدیر خم میں آنے کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ پڑھا پھر علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:" من کنت مولاہ فھذا ولیہ، اللھم وال من والاہ وعاد من عادہ" ابن کثیر نے اس موضوع سے متعلق دیگر بہت ساری روایات مختلف روایوں سے بیان کی ہیں۔(۲)

۳۔ شیخ محمد عبدہ اپنی تفسیر میں آیت بلاغ کے ذیل میں ابی سعید خدری سے نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت غدیر خم کے دن علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی۔ وہ مسند احمد سے براء بن عازب وبریدہ سے اس طرح ترمذی ونسائی وضیاء کے ذریعہ زید بن ارقم سے اور ابن ماجہ کے ذریعہ براء سے

---

(۱) تفسیر فخر رازی، ج ۱۲، ص ۴۲۔

(۲) بدایہ ونہایہ ابن کثیر، ج ۵، ص ۱۸۳۔۱۸۹۔

نقل کرتے ہیں کہ حدیث "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائی تھی۔اس حدیث میں "اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ" کا بھی ذکر ہے۔(۱)

۴۔علامہ سیوطی الدر المنثور میں آیت شریفہ ابلاغ کے ذیل میں لکھتے ہیں: "ابوسعید خدری نے کہا یہ آیت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی شان میں غدیر خم میں نازل ہوئی، ابن مردویہ، ابن مسعود سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا" ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اس آیت کو یوں پڑھتے تھے ﴿یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ، ان علیا مولی المومنین وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس﴾۔(۲)

۵۔ابن مغازلی شافعی مناقب میں زید بن ارقم کے ذریعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غدیر خم میں دیا گیا خطبہ مفصل بیان کیا ہے۔وہ کہتے ہیں "اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر بلند آواز میں فرمایا"من کنت مولاہ فھذا مولاہ ومن کنت ولیہ فھذا ولیہ اللھم وال من والاہ وعادمن عاداہ" اس جملہ کی تین مرتبہ تکرار کیا۔(۳)

اس کے بعد ابن مغازلی نے ابو ہریرہ، زید بن ارقم، ابوسعید خدری حبہ عرنی امام باقر علیہ السلام اپنے والد اور اپنے دادا علی علیہ السلام کے ذریعہ سے ریاح بن حارث، عمر بن خطاب، ابن مسعود، جابر بن انصاری وغیرہ سے حدیث غدیر کو تھوڑے فرق کے ساتھ نقل کیا ہے۔(۴)

۶۔حاکم نیشاپوری معرفۃ الصحابہ میں حضرت علی علیہ السلام کے فضائل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "کہ زید بن ارقم روایت کرتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غدیر خم میں آئے آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا:"اتعلمون انی اولی بالمومنین من انفسھم ؟ ثلاث مرات . قالوا: نعم" اس

(۱) تفسیر المنار، ج ۶، ص ۴۶۳-۴۶۵۔

(۲) تفسیر الدر المنثور، ج ۲، ص ۲۹۸۔

(۳) مناقب ابن مغازلی، ص ۱۶۔

(۴) مناقب ابن مغازلی، ص ۱۸-۲۷۔

کے بعد پیغمبراسلام ؐنے فرمایا" من کنت مولاہ فعلی مولاہ"۔

اہل سنت کی دیگر کتب جیسے الفصول المہمہ ابن الصباغ مالکی، سیرہ حلبی، ینابیع المودۃ قندوزی حنفی وغیرہ میں بھی لکھا ہے کہ آیت ابلاغ حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی۔اس طرح انھوں نے حضوراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غدیرخم میں دیا گیا خطبہ بھی تحریر کیا ہے اور یہ کلام "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" نقل کیا ہے۔

ایک وضاحت

اہل سنت کے بعض علماء اور دانشوروں نے اگر چہ یہ قبول کیا ہے کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے مگر اپنے زمانے کے سخت حالات اور خوف اور ڈر کے سبب حضرت علی علیہ السلام کی امامت وخلافت کو کھل کر بیان کرنے سے گریز کیا ہے۔بعض نے حدیث خم اور داستان غدیر کو تسلیم کیا ہے مگر اس حدیث کے اصل موضوع یعنی "مولا" کے لفظ میں انحراف پیدا کرنے کی کوشش کی نیز اس کے اصل اور واقعی مفہوم یعنی علی علیہ السلام کی خلافت وامامت سے گریز کیا ہے۔

لہٰذا ہم یہاں پر "مولا" کے لفظ کی تشریح بیان کرتے ہیں:

مولا کے معنی

ہمارے عقیدہ کے مطابق حدیث "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" لفظ مولا سے مراد علی علیہ السلام کی امامت ورہبری وخلافت ہے۔اہل سنت علماء نے لکھا ہے کہ چونکہ مولا کے مختلف معانی ہیں لہٰذا اس حدیث میں مولا حکومت، ولایت اور رہبری کے معنی میں نہیں آیا ہے بلکہ دوست اور ناصر کے معنی میں آیا ہے۔ابن صباغ لکھتے ہیں "من کنت ناصرہ او حمیمہ و صدیقہ فان علیا یکون کذلک" جس کا میں ناصر رشتہ دار اور دوست ہوں اس کا علی علیہ السلام بھی ناصرودوست، رشتہ دار

ہے۔(۱) کیا حدیث کا اس طرح معنی کرنا درست ہے؟۔

اہل سنت کے مشہور عالم نے اس موضوع کے ساتھ انصاف سے کام لیا ہے۔وہ " **السست اولی بالمومنین من انفسهم**" کے قرینہ کو مدنظر رکھتے ہوئے حدیث غدیر میں موجود کلمۂ مولا کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: " **هذانص صریح فی اثبات امامته وقبول طاعته؛**" علی علیہ السلام کی امامت کے اثبات اور قبول اطاعت کے لئے یہ نص صریح ہے۔(۲)

درج بالا مقدمہ کو مدنظر رکھتے ہوئے حدیث غدیر میں موجود لفظ مولا سے پوری آ گاہی کے لئے ہم یہاں پر اس کلمہ کے مختلف معانی بیان کرتے ہیں تا کہ لفظ مولی سے جو پیغمبر اکرمؐ کی مراد ہے وہ پوری طرح واضح ہو جائے۔

اولیٰ بہ تصرف، رہبری، صاحب اختیار، اس طرح بندہ آزاد شدہ آزاد کرنے والا، ہمسایہ، ہم عہد، ہم قسم، شریک، داماد، چچازاد، رشتہ دار، نعمت پروردہ، محبّ اور ناصر ہے، قرآن میں مولا مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے۔لیکن دیکھنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تپتے ہوئے صحرا میں اس شدید گرمی میں ہزاروں حاجیوں کو روک کر جو فرمایا "**من کنت مولاه فعلی مولاه**" تو اس میں آپ نے مولا سے کیا مراد لی ہے۔

مولا کے بعض معانی کہ جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ان کی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت دینا غلط ہے کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کے بندہ یا آزاد شدہ نہ تھے اور کسی کے ہم قسم بھی نہ تھے۔اسی طرح مولا کے بعض معانی کے لئے کسی وصیت یا سفارش کی ضرورت نہ تھی۔حتیٰ کہ بعض کا اظہار استہزا اور تمسخر کے زمرے میں بھی آتا ہے۔مثلاً کیسے ممکن ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شدید گرمی میں ہزاروں لوگوں کو واپس بلا کر کھڑا کر کے یہ فرمائیں کہ جس کا میں چچازاد بھائی ہوں اس کا یہ علی علیہ السلام

---

(۱) المفصول المھمہ، ص۴۳۔

(۲) تذکرہ الخواص، ابن جوزی حنفی، ص۲۰۔

بھی چچازاد بھائی ہے‘‘ یا یہ کہیں کہ جس کا میں ہمسایہ ہوں اس کا علی علیہ السلام بھی ہمسایہ ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح اس کلمہ مولا سے مراد دوست یا مددگار لینا بھی خلاف حقیقت ہے۔ جیسا کہ اکثر علمائے اہل سنت نے تحریر کیا ہے کیونکہ قرآن کریم کی اس آیت کا ہی حصہ ہے کہ ﴿وان لم تفعل فما بلغت رسالته﴾ کہا، اگر تونے یہ کام انجام نہ دیا تو گویا کہ رسالت کا کوئی کام ہی انجام نہیں دیا، یہ ثابت کرتا ہے کہ موضوع بہت حساس اور اہم ہے کی اگر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دن اظہار دوستی ومحبت نہ کرتے تو کیا آپ کی رسالت ونبوت خطرے میں پڑ جاتی ؟!!

اس کے علاوہ اس طرح کی باتیں کرنا اور جملے ادا کرنا کسی خوف وخطرے کا پیش خیمہ تو نہیں بنتا ہے۔ جبکہ خداوند عالم فرماتا ہے ﴿واللہ یعصمک من الناس﴾ خداوند عالم تجھے لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ لہٰذا واضح ہو گیا کہ ’’من کنت مولاہ فعلی مولاہ ‘‘والی حدیث زمان ومکان کی شرائط اور آیت بلغ کی روشنی میں، کسی بھی حوالے سے دوست اور مددگار کے معانی کی حامل نہیں تھے۔

مولا کے بہت سارے معانی ہیں جن میں سے ایک دوستی اور نصرت ہے اور دوسرا معنی صاحب اختیار اور اولی بہ تصرف ہے کسی بھی لفظ کو کسی ایک معنی کے ساتھ بغیر قرینہ کے مخصوص نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی اور یہ باطل ہے۔ لہٰذا درج بالا شواہد کی روشنی میں مولا کا لفظ حدیث غدیر میں اولی بہ تصرف اور صاحب اختیار اور امیر کے معنی میں ہے۔

ذیل میں ہم چند دیگر دلیلیں کا ذکر کرتے ہیں:

ا۔ خداوند عالم قرآن کریم میں تاکید کے ساتھ فرماتا ہے ’’اگر اس امر کو لوگوں تک نہ پہنچایا تو ایسا ہے کہ تو نے رسالت کا کوئی کام ہی نہیں کیا۔ (۱) یہ تاکید اور لہجہ ثابت کرتا ہے کہ آیت کسی فرعی

(۱) ﴿یا اَیُّھا الرَّسول بَلِّغ ما اُنزل اِلیک من ربک وان لم تفعل فما بَلَّغتَ رسالتَه واللّٰه یَعصِمُک مِن النَّاس اِنَّ اللّٰه لا یَھدی القومَ الکافرین﴾ سورہ مائدہ ۵:۶۷۔

اور جزئی حکم کے بارے میں نہیں ہے بلکہ مسئلہ بہت اہم اور عظیم ہے یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی اور خلافت کا مسئلہ درپیش ہے۔ لہٰذا مولا کا معنی یہاں صاحب اختیار اور امیر و امام ہے تا کہ سارے مسلمان اس بات سے آگاہ ہو جائیں کہ بعد از پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا جانشین کون ہے۔

جانشین کے تعین کا حکم اگر چہ کافی پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہو چکا تھا مگر اس کے ابلاغ کا دقیق وقت معین نہیں ہوا تھا۔ چونکہ بعض نئے مسلمانوں کے کچھ کا فرشتہ دار حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں اسلامی جنگوں میں فی النار ہو گئے تھے، اسی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علی علیہ السلام کی امامت کے اعلان پر ان کی طرف سے کسی شدید ردعمل کا خدشہ تھا۔ اسی لئے خداوند عالم نے فرمایا ﴿واللہ یعصمک من الناس﴾ خدا تجھے دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

۲۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث "من کنت مولاہ" سے پہلے فرمایا "الست اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم" کیا میں تم پر تمہارے نفسوں سے زیادہ حق نہیں رکھتا ہوں۔ سب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "من کنت مولا فعلی مولاہ" پہلے جملے سے یہ قرینہ ملتا ہے کہ یہاں پر مولا کے معنی صاحب اختیار ہیں۔

۳۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کا اعلان فرمایا تو اس کے بعد مسلمانوں سے کہا "سلموا علیہ بامرہ المومنین"۔(۱) اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مولا سے مراد دوست لیتے تو فرماتے کہ علی علیہ السلام کو بعنوان اظہار دوستی سلام کرو"۔ اسی طرح حضرت ابوبکر اور عمر کا یہ قول کہ " اصبحت مولای و مولا کل مومن و مومنہ" حضرت علی علیہ السلام کی ولایت و امامت پر دلالت کرتا ہے۔

۴۔ امامت علی علیہ السلام کے ابلاغ کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دست دعا بلند کر کے فرمایا: "اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ..."

---

(۱) بحار الانوار، ج ۳۷، ص ۱۴۱؛ تفسیر قمی، ج ۱، ص ۲۷۷۔

۵۔مولا کے جتنے بھی معنی بیان ہوئے ہیں ان میں اولیٰ بالتصرف اور صاحب اختیار حقیقی معنی ہیں باقی سب مجازی ہیں جو کہ قرینہ کے محتاج ہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ حقیقی معنی ہمیشہ مجازی معنی پر مقدم ہوتا ہے۔لہٰذا حدیث غدیر میں مولا یعنی صاحب اختیار اور اولیٰ بہ تصرف کے آیا ہے۔

۶۔حسان بن ثابت نے غدیر خم میں پیغمبر خدا ﷺ کیا سامنے جو قصیدہ پڑھا اس میں حضرت علی علیہ السلام کو بعنوان امام ورہبر کے تعارف کرایا گیا ہے تو اگر یہ معانی مراد نہ ہوتے تو رسول خدا ﷺ اسے منع فرمادیتے۔

علاوہ ازیں عرب کے شعراء نے ”من کنت مولاہ“ میں جو مولا آیا ہے اسے امامت و ولایت اور حکومت کے طور پر اپنے اشعار میں پیش کیا ہے نہ کہ دوست اور مددگار کے معنی میں۔

حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں حضرت محمد ﷺ کی دیگر احادیث بھی اس بات کی تائید کرتی ہیں کہ مولا بمعنی صاحب اختیار اور رہبر کے ہیں۔

”علی علیہ السلام منی و انا منہ“ علی علیہ السلام مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔

”علی علیہ السلام مع الحق والحق معہ“ علی علیہ السلام حق کے ساتھ ہیں اور حق علی علیہ السلام کے ساتھ ہے۔

”علی علیہ السلام مع القرآن والقرآن معہ“ علی علیہ السلام قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی علیہ السلام کے ساتھ ہے۔

”انی تارکم فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی“ میں تمہارے درمیان دو ور گرانقدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں کتاب خدا اور عترت، اہل بیت علیہم السلام۔

۷۔لوگ اس حدیث غدیر سے امامت ورہبری ہی سمجھے نہ کہ دوستی ونصرت، لہٰذا جب غدیر خم کا واقعہ دوسرے شہروں میں پہنچا تو نعمان بن حارث فہری یہ واقعہ سنکر یہی سمجھا کہ رسول خدا ﷺ نے علی علیہ السلام کو اپنا جانشین منصوب کردیا ہے۔لہٰذا وہ فورا مدینہ آیا اس نے نبی اکرم ﷺ سے کہا ”آپ نے ہمیں وحدانیت خدا کا حکم دیا ہم نے آپ کی تصدیق کی آپ نے اپنی رسالت کا حکم دیا ہم نے

اس کی تصدیق کی آپ نے نماز، روزہ، حج، جہاد اور زکات کا حکم دیا ہم نے سب قبول کرلیا۔ آپ اس کے باوجود راضی نہ ہوئے اور اس (حضرت علی علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا) کو اپنا جانشین منصوب کردیا۔ کیا یہ حکم آپ نے خدا کی طرف سے دیا ہے یا اپنی طرف سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسی خدا کی قسم کہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں یہ حکم خدا کی طرف سے ہے، نعمان نے کہا "اللھم ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء" خداوندا اگر یہ بات سچ ہے تو، آسمان سے مجھ پر پتھر گرادے۔ وہ یہ بات کہہ کر ابھی تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ آسمان سے ایک پتھر اس پر گرا اور وہ ہلاک ہوگیا۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی ﴿سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ، لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ﴾۔(۱) ایک سوال کرنے والے نے خدا سے ایسے عذاب کا سوال کیا جو کافروں کے لیے واقع ہوتا رہتا ہے اور اس کو دفع کرنے والا کوئی نہیں ہوسکتا۔

غدیر اور آیت اکمال دین

آیت کریمہ ﴿اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ، اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا؛﴾ (۲)

آج کے دن کافر تمہارے دین سے مایوس ہوگئے بس تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو، آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کردیا اور اپنی نعمتوں کو تم پر تمام کردیا ہے اور دین اسلام کو تمہار لئے پسند کرلیا۔

یہ آیت بھی حضرت علی علیہ السلام کی امامت و رہبری پر دلالت کرتی ہے۔

---

(۱) المعارج ۷۰:۱۔

(۲) مائدہ ۵:۳۔

کلمہ "الیوم" بمعنی آج، آیت مذکورہ میں دو بار تکرار ہوا ہے۔ یہ دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا کونسا دن ہو سکتا ہے کہ جس کی اس قدر اہمیت ہے اس آیت کریمہ میں چار موضوع جمع ہیں۔
ا۔ کافران اس دن ناامید ہو گئے۔ ۲۔ دین خدا کامل ہو گیا۔ ۳۔ پروردگار کی نعمت مکمل ہوئی۔ ۴۔ خداوند عالم نے دین اسلام کو دین کامل کے عنوان سے پہچنوایا۔ یہ دن جس کی اتنی اہمیت بیان کی گئی ہے وہ عام دن نہیں ہے۔

روایات میں آیا ہے کہ بعض یہود و نصاریٰ اس آیت کو سننے کے بعد کہتے تھے کہ اگر یہ آیت ہماری مقدس کتاب میں لکھی ہوتی تو ہم اس دن کو عید قرار دیتے۔(۱)

اس آیت کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس کا سیاق و سباق اس آیت کے موضوع سے مطابقت نہیں رکھتا۔

سوال یہ ہے کہ آیت ولایت و اکمال دین، احکام کے بیان کے درمیان کیوں واقع ہوئی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی چاہتے تھے کہ علی علیہ السلام کی جانشینی کا اعلان کریں تو اکثر افراد کے دین کے خلاف اٹھ کھڑے ہو جانے کا خطرہ موجود تھا۔ البتہ اس حکم خداوندی کا ابلاغ ہونا ضروری تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پر وحی نازل کی کہ ﴿فلا تخشوھم واخشون﴾ تم ان سے نہ گھبراؤ بلکہ فقط مجھ سے ڈرو۔ اس کا مطلب یہ لیا گیا ہے کہ اسلامی معاشرے کے باہر موجود دشمنوں کا کوئی خوف موجود نہ تھا۔ لہٰذا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اندرونی خطرے کی طرف متوجہ تھے۔

اب ہم واضح کرتے ہیں کہ یہ آیت حلال و حرام کے احکام کے درمیان کیوں آئی ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آخر کار ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگ حضرت علی علیہ السلام کی مخالفت کریں گے اور ان کی امامت و خلافت کا انکار کریں گے اور وہ اس ہدف اور مقصد کے حصول کی خاطر خود قرآن کو بھی نشانہ

(۱) تفسیر المنار، ج ۶، ص ۱۵۵۔

بنا سکتے ہیں لہٰذا خداوند عالم نے اس آیت کو جو امامت کی طرف اشارہ کر رہی ہے اسے داخلی دشمنوں کے منحرف ہونے اور قرآن پر حملہ آور ہونے کے خوف کے پیش نظر احکام حرام وحلال کے درمیان رکھا آیت تطہیر بھی اسی طرح سے دیگر موضوعات کے درمیان واقع ہوئی ہے۔

اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ اگر قرآن میں حضرت علی علیہ السلام کی امامت کے بارے میں صریحی طور آیتیں ذکر ہوتیں تو دشمن کینہ اور حسد سے ان آیات کو ہی حذف کر دیتے۔ لہٰذا خداوند عالم نے آیات امامت کو بھی قرآن میں رکھا اور ہر قسم کی تحریف اور حذف سے محفوظ رکھنے کے لئے دوسری آیات کے درمیان رکھا۔

الیوم سے کیا مراد ہے

شیعہ مؤرخین معتقد ہیں کہ الیوم سے مراد روز غدیر ہے یعنی جس دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو باقاعدہ اپنے جانشین کے طور معین کیا اور امت کی رہبری وامامت کے لئے مشخص کیا۔ یہ نظریہ آیت شریفہ کے متن کے بھی مطابق ہے اور بہت ساری روایات سے بھی مطابقت رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں دیگر قرائن بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔

جس دن حضرت علی علیہ السلام خلافت و جانشینی کے مرتبہ پر فائز ہوئے، کفار پر مایوسی کے بادل چھا گئے، اور انھوں نے جان لیا کہ بعد از رحلت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صورت حال دوبارہ دور جاہلیت کی طرف پلٹ کر نہ جائے گی۔ یہی دن تھا کہ جب دین اسلام تکمیل ہوا۔ اسی دن خدا کی نعمت علی علیہ السلام کی رہبری کے اعلان کے ساتھ مکمل اور اتمام ہوئی۔ لہٰذا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ حضرت علی علیہ السلام کی جانشینی وخلافت کا اعلان خدا کی طرف سے تائید وتصدیق شدہ ہے۔

اس تفسیر کی تائید کے لئے درج ذیل روایات غور طلب ہیں:

الف:۔ فخر رازی اور صاحب تفسیر المنار(۱) نے اس آیت کے ذیل میں نقل کیا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ۸۱ یا ۸۲ دن سے زیادہ زندہ نہ رہے۔

اہل سنت کی روایات کے مطابق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہ ربیع الاول کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

تو اس سے نتیجہ نکالتے ہیں کہ ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ھ یعنی غدیرخم کا دن بنتا ہے۔

ب:۔ اہل سنت کی اکثر روایات میں واضح طور پر لکھا ہے کہ آیت اکمال دین غدیرخم کے دن ولایت علی علیہ السلام کے ابلاغ کے بعد نازل ہوئی۔

یہاں پر بعض روایات کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ طبری کتاب ولایت میں زید بن ارقم سے نقل کرتے ہیں: "آیت اکمال واتمام دین غدیرخم کے دن، حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی۔(۲)

۲۔ حافظ ابونعیم اصفہانی اپنی کتاب "مانزل من القرآن فی علی" میں ابوسعید خدری سے نقل کرتے ہیں جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیرخم میں علی علیہ السلام کو مقام ولایت وامامت پر فائز کیا ابھی لوگ متفرق نہیں ہوئے تھے کہ آیت ﴿الیوم اکملت لکم﴾ نازل ہوئی۔ اس دوران رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکمیل دین، اتمام نعمت پروردگار اور میری رسالت اور حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر فدا کاری کی رضایت پر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ پھر فرمایا جس کا میں مولا ہوں، علی علیہ السلام بھی اس کے مولا ہیں۔ خداوندا جو اسے دوست رکھے تو بھی اسے دوست رکھ اور جو اس سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی کر جو اس مدد کرے تو بھی اس کی مدد کر اور جو اسے تنہا چھوڑے تو بھی اسے تنہا چھوڑ دے۔(۳)

(۱) تفسیر فخر رازی، ج ۱۱ ص ۱۱۰؛ تفسیر المنار، ج ۶ ص ۱۵۴۔

(۲) الغدیر، ج ۱ ص ۲۳۰۔

(۳) الغدیر، ج ۱ ص ۲۳۱؛ الاحقاق الحق، ج ۶ ص ۳۵۶۔

۳۔خطیب بغدادی اپنے تاریخ میں ابو ہریرہ سے نقل کرتے ہیں ''واقعہ غدیر خم اور علی علیہ السلام کی ولایت کے اعلان کے بعد اور عمر ابن خطاب کی طرف سے مبارک باد''بخ بخ لک یابن ابی طالب اصبحت مولای ومولای کل مسلم'' کے بعد آیت ﴿الیوم اکملت لکم دینکم ......﴾ نازل ہوئی۔(۱)

کتاب الغدیر میں اس کے علاوہ بھی تیرہ روایات نقل ہوئی ہیں (۲)

مذکورہ بحث سے واضح ہوگیا کہ جو روایات اس آیت کے شان نزول کو غدیر خم سے مربوط کرتی ہیں وہ خبر واحد نہیں ہے کہ جن سے صرف نظر کرلیا جائے۔ بلکہ یہ روایات مشہور اسلامی منابع میں منقول ہیں۔

---

(۱) الغدیر، ج۱ص۲۳۲۔

(۲) الغدیر، ج۱ص۲۳۰۔۲۳۸۔

رحلت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"ولقد قبض رسول الله وان راسه لعلی صدری ،لقد سالت نفسه فی کفی فامر رتها علی وجهی ولقد ولیت غسله وملائکة اعوانی"؛

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب رحلت فرمائی تو ان کا سر مبارک میرے سینہ پر تھا اور آپ کی جان میرے ہاتھ میں جاری ہوگئی میں نے ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرا، میں نے انھیں غسل دیا اور فرشتے اس کام میں میرے مددگار تھے۔(۱)

حضرت علی علیہ السلام کے تابناک فضائل میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے آغاز بعثت سے لیکر رحلت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک سختیوں ومشکلات میں خوشی وغم میں مشکل میں اور آسانی میں ہر وقت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ رہے۔آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے وفادار اور جانثار تھے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دار فانی کو الوداع کیا اور آپ کی روح مطہر اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کرگئی تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت کے مطابق حضرت علی علیہ السلام نے ہی آپ کو غسل وکفن دیا نماز پڑھی اسی گھر میں

---

(۱) نہج البلاغہ، خطبہ، ۱۹۷۔

دفن کیا، یہ فضیلت بھی حضرت علی علیہ السلام ہی سے مخصوص ہے جو کہ آپ کی خلافت و جانشینی بلافصل پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ روایت موجود ہے کہ "ان الامام لا یغسله الا الامام من الائمه "(۱) امام کو صرف امام ہی غسل دیتا ہے۔

امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا" مجھے غسل تم ہی دینا" حضرت علی علیہ السلام نے عرض کیا" کیا مجھ میں اتنا حوصلہ ہوگا کہ آپ کو غسل دے سکوں؟" پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے:

"ان ربک یامرک ان تغسل ابن عمک ، فان هذه السنة لا یغسله الانبیاء غیر الاوصیاء وانما یغسل کل نبی وصیه من بعد......"؛

تیرا پروردگار حکم دیتا ہے کہ تیرا چچازاد بھائی علی علیہ السلام تجھے غسل دے، کیونکہ یہ سنت ہے کہ پیغمبروں کو ان کے جانشین ہی غسل دیتے ہیں، یاد رکھو کہ ہر نبی اور پیغمبر کو اس کا وصی اور جانشین ہی غسل دیتا ہے۔"(۲)

لہذا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بابرکت عمر کے آخری لمحات میں غسل و جنازہ کی ذمہ داری حضرت علی علیہ السلام کے کاندھے پر ڈال کر عملی طور پر بتادیا کہ وہی خلیفہ بلافصل ہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت اور رحلت کی تاریخ

اکثر شیعہ و سنی محدثین اور مورخین کا اعتقاد ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ماہ ربیع الاول ۵۷۰ء مطابق عام الفیل (۳) کو ہوئی۔

---

(۱) کافی، ج ۱، ص ۳۸۴۔

(۲) کافی، ج ۱، ص ۳۸۴۔

(۳) یعنی جس سال ابرہہ کے ہاتھیوں والے لشکر نے خانہ کعبہ پر حملہ کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روز ولادت کے بارے میں اختلاف ہے شیعہ علماء کے نزدیک جمعہ کے دن ۱۷ر ربیع الاول کو ولادت باسعادت ہوئی۔(۱)

مشہور علمائے اہل سنت ۱۲ر ربیع الاول کے قائل ہیں۔(۲)

اکثر سیرت نگاروں کے مطابق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت ۲۸ر صفر ۱۱ھ کو ہوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ۶۳ رسال کی عمر میں لقاء اللہ سے ہمکنار ہوئے۔

لشکر اسامہ کی داستان اور خلافت علی علیہ السلام پر تاکید

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچھی طرح جانتے تھے کہ روم کی طاقتور حکومت مسلمانوں کی روز بروز بڑھتی ہوئی کامیابیوں کو برداشت نہ کر سکے گی۔اس لئے وہ کسی بھی وقت فرصت پاکر اس نوخیز اسلامی حکومت پر ضربہ لگانے کی بھرپور کوشش کرے گی۔اس خطرے کے پیش نظر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر کو لے کر تبوک کی طرف حرکت کی اس سے پہلے بھی اسلام کے چند مجاہد اس علاقہ میں شہید ہو چکے تھے۔

زندگی کے آخری لمحات میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خطرے کو شدت کے ساتھ محسوس کیا۔لہذا آپ نے مہاجرین وانصار پر مشتمل ایک لشکر تشکیل دیا اور انھیں حکم دیا کہ فلسطین کی طرف رومیوں سے لڑنے کے لئے روانہ ہو جاؤ۔(۳)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لشکر کی سپہ سالاری بزرگ صحابیوں کو سپرد نہ کر کے ایک جوان اسامہ بن زید کے سپرد کی اس وقت اسامہ کی عمر ۲۰ر سال تھی۔(۴)

---

(۱) مراۃ العقول، ج۵،ص ۱۷۰۔ (۲) سیرہ ابن ہشام، ج۱،ص ۱۶۷۔

(۳) طبقات ابن سعد، ج۲،ص ۱۹۰؛ کامل ابن اثیر، ج۲،ص ۵؛ سیرہ حلبی، ج۳،ص ۲۲۷۔

(۴) سیرہ حلبی، ج۳،ص ۲۲۷۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کے پیش نظر کہ کوئی اسامہ کی جوانی کو بہانہ بنا کر اعتراض نہ کرے اور یہ بات بھی واضح ہو جائے کہ اسلام میں عہدے کا معیار قابلیت سے ہے نہ کہ عمر کا زیادہ ہونا، اسی طرح آئندہ بھی کوئی حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی کم عمری کی بنا پر خلافت و امامت پر اعتراض نہ کرے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بنفس نفیس اسامہ کے لئے علم تیار کر کے اس کے حوالہ کیا اور فرمایا:

،، اغز باسم اللّٰہ وفی سبیل اللّٰہ وقاتل من کفر باللّٰہ ؛"

خدا کے نام کے ساتھ راہ خدا میں جہاد کرو، اور خدا کے منکر کے ساتھ جنگ کرو۔(۱)

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جبکہ جانتے تھے کہ جلد ہی اس دار فانی کو الوداع کر جائیں گے۔اس کے باوجود علی علیہ السلام کو اپنے ہمراہ مدینہ رکھا اور بزرگ مہاجرین وانصار کو رومیوں کے ساتھ جنگ کے لئے بھیج دیا باوجود اس کے حضورؐ اس بات پر اصرار کر رہے تھے کہ وہ مدینہ سے چلے جائیں۔

اس سوال کا جواب واضح ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے کہ ایک بہت بڑا لشکر کہ جس میں بزرگ اصحاب بھی شامل ہوں رومیوں سے جنگ کے لئے جائیں۔ علاوہ ازیں رحلت کے وقت خلافت کے دعوئ دار مدینہ میں موجود نہ ہوں، تا کہ علی علیہ السلام کی خلافت کا مسئلہ کسی سازش کا شکار نہ ہو جائے۔

کسی بزرگ صحابی کے بجائے اسامہ جیسے جوان کو سپہ سالاری کے لئے منتخب کرنا بھی حضرت علی علیہ السلام کی جانشینی پر دلالت کرتا ہے، تا کہ آئندہ علی علیہ السلام کی کمسنی کو بہانہ بنا کر ان کی خلافت وامامت پر کوئی اعتراض نہ کرے۔

بعض حاسدوں نے ایک طرف تو اسامہ جیسے جوان سپہ سالار کی قیادت پر اعتراض کیا، وہ حضور

---

(۱) سیرہ حلبی، ج ۳، ص ۲۲۷؛ طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۱۹۰۔

اکرم ﷺ کے اس انتخاب پر تنقید کر رہے تھے۔ جبکہ دوسری طرف منافقین بھی مخفی طور پر بے نظمی پھیلانے کی کوشش کر رہے تھے۔ (۱)

پیغمبر خدا ﷺ لشکر اسامہ کے روانہ ہونے کے اگلے دن شدید بخار میں مبتلا ہو گئے۔ چنانچہ اسی بیماری کے عالم میں چند دنوں کے بعد ہی رحلت فرما گئے۔ (۲)

رسول خدا ﷺ کو جب منافقین کی سازشوں اور اسامہ پر اعتراض کا علم ہوا تو آپ اس شدید بخار کے عالم میں مسجد تشریف لے گئے اور منبر پر جا کر حمد و ثنائے خدا کے بعد ارشاد فرمایا کہ مجھے علم ہوا ہے کہ بعض نے اسامہ پر اعتراضات کیے ہیں اور ان کی قیادت کو ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ یہ اعتراض کوئی نیا نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے بھی تم نے اسامہ کے والد زید پر اعتراض کیے گئے ہیں۔

بخدا یہ دونوں باپ بیٹے اس عہدے کے لائق ہیں دونوں میری نظر میں محبوب ہیں اے لوگو! اسامہ کے خیر خواہ بنو اور ان کے حق میں دوسروں کو بھی اسی بات کی تلقین کرو کیونکہ اس کا شمار نیک اور برگزیدہ افراد میں ہوتا ہے۔ (۳)

پیغمبر خدا ﷺ یہ خطبہ بیان کرنے کے بعد گھر تشریف لے گئے اور بستر پر لیٹ گئے۔ بزرگ اصحاب جو آپ کی عیادت کے لئے آتے حضور اکرم ﷺ انھیں اسامہکے لشکر کی ہمراہی کرنے کی تاکید کرتے جن لوگوں نے جان بوجھ کر لشکر اسامہ میں شرکت نہ کی حضور اکرم ﷺ نے ان پر لعنت کی اور فرمایا ''جنھوں نے اسامہ کے لشکر کے ساتھ جانے سے انکار کیا ان پر خدا کی لعنت ہو۔

(۱) سیرہ ابن ہشام، ج ۴، ص ۳۰۰؛ سیرہ حلبی، ج ۳، ص ۲۲۷؛ طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۱۲۰۔

(۲) اہل سنت کے مطابق ۱۵ دن بعد ۲۷ صفر تا ۱۲ ربیع الاول۔

(۳) طبقات، ج ۲، ص ۱۹۰۔

اہل بقیع کے لئے طلب مغفرت

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شدید بیماری کا احساس کیا تو حضرت علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر چند دیگر افراد کے ہمراہ قبرستان بقیع کی طرف لائے اور فرمایا "خدا کی طرف سے اہل بقیع کی مغفرت کے لئے آیا ہوں۔"

بقیع میں داخل ہو کر آپ نے اہل قبور کو سلام کیا اور فرمایا:

"السلام علیک یا اهل القبور ، لِیَهنِئکم ما اَصبحتم فیه بما فیه الناس ،اَقْبلَتِ الفِتن كَقِطعِ اللَّیلِ الْمظلِم یَتبَعُ اَوّلها اخرُ ها "؛

دنیا کے خزانوں اور اس کی ابدی زندگی کی چابی مجھے پیش کی گئی ہے اور مجھے اس کے اور خدا سے ملاقات اور جنت میں داخل ہونے کے درمیان آزاد قرار دیا گیا ہے مگر میں نے خدا کی ملاقات اور بہشت میں داخ ہونے ل کو ترجیح دی ہے۔(۱)

لوگوں کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری نماز

شیخ مفید لکھتے ہیں: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیماری کی حالت میں ہیں حضرت علی علیہ السلام اور ابن عباس کا سہارا لیکر مسجد پہنچے۔ دیکھا کہ کچھ بزرگ صحابہ وہاں موجود ہیں اور ایک صحابی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ نماز پڑھا رہا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس صحابی ہٹا کر خود جا کر نماز جماعت پڑھائی اور واپس گھر لوٹ آئے۔ اس کے بعد وہ اصحاب جو اسامہ کے لشکر کو چھوڑ کر مدینہ واپس آ گئے تھے انھیں بلایا اور لشکر میں شامل ہونے کی تاکید کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام رنج والم اپنے سینہ میں لئے مغموم پڑے ہوئے تھے۔

(۱) ارشاد مفید، ج۱، ص۱۸۱؛ بحار الانوار، ج۲۲، ص۴۶۶؛ ابن سعد طبقات، ج۲، ص۲۰۴۔

کاغذ وقلم طلب کرنا

بعض اصحاب کی نافرمانی اور لشکر اسامہ کے ساتھ جانے پر انکار واضح ہو گیا تو حضور ﷺ سمجھ گئے کہ اسلامی حکومت کے سیاسی نظام کو کمزور کرنے کی سازش ہو چکی ہے۔ بعض اصحاب چاہتے ہیں کہ علی علیہ السلام کی خلافت و رہبری سے انکار کرتے ہوئے اسلام کی آئندہ کی رہبری کو کمزور کریں۔

حضور اکرم ﷺ نے اپنے زندگی کے آخری لحات میں حضرت علی علیہ السلام کی جانشینی کو تحریر میں لانا چاہا تا کہ انحراف کا راستہ روک لیا جائے۔لہٰذا ایک دن تمام بزرگ اصحاب کی موجودگی میں آپ نے فرمایا:

"ایتونی بداوۃ و کتفٍ اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعدہ ابدا؛"

دوات اور گوسفند کی کھال (کاغذ) لے آؤ تا کہ تمہارے لئے ایک ایسی چیز لکھ دوں کہ تم بعد میں گمراہ نہ ہو جاؤ!!۔

رسول خدا ﷺ کی یہ بات سن کر ایک نے کاغذ و قلم پیش کرنا چاہا تو عمر نے روک دیا اور اس سے کہا کہ رسول خدا ﷺ کی بات پر کان نہ دھرو وہ بیمار ہیں۔بخار کی حالت میں ان کو ہذیان ہو گیا ہے!۔

نبی اکرم ﷺ کے خاموش ہونے کی وجہ اور حدیث ثقلین

حضور اکرم ﷺ ، حضرت علی علیہ السلام اور میمونہ کا سہارا لیکر مسجد میں تشریف لائے اور بڑی زحمت سے منبر پر بیٹھے۔لوگوں کی آنکھوں میں آنسو تھے، خاموشی طاری تھی، حاضرین رسول خدا ﷺ کی آخری وصیتیں سننے کے منتظر تھے۔حضور اکرم ﷺ نے محفل کی خاموشی کو توڑتے ہوئے فرمایا:

"یاایھا الناس انی تارک فیکم الثقلین" میں تمہارے درمیان دو قیمتی چیزیں چھوڑے جا رہا

ہوں۔(۱)

تھوڑی دیر کے بعد فرمایا: ''ان میں سے ایک قرآن ہے کہ جس کا ایک سرا خدا کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا تمہارے ہاتھ میں اور دوسرے میرے اہل بیت علیہم السلام ہیں۔(۲)

ابن حجر عسقلانی اور دیگر مؤرخین اس حدیث کو اس طرح بیان کرتے ہیں: ''رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس روز، جبکہ آپ بیماری کی حالت میں تھے اور اصحاب آپ کے اردگرد جمع تھے، فرمایا: ''میری موت کا وقت نزدیک ہے، میں جلد ہی تمہارے درمیان سے چلا جاؤں گا، آگاہ ہو جاؤ! کہ میں تمہارے درمیان اللہ کی کتاب اور اپنے اہل بیت علیہم السلام (عترت) چھوڑے جا رہا ہوں'' اس کے بعد حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر بلند کیا اور فرمایا:

''وھذا علی علیہ السلام مع القران والقران مع علی علیہ السلام، خلیفتان نصیران، لا یفترقا حتی یردا علی الحوض فاسالھما ماذا خلفت فیھما؛''

علی علیہ السلام قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی علیہ السلام کے ساتھ ہے، میرے دو جانشین جو کہ دونوں ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور روز قیامت تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں۔

وہاں میں ان دونوں کے ساتھ تم جو سلوک کیا ہوگا اس کے متعلق سوال کروں گا۔(۳)

---

(۱) حدیث ثقلین شیعہ و سنی دونوں کے نزدیک متفق علیہ ہے، اس کے علاوہ ساٹھ سے زیادہ طریقوں سے اصحاب کے ذریعہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتی ہے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف مواقع پر اس کی تکرار فرمائی ہے ایک دفعہ عرفہ کے دن پھر غدیر خم کے موقع پر اور آخر میں بستر علالت پر۔

(۲) بحار الانوار، ج ۲۲، ص ۴۷۶۔

(۳) صواعق المحرقہ، باب ۹، فصل ۲؛ بحار الانوار، ج ۲۲، ص ۴۷۵۔

مزید تاکید

سید ابن طاووس اپنی سند سے امام صادق علیہ السلام کے ذریعہ سے حضرت علی علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں ''
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیماری کے آخری ایام مجھے حکم دیا کہ میں لوگوں کے سامنے ہو کر کہوں:

''الا من ظلم اجیرا اجرہ فعلیہ لعنۃ اللّٰہ، الا من توالی غیر موالیہ فعلیہ لعنۃ اللّٰہ ، الا و من سب ابویہ فعلیہ لعنۃ اللّٰہ ؛''

لوگو آگاہ ہو جاؤ کہ جو کوئی کسی مزدور کی مزدوری پر ظلم کرے اس پر خدا کی لعنت ہو، آگاہ ہو جاؤ جو کوئی اپنے مولا کے علاوہ کسی کی ولایت کو قبول کرے اس پر خدا کی لعنت ہو، آگاہ ہو جاؤ جو کوئی بھی اپنے والدین کو گالی دے اس پر خدا کی لعنت ہو۔''

حضرت علی علیہ السلام نے اپنی ذمہ داری پر عمل کیا اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔

کچھ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے عرض کیا'' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے جو پیغام دیا ہے کیا اس کی تفسیر یہی ہے؟ حضرت فرمایا:

'' نعم ،امرتہ ان ینادی :الا من ظلم اجیرا اجرہ فعلیہ لعنۃ اللّٰہ و اللّٰہ یقول : ﴿قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ﴾ (۱)

ہاں، میں نے علی علیہ السلام کو حکم دیا ہے کہ وہ لوگوں سے کہیں کہ جو کوئی کسی مزدور پر ظلم کرے (ادا نہ کرے) اس پر خدا کی لعنت ہو اور خدا نے فرمایا: ''اے میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ دو میں اپنی رسالت کا اجر مودت اہل بیت علیہم السلام کے اور کچھ نہیں چاہتا سوائے اس کے کہ میرے اقربیٰ (اہل بیت علیہم السلام) پر ظلم کرے، پس اس پر خدا کی لعنت ہو۔

''و امرتہ ان ینادی من توالی غیر موالیہ فعلیہ لعنۃ اللّٰہ و اللّٰہ یقول : ﴿ النبی اولی بالمومنین من انفسھم ﴾ و من کنت مولاہ فعلی علیہ السلام مولاہ ،فمن توالی غیر

(۱) شوری ۴۲: ۲۳۔

علی علیہ السلام فعلیہ لعنۃ اللّٰہ؛

میں نے کہا کہ وہ لوگوں سے کہیں کہ جوکوئی اپنے مولا کے علاوہ کسی کی ولایت کوقبول کرے اس پر خدا کی لعنت ہو، اور خدا فرماتا: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مومنوں پر حق خودان سے زیادہ ہے، تو جس کا میں مولا ہوں علی علیہ السلام بھی اس کے مولا ہیں، اے لوگو جوکوئی علی علیہ السلام کے علاوہ کسی کو اپنا مولا قرار دے اس پر خدا کی لعنت ہو۔

"وامرتہ ان ینادی من سب ابویہ فعلیہ لعنۃ اللّٰہ، وانا اشھد اللّٰہ واشھد کم انی وعلیا ابو المومنین فمن سب احدنا فعلیہ لعنۃ اللّٰہ؛"

اور میں نے حکم دیا کہ وہ لوگوں سے کہیں کہ جوکوئی اپنے والدین کو گالی دے، اس پر خدا کی لعنت ہو، اسی طرح خدا اور تم کو گواہ قرار دیتا ہوں کہ میں اور علی علیہ السلام دونوں مومنین کے باپ ہیں ، جو کوئی ہم میں سے کسی ایک کو بھی گالی دے، اس پر خدا کی لعنت ہو۔

صحابہ کرام، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں سننے کے بعد چلے گئے واپسی پر حضرت عمر نے اصحاب سے کہا" اے اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کی ولایت کے بارے میں جتنی تاکید آج کی ہے اتنی نہ غدیر خم میں کی تھی اور نہ کسی اور مقام پر۔(۱)

خباب بن ارت کہتے ہیں" رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حدیث اپنی رحلت کے ۱۹/دن قبل حضرت علی علیہ السلام کے ذریعہ لوگوں کے لئے ارشاد فرمائی تھی۔(۲)

امانتوں کا حضرت علی علیہ السلام کے سپرد کرنا

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت علی علیہ السلام کی طرف خاص توجہ اور دوسروں پر انھیں مقدم رکھنے کی ایک

(۱) بحارالانوار، ج ۲۲، ص ۴۸۹۔

(۲) بحارالانوار، ج ۲۲، ص ۴۸۹۔

دلیل امانتوں کا ان کے سپرد کرنا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سلسلے میں حضرت علی علیہ السلام سے بہتر کسی کو نہ پایا۔

ابراہیم ابن اسحاق ازدی اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں سلیمان بن مہران کے ہمراہ محمد بن عبداللہ کے پاس گیا اور اس سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت کے بارے میں دریافت کیا، محمد نے زید بن علی سے نقل کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وقت آخر نزدیک آیا تو آپ کا سر مبارک حضرت علی علیہ السلام کی آغوش میں تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گھر مہاجرین وانصار سے بھرا ہوا تھا، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عباس بن عبد المطلب کو مخاطب کر کے فرمایا ”اے عباس! کیا آپ میری وصیت پر عمل کرنے، میرے قرض ادا کرنے اور میرے وعدوں پر عمل کرنے کے لئے تیار ہیں۔

عباس نے معذرت کی اور عرض کیا ”اے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بوڑھا ہو گیا ہوں میرے عیال زیادہ اور مال دنیا کم ہے“ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار اپنی بات دہرائی، عباس نے ہر بار وہی جواب دیا۔ سب منتظر تھے کہ حضرت کسے اپنا وصی قرار دیتے ہیں۔ اس دوران آپ نے فرمایا: ”میں اسے وصیت کروں گا جو اسے اچھی طرح سے نبھائے گا اور جو جیسے تم نے کہا ہے وہ ایسے نہ کہے۔ اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا:

”یاعلی! اتقبل وصیتی و تقضی دینی وتنجز موعدی ؟“

اے علی علیہ السلام! کیا میری وصیت قبول کرو گے، میرا قرضہ ادا کرو گے اور میرے وعدے وفا کرو گے۔

حضرت علی علیہ السلام نے جواب عرض کیا ” نعم ،بابی انت وامی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم“ ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میں سب کام انجام دوں گا۔“

حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلال سے کہا کہ زرہ لے آؤ بلال رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زرہ لے

آئے، پھر فرمایا "بلال علم بھی لے آؤ! بلال علم بھی لے آئے، پھر فرمایا: میرا گھوڑا زین اور لگام سمیت لے آؤ! بلال وہ بھی لے آئے۔ سب آرزو کر رہے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ چیزیں ہمیں دے دیں۔ مگر آپ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

"یا علی! قم فاقبض هذا بشهاده من فی البیت من المهاجرین و الانصار لاینازعک فیه احد من بعدی؛"

اے علی! اٹھو یہ سب چیزیں مہاجر و انصار کی موجودگی میں مجھ سے لے لو تا کہ کوئی میرے بعد ان کے بارے میں تم سے جھگڑا نہ کرے۔

حضرت علی علیہ السلام اٹھے اور ان سب چیزوں کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر گھر لے گئے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ (۱)

اسرار نبوت حضرت علی علیہ السلام کے حوالے کرنا

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے زندگی کے آخری لحات میں تمام اسرار نبوت حضرت علی علیہ السلام کو تفویض کر دیئے۔

شیخ صدوق ام سلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبکہ آپ بستر بیماری پر تھے۔ فرمایا: "میرے دوست کو بلاؤ"، پہلی دو مرتبہ اصحاب میں سے بعض کو بلایا مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نفی میں جواب دیا۔ تیسری مرتبہ فرمایا: حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے حضرت علی علیہ السلام کو اطلاع دی جونہی حضرت علی علیہ السلام حاضر ہوئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی جگہ سے اٹھے اور حضرت علی علیہ السلام کو گلے لگایا اور انھیں اپنی چادر میں لے لیا۔ پھر آپ کے کان میں کچھ باتیں کیں۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے علم کے ایک ہزار دروازے بتائے اور ہر دروازے سے پھر ہزار

(۱) بحار الانوار، ج ۲۲، ص ۴۵۹؛ ارشاد مفید، ج ۱، ص ۱۸۵۔

دروازے کھلے۔ یہاں تک کہ میں پسینے سے شرابور ہو گیا اور حضرت بھی پسینے سے شرابور ہو گئے حضرت کا پسینہ مجھ پر اور میرا پسینہ حضرت پر گرا"۔(۱)

شیخ مفید درج بالا حدیث کو ام سلمہ سے یوں روایت کرتے ہیں "جب رسول خدا ﷺ نے تیسری مرتبہ فرمایا: "ادعوا الیّ اخی و صاحبی" میرے بھائی اور ساتھی کو بلاؤ! ام سلمہ نے کہا "علی علیہ السلام سے کہو کہ وہ آجائیں کیونکہ پیغمبر ﷺ کی مراد وہی ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام کو بلایا گیا۔ جب آپ تشریف لائے گویا کہ رسول خدا ﷺ کو تازگی مل گئی۔ آپ بہت خوش ہوئے انھیں اپنے نزدیک کیا کچھ دیر آپ نے راز کی باتیں کیں اور اسرار نبوت انھیں تعلیم کیے۔ اس کے بعد حضرت اٹھے اور ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے۔ رسول خدا ﷺ آرام فرمانے لگے تو حضرت علی علیہ السلام باہر چلے آئے لوگوں نے پوچھا رسول خدا ﷺ نے آپ سے کیا نجوا کیا اور کون سے اسرار آپ کو لکھوائے؟ حضرت علی علیہ السلام نے جواب دیا:

"حضور اکرم ﷺ نے مجھے علم کے ہزار باب سکھائے اور ہر باب سے مزید ہزار باب نکلتے ہیں حضور اسلام ﷺ نے مجھے کچھ ذمہ داریاں تفویض کیں ہیں جنھیں خدا کی مدد سے ادا کروں گا۔(۲)

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے آخری گفتگو

رسول خدا ﷺ کی حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے ساتھ محبت کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ رسول خدا ﷺ اپنی بیویوں کے سامنے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا احترام بجالاتے تھے اور اپنے اصحاب سے فرماتے تھے کہ "فاطمہ سلام اللہ علیہا میرا ٹکڑا ہے اس کی خوشی میری خوشی اور اس کا غضب میرا غضب ہے۔"

حضرت محمد ﷺ جب بھی کسی سفر پر تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں حضرت زہرا

(۱) خصائل صدوق، ج۲، ص۶۴۲۔

(۲) ارشاد مفید، ج۱، ص۱۸۵۔

سلام اللہ علیہا سے ملاقات کرتے اور جب سفر سے تشریف لاتے تو سب سے پہلے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا سے ملاقات کرتے۔

اب جبکہ اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس دار فانی سے کوچ کر رہا ہے ان کے لئے بہت سخت ہے کہ وہ اپنی پیاری بیٹی فاطمہ سلام اللہ علیہا سے اس بات کا ذکر کریں۔ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو اپنی جدائی کی خبر دینا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بہت دشوار تھا، چنانچہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے لئے بھی اس طرح کی خبر سننا قیامت سے کم نہ تھا۔ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری کے دوران ایک لحہ کے لئے بھی ان سے جدا نہ ہوئیں۔

حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ ''اچانک پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو اشارہ کیا کہ وہ نزدیک آئے، حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے جھک کر اپنا کان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک لبوں کے نزدیک کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آہستہ سے کوئی بات حضرت زہرا سلام اللہ علیہا سے کہی تو حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے بہت زیادہ گریہ کیا۔ اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ آہستہ سے ایک دوسری بات کہی ، یہ بات سنکر حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا خوشی سے چہرہ کھل گیا۔ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی دو الگ الگ حالتوں نے حاضرین کو بہت متعجب کیا، حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے پوچھا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے کیا بات کی، حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے جواب دیا میں ان کی زندگی میں، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راز کو فاش نہ کروں گی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد عائشہ نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے پوچھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے وقت رحلت کیا بات کی تھی؟ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا ''میرے بابا نے پہلے مجھے اپنی موت کی خبر دی اور فرمایا کہ میں اس بیماری سے شفا نہ پاؤں گا اس بات نے مجھے رلا دیا، دوسری مرتبہ آپ نے فرمایا میرے اہل بیت علیہم السلام میں سب سے پہلے تم میرے ساتھ ملحق ہوگی اس خبر نے مجھے خوشحال کر دیا۔ میں سمجھ گئی کہ جلد ہی اپنے بابا سے جا ملوں گی۔''(۱)

---

(۱) طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۲۴۷؛ کامل ابن اثیر، ج ۲ ص ۹۔

حضرت علی علیہ السلام کی آغوش میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری آہستہ آہستہ بڑھتی جارہی تھی اور آپ کے اوپر موت کے آثار طاری ہورہے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام اس وقت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر کے پاس بیٹھے تھے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح اقدس ابھی پرواز کرنے ہی والی تھی کہ آپ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

"ضع (یاعلی علیہ السلام) راسی فی حجرک ،فقد جاء امر الله تعالی ، فاذا فاضت نفسی فتناولها بیدک وامسح بها وجهک ،ثم وجهنی الی القبلة وتول امری وصل علی اول الناس ولا تفارقنی حتی توارینی فی رمسی واستعن بالله تعالی ."

اے علی علیہ السلام میرا سراپنے دامن میں رکھو کیونکہ امر خدا پہنچ گیا ہے، جب میری جان جسم خاکی سے نکلنے لگے تو اسے اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے چہرے پر پھیر لینا، (۱) پھر مجھے قبلہ کی طرف کر کے لٹادینا اور میرے غسل کا انتظام کرنا اور سب سے پہلے مجھ پر نماز پڑھنا، اور جب تک مجھے قبر میں نہ لٹادینا مجھ سے جدا نہ ہونا اور تمام امور میں خدا کی مدد طلب کرنا"۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دار فانی کو الوداع کہا۔ (۲)

حضرت علی علیہ السلام اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر کا غسل وکفن

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مقدس اعلی علیین کی طرف پرواز کرگئی، امیر المومنین علیہ السلام نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت کے مطابق انھیں غسل وکفن دیا۔ فضل بن عباس آپ کے معاون تھے۔

---

(۱) یہ ایسا علم ہے کہ فقط کا اس کا اہل ہی اسے جانتا ہے، ہم اسے درک کرنے سے قاصر ہیں۔

(۲) ارشاد مفید، ج ۱، ص ۱۸۶۔

فضل بن عباس حضور اکرم ﷺ کے بدن اطہر پر پانی ڈالتے جا رہے تھے۔(۱)

امیر المومنین اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

"ولقد ولیت غسله والملائکة اعوانی"(۲)

میں نے پیغمبر خدا ﷺ کو غسل دیا اور فرشتوں نے اس کام میں میری مدد کی۔

ابن سعد طبقات میں یزید بن بلال سے اور وہ حضرت علی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ "پیغمبر خدا ﷺ نے مجھے وصیت کی کہ تیرے علاوہ کوئی مجھے غسل نہ دے، میں نے فضل بن عباس اور اسامہ کی مدد لی وہ پانی ڈالتے جا رہے تھے۔"(۳)

حضرت علی علیہ السلام نے رسول خدا ﷺ کی وصیت کے مطابق آنحضرت ﷺ کے جنازہ پر نماز ادا کی۔لوگ آپ کی رحلت کے بعد مسجد میں جمع ہو گئے۔وہ اس بارے میں گفتگو کر رہے تھے کہ رسول خدا ﷺ کے جنازے پر نماز کون پڑھائے گا اور دفن کہاں کیا جائے گا؟ اس دوران حضرت علی علیہ السلام مسجد میں داخل ہوئے آپ نے فرمایا "اے لوگو! رسول خدا ﷺ رحلت سے پہلے اور رحلت کے بعد ہمارے امام تھے اور ہیں، لہٰذا گروہ گروہ کر کے کسی کی اقتدا کیے بغیر آنحضرت ﷺ کی نماز جنازہ پڑھو! جان لو کہ خداوند عالم نے ہر نبی کی قبر کو اسی جگہ قرار دیا ہے کہ جہاں اس کی روح قبض کرتا ہے۔اور میں آنحضرت ﷺ کو اسی جگہ دفن کروں گا جہاں آنحضرت ﷺ کی روح پرواز ہوئی ہے"۔

تمام لوگوں نے آپ کی اس بات کو قبول کیا گروہ گروہ کر کے سب نے نماز جنازہ پڑھی۔(۴)

ابن سعد نے طبقات میں نقل کیا ہے: جب رسول خدا ﷺ کا جسم اطہر غسل حنوط اور کفن کے

(۱) ارشاد مفید، ج۱،ص۱۸۶۔

(۲) نہج البلاغہ خطبہ،۱۹۰۔

(۳) طبقات ابن سعد، ج۲،ص۲۷۸۔

(۴) ارشاد مفید، ج۱،ص۱۸۷۔

بعد رکھ دیا گیا تو حضرت علی علیہ السلام نے اعلان کیا "ھو امامکم حیا ومیتا" لوگو! پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارا امام ہے حیات میں بھی اور بعد از وفات بھی" لہٰذا لوگ مختلف ٹولیوں میں آتے اور بغیر جماعت کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازے پر نماز پڑھتے، حضرت علی علیہ السلام جنازے کے مقابل میں کھڑے تھے اور فرما رہے تھے:

"السلام علیک ایھاالنبی ورحمة اللّٰہ برکاته، اللھم انا نشھد ان قد بلغ ماانزل الیه ونصح لامته وجاھد فی سبیل اللّٰہ حتی اعز الله دینه وتمت کلمته، اللّٰھم فاجعلنا ممن یتبع وثبتنا بعده واجمع بینناوبینه فیقول الناس: اٰمین ،اٰمین"

اے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کا سلام، اس کی رحمت اور برکتیں آپ پر نازل ہوں، خدایا! ہم گواہی دیتے ہیں کہ تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ سب کچھ تو نے ان پر نازل کیا تھا انھوں نے وہ پہنچا دیا اور انھوں نے اپنی امت کو نصیحت کی، انھوں نے راہ خدا میں جد و جہد کی یہاں تک کہ خدا نے اپنے دین کو عزت عطا کی اور اپنا کلمہ (دین) تمام و کامل کر دیا، خداوندا! ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی اور اطاعت کرنے والوں میں شمار کر اور بعد میں بھی ان کے نقش قدم پر ثابت قدم رکھ، خدایا ان کے اور ہمارے درمیان ہرگز جدائی نہ ڈالنا، سب نے مل کر کہا: آمین آمین"

اس کے بعد مردوں نے پھر عورتوں نے اور آخر میں بچوں نے نماز جنازہ ادا کی۔(۱)

جب سب مسلمان نماز ادا کر چکے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں ہی قبر تیار کی گئی۔ اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام، عباس، فضل بن عباس اور اسامہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن اطہر کی تدفین میں مشغول ہو گئے۔ حضرت علی علیہ السلام نے اوس وغیرہ کی مدد سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ کو قبر میں اتارا۔ حضرت علی علیہ السلام قبر میں داخل ہوئے، بند کفن کھولا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کے دائیں طرف کو قبلہ کی طرف رکھا۔ اس کے بعد قبر پر اینٹیں رکھیں اور اس پر مٹی ڈال دی۔(۲)

---

(۱) طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۲۹۱۔ (۲) ارشاد مفید، ج ۱، ص ۲۸۸۔

یہ دل خراش واقعہ ۲۸ صفر ۱۱ھ بروز دوشنبہ (پیر) پیش آیا۔ رحلت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر ۶۳ سال تھی۔ خلافت کے مسئلہ پر اختلاف کے باعث اکثر مہاجرین اور انصار پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین میں شریک نہ ہوئے۔(۱)

چند احادیث

الف: عزرائیل کا اجازت مانگنا:

علامہ اربلی امام باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے آخری لمحات نزدیک تھے۔ ایک شخص نے در رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دستک دی اور اندر آنے کی اجازت مانگی، حضرت علی علیہ السلام دروازہ پر آئے اور فرمایا: ''کس لئے آئے ہو؟ اس نے کہا میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں، اندر آجاؤں! حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا'' اس وقت ملاقات نہیں ہوسکتی۔ اپنی حاجت بیان کرو۔ اس نے کہا'' میرے اندر آئے بغیر کوئی چارہ نہیں'' حضرت علی علیہ السلام اندر گئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس شخص کے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ وہ شخص گھر میں داخل ہوا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرہانے آکر بیٹھ گیا۔ اس نے سلام کے بعد عرض کیا'' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خدا کی طرف سے آپ کے لئے بھیجا گیا ہوں'' حضرتؐ نے فرمایا:

''وای رسل اللہ انت ؟ '' تم کون سے فرشتے ہو۔

اس نے عرض کیا'' انا ملک الموت ، ارسلنی الیک یخبرک بین لقائہ والرجوع الی الدنیا'' میں موت کا فرشتہ (عزرائیل) ہوں، خدا نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے تاکہ آپ کو خدا سے ملاقات یا دنیا کی طرف واپسی دونوں میں سے ایک کو اختیار کرنے میں مخیّر قرار دوں۔

(۱) ارشاد مفید، ج ۱، ص ۱۸۸۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"فامهلني حتى ينزل جبرئيل فاستشيره"

اے عزرائیل مجھے مہلت دو کہ میں جبرئیل سے مشورہ کرلوں۔

جبرئیل نازل ہوئے اور عرض کیا:

" يا رسول الله ، الاخرة خير لك من الاولى ولسوف يعطيك ربك فترضى ، لقاء الله خير لك"؛

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخرت آپ کے لئے دنیا سے بہتر ہے اور جلد ہی خداوند عالم آپ کی رضایت کے مطابق مقام عطا کرے گا لقاء اللہ آپ کے لئے بہتر ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

" لقاء ربي خير لي ،فامض لما امرت به ؛

لقائے الٰہی میرے لئے دنیا میں مزید رہنے سے بہتر ہے جس کام کے لئے بھیجے گئے ہو اس پر عمل کرو"۔

جبرئیل نے عرض کیا "يامحمد ! هذا اخر هبوطي الى الدنيا انت حاجتي فيها"

دنیا میں میرا یہ آخری آنا تھا یہ آپ ہی تھے کہ جن کی ملاقات کے لئے میں دنیا میں آیا کرتا تھا۔(۱)

ب: نماز کی تلقین

ایک دن کعب الاحبار نے حضرت علی علیہ السلام سے سوال کیا کہ احتضار کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فرمایا ،حضرت نے جواب دیا:

"اسند ته الى صدري فوضع راسه على منكبي فقال :الصلاة الصلاة"

(۱) کشف الغمہ ،ج ۱، ص ۲۵؛ طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۲۸۵۔

پیغمبر ﷺ میرے سینے پر ٹیک لگائے ہوئے تھے اور آپ کا سر مبارک میرے کاندھے پر تھا آپ نے فرمایا نماز نماز'' کعب نے کہا گزشتہ انبیاء نے بھی یہی وصیت کی تھی۔(۱)

ج: رسول خدا ﷺ کا سر، حضرت علی علیہ السلام کے سینہ پر

ابی غطفان نے ابن عباس سے پوچھا ''رسول خدا ﷺ نے کس شخص کی آغوش میں اس دار فانی کو الوداع کہا'' ابن عباس نے جواب دیا ''رسول خدا ﷺ نے جس وقت رحلت فرمائی اس وقت آپ کا سر حضرت علی علیہ السلام کی آغوش میں تھا۔(۲)

د: نبی ﷺ کے غسل میں فرشتوں کی مدد

علامہ مجلسیؒ نے کتاب الطرائف اور ایضاح الانوار سے ایک مفصل روایت نقل کی ہے کہ جس کی طرف مختصر طور پر اشارہ کرتے ہیں:

امام محمد باقر علیہ السلام اپنے اجداد کی زبانی حضرت علی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں'' جس وقت رسول خدا ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی کہ اے علی علیہ السلام مجھے غسل تم ہی کو دینا ہے اس وقت میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا میں تنہا آپ کو غسل دے سکتا ہوں؟ فرمایا یہ حکم خدا ہے جس کی جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کیا اس کام میں کسی کی مدد لوں؟ اس دوران جبرئیل نازل ہوئے اور عرض کیا:

''یارسول اللّٰہ ان ربک یامرک ان تغسل ابن عمک، فانها السنة، لایغسل الانبیاء غیر الاوصیاء وانما یغسل نبی وصیه من بعده وهی من الحجج

(۱) طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۲۶۲۔

(۲) طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۲۶۳۔

اللہ لمحمد علی امتہ فیھا اجمعوا علیہ ......''؛

تیرے خدا نے حکم دیا ہے کہ فقط تمہارا چچا زاد بھائی تجھے غسل دے، یہ سنت ہے کہ انبیاء کو فقط ان کے اولیاء ہی غسل دیتے ہیں، بے شک پیغمبر کو اس کا وصی ہی غسل دیتا ہے، یہ سنت، محمدؐ اور ان کی امت کے لئے خدا کی حجتوں میں سے ایک حجت ہے۔''

اے علی علیہ السلام جان لو کہ میرے غسل میں تمہارے لئے مددگار موجود ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں وہ لوگ کون ہیں؟ فرمایا: ''میرے غسل میں تمہارے مددگار جبرئیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل ہیں'' (۱) حضرت علی علیہ السلام یہ خبر سن کر بہت خوش ہوئے اور سجدہ شکر بجالائے۔

ہ: کفن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

علامہ مجلسیؒ فقہ الرضا سے روایت کرتے ہیں کہ ''حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دینے کے بعد تین کپڑوں کا کفن دیا، دو صحرائی کپڑے اور ایک یمنی چادر۔ ابوطلحہ نے قبر تیار کی اور حضرت علی علیہ السلام قبر میں داخل ہوئے۔ آپ نے ہاتھ بڑھایا اور حضرتؐ کے جسم اطہر کو قبر میں اتار دیا۔ (۲)

و: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ پر سب سے پہلے نماز پڑھنے والا

شیخ مفیدؒ نے ارشاد میں اس طرح علامہ قندوزی حنفی نے بعض اصحاب سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے سب سے پہلے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ پر نماز پڑھی اس کے بعد دوسرے افراد

---

(۱) البتہ باقی افراد جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے انھوں نے پانی وغیرہ لانے میں مدد کی ہے، لیکن حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ دراصل غسل میں فقط فرشتے ہی شریک کار تھے۔

(۲) بحار الانوار، ج ۲۲، ص ۵۱۶۔

نے گروہ گروہ کر کے بغیر جماعت کے نماز ادا کی۔اس کے بعد حضور ﷺ کو اسی جگہ پر جہاں آپ کی روح پرواز کر گئی تھی دفن کر دیا۔(۱)

مناقب کی روایت کے مطابق پیر کے دن سے لیکر منگل کی صبح تک لوگ آتے رہے اور آنحضرت ﷺ کے جنازہ اطہر پر نماز ادا کرتے رہے البتہ اہل سقیفہ نماز پڑھنے سے محروم رہے کیونکہ وہ خلیفہ کے انتخاب میں مشغول تھے۔(۲)

پنچایت کے دن حضرت علیؑ کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین

حضرت علی علیہ السلام نے حضرت عمر کی طرف سے خلیفہ کے انتخاب کے لئے بنائی گئی پنچایت میں اپنا حق غصب ہوتے دیکھ کر فرمایا:

"ھل فیکم احد غسل رسول اللہ ﷺ مع الملائکۃ المقربین بالروح والریحان......"؛

کیا تمہارے درمیان کوئی ہے کہ جس نے رسول خدا ﷺ کو ملائکہ مقربین کے ہمراہ غسل دیا ہو۔وہ حضرت کے بدن کو جابجا کر رہے تھے اور میں ان کی آواز سن رہا تھا۔وہ کہہ رہے تھے کہ اے علی علیہ السلام پیغمبر ﷺ کے جسم اطہر پر کپڑا اڈالئے کیا میرے علاوہ کوئی تھا؟

تمام حاضرین نے جواب دیا نہیں،فقط آپ تھے۔"

اسی طرح فرمایا:

" فھل فیکم من کفن رسول اللہ ﷺ وضعہ فی حفرتہ غیری ؟قالوا : لا"؛

کیا رسول خدا ﷺ کے کفن و دفن کے ذمہ داری میرے علاوہ کسی اور نے ادا کی؟ سب نے

(۱) ینابیع المودۃ قندوزی،ص۲۶۵۔

(۲) مناقب ابن شہر آشوب،ج۱،ص۲۳۹۔

کہا نہیں۔

اس کے بعد فرمایا ''کیا تمہارے درمیان کوئی ایسا ہے کہ جب حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اپنے بابا کے سوگ میں بیٹھی گریہ وزاری میں مشغول تھیں، خداوند عالم نے ان الفاظ میں ان کو تسلیت پیش کی ہے جس کو میں نے اپنے کانوں سے سنا لیکن وہ خود نظر نہیں آ رہا تھا:

''السلام علیکم یا اهل البیت ،ورحمة اللّٰه وبرکاته ، ربکم یقرئکم السلام ویقول لکم : ان فی اللّٰه خلفا من کل مصیبة وعزاء من کل هالک ودرکا من کل فوت ،فتعزوا بعزاء اللّٰه ، واعلموا ان اهل الارض یموتون وان السماء لایبقون ، والسلام علیکم ورحمة اللّٰه برکاته''؛

اے اہل بیت علیہم السلام آپ پر خدا کا سلام اور اس کی رحمت و برکت ہو، خداوند عالم آپ کو سلام بھیجنے کے ساتھ فرماتا ہے کہ خدا کے نزدیک ہر مصیبت کے مداوا کے لئے جانشین موجود ہے، ہر نقصان پر دلاسہ اور تسلی موجود ہے، ہر مفقود کے لئے تلافی ہے، لہٰذا تم بھی خداوند عالم کی تسلی و تشفی پر مطمئن ہو جاؤ، اور جان لو کہ زمین والے مر جائیں گے اور آسمان والے بھی باقی نہ رہیں گے۔ آپ پر سلام اور رحمت و برکت خدا ہو''

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''اے لوگو! گھر میں فقط میں، فاطمہ سلام اللہ علیہا اور حسن و حسین علیہم السلام موجود تھے۔ اور سوائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر کے ہمارے سامنے کچھ نہ تھا۔

اس کے بعد مزید فرمایا ''کیا تمہارے درمیان کوئی ایسا شخص موجود ہے جو یہ کہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بہشت سے جو حنوط لایا گیا تھا اور جن کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اے علی علیہ السلام اس کے تین حصے کریں ایک حصہ میرے لئے ایک میری بیٹی فاطمہ سلام اللہ علیہا کے لئے اور ایک حصہ اپنے لئے رکھ لو، وہ حنوط تم میں سے کسی ایک کے پاس ہے؟، سب نے کہا نہیں نہیں۔'' (۱)

(۱) بحار الانوار، ج ۲۲، ص ۵۴۳۔

تفصیلی فہرست

مضامین .... صفحات

مقدمہ ۷

ولادت باسعادت ۱۱

نورعلیؑ قبل ازولادت ۱۲

حضرت علی علیہ السلام کی تاریخ ولادت ۱۳

دوران حمل اور حضرت علی علیہ السلام کی جائے ولادت ۱۵

حضرت علیؑ کی ولادت کے بارے میں رسول خداؐ کا فرمان ۱۹

قول امام صادق علیہ السلام: ۲۰

کعبہ میں حضرت علی علیہ السلام کی ولادت اور علمائے اسلام کا اعتراف ۲۱

بعض علماء اہل سنت کے نظریات ۲۱

شیعہ علماء کا نظریہ ۲۴

نام کا انتخاب ۲۸

دوغلط فہمیوں کا ازالہ ۳۱

نسب، کنیت، القاب ۳۵

نسب ۳۵
کنیت ۳۷
ابوتراب ۳۸
ابوریحانتین ۴۰
القاب ۴۰
۱۔ امیرالمومنین علیہ السلام ۴۱
۲۔وصی ۴۲
۳۔یعسوب الدین ویعسوب المومنینؑ ۴۲
۴۔امیرالنحل ۴۴
۵۔الانزع البطین ۴۵
والدمحترم ۴۷
حضرت ابوطالبؑ کانام اورنسب ۴۸
حضرت ابوطالبؑ کی افتخار آمیز زندگی کاایک نمونہ ۴۹
حضرت ابوطالبؑ اورراہب ۵۲
اسلام سے پہلے حضرت ابوطالبؑ کی توحید پرستی ۵۴
چنداحادیث ۵۵
حضرت ابوطالبؑ کے اسلام کے بارے میں بے بنیادالزامات ۵۷
وضاحت ۶۰
حضرت ابوطالبؑ کے ایمان واسلام کے بارے میں دلائل ۶۲
۱۔رسول خداؐ کے لئے حضرت ابوطالبؑ کی کھلم کھلاقربانیاں ۶۳

[الف]: حضور اکرمؐ پر جانوروں کی اوجھڑی پھینکنے والوں سے بدلہ لینا...۶۳
[ب]: بنی ہاشم کے جوانوں کو مسلح کرنا.......................۶۴
[ج]: شعب ابو طالبؑ اور اقتصادی محاصرہ.......................۶۷
۲۔ اپنے بیٹوں کو نبی اکرمؐ کے ساتھ نماز پڑھنے اور آپ کا ساتھ دینے کی ہدایت کرنا.......................۷۲
۳۔ حضرت فاطمہؑ بنت اسد کا حضرت ابو طالبؑ کی زوجیت میں باقی رہنا.....۷۴
۴۔ اشعار حضرت ابو طالب علیہ السلام.......................۷۵
۵۔ احتضار کے وقت وصیت.......................۷۷
۶۔ وفات کے وقت شہادتین پڑھنا.......................۷۸
۷۔ حضرت ابو طالب علیہ السلام کا اسلامی شریعت کے مطابق کفن و دفن کرنا.........۷۹
۸۔ حضرت ابو طالب علیہ السلام کی وفات کے بعد فوراً رسول خدا کا ہجرت کرنا.........۸۱
۹۔ معصومین علیہم السلام کا اعتقاد.......................۸۳
حضرت ابو طالب علیہ السلام کے ایمان لانے کا وقت.......................۸۶
حضرت ابو طالب علیہ السلام خدا کی حجت اور وصی ہیں.......................۸۷
والدۂ محترمہ.......................۸۹
جناب فاطمہؑ بنت اسد کے فضائل.......................۸۹
حضرت فاطمہ بنت اسد کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں.......................۹۱
شیعوں کے نزدیک حضرت فاطمہؑ بنت اسد کا مرتبہ.......................۹۳
حضرت فاطمہ بنت اسدؑ، روایات کے آئینہ میں.......................۹۴
اس عظیم المرتبہ خاتون کا زیارت نامہ.......................۹۷

بھائی بہنیں.. ۹۹
طالبؑ بن ابو طالب.. ۱۰۰
عقیل بن ابی طالب.. ۱۰۰
جعفر ابن ابی طالبؑ.. ۱۰۱
حبشہ کی طرف ہجرت.. ۱۰۲
قریش کے نمائندے، حبشہ کے دربار میں.. ۱۰۴
مہاجرین، نجاشی کے حضور میں.. ۱۰۵
جناب جعفرؓ کی حبشہ سے واپسی.. ۱۰۸
جنگ موتہ میں حضرت جعفر طیارؓ کی شہادت.. ۱۰۹
جنگ موتہ کا جاری رہنا.. ۱۱۱
شہادت جعفر طیارؓ پر رسول خدا کا ردعمل.. ۱۱۲
حضرت علی علیہ السلام کی بہنیں.. ۱۱۳
آغوش پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں.. ۱۱۵
حضرت علی علیہ السلام کا باقاعدہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر منتقل ہونا.. ۱۱۶
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک حضرت علی علیہ السلام کا مرتبہ.. ۱۱۸
حضرت پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ حضرت علی کی مصاحبت اور قربت کے اثرات.. ۱۱۸
۱۔ حضرت علی علیہ السلام کا معنوی دریا سے متصل ہونا.. ۱۱۹
۲۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گہری محبت کے حامل.. ۱۱۹
۳۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل اطاعت.. ۱۲۳
۴۔ غیب کا مشاہدہ.. ۱۲۴

۵۔ اسرار حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راز دار ۱۲۵
ہمنشینی کے جلوے ۱۲۶
۱۔ حضرت علی علیہ السلام حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اکلوتے بھائی ۱۲۷
۲۔ حضرت علی علیہ السلام کے دروازے کے علاوہ تمام دروازوں کا بند ہونا ۱۲۸
۳۔ مباہلہ میں حضرت علی علیہ السلام کا کردار ۱۳۰
اسلام و ایمان میں سبقت ۱۳۵
اسلام اور ایمان کا مفہوم ۱۳۵
اسلام اور ایمان کے درمیان فرق ۱۳۷
ایمان اور اسلام کے مراتب و درجات ۱۳۸
بعض روایات کی روشنی میں اسلام اور ایمان کے درمیان فرق ۱۳۹
حضرت علی علیہ السلام کی ولایت ایمان کا رکن ہے ۱۴۰
اسلام میں حضرت علی علیہ السلام کی سبقت ۱۴۲
اسلام میں سبقت پر حضرت علی علیہ السلام کا فخر کرنا ۱۴۵
عالی ترین ایمان ۱۴۶
حضرت علی علیہ السلام کی سبقت کے دلائل ۱۴۷
[الف] علماء کا اجماع واتفاق ۱۴۷
[ب] روایات: ۱۴۹
[ج]۔ صحابہ وتابعین کا اقرار واعتراف ۱۵۲
[د]۔ مامون کا دانشوروں سے مناظرہ ۱۵۵
ایک غلط فہمی کا ازالہ ۱۵۷

چند بزرگان اسلام کے نظریے ۱۶۰

بے بنیاد اعتراضات اور بہانے ۱۶۲

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ پہلا نمازی ۱۶۷

اسلام میں نماز کی اہمیت ۱۶۷

نماز میں حضرت علی علیہ السلام کی سبقت ۱۶۹

دعوت ذوالعشیرہ (یوم الانذار) ۱۷۳

تین سال کی خفیہ عبادت ۱۷۴

دعوت اسلام کا عام ہونا ۱۷۵

ذوالعشیرہ میں حضرت علی علیہ السلام کا کردار ۱۷۶

نبوت وامامت ایک ساتھ ۱۷۸

یوم الانذار کے بارے میں چند روایات ۱۷۹

یوم الانذار کی تائید ۱۸۴

چند مخالف احادیث اور ان کا جواب ۱۸۵

حقیقت پر پردہ ۱۸۸

لیلۃ المبیت، ہجرت کا آغاز ۱۹۱

علماء اسلام کا اعتراف ۱۹۳

آغاز ہجرت ۱۹۴

ابو طالبؑ کی وفات کے بعد مسلمانوں پر دباؤ کا بڑھنا ۱۹۴

انصار کے اسلام کا آغاز ۱۹۵

عقبہ اولی اور بیعت نساء..............................۱۹۷
تبلیغ اسلام کے لئے مصعب کی کوششیں..............................۱۹۸
دوسری بیعت عقبہ..............................۱۹۹
بیعت عقبہ اور قریش کے سرداروں کا ردعمل..............................۲۰۱
دارالندوہ میں سرداران قریش کی سازش اور ہجرت کا آغاز..............................۲۰۲
داستان کی تفصیل..............................۲۰۳
فرشتہ وحی کا نزول..............................۲۰۴
حضرت علیؑ بستر رسولؐ پر..............................۲۰۵
حضرت علی علیہ السلام کا بستر رسولؐ پر سونا..............................۲۰۸
خانۂ وحی پر حملہ..............................۲۱۰
حملہ آوروں کا ردعمل..............................۲۱۱
حضرت محمدؐ کا پیچھا کرنا..............................۲۱۲
حضرت علیؑ کی غار میں رسول خداؐ سے ملاقات..............................۲۱۴
لیلۃ المبیت میں حضرت علی علیہ السلام کی فضیلت کا انکار..............................۲۱۶
لیلۃ المبیت میں حضرت علیؑ کا سونا اور خدا کا فخر مباہات کرنا..............................۲۱۹
بزرگان اسلام کا اعتراف..............................۲۲۱
سمرۃ بن جندب اور تحریف..............................۲۲۲
حضرت علیؑ کے انتظار میں پیغمبر اسلامؐ کا قبا میں ٹھہرنا..............................۲۲۳
امانتیں واپس دینے کے بعد علیؑ کا مدینہ کی طرف ہجرت کرنا..............................۲۲۵
کفار مکہ حضرت علی علیہ السلام کی تلاش میں..............................۲۲۷

توضیح:.. ۲۲۰

عقد مبارک.. ۲۳۱

ولادت باسعادت حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا.. ۲۳۲

جنتی پھلوں سے نطفۂ فاطمہ سلام اللہ علیہا کا انعقاد.. ۲۳۴

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا بطن مادر میں کلام کرنا.. ۲۳۵

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ولادت کی کیفیت.. ۲۳۵

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے نام کا انتخاب.. ۲۳۶

فاطمہؑ:.. ۲۳۷

صدیقہ:.. ۲۳۸

مبارکہ:.. ۲۳۹

طاہرہ:.. ۲۴۰

زہراؑ:.. ۲۴۱

فضائل حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا.. ۲۴۱

رسول خداؐ کی فاطمہ سلام اللہ علیہا سے محبت.. ۲۴۲

عبادت حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا.. ۲۴۳

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سیدہ زنان عالم.. ۲۴۴

روز قیامت عظمتِ فاطمہ سلام اللہ علیہا.. ۲۴۵

حضرت علی علیہ السلام کا عقد جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ.. ۲۴۵

شادی کے خواہشمند گھٹیا فکر افراد.. ۲۴۶

حضرت علیؑ حضرت فاطمہؑ کے کفو.. ۲۴۷

علیؑ کی فاطمہؑ کے ساتھ شادی کرنے کی خواہش ۲۴۸
مرضی فاطمہؑ کی علیؑ سے شادی کی مرضی ۲۴۹
حضرت فاطمہ زہراؑ کا مہر ۲۵۱
آسمانوں میں مراسم عقد ۲۵۳
شادی کی تاریخ ۲۵۳
زرہ کی رقم سے جہیز ۲۵۴
مراسم عروسی وشب زفاف ۲۵۶
دولہا اور دلہن کا گھر ۲۵۸
ولیمہ: ۲۶۰
مراسم زفاف وشب عروسی ۲۶۱
شب شادی اور ہمراہان حضرت زہرا سلام اللہ علیہا ۲۶۲
شادی کا جوڑا سائل کو عطا کرنا ۲۶۵
حضرت علی علیہ السلام سے متعلق تاریخی افسانے ۲۶۷
اس مبارک شادی کا مبارک ثمر ۲۶۹
حضرت علی علیہ السلام اور معرکۂ جہاد ۲۷۳
جنگ بدر ۲۷۵
جنگ بدر کے اسباب ۲۷۶
لشکر اسلام کی روانگی ۲۷۸
کفار مکہ کا ردعمل ۲۷۸
پیغمبر اسلام کا رلشکر کفار کی روانگی سے آگاہ ہونا ۲۸۰

پیغمبر اسلامؐ کا قطعی فیصلہ...۲۸۱
حضرت علی علیہ السلام اسلامی فوج کے علمبر دار..۲۸۲
دشمن کی فوج کی معلومات کے لئے حضرت علی علیہ السلام کی روانگی...............................۲۸۳
ابوسفیان کا میدان جنگ سے فرار..۲۸۴
پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا..۲۸۵
سپاہ دشمن میں رعب ودبدبہ..۲۸۶
لشکر کفر کے مقابلہ میں لشکر توحید کی صف آرائی.......................................۲۸۷
حضرت علی علیہ السلام کے قابل افتخار جنگی معرکے...۲۸۸
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جنگی مہارت...۲۸۹
لشکر اسلام کی فتح اور غیبی امداد...۲۹۱
جنگ بدر میں حضرت علی علیہ السلام کی افتخار آمیز فداکاری اور کامیابی.................................۲۹۳
اسلام کی عزت اور کفر کی ذلت...۲۹۴
اسیران بدر کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن سلوک.......................................۲۹۵
جنگ احد...۳۹۷
جنگ احد کے اسباب...۳۹۸
دشمن کی روانگی سے پیغمبر اسلامؐ کی آگاہی...۳۰۰
سپاہ اسلام سے رسولؐ خدا کا مشورہ...۳۰۱
اقدامات لازم..۳۰۳
آغاز جنگ اور حضرت علیؑ کی فداکاریاں...۳۰۵
فتحیابی کے بعد شکست...۳۰۹

حضرت علیؑ میدان احد کے تنہا محافظ..........۳۱۱
حضرت علیؑ کے حق میں پیغمبر ﷺ کی دعا..........۳۱۲
بڑے بڑے صحابیوں کا جنگ سے بھاگنا..........۳۱۳
دشمن کی آخری کوشش..........۳۱۵
جنگ احد میں حضرت علیؑ کے فضائل اور فدا کاری..........۳۱۷
حضرت علیؑ کی ایک اور ذمہ داری..........۳۲۱
حضرت علیؑ کا زخمی بدن..........۳۲۲
رسول خدا ﷺ اور حضرت علی علیہ السلام کی عیادت..........۳۲۳
فضائل وشہادت حضرت حمزہؓ..........۳۲۴
ہند کی نفرت اور حضرت حمزہؓ کی شہادت..........۳۲۵
پیغمبر اسلامؐ جناب حمزہؓ کی لاش پر..........۳۲۷
بھائی کی لاش پر بہن کی حاضری..........۳۲۸
حضرت حمزہؓ کی نماز جنازہ اور تدفین..........۳۲۹
پیغمبر اسلام ﷺ اور جناب حمزہؓ کی عزاداری..........۳۳۰
زیارت جناب حمزہؓ کا مستحب ہونا..........۳۳۲
جنگ احد کا اختتام..........۳۳۳
۱۔ عمرو بن جموع:..........۳۳۳
۲۔ حنظلہ غسیل الملائکہ..........۳۳۴
جنگ خندق..........۳۳۷
دشمن کی آخری کوشش..........۳۳۷

اسلام کی نابودی کے لئے کفر و شرک کا گٹھ جوڑ.......................۳۳۸
دشمن کی سازش سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آ گاہی اور خندق کھودنا.......................۳۴۰
پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگرانی میں خندق کی کھدائی.......................۳۴۲
خندق کی امتیازی خصوصیات.......................۳۴۲
دشمن کے توسط سے مدینہ کا محاصرہ.......................۳۴۳
اسلامی فوج اور لشکر کفار کی تعداد.......................۳۴۴
دشمن کی نئی سازش.......................۳۴۴
سپاہ قریش سے بنی قریظہ کا تعاون.......................۳۴۵
بنی قریظہ کی عہد شکنی سے مسلمانوں کی آ گاہی.......................۳۴۶
کافروں کا خندق کو پار کرنا.......................۳۴۷
کفر و ایمان کی جنگ.......................۳۴۸
حضرت علی علیہ السلام اور عمرو کا مقابلہ.......................۳۵۰
حضرت علی علیہ السلام اور عمرو کی جنگ.......................۳۵۱
اخلاص کی بلندی.......................۳۵۴
حضرت علی علیہ السلام کی بزرگواری.......................۳۵۵
عمرو کی بہن کا بین کرنا.......................۳۵۷
دشمن کی مکہ واپسی.......................۳۵۷
حضرت علی علیہ السلام کی فداکاری کی عظمت.......................۳۵۸
ابن تیمیہ کا اعتراض.......................۳۶۰
ابن تیمیہ کا جواب.......................۳۶۰

ابن تیمیہ کے اعتراض کی رد میں ایک اور وضاحت..........۳۶۲
خاتمہ..........۳۶۴
۱۔نعیم بن مسعود کی جنگی چال..........۳۶۴
۲۔داستان حذیفہ..........۳۶۶
صلح حدیبیہ..........۳۶۹
مکہ کا تاریخی سفر..........۳۷۰
احتیاطی تدبیریں..........۳۷۱
راستے کی تبدیلی..........۳۷۲
قریش کے نمائندوں سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات..........۳۷۳
پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نمائندہ پر قریش کا ظلم وستم..........۳۷۵
عثمان کی ماموریت..........۳۷۶
بیعت رضوان میں حضرت علی علیہ السلام کا کردار..........۳۷۷
سہیل بن عمرو اور پیمان صلح..........۳۷۸
حضرت علی علیہ السلام صلح نامہ لکھنے والے..........۳۷۹
پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصحاب کا احرام سے باہر آنا..........۳۸۲
باطل افکار..........۳۸۳
حدیبیہ میں حضرت علی علیہ السلام کے فضائل وافتخارات..........۳۸۴
صلح حدیبیہ کے اجتماعی اور سیاسی نتائج..........۳۸۷
جنگ خیبر..........۳۹۱
جنگ خیبر کے اسباب..........۳۹۲

حضرت علی علیہ السلام لشکر اسلام کے علمبردار ۳۹۳
خیبر کے علاقہ میں داخل ہوتے وقت حضور اکرم کی دعا ۳۹۴
خیبر پہنچنے والے راستوں کا بند کرنا ۳۹۵
قلعوں کی فتح ۳۹۷
حضرت علی علیہ السلام کی کامیابی ۳۹۸
حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں مرحب کا قتل ۴۰۰
فضیلت حضرت علی علیہ السلام پر دوسروں کا حسرت کرنا ۴۰۳
فضیلت جاوید ۴۰۵
جنگ خیبر میں حضرت علیؑ کے امتیازات کی فہرست ۴۰۵
فتح خیبر کے بعد عفو اور درگزر ۴۰۷
جعفر ابن ابی طالبؑ کی حبشہ سے واپسی ۴۰۸
مسئلہ فدک ۴۱۱
فدک اور حکم اسلام ۴۱۲
فدک حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو عطا ہوا ۴۱۲
اعتراض اور اس کا جواب ۴۱۵
فدک بعد از رحلت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۴۱۶
حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گواہ ۴۱۸
خلیفہ کے جوابات ۴۱۹
فتح مکہ ۴۲۱
فتح مکہ میں رکاوٹیں ۴۲۲

رکاوٹوں کی برطرفی......۴۲۳
صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی اور ابوسفیان کی پریشانی......۴۲۴
حضرت علی علیہ السلام کی تدبیر......۴۲۶
لشکر اسلام کی تیاری......۴۲۷
دشمن کو غافلگیر کرنا......۴۲۸
سپاہ اسلام کے خلاف جاسوسی......۴۲۸
جاسوس کا پیچھا کرنا......۴۲۹
جاسوس کی بخشش......۴۳۰
لشکر اسلام کی مکہ روانگی......۴۳۰
دشمن پر رعب طاری ہونا......۴۳۱
ابوسفیان رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں......۴۳۲
مسجد الحرام کو جائے امن قرار دینا......۴۳۴
سپاہ اسلام کی مکہ کی طرف روانگی......۴۳۴
ابوسفیان کا مکہ چلے جانا......۴۳۵
چند افراد کے قتل کا حکم......۴۳۶
سپاہ اسلام کا مکہ میں داخلہ......۴۳۶
ناقابل فراموش واقعات......۴۳۷
کعبہ میں حضرت علی علیہ السلام کی بت شکنی کا واقعہ......۴۳۹
ہجرت سے پہلے:......۴۳۹
فتح مکہ کے موقع پر:......۴۴۰

عام معافی کا اعلان..۴۴۰
مکہ والوں کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کرنا..۴۴۱
خالد بن ولید کا ظلم و ستم..۴۴۱
جنگ حنین..۴۴۳
جنگ حنین کا سبب..۴۴۳
حضرت علی علیہ السلام علمبردار لشکر..۴۴۴
بعض اصحاب کا غرور میں مبتلا ہونا..۴۴۵
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثابت قدمی اور حضرت علی علیہ السلام کی وفاداری..۴۴۵
حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں ابو جرول کی ہلاکت..۴۴۷
دشمن کا پیچھا کرنا..۴۴۷
اسیروں کے ساتھ حسن سلوک..۴۴۸
مال غنیمت کی تقسیم پر اعتراض..۴۴۹
شاعر کا اعتراض اور حضرت علی علیہ السلام کا عمل..۴۵۰
غیب کی خبر..۴۵۰
طائف میں بتوں کا توڑنا..۴۵۱
جنگ تبوک..۴۵۳
سرزمین تبوک..۴۵۴
سخت آزمائش کی گھڑی..۴۵۴
حضرت علی علیہ السلام جانشین پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم..۴۵۵
حدیث منزلت اور امامت حضرت علی علیہ السلام..۴۵۶

لشکر اسلام کی تبوک سے واپسی ۴۵۸
دومۃ الجندل کی طرف بھیجنے کے لئے خالد کا انتخاب ۴۵۹
ا۔غیب کی خبر: ۴۵۹
۲۔پیغمبرﷺ کو قتل کرنے کی سازش ۴۶۰
مشرکین سے برائت کا اعلان ۴۶۳
مشرکین سے برائت ۴۶۴
قرارداد کا متن ۴۶۴
حضرت علی علیہ السلام کی ذمہ داری ۴۶۶
حجۃ الوداع ۴۶۹
رسول خدا ﷺ کا تاریخی خطبہ ۴۷۰
حضرت علی علیہ السلام کا یمن جانا ۴۷۱
حضرت علی علیہ السلام کی یمن سے واپسی ۴۷۳
یوم غدیر ۴۷۵
حج کا اختتام اور واقعہ غدیر خم ۴۷۵
حدیث غدیر کے مخالفین ۴۸۱
حدیث غدیر اور اس کی اسناد ۴۸۲
غدیر خم ایک زندہ و جاوید حقیقت ۴۸۳
آیت بلّغ کا شان نزول ۴۸۵
ایک وضاحت ۴۸۸

مولا کے معنی......................................۴۸۸
غدیر اور آیت اکمال دین......................................۴۹۳
الیوم سے کیا مراد ہے......................................۴۹۵
رحلت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم......................................۴۹۹
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت اور رحلت کی تاریخ......................................۵۰۰
لشکر اسامہ کی داستان اور خلافت علی علیہ السلام پر تاکید......................................۵۰۱
اہل بقیع کے لئے طلب مغفرت......................................۵۰۴
لوگوں کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری نماز......................................۵۰۴
کاغذ وقلم کا طلب......................................۵۰۵
نبی اکرمؐ کے خاموش ہونے کی وجہ اور حدیث ثقلین......................................۵۰۵
مزید تاکید......................................۵۰۷
امانتوں کا حضرت علی علیہ السلام کے سپرد کرنا......................................۵۰۸
اسرار نبوت حضرت علی علیہ السلام کے حوالے کرنا......................................۵۱۰
حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے آخری گفتگو......................................۵۱۱
حضرت علی علیہ السلام کی آغوش میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت......................................۵۱۳
حضرت علی علیہ السلام اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر کا غسل وکفن......................................۵۱۳
چند احادیث......................................۵۱۶
الف: عزرائیل کا اجازت مانگنا......................................۵۱۶
ب: نماز کی تلقین......................................۵۱۷
ج: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر، حضرت علی علیہ السلام کے سینہ پر......................................۵۱۸

د: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل میں فرشتوں کی مدد.......................................۵۱۸
ہ: کفن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.......................................۵۱۹
و: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ پر سب سے پہلے نماز پڑھنے والا.......................۵۱۹
پنچایت کے دن حضرت علیؑ کے ذریعہ رسول اللہ کی تجہیز و تکفین ۵۲۰

تالیفات مؤلف

۱. الفصول المائة فی حیاة ابی الائمهؑ دوجلد (عربی)

۲. حیاة امیر المومنینؑ من طرق اهل السنه . یک جلد (عربی)

۳. مظهر ولایت . امیر المومنین علیؑ از دامن مادر تا رحلت خاتم یک جلد (فارسی)

۴. تجلی امامت تحلیلی از حکومت امیر المومنینؑ . یک جلد (فارسی)

۵. علیؑ آئینه عرفان . یک جلد (فارسی)

۶. سیمای پر فروغ فضائل و مناقب امیر المومنین علیؑ . ایک جلد (فارسی)

۷. جلوه هان حکمت کلمات موضوعی امیر المومنینؑ . یک جلد (عربی .فارسی)

۸. تجلیات حکمت کلمات موضوعی امیر المومنینؑ . یک جلد (عربی اردو)

۹. اصحاب امیر المومنین علیؑ (۱۱۰ اصحابی) دوجلد (فارسی)

۱۰. آئین سفر (آداب و احکام مسافرت) یک جلد (فارسی)

۱۱. مناجاة العارفین (ادعیه و زیارات) یک جلد (عربی)

Ansariyan Publications
انتشارات انصاریان
Ansariyan Publications

انتشارات انصاریان
Ansariyan Publications